

(بابرنامہ)

تُرکِ بابری

محمد ظہیر الدین بابر مترجم: مرزا نصیر الدین حیدر

www.KitaboSunnat.com





معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِیْقِ الْإِسْلَامِیِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com



www.KitaboSunnat.com

تزکِ بابری

(بابر نامہ)

محمد ظہیر الدین بابر

مترجم

مرزا نصیر الدین حیدر

الْفَيْصَل
ناشرانِ تاجرانِ کتب
عربی شریف اور وزارتِ اعلیٰ

جنوری 2006ء

محمد فیصل نے

تعریف پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

قیمت :- 250/- روپے

ترتیب

38	دوسری بیوی	15	بابر نامہ
38	حرمیں	25	ملک فرغانہ کا بیان
38	امراء	26	اند جان
39	ایک اور	26	اوش
39	ایک اور امیر	27	مرغیان
40	ایک امیر	28	اسفرہ
40	ایک اور	28	نجد
	۸۹۹ ہجری کے واقعات	29	سکون
42	تخت نشینی کا بیان	29	کاشان
42	سلطان احمد مرزا کا حملہ		سلطان محمود خان اور سلطان احمد مرزا کی
43	سلطان احمد مرزا کی واپسی کے اسباب	31	چڑھائی اور عمر شیخ مرزا کی وفات ۸۹۹ھ
43	سلطان محمود خاں کا حملہ		ان کی ولادت نسب اور حکومت فرغانہ
44	ابوبکر کا شغری کا حملہ	31	کاسب
44	عمر شیخ مرزا کی فاتحہ ملک کا انتظام	31	ان کا حلیہ اور وضع
44	سلطان احمد مرزا کا انتقال	32	اخلاق و اطوار
45	مرزا کی ولادت اور حسب و نسب	33	ان کی لڑائیاں
45	حلیہ اور وضع	33	ملک مقبوضہ
45	اخلاق و اطوار	33	اولاد
46	اس کی لڑائیاں	34	بیویاں اور حرمیں
46	ممالک مقبوضہ	35	یونس خاں کا حال
46	اس کی اولاد	36	یونس خان کی اولاد

۹۰۱ھ کے واقعات	47	بیویاں اور حرمیں
سلطان حسین مرزا کا بقصد حصار ترمذ پر	48	امراء
جانا۔ مسعود مرزا کا حصار سے سمرقند کی		سلطان محمود میرزا کو امراء کا بلانا ملک
62 طرف بھاگنا۔ اس کے امراء کا تہتر		محمد مرزا کا باغی ہو کرنا کام ہونا اور
ہوتا۔	51	سلطان محمود میرزا کا بادشاہ ہونا
مقام قرائن پر امراء حسین مرزا		۹۰۰ ہجری کے واقعات
سے حمزہ سلطان وغیرہ کا لڑ کر فتح پانا		حسن یعقوب کا باغی ہونا۔ بھاگنا اور
اور وہاں سے حمزہ سلطان وغیرہ کا	52	مرنا
اند جان میں آنا	53	انتخاب اختیار کرنا
63 سلطان حسین مرزا نے حصار کا محاصرہ	54	سلطان محمود مرزا کا مرنا
کر لیا	54	صورت۔ سیرت
63 بدیع الزماں مرزا خسرو شاہ سے منہزم	54	لڑائیاں
ہوا	55	میں لک محروسہ
64 سلطان حسین مرزا نے حصار سے	55	اولاد
محاصرہ اٹھالیا	56	بیویاں۔ حرمیں
65 مرزا نے بلخ اور امتر آباد اپنے دونوں	57	مرزا کے امراء
65 بیٹوں کو دے دیا	58	بانتسفر مرزا بادشاہ سمرقند ہوا خسرو شاہ
66 ترخانوں کا سمرقند میں فساد وغیرہ		نکا اگیا
67 بانتسفر مرزا کو علی مرزا نے شکست دی	59	ابراہیم سارو کی بغاوت اور بابر بادشاہ
67 سمرقند پر بابر بادشاہ کا پہلا حملہ	60	کے پڑھائی
۹۰۲ھ کے واقعات	60	جنگ پر قابض ہونا
مہدی سلطان نے عبدالکریم کو شکست	61	ممنوعہ خاں سے ملاقات
69 دی	61	قسم چلرک سے محصول لینا
	61	اوتیپ پر چڑھائی کا قصد اور نا کامی

76	شہر سمرقند کا بیان	69	بخارا نیوں پر سمرقند یوں کی چڑھائی
76	سمرقند کے باشندے اور اہل کمال	70	اور ناکامی
77	حدود، دریا اور میوے	70	سمرقند پر دوبارہ چڑھائی کرنے کے
77	سمرقند کے باغات اور عمارتیں	71	لئے بابر بادشاہ کا روانہ ہونا
80	سوادِ شہر کے مرغزار	71	قاسم بیگ نے چند مغلوں کو مروا ڈالا
81	سمرقند کے پرگنے	71	مقامِ بام میں لشکرِ بابر کی قیام
82	اولادِ تیمور میں سے سمرقند کے بادشاہ	72	یورت خان کی طرف بڑھنا
85	تولون خوجہ کا روانہ کرنا	72	سمرقند پر حملہ اور شہر والوں کی دعا
85	جہانگیر مرزا، تہلیل، اوزون حسن نے	72	سمرقند کا پھر آ کر محاصرہ کر لیا
85	اند جان کا محاصرہ کر لیا	72	ایک لڑائی
85	علاقت مزاج	72	تجویرِ تشلاق
86	سمرقند چھوڑ کر چلے	73	شیبانی کا آنا اور ناکام جانا
86	اند جان چھین گیا	73	بائستغر مرزا سمرقند چھوڑ کر خسرو شاہ
86	خوجہ مولانا۔ قاضی کا حال	73	کے پاس چلا گیا
87	پریشان حالی	73	سلطان حسین مرزا اور بدیع الزماں
87	مدد کے لئے سلطان محمود خان کا آنا	74	مرزا کی لڑائی
87	اور الٹا پھر جانا	74	بدیع الزماں مرزا کی شکست
88	لوگوں کا چلا جانا	75	بلخ بھی لے لیا
88	سمرقند پر بارہ گر چڑھائی	75	بدیع الزماں مرزا اور خسرو شاہ کی
89	تاشکند کی طرف جانا	75	ملاقات
89	خسرو شاہ وغیرہ کا ذکر	75	خسرو شاہ کا بدیع الزماں مرزا کو مسعود
90	حصار چھین گیا	75	مرزا پر بھیجنا
90	خسرو شاہ نے بلخ لینے کا ارادہ کیا	76	بدیع مرزا کا ذوالنون پاس جانا
			شہر سمرقند کا فتح ہونا

- 102 آنجان میں دونوں لشکر پڑے رہے
- 102 باسٹرمرزا کا شہید ہونا
- 103 باسٹرمرزا کا مجمل حال
- 91 امرا کا آنا تبیل سے لڑائی اور اس پر فتح
- 104 پانا
- اند جان سے ربا طک اور چینی کی
- 105 طرف جانا
- 106 قاسم عجب کی گرفتاری
- 109 جہانگیر مرزا سے صلح
- 109 علی دوست کا فروغ
- 110 پہلی شادی
- 110 عاشق ہونا
- مزید ترخاں وغیرہ کی اشتعالک سے
- 112 سمرقند جانا اور نا کام ہونا
- 114 اور امراء کا آنا اور علی دوست کا جانا
- 115 شیبانی خاں بخارا لیتا ہے
- 90۶ھ کے واقعات
- 115 شیبانی خاں کا سمرقند میں آنا اور علی مرزا کا قتل ہونا
- 116 کیش کا چھوڑنا
- 118 یارایلاق سے سمرقند جانا اور نا کام آنا
- 119 خواب دیکھنا
- 119 سمرقند پر یورش اور اس کا فتح ہونا
- 90 ذوالنون ارغون پر سلطان حسین مرزا کی چڑھائی اور بست کی فتح
- سلطان حسین مرزا کے بیٹوں کی بغاوت
- 9۰۳ھ کے واقعات
- (مطابق ۱۹ اگست ۱۳۹۸ء)
- 92 سمرقند پر دوبارہ توجہ اور نا کامی
- 93 یارایلاق سے بعد صلح بشا غرح جانا
- اور ایقبہ کے ایلاقوں میں سرگرداں پھرنا
- 93 خواجه ابوالکارم سے ملاقات
- 94 مرغینان جانا
- اوزون حسن اور تبیل کا مرغینان پر حملہ
- 95 فتح اند جان
- 97 اوزون حسن کا عزل و اخراج
- 99 مغلوں سے لڑائی اور مغلوں کی فتح
- تنبیل نے اند جان پر چڑھائی کی اور نا کام پھر گیا
- 9۰۵ھ کے واقعات
- (مطابق ۱۸ اگست ۱۳۹۹ء)
- 100 فوج جمع کر کے جانب اوش تبیل وغیرہ پر چڑھائی
- قلعہ مادد پر یورش اور اس کا فتح ہو پانا

121	دو نوں خان کا آخشی پر چڑھائی کرنا اور	شہر کے باہر قیام کرنا
143	باہر کو آسمے روانہ کرنا	شاددار وغیرہ علاقہ جات کے لوگوں کا
144	اند جان کی فتح کی کوشش کی جاتی ہے	طرفدار ہونا
146	اند جان پر چڑھائی	اہل و عیال وغیرہ کو سرقد میں بلانا
147	جوئے جا کان سے ہٹنا	لڑکی کا پیدا ہونا
122	دو نوں ماسوؤں سے اند جان کے	سرحدی امراء سے مدد چاہنی
148	قریب ملنا	معاملات کا سنور کر بگڑنا
150	خان کے جراح کا علاج	شیبانی خان سے مقابلہ اور شکست کھا
150	نو کند اور کا شان پر چڑھائی	کر سرقد چھوڑنا
151	قلعہ پاپ کو چھیننا	بعض سرداروں کا بھاگنا اور بعض کا
152	آخشی میں جانا	ساتھ دینا
152	دو نوں خاں کا اند جان سے بھاگنا	سرقد میں محصور ہو کر لڑنا اور شکست
128	جہانگیر مرزا کا آنا۔ شیخ بایک	کھا کر سرقد چھوڑنا
153	گرفتاری	۹۰۷ھ کے واقعات
132	۹۱۰ھ کے واقعات	سرقد چھوڑ کرنا شقند جانا
162	اند جان چھوڑ کر کابل جانا	ساخرج جانا
170	فتح کابل	دہکت کا بیان
171	ملک کابل کا بیان	نویان کو کلتاش کا مرنا
172	کابل کی تجارت	مسیحا کی طرف جانا
172	کابل کی آب و ہوا	تبل اور اتیہ میں آیا
172	میوے	۹۰۸ھ کے واقعات ۱۳۹
173	زراعت	(مطابق ۷ جولائی ۱۵۰۲ء)
173	مرغزار	مصیبت پڑنی
17۸	نواح کے پہاڑ اور راستے	

204	والدہ کا انتقال	175	توئیں، زبائیں، اضلاع
205	قدحار پر پورش	175	آدینہ پور
206	قلاٹ کی فتح	177	ایک تومان علیسک ہے
207	باقی چغانیانی کا چلے جانا اور مارا جانا	177	دوسرا تومان انکار ہے
208	ہزارہ ترکمانوں پر چڑھائی	178	ایک اور تومان کسیر
211	جہانگیر مرزا کی بغاوت	178	دوسرا بلوک چغان سرائے ہے
212	خوارزم میں شیبانی خاں کا حسین صوفی	179	ایک تومان بخارا ہے
212	پر حملہ کرنا اور فتح پانا	180	ایک تومان پنج شیر ہے
212	سلطان حسین مرزا کا مرنا	180	ایک تومان غور بند ہے
212	سلطان حسین مرزا کا حال	182	ایک تومان لہو کر ہے
213	وضع - حلیہ	182	ایک ملک غزنی ہے
213	اطوار و اخلاق	184	ایک تومان کوہ ہے
214	لڑائیاں	185	ایک تومان بگلش ہے
215	ممالک مقبوضہ	186	کابل کی آمدنی
215	اولاد	186	اطراف کے پہاڑ اور اس کی نبات
218	بیویاں وغیرہ	187	ایندھن
220	ان کے امراء	188	خاص نواح شہر کابل کے پہاڑ
220	تیسرا علی شیر بیگ نوائی تھا	188	جانور
224	اٹھارہواں ششم بیگ تھا	188	دریائے باران کے کنارہ پر پرندوں
225	بائیسواں حسن علی جلاڑ	188	اور پھیلیوں کے شکار کھیلنے کی ترکیب
226	چھبیسواں سید حسین اوغلاقی	189	دریائے باران سے مچھلیاں پکڑنے کی
227	ایک میر سربرہند تھا	192	ترکیبیں
			ہندوستان کی جانب پہلا حملہ

266	معصومہ سلطان بیگم سے نکاح	227	ایک امیر محمد الدین محمد تھا
266	شیبانی خاں نے قندھار کو گھیر لیا	228	علماء مولانا جامی
267	قلاں بھی نکل گیا	229	مازادہ عثمان
267	ہندوستان کی جانب دوسرا حملہ	229	ملا عبد الغفور لاری
268	شیبانی کا قندھار پر آنا اور واپس جانا	229	میر عطاء اللہ مشہدی
269	بادشاہ لقب اختیار کیا	230	شعراء
269	ہمایوں کی ولادت	233	خوش نویس سلطان علی مشہدی
	۹۱۴ھ کے واقعات	233	مصور
	۹۱۵ھ کے واقعات	233	ارباب نشاط
271	قلعہ باجور فتح ہوتا	234	پہلوان
273	سواد کی طرف چلے	234	سلطان حسین مرزا کے انتقال کا حال
281	بہیرے وغیرہ کا انتظام		۹۱۲ھ کے واقعات
282	ہندال کی پیدائش	235	خراسان کی روانگی
284	کابل کی جانب مراجعت	237	مرزاؤں سے ملاقات
285	ہائی پر چڑھائی اور فتح	244	ہرات سے مراجعت
289	کابل میں داخل ہوئے	249	خان مرزا کی بغاوت اور اس پر فتح پانا
294	ملا محمود سے فقہ کا درس لینا		۹۱۳ھ کے واقعات
295	عبدالرحمن کی افغان پر چڑھائی	255	قوم خلجی پر چڑھائی
297	خوجہ سیاران کی سیر	259	شیبانی خاں کی حرکتیں
299	قوم یوسف زئی پر یورش	260	خراسان کی طرف بار دیگر روانگی
301	آفریدیوں پر یورش کی تجویز		قندھار پر شاہ بیک اور مقیم سے لڑائی
302	بدخشاں کے فساد کی خبر آئی	261	اور ان پر فتح
302	خضر خیل کا انتظام	266	قندھار سے جانب کابل مراجعت

351	گھڑیاں اور اس کا بجانا	303	جانب کا بل مراجعت
352	وزن	304	کا بل میں داخل ہوئے
352	عدد	304	سیر موسم خزاں
352	اقوام		۹۲۷ھ کے واقعات
352	ہندوستان کی نسبت مجمل رائے		۹۳۲ھ کے واقعات
354	اس وقت جو ملک قبضہ میں ہے	310	ہندوستان کا قصد
354	تقسیم انعامات	313	اشکر کا جائزہ اور شمار
355	ملک کے باغیوں کا ذکر	325	پانی پت کی لڑائی ۱۵۲۶ء
355	اپنے ساتھیوں کی بدولی	327	لی میں آنا اور خطبہ پڑھوانا
356	ایک پُر اثر تقریر		مشہور ہیراکوہ نور کا ہاتھ آنا اور آگرہ
357	خولجہ کلاں وغیرہ امراء کا کا بل جانا	328	پر قبضہ کرنا
	نصیر خاں وغیرہ باغیان پورب پر		کا بل سے ہندوستان تک کی فتح کا
360	پورش	329	مجمل بیان
	نواح آگرہ میں باغ اور مکانات کا	330	ہندوستان کا بیان
361	بنانا	332	پر بت کا حال
363	خراسان پر عبید خاں کا حملہ	333	پہاڑوں کا حال
363	سلطان مظفر گجراتی کا مرنا	335	جانوروں کا ذکر
	۹۳۳ھ کے واقعات	342	آبی جانور
363	فاروق کی پیدائش	343	نباتات
364	فتح خاں شیردانی حاضر ہوا	349	پھول
364	ہمایوں کو حاضر ہونے کا حکم	350	موسم وغیرہ
365	بیانہ پر چڑھائی	350	دنوں کے نام
366	گوالیار پر قبضہ	350	وقتوں کی تقسیم اور نام

399	پورب کے باغیوں پر یورش اور فتح	366	دھولپور پر قبضہ
	۹۳۵ھ کے واقعات	366	حصار فیروزہ کے باغیوں کا استیصال
403	گوالیار کی سیر کو جانا	367	زہر خورانی کا واقعہ
405	عالی شان بت خانہ	370	رانا سانگا پر چڑھائی کی تیاری
406	قلعہ کے باہر کی عمارتیں		حسن خاں کے بیٹے کا چھٹنا اور اس کا
406	بکر ماجیت پسر رانا سانگا سے مصالحت	370	باغی ہونا
407	گوالیار کا بت خانہ	371	رانا سانگا کی جانب روانگی
407	آبشار	374	شراب سے توبہ
411	شہزادہ طہماسپ اور ازبکوں کی لڑائی	375	فرمان ظہیر الدین محمد بابر
412	فوج کشی کی صلاح	377	تقریر
413	عسکری کو عطائے خلعت و منصب		فتح نامہ ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ
413	ڈاک چوکی کا تقرر	379	غازی
413	جشن	387	لڑائی فتح ہونے کے بعد مراجعت
	عسکری کا پورب اور ہمارا دھولپور کو		میوات اور حسن خاں میواتی کا حال
415	روانہ ہونا	388	اور اس کے ملک پر یورش
416	قزلباشوں اور ازبکوں کی لڑائی کی خبر		مرد و نواح کی فتوحات اور تقسیم
416	غیاث الدین کی پورب سے واپسی	391	جاگیرات
417	ملائد ہب بنگالے سے آیا		۹۳۴ھ کے واقعات
417	کسی طرف یورش کی مشورت	394	چندیری پر یورش
417	غیاث الدین کو دوبارہ پورب بھیجا	396	چندیری کی حکومت کا مختصر حال
417	بلوچستان کا فساد	397	میدنی راؤ سے صلح ہوئی
418	باغ نیلوفر کی سیر	397	چندیری کی لڑائی اور فتح
418	فوج کشی کا قصد	398	چندیری کا مختصر حال

435	بنگالیوں کو شکست دے کر اودھ کو آنا	418	ہمایوں کا سمرقند پر یورش کرنا
436	ملک بہار کی تقسیم	419	پورب کی طرف روانگی
436	بنگالیوں سے صلح		سلطان محمود کی بغاوت شیر خاں سور کی
	بہار اور بنگالہ سے مراجعت کر کے	422	شرکت
437	بین وغیرہ کے استیصال کی طرف توجہ		سلطان سکندر کے بیٹے محمود وغیرہ کا
441	آگرہ میں داخل ہو گئے .	423	فرار ہونا
441	اہل محل کا بل سے آئے	424	بہار کی سمت جانا
442	رحیم داد کی بغاوت	428	کشتیوں کے نام رکھے
	۹۳۶ ہجری کے واقعات	429	بنگالیوں سے مقابلہ
445	حوالہ جات	431	امراء سے مشورہ
		433	بنگالیوں سے ٹڈ بھینز اور ان کو شکست

بابر اور بابر نامہ

سل ولادت ۱۴۸۳ء سل جلوس ۱۴۹۳ء سل وفات ۱۵۳۰ء

بابر ۶ محرم ۸۸۸ھ مطابق ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا اس کے باپ کا نام سلطان عمر شیخ مرزا تھا، بابر کے نانا یولن خاں مغول کا سردار اور بلوچت رئیس تھا، اسی یولن خاں کی ۳ بیٹیاں بابر کے تین چچاؤں کو بیانی گئی تھیں، بابر کا باپ فرغانہ کا حاکم تھا، اس سلطنت کا نام بعد میں کوہ قند بھی مشہور ہوا۔

جب بابر پانچ سال کا ہوا تو اس کی نسبت سلطان احمد کی بیٹی یعنی اس کی چچا زاد بہن سے کر دی گئی، چھ برس تعلیم و تربیت میں گزارے اور گیارہ سال کی عمر میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا، بابر کا باپ سلطان عمر شیخ مرزا مدبر اور عقلمند شخص تھا، لیکن اس کی تدبیریں زیادہ کارگر نہ ہوئیں، وہ سلطنت کو وسیع کرنے کی فکر میں تھا کہ ایک دن ۱۹ جون ۱۴۹۳ء کو کبوتر خانے کا معائنہ کرتے وقت مکان گر پڑا اور وہ راہی ملک بقا ہوا، بابر کو تخت پر بیٹھے ہی مختلف مصائب کا سامنا کرنا پڑا، وہ اچھی طرح باپ کے ماتر سے بھی فارغ نہ ہوا تھا کہ چاروں طرف سے حملے کی خبریں آنی شروع ہوئیں۔ اس کے دو چچا فوجیں لئے ہوئے سرقند و تاشقند کی طرف سے آئے اور ادھر بخند و مرغنان کے باشندے بھی لڑائی پر تیار نظر آنے لگے، بابر کے پاس مدافعت کا سامان بھی پورا نہ تھا، ایسی حالت میں کیا کرتا، نئی سلطنت اور خود نوعمر پریشان ہو گیا اور مجبور ہو کر چچا کے پاس پیام بھیجا کہ میں تمہارا بھتیجا ہوں، سلطنت سے درگزر دو، مجھے اپنا نائب رہنے دیجئے۔ بے درو چچا نے جواب دیا۔ اگر فوج ہے تو لڑو، ورنہ ہمیں پورا اختیار ہے جو چاہیں کریں، بات مقابلے تک پہنچی، لیکن حملہ آور فوج کچھ تو پل ٹوٹنے سے ہلاک ہو گئی، کچھ مملک و باکی وجہ سے اور چچا صلح پر مجبور ہو کر واپس ہوا۔

دوسرا چچا سلطان محمود قاضیان کے شمالی حصہ پر قبضہ کرنے کے بعد آخسی کا محاصرہ کرنے کے لئے بڑھا، مگر قلعہ والوں نے جان توڑ کر مقابلہ کیا آخر چچا مجبور ہو کر

الٹا پھرا۔ تیسرا حملہ آور دہلیت امیر کا شہر و قلعہ فتح کر کے آگے بڑھا اور اس نے ایک قلعہ میں بنایا مگر تقدیر کے زبردست ہاتھوں نے بے نیل مرام نکل دیا۔ اب بابر کے قبضہ میں ’غذہ‘ مرغان اور آخسی کے صوبے تھے مشکلات کچھ کم ہوئیں لیکن مصائب میں کمی نہیں ہوئی۔

تخت نشینی کے وقت بابر کی عمر صرف ۱۱ سال کی تھی، یہ کم عمر حکمران چاروں طرف سے حملہ آوروں کے زرخے میں گھر گیا، لیکن کسی کو کیا معلوم تھا کہ یہ نو عمر لڑکا نہایت عقلمند اور جفاکش حکمران ثابت ہو گا، جو ایک دن ہندوستان میں مغل سلطنت کی بنیاد ڈالنے لگا۔

بابر اسی طرح دس سال اپنے صوبے میں لڑتا بھڑتا رہا اور فتح و شکست کے تجربے حاصل کرتا رہا۔ آخر ۱۵۰۳ء میں ۲۱ سال کی عمر میں کلل کے تخت پر بیٹھا اور بلو شہ کا لقب اختیار کیا۔ اس وقت بابر کی سلطنت تاشقند سے کلل تک اور غزنی سے سمرقند و بخارا اور فرغانہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ اس کی ۳۸ برس کی کوششوں کا نتیجہ تھی، لیکن بابر کے دل میں فتح کلل کی خواہش جاگزیں تھی۔

بابر نے ۱۵۱۹ء میں ہندوستان پر حملہ کر کے قلعہ پنجپور فتح کیا پھر ۱۵۲۱ء میں پوری تیاری کے ساتھ دوبارہ ہندوستان پر پورش کی اور سلطان ابراہیم لودھی کو شکست دے کر ہندوستان کے اندرونی ممالک کو فتح کر لیا۔

بابر نے گو دہلی فتح کر لی تھی لیکن دہلی فتح سے ہندوستان فتح نہ ہوا تھا۔ بقول اکرام صاحب مرکزی حکومت کی کمزوری سے ہر طرف صوبیدار خود مختار ہو گئے تھے۔ شمالی ہندوستان میں رانا سانگا نے بڑا اقتدار حاصل کر لیا تھا اور بابر کا سب سے بڑا معرکہ ۱۵۲۹ء میں اسی کے ساتھ ہوا۔ حکومت دہلی کے کمزور ہو جانے پر بہت سے ہندو راجپوتوں نے سر اٹھایا، وہ بھی رانا سانگا کے ساتھ تھے۔ اس کا اپنا لشکر ایک لاکھ کا تھا، مارواڑ چندری اور دوگر پور کے راجپوتوں اور دوسرے راجپوت رؤسائے پچاس ساٹھ ہزار سوار اس میں اور اضافہ کئے تھے اور لودھیوں کو ملا کر قریب قریب پونے دو لاکھ فوج بابر کے مقابلے میں آئی۔ شروع شروع میں بابر نے اپنے مخالفوں کی پروا نہ کی، لیکن جب شاہی فوج کے ہراولوں کو راجپوتوں نے شکست دی اور بیانہ کی فوج جو ان کی مدد کو گئی تھی، اسے بھی شکست کھا کر محصور ہونا پڑا تو پھر شاہی لشکر پر فکر و ہراس طاری

ہوا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ بڑے قلعے معتد سرداروں کے سپرد کر کے پنجاب لوٹ جانا چاہئے اور کسی لطیفہ غیبی کا انتظار کرنا چاہئے لیکن بابر نے ایک پر جوش اور ولولہ انگیز تقریر کی اور کہا کہ اطراف و اکناف کے مسلمان بادشاہ ہم پر اظہار نفرت کریں گے اور کہیں گے کہ ہم زندگی کو عزیز سمجھ کر ایک بڑی سلطنت کو ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ جو انمردی کا تقاضا ہے کہ ہم شہوت کے لئے تیار رہیں اور جان توڑ کر لڑیں۔

چوں جاں آخر از تن ضرورت رود
ہاں بہ کہ بارے بعزت رود
سراجنام کہیتی ہمیں است و بس
کہ نامے پس از مرگ ماند ز کس

بابر کی اس تقریر سے بڑا جوش پیدا ہوا، سب نے الجھلا الجھلا کا نعروں لگایا اور قسمیں کھائیں کہ ہم میدانِ عزا سے منہ نہیں موڑیں گے، مر گئے تو شہید اور کامیاب ہوئے تو غازی۔ بابر نے جو شراب کا بڑا دلدادہ تھا شراب نوشی اور دوسرے غیر مشروع احکام حتیٰ کہ ریش تراشی سے توبہ کی اور خدائے عزوجل کی بارگاہ میں دعا کر کے میدانِ جنگ میں آگے بڑھا، معرکہ سارا دن جاری رہا، راجپوت جانتے تھے کہ اس لڑائی سے شمل ہند کی قسمت کا فیصلہ ہوتا والا ہے جان توڑ کر لڑے لیکن فتح بلاخر بابر کی ہوئی۔ فتح بادشاہ اسلام (۹۳۳ھ) لڑائی کی تاریخ ہوئی اور اس کے بعد بابر نے غازی کا لقب اختیار کیا۔

سیکری کی لڑائی میں جو راجپوت راجے رانا سانگا کی مدد کو آئے تھے، ان میں چندیری کا راجہ میدنی رائے تھا، رانا سانگا کو شکست دینے کے کچھ عرصہ بعد بابر نے چندیری کا رخ کیا اور اسے فتح کر کے قدیمی قلعہ دار احمد شاہ بن ناصر الدین مندوی کے سپرد کیا۔ بابر نے جب یہ قلعہ فتح کر کے چندیری، سارنگ پور اور رننہ پور کی مسجدیں اور باغاتیں دیکھیں، تو معلوم ہوا کہ رائے سین نے جو مالوے کا بااختیار وزیر تھا انہیں رانا سانگا اور میدنی رائے کے حکم سے حیوانات کا مسکن بنا کر فضلہ گاؤں سے لیا ہوا ہے۔ شیخ زین الدین صدر کی محنت سے یہ کثافت اور غلاطت دور ہوئی، اور موذن اور جاروب کش مقرر ہو کر پھر ان مسجدوں میں اذان کی آواز بلند ہوئی۔

شروع شروع میں اہل ہند کا خیال تھا کہ وہ محض مال و دولت کے لالچ سے یہاں

آیا ہے مگر جب انہیں معلوم ہو گیا کہ بابر کا ارادہ ہندوستان پر حکومت کرنے کا ہے اور اس نے یہاں رہنے کا پختہ عزم کر لیا ہے تو وہ بابر کے پاس آ کر جمع ہونے لگے۔ بابر نے بھی ان لوگوں کی عزت افزائی کی، اس کی انصاف پسندی سے ہندوستان کے باشندے بہت خوش ہوئے۔

انتظام ملکی :- بابر ہندوستان کی حکومت قائم کرنے اور شورشوں کو دبانے میں بری طرح پھنس گیا تھا۔ جیسے ہی اسے ذرا سکون ہوا اس نے انتظام سلطنت کی طرف توجہ کی۔ اب اس کی سلطنت کندور، بدخشاں سے بنگلہ تک اور ہمالیہ سے گوالیار تک پھیل گئی تھی۔ اس نے زمینوں کو جاگیرداروں میں تقسیم کیا اور کاشت کاروں پر ہلکا لگان لگایا، جزیہ موقوف کر دیا اور چنگی کی تعداد میں تخفیف کر دی، ان ہی باتوں سے اس کی سلطنت روز بروز ترقی کرتی گئی۔ وہ جس قدر ہمارے دور اندیش اور امور سلطنت کی باریکیوں کو بھی جانتا تھا۔

بابر نے جب ہندوستان فتح کیا تو ہندوستان کے پرانے علوم و فنون کا زوال ہو چکا تھا، تہذیب و تمدن میں قومیت کی تقسیم و تفریق کی طرح انتشار تھا اور پرانی روش اپنی ابتدائی دلچسپی کھو کر دقیا نویسیت اختیار کر چکی تھی۔

بابر نے بڑے بڑے باغات اور خوش نما عمارتوں کا سنگ بنیاد رکھا، اچھے کھانوں، عمدہ پھلوں اور فریہ جانوروں کا انتظام کیا۔ فوجی تنظیم کی اور فن حرب کو ترقی دی۔ اختراع و ایجاد کی ہمت افزائی کی، محبت و مروت کی تہذیب کی اور رعایا کی خوش حالی اور انصاف پروری کو سب پر ترجیح دی۔

اسے ہندوستان میں بہت عرصہ رہنے کا موقع نہیں ملا، لیکن اپنی فطری ذہانت سے اس نے جلد ہی یہاں کی خصوصیات پالیں۔ چنانچہ اس نے ہمایوں کے لئے جو وصیت لکھی اس سے اس کی سمجھ، انصاف پسندی اور مدبرانہ قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ وہ لکھتا ہے :

میرے بیٹے! ہندوستان میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے کہ اس نے تمہیں اس ملک کا بادشاہ بنایا ہے، اپنی بادشاہی میں تمہیں ذیل کی باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔

۱۔ تم مذہبی تعصب کو اپنے دل میں ہرگز جگہ نہ دو اور لوگوں کے مذہبی

جذبات اور مذہبی رسوم کا خیال رکھتے ہوئے رو رعایت کے بغیر سب لوگوں کے ساتھ پورا انصاف کرنا۔

۲۔ گاؤ کشی سے بالخصوص پرہیز کرنا تاکہ اس سے تمہیں لوگوں کے دل میں جگہ مل جائے اور اس طرح وہ احسان اور شکرے کی زنجیر سے تمہارے مطیع ہو جائیں۔

۳۔ تمہیں کسی قوم کی عبادت گاہ مسمار نہیں کرنی چاہئے اور ہمیشہ سب سے پورا انصاف کرنا چاہئے تاکہ بادشاہ اور رعیت کے تعلقات دوستانہ ہوں اور ملک میں امن و امان رہے۔

۴۔ اسلام کی اشاعتِ ظلم و ستم کی تلوار کے مقابلے میں لطف و احسان کی تلوار سے بہتر ہو سکے گی۔

۵۔ شیعہ سنی اختلافات کو ہمیشہ نظر انداز کرتے رہو کیونکہ ان سے اسلام کمزور ہو جائے گا۔

۶۔ اپنی رعیت کی مختلف خصوصیات کو سال کے مختلف موسم سمجھو تاکہ حکومت بیماری اور ضعف سے محفوظ رہ سکے۔

بابر کا انتقال :- ہمایوں یہاں کے فتنہ و فساد رفع کر کے ٹاہل گیا ہوا انجمنِ دہلی میں کا دل ایسا گھبرایا کہ جلد واپس آئیا، راستے کی ٹوٹن اور موسم کے تغیر کی وجہ سے بیمار ہو گیا۔ مرض ایسا مملک نظر آتا تھا کہ زبان پر آن بنی۔ اکلونہ پیٹنے کی مملک بیماری سے باپ پر زبردست اثر ہوا، نہایت پریشان اور سراسیمہ ہو۔ وہ لگتا ہے ”اس کی بیماری سے میں خود بیمار پڑ گیا اور خدا کا فضل ایسا ہوا کہ ہمایوں تندرست ہوتا گیا۔“ جب بابر کی عالت زیادہ بڑھی تو اس نے تمام سرداروں کو جمع کر کے مشورہ کیا اور ہمایوں کو تخت نشین کر دیا، اس ہر دل عزیز اور بھائوں بادشاہ کا ۵۳ برس کی عمر میں ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء کو انتقال ہو گیا۔

بابر کی قابلیت :- بابر کا ماموں زاد بھائی اور مصنف لکھتا ہے: ”بابر جس طرح اپنی شجاعت، ہمت، جرات اور استقلال سے فضیلت کا درجہ رکھتا تھا، اسی طرح وہ علم و فضل کے اعتبار سے علمی دنیا میں ممتاز تھا، وہ شاعری میں امیر علی شیر، ترکی شاعر سے دوسرے درجہ پر ہے۔ اس کی تصانیف ترکی زبان میں نہایت پہلی درجہ

کی ہیں۔ اس نے ایک نیا قاعدہ نظم کا ایجاد کیا ہے جس کا نام مہائن ہے اور علم فقہ اس کی معرکتہ الارا کتب ہے۔ دوسرا رسالہ عروض پر ہے اس کے علاوہ موسیقی اور خوش خطی میں بھی جواب نہیں رکھتا تھا۔ اس بیان سے بابر کی قابلیت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

تاریخ رشیدی میں لکھا ہے ”بابر شجاعت و عدالت و انصاف کے علاوہ صدا بہ مختلف اوصاف سے آراستہ تھا۔ شاعری کے علاوہ نثر کے ایک طرز ”مبین“ کا موجد ہے اور علم اصول قانون پر اس نے بہترین رسالہ لکھا ہے۔“

بابر علم فقہ حنفی کا مجتہد تھا اور موسیقی و فن انشا میں اسے مہارت حاصل تھی۔ عربی فارسی اور ترکی زبانوں کا متبحر عالم ہونے کے علاوہ ہندی بھاشا بھی اچھی طرح جانتا تھا۔

بابر ترکی اور فارسی کا بہترین شاعر تو تھا ہی لیکن اعلیٰ درجے کا ہنر بھی تھا شعرا اور ان کے کلام پر بابر کے تبصرے اس کی بصیرت اور گہری نگاہی کی دلیل ہیں۔

بابر خواجہ عبید اللہ احرار دہلی کا مرید تھا اور مشائخ سے عقیدت رکھتا تھا۔ چنانچہ اس کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی تصوف کی گہرائیوں سے بہت اچھی طرح آشنا تھا۔ شیخ کے وصال کے بعد ”شیخ کا تصور“ کر کے کہتا ہے۔

در ہوائے نفس گمرو عمر ضائع کردہ ایم
پیش اہل اللہ زانعل خود شرمندہ ایم
یک نظر با مخلصان خستہ دل فرما کہ ما
خواجگی دا ماندہ ایم و خواجگی را بندہ ایم

بابر کا دیوان شاہی کتب خانہ رام پور میں موجود ہے۔ اس دیوان کے علاوہ اس نے مثنویاں بھی کہی ہیں بابر کی منظوم تالیفات میں ایک رسالہ والدیہ بھی ہے یہ رسالہ اس کے استاد اور مرشد خواجہ عبید اللہ احرار کی تصنیف ہے۔ بابر نے ترکی میں اس کا منظوم ترجمہ کیا جن حالات میں اس نے یہ رسالہ ہندوستان کے قیام کے زمانہ ۹۳۵ھ میں ترجمہ کیا ہے وہ خود اس کی زبان سے سننے کے لائق ہیں۔

جمعہ کے دن ۲۳ تاریخ کو جسم میں ایسی حرارت معلوم ہوئی کہ جمعہ کی نماز مسجد

میں مشکل سے پڑھی گئی۔ ظہر کے بعد احتیاطاً کتب خانہ میں گیا، بہت دیر تک بے چینی رہی۔ دوسرے دن ہفتہ کو بخار ہوا، ظہر کے بعد جاڑا بھی چڑھا، سہ شنبہ ۲۷ صفر کی رات کو دل میں آیا کہ خواجہ عبید اللہ کے رسالہ والدیہ کو نظم کروں، حضرت خواجہ کی روح سے ملتی ہوا اور دل میں دعا کی یہ نظم آنحضرتؐ کو مقبول ہو، اس کے قبول ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح قصیدہ بروہ مقبول ہوا، اور اس کا کہنے والا مرض فلاج سے اچھا ہو گیا، اسی طرح میں بھی تندرست ہو جاؤں، اسی نیت سے وزن رمل، سدس مجنون و ضرب کبھی ابتر کبھی مجنون و محذوف میں جس میں مولانا عبدالرحمن جاہی کا سبب ہے رسالہ نظم کرنا شروع کیا، اسی رات میں نے تیرہ شعر لکھ ڈالے، بطریق التزام ہر روز دس بیتوں سے کم نہ لکھیں، شاید کوئی دن ناثہ ہوا ہو۔ اگلے سال بھی اور کئی بار اور بھی ایسا بخار کم سے کم چالیس دن تک رہا، خدا کی عنایت اور حضرت خواجہ کی برکت سے جمعرات کے دن ۲۹ کو ذرا افادہ ہو گیا اور پھر صحت ہوتی گئی۔ ہفتہ کے دن رجب الاول کی ۱۸ تاریخ نظم تمام ہو گئی، ایک دن ۵۲ شعر ہوئے۔

تزک بابری

بابر کی خود نوشت سوانح عمری دنیا کے ان بیش قیمت صحائف میں سے ہے، جو ہمیشہ ادبی حلقوں میں روشن و منور رہیں گے۔ اس کتاب کا شمار آج بھی دنیا کے بہترین علمی اور تاریخی سرمایہ میں کیا جاتا ہے۔ تزک بابری تصنع اور مبالغہ سے پاک ہے، عبارت نہایت صاف شستہ اور بے حد دلچسپ ہے۔ بابر کے ہم عصروں اور ہم وطنوں کی تصویریں اس کی تصنیف میں آئینہ کی طرف صاف نظر آتی ہیں، ان کا طرز بودوباش، ان کے اخلاق و عادات، ان کا تمدن و معاشرت اس خوبی سے پیش کئے گئے ہیں کہ نظر کے سامنے تصویر کھنچ جاتی ہے۔ یہی ایک ایسی کتاب ہے جسے ایشیا کی کتابوں میں صحیح طور پر تاریخی کتاب مانا گیا ہے۔

اس کتاب میں لوگوں کی شکل و شبیہ، لباس، اشغال و عادات بڑی تفصیل سے بیان کی ہیں، وہ جگہ جگہ اپنے دوستوں کی پر لطف گفتگو اور ان کی مہمات کا تذکرہ کرتا ہے، ان کی مصیبتوں پر روتا ہے اور خوشیوں پر خوش ہوتا ہے۔

اس نے ان ممالک کے حالات جن کی سیر و سیاحت کا اسے اتفاق ہوا نہایت عمدگی اور خوبی سے بیان کئے ہیں، ان کے مختلف مناظر، ان کی آب و ہوا، پیداوار، علوم و فنون، صنعت و حرفت، قوانین و طرز حکومت ایسی صحت و درستی کے ساتھ بیان کئے ہیں کہ کوئی موجودہ زمانے کا سیاح بھی مشکل ہی سے اتنے حجم میں ایسی تحصیل کے ساتھ لکھ سکے گا، پھر اگر بابر کی مصروفیات و مشکلات کا خیال کیا جائے تو یقیناً ترک بابر کی دنیا کے عجائبات میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ ابوالفضل اکبر نامہ میں ترک بابر کی فصاحت و بلاغت کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے۔ ”ابتدائے سلطنت سے آخر تک کے واقعات نہایت فصیح و بلیغ عبارت میں لکھے ہیں۔“

”یہ کتب دنیا کے بادشاہوں کے لئے دستور العمل اور قانون ہے، جس سے فکر صحیح اور مناسب رائے قائم کرنے میں مدد ملتی ہے، دانش آموز اور تجربہ کار بنانے والی کتاب ہے..... ہرم غل خانہاں نے ترکی سے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔“ ۲۔ موجودہ دور کے یورپین تنقید نگاروں اور نامتوں نے بھی اس کتاب کی حد سے زیادہ تعریف کی ہے، ورنہ عام طور پر وہ مسلمانوں کے کارناموں کو نہیں سراہتے ہیں۔ بابر کی ترک ان سوانح عمروں میں ہے جو سب سے اچھی اور سب سے سچی کہی جاسکتی ہے۔ یہ کتاب نہ صرف تاریخی واقعات کے لئے اہم ہے بلکہ اس میں بہت سی معلومات ایسی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شہنشاہ کس قدر غیر معمولی دماغ کا آدمی تھا اور اس کا مشاہدہ کتنا قوی تھا، موجودہ دور کے سیاحوں نے اعتراف کیا ہے کہ بابر نے کابل، فرمانہ اور ہندوکش کے شمالی علاقوں سے متعلق جو بیانات قلمبند کئے ہیں وہ اپنی صداقت اور تفصیلات کے لحاظ سے آج بھی دلچسپی سے پڑھنے کے لائق ہیں اور ان میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا، ہندوستان کی جو تصویر اس نے کھینچی ہے، وہ بہت زیادہ توجہ کے قابل ہے۔ اس ملک میں ۱۵۲۵ء میں وہ فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا۔ اس نے یہاں جو کچھ دیکھا اور پایا اس کو ۲۵ صفحوں میں تحریر کیا ہے، اس ملک کے نہ صرف حدود اربعہ، آبادی، آمدنی، ذرائع آمدنی وغیرہ کا صحیح حال لکھا ہے بلکہ یہاں کے پھلوں، پھولوں، درختوں، پرندوں، چوپایوں اور آبی جانوروں کے علوات و خصوصیات سے متعلق اتنی مفید معلومات فراہم کی ہیں کہ موجودہ دور کے ماہرین نباتات و حیوانات بھی ان سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں..... آخر میں ان چیزوں کی ترقی کے لئے اپنے ذاتی مشورے بھی پیش

کئے ہیں۔“ سبب کی سوانح مولفہ ولیم ارسکن میں اکتساب کی بڑی تفصیل سے جو خمیاں میان کی ہیں اس کی دو تین ابتدائی سطور یہ ہیں۔

”بابر کی تزک اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب و غریب ہے، جن حالات میں اس نے یہ لکھی، وہ اور بھی تعجب خیز ہے، اس میں ایک تاریخی فریب روا کی زندگی کی جزوی تفصیلات ہیں، اس کی رائے، اس کے جذبات بالکل فطری طور پر نظر آتے ہیں۔۔۔۔۔۔ یہ ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جو غیر معمولی ذہانت اور مشاہدہ کی قوت رکھتا ہے۔۔۔۔۔۔ ایشیا کے عام مورخین اکابر کے اعمال و حرکات کا ذکر تو پر شکوہ طریقہ پر کرتے ہیں، لیکن ان کے علوات و اطوار کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور وہ دوسرے لوگوں کا ذکر مطلق نہیں کرتے۔ لیکن بابر ہر فرد کی شکل و صورت، پوشاک، طور اور طریقے بہت خوبی اور سچائی سے بیان کرتا ہے۔“ ۴۔

ایک اور انگریز مورخ لکھتا ہے۔ ”بابر نامہ پڑھنے کے بعد غیر ارادی طور پر محسوس ہوتا ہے کہ بابر کا سینہ محبت، شفقت اور انس سے لبریز تھا۔ اس کی زندگی میں بڑے بڑے انقلابات ہوئے، اس نے عسرت میں بھی دن گزارے اور شلن و شوکت کے ساتھ شاہی تخت پر جلوہ افروز بھی ہوا، مگر اس کے طبعی ذوق میں تبدیلی کسی حال میں نہیں ہوئی۔“ ۵۔

ترجمے :- تزک بابری دنیا میں بے حد مقبول ہوئی، تمام اہم زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔ سب سے پہلے اکبر کے حکم سے عبدالرحیم خان خاناناں نے فارسی میں ۱۵۹۰ء کو اس کا ترجمہ کیا۔ ایک فرانسیسی اہل قلم مسٹر پیوٹ، ڈی کورٹیلی نے فرانسیسی میں منتقل کیا، پھر ولیم ارسکن اور ان کی بیگم نے مل کر ۱۸۷۱ء میں اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ روس کی اورینٹل اکیڈمی نے روسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا، اردو میں مرزا نصیر الدین حیدر گورگانی تخلص قلی نے اسے بقائے دوام بخشا۔

موجودہ ترجمہ :- مرزا صاحب کا ترجمہ نہایت صاف، شستہ اور صحیح ہے، کوئی لفظ چھوٹے نہیں پایا اور ترجمے کے وقت انگریزی حواشی بھی اس کے پیش نظر رہے تھے۔ انہوں نے جان لیڈن صاحب کے ترجمہ سے بھی مدد لی تھی، مرزا صاحب نے ترکی بھی پڑھی ہوئی تھی اور بہت محنت سے اس کتاب کا لفظی ترجمہ کیا تھا اس لئے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اردو ترجمہ جو شائع کیا جا رہا ہے اصل متن کا قائم مقام ہے

اور استنلو کے قاتل ہے۔

میں نے ترجمے کو متن سے مقابلہ کر کے دیکھا اور جہاں کہیں مغلق الفاظ یا بیان میں گنگناہ دیکھی، اسے آسان کر دیا۔ اس عجلت میں حواشی کا بھی جو اضافہ کر سکتا تھا کیا اور جن مشکلات کا حل کیا جاسکتا تھا کیا گیا ہے۔

نیاز کیش

عبید اللہ قدسی

۴ کرینٹ کورٹ و کنوریہ روڈ کراچی ۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”کہہ اے خدا ملک کے مالک تو جس کو چاہے سلطنت دے اور تو جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو ہی جس کو چاہے عزت دے اور تو جسے چاہے ذلت دے۔ ساری خوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔“

حضرت محمد مصطفیٰ ختم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب بزرگ اور احباب کرام رضوان اللہ اجمعین پر قیامت تک بے حد درود پہنچے۔

ظہیر الدین محمد بابر بن عمر شیخ مرزا تیموری نژاد لکھتا ہے کہ میں نے یہ چند سطرں مختصر اپنے زمانہ کے حالات اور واقعات کی اپنی آل اولاد کے لئے بطور یادگار لکھی ہیں۔

ملک فرغانہ کا بیان :- میری عمر بارہ برس کی تھی اور پانچویں رمضان ۸۹۹ھ - ۱۸۸۶ء ہجری تھی جب میں ملک فرغانہ میں بادشاہ ہوا۔ فرغانہ کا ملک اقلیم پنجم میں سے ہے اور معمورہ عالم کے کنارہ پر ہے اور اس کے مشرق میں کاشغر، مغرب میں سمرقند، جنوب میں کوہستان بدخشاں اور شمال میں دیران جنگل ہے۔ اگرچہ اس میدان میں پہلے بہت سے شہر جیسے الماسخ - ۲، الماتو - ۳ اور یانگی (جس کو تاریخ کی کتابوں میں اطرار - ۴ بھی لکھا ہے) آباد تھے لیکن ازبکوں کے حملوں سے اس زمانہ میں ایسی ویرانی ہے کہ نام کو آبادی نہیں رہی۔ فرغانہ کا علاقہ کچھ بڑا نہیں ہے، مگر اس میں میوے اور غلے بہت پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے گرد پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ صرف مغرب کی جانب جدھر سمرقند اور بخند ہے پہاڑ نہیں ہے۔ بیرونی غنیم بھی اس طرف کے سوائے دوسری طرف سے اندر نہیں آسکتا۔

دریائے سیحون جو دریائے بخند کے نام سے مشہور ہے سمت شمال اور مشرق کے

وسط سے آکر ملک کے بیچ میں سے ہوتا ہوا مغرب کو چلا جاتا ہے اور نجد کے شمال و فاکت سے (جو اب شاہر خیہ کہلاتا ہے) کے جنوب سے گزر کے وہاں سے شمال کی طرف مائل ہوتا ہوا ترکستان میں جاتا ہے اور اکیلا بہتا ہوا ترکستان کی بہت نشیبی جانب سارا دریا ریگستان میں جذب ہو جاتا ہے۔

اندجان :- اس ملک میں سات قصبے ہیں۔ پانچ دریائے سیحون کے جنوب میں اور دو شمال میں۔ جنوبی قصبوں میں سے ایک اندجان ہے جو وسط ملک میں ہے اور فرغانہ کا دارالسلطنت ہے۔ یہ بہت سرسبز مقام ہے۔

اس میں غلہ و میوہ بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ انگور اور خربوزہ بہت اور عمدہ ہوتا ہے۔ وہاں کا دستور ہے کہ فصل میں خربوزوں کو باڑیوں پر نہیں بیچتے۔ ناشپاتی اندجان سے بہتر کہیں نہیں ہوتی۔ ملوراء النہر میں سرقد اور کیش کے قلعوں کے علاوہ اندجان کے قلعہ سے کوئی قلعہ بڑائی میں لگا نہیں کھاتا۔ اس کے تین دروازے ہیں۔ شہر کے جنوب میں ارک ہے۔ شہر ۸۰ میں نو نہریں آتی ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ سب نہریں ایک جگہ سے نہیں نکلتیں۔ قلعہ کے گرد سنگین خندق ہے اور خندق کے کنارے پر شاہراہ ہے۔ جس پر روڑی بھی ہوئی ہے۔ قلعہ کے سب طرف محلے آباد ہیں۔ محلوں اور قلعہ میں خندق کے کنارے کی سڑک ہی فاصلہ ہے۔ یہاں کے جنگل میں شکار کثرت سے ہے۔ ہرل خوب تیار ہوتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک ہرل کا سالن اتنا ہوتا ہے جس سے چار آدمی پیٹ بھر لیں اور پھر بھی وہ بچ رہے۔ اہل ملک سب ترک ہیں۔ شہر اور بازار میں کوئی ایسا نہیں ہے جو ترکی زبان نہ جانتا ہو۔ اس ملک کے عام آدمیوں کی زبان ایسی شستہ ہے جیسے اہل قلم کی۔ میر علی شیر نوائی کی تصنیفات دیکھو! گو اس نے ہرات میں نشوونما پائی ہے مگر اس کی تصنیفات اسی زبان میں ہیں۔ یہاں کے لوگ بہت حسین ہوتے ہیں۔ خواجہ یوسف جو فن موسیقی کے بڑے استاد مشہور ہیں اندجان ہی کے تھے۔ اندجان کی ہوا میں ۹ غنوت ہوتی ہے۔ چنانچہ شوب چشم اور ورم چشم کا عارضہ عموماً ہوتا ہے۔ اس اطباء قرب کہتے ہیں۔

اوش :- ایک اوش ہے جو اندجان کے گوشہ جنوب و مشرق میں مائل بہ شرق اندجان سے چار فرسنگ ۱۰ کے فاصلے پر ہے۔ اس کی ہوا نہایت اچھی ہے۔ اس میں جابجا پانی جاری رہتا ہے۔ یہاں کی بہار کا موسم نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ اوش کی فضیلت میں کئی

حدیثیں آئی ہیں۔ قلعے کے جنوب و مشرق میں ایک خوش نما پہاڑ ہے۔ مشرق و جنوب کے بیچ میں پہاڑ کی چوٹی پر ایک ٹکڑا ہے جس کو ”براہ کوہ“ کہتے ہیں۔ سلطان محمود خان نے وہاں ایک چھوٹا سا مکان بنایا تھا۔ میں نے ۹۹۲ ہجری (۱۵۹۶ء) میں اس مکان کے نیچے کی طرف پہاڑی کی بنی گدھ میں ایک بارہ دری بنائی۔ اگرچہ پہلا مکان اس سے زیادہ بلند مقام پر واقع ہے مگر میرا بنایا ہوا مکان اس سے بہتر ہے۔ یہاں سے شہر کی اور باہر کی آبادی اچھی طرح نظر آتی ہے۔ اندجلن کی ندی ۱۰ اوش کے بیرونی محلات میں سے ہوتی ہوئی اندجلن میں جاتی ہے اس ندی کے دونوں کناروں سے طے ہوئے بغلت ہیں جن میں سے ندی بخوبی نظر آتی ہے۔ یہاں بنشہ بکھرت پیدا ہوتی ہے۔ جا بجاپانی کی نہریں جاری ہیں۔ موسم بہار میں لالہ اور گلاب بہت کھلتا ہے۔ اسی پہاڑ کے دامن میں شہر و باغ کے درمیان ایک مسجد بنی ہوئی ہے جس کا نام مسجد جوزا ہے۔ پہاڑ کی طرف سے ایک بڑی نہر آتی ہے اور اسی مسجد کے بیرونی صحن کے نشیب میں تین حوض بنے ہوئے ہیں۔ نہایت مصفا جو مسافر اور راہ گیر ادھر آتا ہے یہاں دم لیتا ہے۔ اوش کے اوباش ہنسی سے کہا کرتے ہیں۔ ”ہر کس در این میدان خواب کروا زیں۔۔۔ جو آب ی گزراند“

عمر شیخ مرزا کے آخر وقت میں اس پہاڑ سے سرخ و سپید سنگ ابری نکلا تھا۔ اس پتھر سے چھروں کے دستے، پٹی کے نرمادہ اور اسی قسم کی چیزیں بناتے ہیں یہ پتھر بہت ہی خوبصورت ہوتا ہے۔ ملک فرغانہ میں خوش نمائی اور آب و ہوا کے اعتبار سے اوش جیسا دوسرا شہر نہیں ہے۔

مرغینان :- ایک مرغینان ہے۔ اندجان کے مغرب میں سات فرسنگ کے فاصلے پر اچھا قصبہ ۱۲ ہے۔ یہاں انار اور خوبانی نہایت عمدہ ہوتی ہے۔ ایک قسم کا انار ہوتا ہے اس کا نام دانہ کلاں ہے۔ اس میں چاشنی دار مٹھاس ہوتی ہے۔ سمنان ۱۳ کے انار پر اس کو ترجیح دے سکتے ہیں۔ ایک قسم کا زردالو ۱۴ ہوتا ہے۔ اس کی گھٹلی نکال کر اور بجائے اس کے مغز باوام رکھ کر خشک کرتے ہیں۔ اس کا نام سبحانی رکھا ہے۔ یہ بڑی لذیذ ہوتی ہے۔ یہاں جانور اور شکار بہت ہے۔ آہو راق ۱۵ قریب ہی مل جاتا ہے۔ اہل شہر سب تاجیک ۱۶ ہیں۔ یہ لوگ لڑاکا، دنگلی اور شہرہ پشت ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ تمام ماوراء النہر میں یہی دنگلی اور شہرہ پشت مشہور ہیں۔ سمرقند اور بخارا میں جو

بڑے دنگئی ہیں وہ مرغینان ہی کے باشندے ہیں۔ ہدایہ ۷۷۱ کے معنف موضع
رشدان کے رہنے والے تھے جو مرغینان کے علاقہ میں سے ہے۔

اسفرہ ۷۱۰۔ ایک اور قصبہ اسفرہ ہے۔ یہ قصبہ پہاڑ کے نیچے مرغینان سے جنوب و مغرب
کی طرف نو فرسنگ کے فاصلے پر آباد ہے۔ اس میں جابجائیں جاری ہیں۔ سردرختی
کثرت سے ہر اور نہایت عمدہ باغچے ہیں جن میں اکثر بادام کے درخت ہیں۔ یہاں

کے باشندے سب پہاڑی اور تاجیک ہیں۔ جنوب کی طرف ایک فرخ ۸۔ شرعی کے
فاصلے پر پہاڑ کے پشتوں میں پتھر کی ایک سل ہے جس کو سنگ آئینہ کہتے ہیں۔ اس کا
طول تخمیناً ۷۵ گز کا ہو گا کہیں سے وہ اتنا بلند ہے کہ آدمی کے قد کے برابر اور کہیں
سے اتنا نیچا کہ آدمی کی کمر کے برابر۔ آئینہ کی طرح ہر شے کا عکس اس میں پڑتا ہے۔
اسفرہ کے علاقے میں پہاڑ کے نیچے چار قصبے آباد ہیں۔ ایک اسفرہ دوسرا وارخ تیسرا
سوخ اور چوتھا ہشیار۔ جس زمانے میں شیبانی خان ۱۹۷۰ نے سلطان محمود خل اور اچھ خل
کو شکست دے کر تاشقند اور شاہرہ فیہ کو فتح کر لیا تو اسی سوخ اور ہشیار کی پہاڑیوں
میں تقریباً ۱۰ سال بھرتک پریشانی کے ساتھ میں اپنا وقت گزارتا رہا اور پھر کلہل پر چڑھائی
کر دی۔

خنجد ۷۱۰۔ ایک خنجد ہے۔ جو اندجان کے مغرب میں پچیس فرسنگ کے فاصلے پر ہے۔
۲۰ اور پرانے شہروں میں سے ہے۔ شیخ مصلحت اور خواجہ مکمل علی خنجد ہی کے رہنے
والے تھے۔ وہاں کے میوے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ انار تو عمدگی میں ایسا مشہور ہے کہ
”سیب سمرقند اور انار خنجد“ ضرب المثل ہے۔ لیکن آج کل مرغینان کا انار اچھا ہوتا
ہے۔ اس کا قلعہ بلندی پر واقع ہے۔ دریائے سیمن اس کے شمال کی طرف بہتا ہے
اور دریا قلعہ سے ایک تیر کے پر تاب پر ہے۔ قلعہ اور دریا کے شمال میں ایک پہاڑ
ہے جس کا نام میوغل ہے۔ اس پہاڑ میں فیروزہ اور دوسری چیزوں کی کانیں ہیں۔ یہاں
سانپ بہت ہوتے ہیں۔ خنجد کی شکار گاہ کا کیا کہنا ہے۔ سفید ہرن پہاڑی بکری بارہ
سینگ جنگلی پرندے اور خرگوش ریوڑ کے ریوڑ ہیں۔ یہاں کی ہوا بڑی متعفن ہے۔
آشوب چشم کا مرض بہت ہوتا ہے۔ مشہور ہے کہ چڑیا کو بھی آشوب چشم ہوا تھا۔ کہتے
ہیں کہ یہ ہوا کا فساد کوہ شمال کے سبب سے ہے۔ خنجد کے علاقے میں ایک قصبہ کند
بادام ۲۱۰ ہے۔ اگرچہ یہ بہت بڑا نہیں ہے مگر خاصہ قصبہ ہے۔ یہاں بادام کثرت سے
محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کو کند بلوام کہتے ہیں۔ مقام ہرموز - ۲۲ اور ہندوستان میں ہمیں سے بلوام جاتا ہے۔ یہ قصبہ خند سے پانچ چھ فرسنگ مشرق کی جانب ہے۔ خند اور کند بلوام کے بیچ میں ایک جنگل ہے۔ اس کو بلورولیش کہتے ہیں۔ یہاں ہمیشہ ہوا کے جھکڑ چلتے رہتے ہیں۔ مرغینان یہاں سے مشرق میں ہے اور خند مغرب میں۔ مرغینان و خند میں جو آمد می آتی ہے وہ ہمیں سے اٹھتی ہے۔ اس جنگل میں ہمیشہ آمد می اور ہوا کا زور ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہاں کسی زمانے میں کئی فقیر ہوا کے جھکڑ میں پھنس کر ایسے جھمڑ گئے تھے کہ پھر نہ ملے۔ اور ہر ایک بلورولیش ۲۳ بلورولیش چیتا چیتا مر گیا۔ اسی دن سے اس جنگل کا نام بلورولیش پڑ گیا۔

سیمون :- دریائے سیمون کے شمالی سمت کے قصبوں میں سے ایک قصبہ آخشی ہے۔ اس کو تاریخ کی کتابوں میں آخشیکت - ۲۴ کے نام سے لکھا ہے۔ چنانچہ ائمر الدین شاعر کو ائمر الدین آخشیکی کہتے ہیں۔ ملک فرغانہ میں اندجان کے بعد اس سے بڑا کوئی قصبہ نہیں ہے۔ اندجان سے جانب غرب یہ قصبہ نو فرسنگ کے راستہ پر ہے۔ سلطان عمر شیخ مرزا نے اسی کو اپنا دار السلطنت بنایا تھا۔ دریائے سیمون قلعہ کی فصیل کے نیچے ہی بہتا ہے۔ اس ۲۵ کا قلعہ ایک اونچے کھڈ پر بنا ہوا ہے جو دریا کے کڑاڑے پر ہے۔ کھڈ کی گہرائی گویا قلعے کی خندق ہے۔ عمر شیخ مرزا نے جب اس کو دار السلطنت بنایا تو دو ایک مرتبہ باہر کی جانب پٹنے تعمیر کئے۔ فرغانہ میں اس جیسا کوئی دوسرا قلعہ مضبوط نہیں ہے شہر کے محلے قلعہ کی فصیل سے ایک میل شرعی کے فاصلہ پر آبلو ہیں۔ یہ مثل ”دہ کجاو درختہ کجا“ شاید آخشی ہی کے واسطے کہی گئی ہے۔ یہاں کا خروزہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ ایک قسم کے خروزہ کو میر تیموری کہتے ہیں۔ شاید ہی ایسا خروزہ دنیا میں ہوتا ہو یوں تو بخارا کے خروزے مشہور ہیں مگر جن دونوں میں میں نے سر قذح کیا تھا تو ایک بار آخشی اور بخارا سے خروزے آئے تھے۔ ایک مجلس میں تراشے گئے۔ معلوم ہوا کہ بخارا کے خروزے آخشی کے خروزوں سے لگا نہیں کھاتے۔ وہاں شکار بکثرت ہے اور جانور بہت ہیں۔ دریا سے آخشی کی جانب ایک جنگل ہے جس میں ہسرن کثرت سے ہوتا ہے۔ اندجان کی طرف بھی ایک بڑا جنگل ہے۔ اس میں بارہ شگے پرندے اور خرگوش بہت ملتے ہیں جو خوب فریہ ہوتے ہیں۔

کاشان :- ایک قصبہ کاشان ہے آخشی کے شمال میں یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ جس

طرح دریائے اندھن اوش کی طرف سے بہہ کر آتا ہے اسی طرح دریائے آخشی کاشن سے۔ شہر کی ہوا عمدہ ہے۔ بلقالت نہایت معفا ہیں۔ چونکہ بلقالت ۲۶۰ دریا کے کنارے پر نیلے میں واقع ہیں اس لئے کہا کرتے ہیں۔ ”پوستین ۲۷۰ پیش برہ“ ہے۔ کاشنی اپنے ہاں کی صفائی اور آب و ہوا کی خوبی کا دعویٰ کرتے ہیں اور اوشی اپنے ہاں کی۔ ملک فرغانہ کے گرد پہاڑوں میں شلاق ۲۸۰ اچھے ہیں۔ اس پہاڑ میں ایک قسم کی لکڑی ہوتی ہے جس کو تبولغو کہتے ہیں۔ یہ لکڑی اور کیس نہیں ہوتی۔ اس کا پوست سرخ ہوتا ہے۔ عہے کوڑوں کے دستے اور پرندوں کے بچرے اس سے بنائے جاتے ہیں اور اس کو چھیل کر تیر کے گز بھی بناتے ہیں۔ بہت ہی عمدہ لکڑی ہے۔ دور دراز ملکوں میں بطور سوغت جاتی ہے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ان پہاڑوں میں بیروج سے السم ۲۹۰ ہوتا ہے۔ مگر اس زمانے میں کسی سے سننے میں نہیں آیا۔ سنا ہے کہ تیتی کینت ۳۰۰ کے پہاڑوں میں ایک گھاس ہوتی ہے۔ وہاں والے اس کو اتین اولق ۳۱۰ کہتے ہیں۔ اس میں مرگیہ کی خاصیت ہے۔ عجب نہیں کہ یہی مرگیہ ہو جس کا نام وہاں والوں نے یہ رکھ دیا ہے۔ اس کوستان میں فیروزہ اور لوہے کی کان ہے۔

اگر ملک فرغانہ کا محاصل رعایا سے بغیر ظلم کئے لیا جائے تو اتنی ہی آمدنی میں تین چار ہزار آدمی رہ سکتے ہیں۔ چونکہ عمر شیخ مرزا ایک بلند ہمت اور بڑی سلطنت کے خواہشمند تھے۔ اس لئے ان کو ہمیشہ ملک گیری کا خیال رہتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کئی دفعہ سرقد پر چڑھائی کی۔ بعض موقع پر شکست کھائی اور بعض دفعہ یوں ہی ناکام آئے۔ کئی بار اپنے خسر یونس خان سے (جو چنگیز خان کے دوسرے بیٹے چغتائی خان کی نسل سے تھا اور سلطنت چغتائیہ میں مغلوں کا اس وقت سردار تھا اور میرا نانا ہوتا ہے) ملحق ہو کر اس کو اپنی کمک کے لئے لائے اور ہر مرتبہ اس کو اپنے ملک میں سے تھوڑا سا ملک دیا۔ مگر عمر شیخ مرزا کی خواہش کے موافق کام نہ نکلا۔ کیونکہ کبھی عمر شیخ مرزا کے برے برتاؤ کے سبب سے اور کبھی مغلوں کی سرکشی کی وجہ سے یونس خان اس ملک میں نہ ٹھہر سکا اور مغلستان چلا گیا۔ آخر میں جو اسے لائے تو اس زمانہ میں تاشقند عمر شیخ مرزا کے قبضہ میں تھا (پچھلی کتابوں میں اس کو شاش اور کسی نے چاچ بھی لکھا ہے۔ چنانچہ کلان چاچی مشہور ہے) یہ بھی خان کے حوالہ کر دیا اس زمانہ سے ۹۰۸ھ

(۳-۸۵۰۲) تک تاشقند اور شمریہ خٹن چغتائیہ کے قبضہ و تصرف میں رہے۔

سلطان محمود خل اور سلطان احمد مرزا کی چڑھائی اور عمر شیخ مرزا کی وفات ۸۹۹ھ :- وہ زمانہ ہے کہ یونس خان کا بڑا بیٹا سلطان محمود خل میرا ماموں حاکم مغلستان ہے۔ اور سلطان احمد مرزا (عمر شیخ مرزا کا بڑا بھائی) سرقد کا پلوشہ ہے اور چونکہ ان دونوں کو عمر شیخ مرزا نے اپنی چالوں سے بہت تنگ کر دیا تھا اس لئے دونوں نے باہم اتفاق اور مصلحت کر لی۔ سلطان احمد مرزا نے دریائے بخند کے جنوب کی طرف سے اور سلطان محمود خل نے شبل کی طرف سے فوج کشی۔ ۳۳ کی۔ اسی اثناء میں عمر شیخ مرزا کو عجیب واقعہ پیش آگیا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ آخشی کا قلعہ اونچے کھنڈ پر واقع ہے۔ اس کے مکانات بھی اس کے کنارے پر تھے۔ ان ہی ایام میں پیر کے دن رمضان کی چوتھی تاریخ (۲ جون ۱۴۹۷ء) دفعتاً اوپر سے کبوتر خانہ گرا۔ مرزا بھی کبوتروں سمیت گر کر رہی عدم ہوئے ان کی عمر اسی ۳۹ برس کی تھی۔

ان کی ولادت۔ نسبت لور حکومت فرغانہ کا سبب :- عمر شیخ مرزا بمقام سرقد ۸۶۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ یہ سلطان ابوسعید مرزا کے چوتھے بیٹے تھے۔ سلطان احمد مرزا۔ سلطان محمد مرزا اور سلطان محمود مرزا سے چھوٹے۔ سلطان ابوسعید مرزا سلطان محمد مرزا کے بیٹے تھے۔ سلطان محمد مرزا سلطان میرانشاہ مرزا کے فرزند تھے۔ میراں شاہ مرزا حضرت امیر تیمور گورکان کے بھٹلے بیٹے تھے۔ عمر شیخ مرزا اور جہانگیر مرزا سے چھوٹے اور شاہ رخ مرزا سے بڑے۔ سلطان ابوسعید مرزا نے اول عمر شیخ مرزا کو کاٹل دیا۔ اور بابا کالمی کو بیک۔ ۳۴ آئنگہ کر کے روانہ کیا۔ پھر مرزاؤں کے ختنوں کی خوشی میں ۳۵ شریک ہونے کے لئے درہ کز۔ ۳۶ سے سرقد میں واپس آیا۔ خوشی کے بعد اس مناسبت سے کہ امیر تیمور نے اپنے بیٹے عمر شیخ مرزا کو ولایت فرغانہ عطا کی تھی ابوسعید مرزا نے ان کو اندجان دیا اور تیمور۔ ۳۷ تاش کو ان کا بیک آئنگہ مقرر کیا۔

ان کا جلیہ اور وضع :- ٹھکنا۔ ۳۸۔ چرو کا رنگ سرخ۔ گرد ڈاڑھی۔ بدن بھاری۔ ذرا مزاج چالاک۔ کپڑے بہت چست پہنا کرتے تھے۔ چنانچہ بند باندھتے تھے تو پیٹ سکیڑ لیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ باندھنے کے بعد بدن چھوڑ دیتے تھے یا سانس

لیتے تھے تو بند ٹوٹ جاتے تھے۔ کھانے پینے میں بے تکلف تھے۔ دستار پہنچ کی قطع کی پگڑی باندھتے تھے۔ اس زمانہ میں دستار پہنچ چار پہنچ کی پگڑی ہوتی تھی۔ وہ بغیر چین کے باندھ کر شملہ چھوڑ دیتے تھے۔ گرمیوں میں دربار کے علاوہ مغلی ٹوپی پہنتے تھے۔

اخلاق و اطوار :- ان کے اخلاق و اطوار یہ تھے۔ حنفی مذہب اور خوش اعتقاد آدمی تھے۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھتے تھے۔ قضائے عمری سب ادا کر دی تھی۔ بیشتر قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمہ اللہ کے مرید تھے۔ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت خواجہ بھی ان کو فرزند فرمایا کرتے تھے۔ وہ خامے پڑھے لکھے تھے۔ نمستین، مثنوی اور تاریخ کی کتابیں ان کی نظر سے نکل ہوئی تھیں۔ شاہنامہ کو بہت دیکھا کرتے تھے۔ اگرچہ موزوں طبیعت تھے مگر شعر گوئی پر توجہ نہ کرتے تھے۔ منتظم اس درجہ کے تھے کہ ایک بار خطائی قافلہ اندجان میں آ رہا تھا۔ جب کوہستان شرقی کے اطراف میں آیا تو ایسی برف پڑی کہ تمام اہل قافلہ ہلاک ہو گئے۔ صرف دو آدمی بچے۔ اس خبر کے سنتے ہی اپنے ملازموں کو بھیج کر تمام مل و متاع جمع کروا لیا۔ اگرچہ اس مل کے ورہاء موجود نہ تھے اور ان کو احتیاج بھی تھی۔ مگر سارا مل بہت حفاظت کے ساتھ رکھا کر دو ایک سال کے بعد خراسان اور سمرقند سے ان کے وارثوں کو بلایا اور بے کم و کاست وہ مل سب کے حوالے کر دیا۔ ۳۹۷ وہ نخی بھی بہت تھے اور سخاوت ہی جیسی ان کی اور خصلتیں بھی تھیں۔ خوش مزاج باتیں۔ فصیح۔ شیریں کلام اور بہادر آدمی تھے۔ دو دفعہ فوج سے نکل کر اکیلے نے شمشیر زنی کی ہے۔ ایک دفعہ آخشی کے دروازے میں اور دوسری دفعہ شاہرخیہ کے دروازے میں۔ اوسط درجہ کے تیر انداز تھے۔ اور گھونہ ۳۰۷ زبردست مارتے تھے۔ یہ ممکن نہ تھا کہ وہ کسی کو گھونہ ماریں اور گھونہ کھانے والا نہ پڑے۔ ملک گیری کے خیال میں بہت دوستوں سے چٹخ گئی تھی اور بہت لوگ ان سے کھٹک گئے تھے۔ ابتداء میں بڑے شراب خوار تھے۔ پھر ہفتہ میں دو ایک مرتبہ بے نوشی کا جلسہ ہونے لگا۔ خوش صحبت فحش تھے۔ ایسے موقعوں پر مناسب مناسب اشعار پڑھا کرتے تھے۔ آخر میں معجون۔ ۴۰ بہت کھانے لگے تھے۔ معجون کھانے کے بعد مزاج چر اندا ہو جاتا تھا۔ رحم دل بہت تھے۔ نعل ۴۲ اور داغ بہت رکھتے تھے۔ ہمیشہ چوسر کھیلتے رہتے تھے۔ کبھی جوا بھی کھیل لیتے تھے۔

ان کی لڑائیاں :- وہ تین لڑائیاں لڑے ہیں۔ پہلی لڑائی یونس خاں سے اندجان کے شہل کی طرف دریائے سیحون کے کنارے پر وہیں ہوئی جس کو سر تکہ ۴۳۷ کہتے ہیں۔ یہاں مغلوب ہو کر پکڑے گئے۔ اس مقام کا اس لئے یہ نام پڑ گیا ہے کہ دریا جو پہاڑ سے بہتا ہوا آتا ہے تو یہاں سکڑا ہوا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بار تکہ یعنی پہاڑی بکرا اس کنارے سے چھلانگ لگا کر اس کنارے پر جا پہنچا تھا۔ اس لڑائی میں یونس خاں نے شکست دینے اور پکڑ لینے کے بعد الٹا پھیر دیا تھا۔ چونکہ اس مقام پر لڑائی ہوئی تھی۔ اس لئے اس لڑائی ۴۴۷ کا نام جنگ تکہ سر تکو مشہور ہو گیا۔ دوسری لڑائی ترکستان میں دریائے ارس ۴۵۷ کے کنارے پر ازبکوں سے ہوئی جو نواح سمرقند کو لوٹ مار کر جاتے تھے۔ دریائے ارس پر سے جو بالکل جم کر برف ہو گیا تھا عبور کر کے ان لوگوں کو شکست دی اور جو مال اور اونٹ وغیرہ یہ لوٹ لائے تھے چھین کر مالکوں کو واپس کر دیا۔ آپ اس میں سے ذرا نہ لیا۔ تیسری لڑائی سلطان احمد مرزا سے شاہرہیہ اور اتیبہ کے درمیان خواص ۴۶۷ نام کے موضع میں ہوئی۔ یہاں شکست کھائی۔

ملک مقبوضہ :- ان کے قبضے میں یہ ملک تھے۔ سلطان ابوسعید مرزا نے تو فرغانہ کا علاقہ دیا تھا۔ تاشقند اور سیرام ۴۷۷ ان کے بڑے بھائی سلطان احمد مرزا نے دیئے تھے۔ شاہرہیہ کو فریب سے لے کر کچھ دن تک اس پر بھی قابض رہے۔ آخر میں تاشقند اور شاہرہیہ قبضے سے نکل گئے تھے اور صرف ملک فرغانہ، غنجد اور اتیبہ جن کا اصل نام اسروسہ اور استروس ہے رہ گئے تھے۔ بعض لوگ غنجد کو فرغانہ کے ملک میں شامل نہیں کرتے۔ سلطان احمد مرزا نے جب مغلوں پر چڑھائی کی ہے اور دریائے جرجیق ۴۸۷ کے کنارے پر مقابلہ ہوا تو شکست کھائی اور اتیبہ حافظ بیگ دولدائی کے پاس تھا وہ بھی اس نے مرزا کو دے دیا تھا۔ اس دن سے وہ عمر شیخ مرزا کے تصرف میں رہا۔

اولاد :- ان کی اولاد میں تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں میں سے سب سے بڑا بیٹا میں ظہیر الدین بابر ہوں۔ میری ماں قنلق نگار خانم تھیں۔ مجھ سے دو برس چھوٹا دوسرا بیٹا جاتگیر مرزا تھا۔ اس کی ماں قوم مغل کے گروہوں کے سرداروں میں سے تھی۔ اس کا نام فاطمہ سلطان تھا۔ تیسرا بیٹا ناصر مرزا تھا۔ اس کی والدہ اندجان کی تھی۔

حرم تھی۔ اس کا نام امیہ تھا۔ ناصر مرزا مجھ سے چار برس چھوٹا تھا۔ سب بیٹیوں میں بڑی خان زادہ بیگم میری سگی بہن تھی۔ مجھ سے پانچ برس بڑی۔ جن دنوں میں نے دوبارہ سرقہ لیا ہے ان دنوں میں گو میری فوج کو سرہل پر شکست ہو گئی تھی اس پر بھی پانچ مہینے تک میں محصور رہا۔ مگر جب گردولواح کے بلو شاہوں اور امیروں میں سے کسی نے کسی طرح کی مدد نہ دی تو پانچار سرقہ چھوڑ کر میں نکل کھڑا ہوا۔ اسی بھاڑ میں خانزادہ بیگم محمد شیبانی خاں کے ہاتھ آ گئی۔ اس نے ان سے نکاح کر لیا۔ ایک بیٹا اس سے پیدا ہوا جس کا نام خرم شاہ تھا۔ اچھا خوبصورت جوان تھا۔ شیبانی خاں نے بلخ کا علاقہ اس کو دے دیا تھا۔ اپنے باپ کے دو ایک برس کے بعد وہ بھی فوت ہو گیا۔ جب شاہ اسماعیل صفوی نے ازبک کو مرو میں شکست دی ہے تو خانزادہ بیگم وہیں تھیں۔ میرے سبب سے شاہ محمود نے بیگم سے اچھی طرح ملاقات کی اور عمدہ برتاؤ برتا۔ عزت و آبرو کے ساتھ میرے پاس قد زمین ۷۷۰ بیج دیا۔ بیگم موصوفہ قدز میں آکر میرے ہمراہ ہوئی۔ مجھ میں اور اس میں دس برس تک مفارقت رہی۔ جس وقت میں اور محمدی کو کلتاش اس سے ملنے گئے تو بیگم نے اور ساتھ والوں نے میرے کہنے پر بھی فوراً "ہم کو نہ پہچانا" تھوڑی دیر بعد پہچان گئی۔ دوسری بیٹی مرہانو بیگم تھی۔ ناصر مرزا کی ہم بطن بہن۔ مجھ سے دو برس چھوٹی۔ تیسری لڑکی شہربانو بیگم ناصر مرزا کی دوسری سگی بہن تھی۔ مجھ سے آٹھ برس چھوٹی۔ چوتھی یادگار سلطان بیگم تھی جو آغا سلطان حرم کے پیٹ سے تھی۔ سب سے چھوٹی پانچویں رقیہ سلطان بیگم مخدومہ سلطان بیگم (جس کو قراکوز ۵۰ بیگم بھی کہتے ہیں) کے بطن سے تھی۔ یہ دونوں مرزا کے مرنے کے بعد پیدا ہوئی تھیں۔ یادگار سلطان بیگم کو میری نانی ایسن دولت بیگم نے پالا تھا۔ جب شیبانی خاں ۵۱ نے اخشی اور اندجان کو لے لیا تو یادگار سلطان بیگم حمزہ سلطان کے بیٹے مہدی سلطان کے ہاتھ آ گئی۔ جس ۵۲ زمانہ میں کہ حمزہ سلطان اور اس کے ہمراہی سلاطین کو ختلان کے علاقہ میں میں نے شکست دے کر حصار چھین لیا ہے۔ اس زمانہ میں یادگار سلطان بیگم میرے پاس آ گئی تھی۔ ان ہی جھگڑوں میں رقیہ سلطان بیگم جلانی بیگ سلطان کے ہاتھ آ گئی تھی۔ اس کے دو ایک بیٹے بھی ہوئے تھے۔ اب سنا ہے کہ اس کا انتقال ہو گیا۔

بیویاں اور حرمیں :- بیویاں اور حرمیں یہ تھیں۔ پہلی بیوی قتلوق نگار خانم یونس

خان کی دوسری بیٹی۔ سلطان محمود خان اور احمد خان کی بڑی بہن تھی۔ یونس خان چغتائی خان کی نسل سے تھا۔ جو چنگیز خان کا دوسرا بیٹا تھا۔ سلسلہ نسل اس طرح ہے کہ یونس خان بن ویس خان بن شیر علی اغلان بن محمد خان بن خضر خواجہ خان بن تغلق تیمور خان بن ایس بوغا خان بن دواخان بن لمسون تو ۵۰۰ ابن مواتو کلن بن چغتائی خان بن چنگیز خان۔

یونس خان کا حل :- جب اتنا لکھا گیا ہے تو مناسب ہے کہ تھوڑا سا حل ابن خواتین کا بھی بیان کر دیا جائے۔ یونس خان اور ایس بوغا خان دونوں ویس خان کے بیٹے تھے۔ یونس خان کی ماں ترکمنی تھی۔ شیخ نور الدین بیگ قوم تپہلق سے ایک امیر تھا جس کو امیر تیمور نے سردار بنایا تھا اس کی بیٹی یا پوتی تھی۔ ویس خان کے مرنے کے بعد مغلوں کے خاندان میں دو فرقے ہو گئے۔ جو فرقہ کم تھا وہ یونس خان کی طرف ہو گیا۔ اور جو فرقہ زیادہ تھا۔ وہ ایس بوغا خان کی جانب۔ اس سے پہلے یونس خان کی بڑی بہن کی شادی الف بیگ مرزا نے عبدالعزیز مرزا کے ساتھ کی تھی۔ اس مناسبت سے یہ بات ہوئی کہ ایرزن (جو نارین گروہ میں امیر تھا) اور میرک ترکمن (جو گروہ حراس ۵۳ کے امرا میں سے تھا) یونس خان کو قوم مغل کے تین چار ہزار گھروں ۵۳ سمیت الف بیگ مرزا کے پاس لائے تاکہ ان سے مدد لے کر پھر مغلوں کی قوم کے سردار بن جائیں۔ مرزا نے یہ بے مروتی کی کہ بعض کو توقید اور بعض کو ملک میں اوھر اوھر پریشان کر دیا۔ اور خان کو عراق کی جانب بھیج دیا۔ یہی زمانہ مغلوں کے خاندان میں ایرزن کی تباہی و حلوشہ عظیم کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ خان دن سے زیادہ تھک رہا۔ اس زمانہ میں وہیں کا بادشاہ جہاں شاہرانی قراقولوق ۵۵ تھا۔ وہیں سے خان شیراز میں شاہرخ مرزا کا دوسرا بیٹا سلطان ابراہیم مرزا حاکم تھا۔ پانچ چھ مہینے کے بعد ابراہیم سلطان مرزا مرگیا۔ اس کا بیٹا عبداللہ مرزا اس کا جانشین ہوا۔ خان نے عبداللہ مرزا کی نوکری کر لی۔ سترہ اٹھارہ برس تک خان وہیں رہا۔ جس زمانہ میں سلطان الف بیگ مرزا میں اور اس کے فرزندوں میں جھگڑا مچی اس زمانہ میں ایس بوغا خان نے موقعہ پا کر فرغانہ کو کند بلوام تک بڑھ کر دیا۔ اور اندجان پر قبضہ کر کے وہیں کے لوگوں کو قید کر لیا۔ جب سلطان ابوسعید مرزا بادشاہ ہوئے تو انہوں نے فوج جمع کر کے یاگی ۵۶ سے اس طرف آسیرہ ۵۷ کے مقام پر جو مغلستان میں ہے ایس بوغا خان کو کال شکست دی۔

پھر سلطان ابوسعید مرزا نے ایسے بوغا خاں کے فتنہ و فساد سے بچنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ یونس خاں کو اس رشتہ کے سبب سے کہ اس کی بڑی بہن عبدالعزیز مرزا کی بیوی تھی۔ عراق اور خراسان سے بلا کر دعوتیں کیں۔ اس کو تھپک کر اپنا بنایا اور مغلوں کے خاندان کا سردار کر کے مظہرستان روانہ کیا۔ اس وقت ساغر جی قبیلہ کے تمام سردار ایسے بوغا خاں سے رنجیدہ ہو کر مظہرستان میں آ گئے تھے۔ یونس خاں ان میں آن ملا۔ اس زمانہ میں قبیلہ ساغر جی میں شیر حاجی بیگ سربر آوردہ تھا۔ اس کی بیٹی ایسن دولت بیگم سے یونس خاں کی شادی ہوئی۔ مغلوں کی رسم کے موافق خاں کو اور اسن دولت بیگم کو سفید مندرے پر بٹھا کر اس کو خان تسلیم کیا۔

یونس خاں کی اولاد :- خان کے ہاں اس سے تین بیٹیاں ہوئیں۔ بڑی مہنگار خانم تھی جس کی شادی سلطان ابوسعید مرزا کے بڑے بیٹے سلطان احمد مرزا سے ہوئی۔ مرزا سے اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ پھر لڑائی جھگڑوں میں شیبانی خاں کے ہاتھ آ گئی۔ جب میں کلہل میں آیا تو وہ شاہ بیگم کے ساتھ خراسان آئی اور وہاں سے کلہل میں آ گئی۔ جس زمانہ میں شیبانی خاں نے ناصر مرزا پر قندھار میں چڑھائی کی ہے اور میں لمغز گیا تو خان مرزا اور شاہ بیگم اور مہنگار خانم بدخشاں چلے گئے۔ پھر جب مبارک شاہ نے خان مرزا کو قلعہ ظفر میں بلایا اور اثنائے راہ میں سلطان ابوبکر کاشغری کی لٹیری فون سے ڈبھیر ہوئی تو شاہ بیگم اور مہنگار خانم مع اپنے ہمراہیوں کے گرفتار ہو گئیں۔ اور سب اسی ظالم کی قید میں مر گئے۔ یونس خاں کی دوسری بیٹی میری والدہ خاتون نگار خانم تھیں۔ وہ اکثر لڑائیوں اور مصیبتوں کے موقعوں پر میرے ساتھ رہی ہیں۔ کلہل لینے کے بعد پانچ چھ مہینے زندہ رہ کر ۹۱۱ھ ۵۸۰ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ تیسری بیٹی خوب نگار خانم تھی جس کی شادی محمد حسین ۵۹۰ گورگان دغلت سے ہوئی تھی۔ اس کے ہاں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوئی۔ لڑکی کی شادی عبید خاں سے ہوئی۔ جب میں نے سر قند اور بخارا فتح کیا ہے تو وہ لڑکی وہیں تھی اور چونکہ وہاں سے بھاگ نہ سکی اس لئے وہیں رہ گئی۔ اس کا چچا سید محمد مرزا ایلچی ہو کر سلطان ۶۰۰ سعید خاں کی طرف سے سر قند میں میرے پاس آیا تو یہ لڑکی اس کے ساتھ چلی گئی۔ سلطان سعید خاں سے اس کی شادی ہو گئی۔ ۶۱۰ بیٹا حیدر مرزا تھا۔ جب حیدر مرزا کے باپ کو ازبکوں نے مار ڈالا۔ ۶۲ تو وہ میری خدمت میں آ گیا تھا۔ تین چار برس تک رہا۔ پھر مجھ سے اجازت لے کر

خان کاشغر کے پاس چلا گیا۔ فرد

بازگر دو بہ اصل خود ہمہ چیز
زر صافی و نقرہ وار زیز

کہتے ہیں کہ اب تائب ہو کر اس نے اچھا طریقہ اختیار کر لیا۔ عمدہ خوش نوایں اور مصور ہو گیا ہے۔ تیر پیکل اور زکیر۔ ۶۳ بتاتا ہے اور ہر کلام میں اس کو ملکہ ہو گیا ہے۔ شعر بھی کہتا ہے۔ اس کی عرضی میرے پاس آئی تھی۔ اس کی انشاء بھی بری نہیں ہے۔ یونس خاں کی دوسری بیوی شہ بیگم تھی۔ اگرچہ اور بیویاں بھی تھیں مگر صاحب اولاد بھی دونوں ہوئیں۔ شہ بیگم شہ سلطان محمد بلو شہ بدخشاں کی بیٹی تھی۔ بدخشاں کے بلو شہ اپنا نسب اسکندر فیلقوس سے ملاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اسی بلو شہ کی ایک اور بیٹی تھی جو شہ بیگم کی بڑی بہن تھی۔ سلطان ابوسعید مرزا نے اس سے نکاح کیا تھا۔ آباکمر مرزا اسی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ شہ بیگم۔ ۶۴ سے خاں کے ہاں دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ ان تینوں میں بڑا اور مذکورۃ الصدر تینوں بیٹوں سے چھوٹا سلطان محمود خاں تھا۔ جس کو سرقد وغیرہ میں جانی بیگ۔ ۶۵ خاں کہتے ہیں۔ سلطان محمود خاں سے چھوٹا سلطان احمد خاں تھا جس کا نام الچہ خاں مشہور تھا۔ (الچہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ قلماقی اور مغلی زبان میں قتل کرنے والے کو الاچی کہتے ہیں۔ چونکہ اس نے قوم قلماق کو کئی بار شکست دے کر قتل عام کیا ہے اس لئے اس کو الاچی یعنی (قتل) کہنے لگے۔ کثرت استعمال سے الاچی کا الچہ ہو گیا) ان دونوں کے حالات آئندہ موقعہ پر بیان کئے جائیں گے۔

سب سے چھوٹی اور ایک بہن سے بڑی سلطان نگار خانم تھی جس کی شادی محمود مرزا (فرزند سلطان ابوسعید مرزا) سے ہوئی تھی۔ مرزا سے اس کے ہاں ایک بیٹا ہوا جس کا نام بلطان ولس تھا۔ اس کتاب میں اس کا حال بھی بیان کیا جائے گا۔ سلطان محمود مرزا کے مرنے کے بعد یہ سلطان نگار خانم اپنے بیٹے کو لے کر چپ چپاتے تاشقند میں اپنے بھائیوں کے پاس چلی گئی۔ کئی برس کے بعد ازبک سلطان سے جو سلاطین قوم قزاق میں سے چنگیز خاں کے بڑے بیٹے جو جی خاں کی اولاد سے تھا اس کی شادی کر دی۔ جس وقت شیبانی خاں نے سب کو دبا کر تاشقند اور شاہر فیہ پر قبضہ کر لیا تھا اس وقت یہ دس بارہ مغل ملازموں کے ساتھ ازبک سلطان کے پاس چلی گئی تھی۔ ازبک

سلطان سے اس کے ہاں دو بیٹیاں پیدا ہوئی تھیں۔ ایک تو سلاطین شیبانیہ میں سے کسی کو دی اور دوسری سلطان سعید خاں ۶۶۰ کے بیٹے سلطان رشید خاں کو۔ ازبک سلطان کے مرنے کے بعد قاسم خاں سروار قوم قزاق سے اس نے شلوی کر لی۔ مشہور ہے کہ قوم قزاق میں قاسم خاں کے برابر کسی خان یا سلطان نے قوم کا انتظام نہیں کیا۔ چنانچہ اس کے لشکر جرار کی تعداد تین لاکھ کے قریب بیان کی جاتی ہے۔ قاسم خاں کے مرنے کے بعد خانم مذکورہ سعید خاں کاشغری کے پاس چلی آئی۔ یونس خاں کی سب سے چھوٹی بیٹی دولت سلطان خانم تھی۔ جو تاشقند کی ویرانی کے موقع پر تیمور سلطان پر شیبانی خاں کے نکاح میں آئی۔ اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ سرقد سے چلتے وقت وہ میرے ساتھ چلی آئی ہے۔ تین چار برس بدخش میں رہی۔ اس کے بعد سلطان سعید خاں کے پاس کاشغر چلی گئی۔

دوسری :- عمر شیخ مرزا کی ایک اور بیوی خواجہ حسین بیگ کی بیٹی الوس ۶۷۰ آغا تھی۔ اس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ جو چھوٹی سی مرگئی۔ پھر اس بیوی کو ڈیڑھ برس ۶۸۰ بعد چھوڑ دیا تھا۔ ایک ۶۹۰ اور بیوی فاطمہ سلطان آغا تھی۔ ایک اور بیوی قراکوز بیگم تھی جس سے اپنی آخر عمر میں نکاح کیا تھا۔ یہ بہت چاہتی تھی۔ مرزا کی خوشامد کے مارے اس کو ابو سعید مرزا کے بڑے بھائی منوچہر مرزا کا رشتہ دار بنا دیا تھا۔

حرمیں :- حرمیں بہت سی تھیں۔ ان میں سے ایک امید آغاچہ تھی۔ جو مرزا کے سامنے مرگئی۔ مرزا کے آخر وقت میں تون سلطان ۷۰۰ ایک عورت داخل محل ہوئی تھی جو قوم مغل سے تھی۔ اور ایک آغا سلطان تھی۔

امراء :- مرزا کے امراء میں ایک خدا بیروی ۷۱۰ تیمور تاش تھا۔ آق بونا بیگ ہاکم ہرات کی اولاد میں سے جس وقت سلطان ابو سعید مرزا نے جوگی مرزا کا شاہرخیہ میں محاصرہ کر لیا تھا اس وقت فرغانہ کا حاکم عمر شیخ مرزا کو کیا اور خدا بیروی تیمور تاش کو ان کی سرکار سپرد کر کے مدارالہام کر دیا۔ اس زمانے میں خدا بیروی تیمور تاش کی عمر صرف پچیس ۲۵ برس کی تھی۔ اگرچہ وہ کسمن تھا مگر اس کا ڈھنگ، انتظام اور قاعدے قابل تعریف تھے۔ ایک دو سال کے بعد جب ابراہیم بیگ چاک نے اوش کی نواح میں لٹ مار مچائی تو خدا بیروی تیمور تاش نے اس کا تعاقب کیا۔ اس سے لڑا اور ہزیمت اٹھا

کر شہید ہو گیا۔ ان دنوں میں سلطان احمد مرزا ایلاق اور اجیب میں تھا جو سمرقند سے اٹھارہ ۱۸ فرسنگ مشرق کی جانب ہے اور جس کا نام آق قپچغائے مشہور تھا۔ سلطان ابوسعید مرزا بلا خاکی میں تھا۔ جوہری سے بارہ فرسنگ مشرق کی طرف ہے۔ یہ خبر عبدالوہاب شہقول نے بہت جلد مرزا کی خدمت میں پہنچائی۔ اس نے ایک سو ستائیس ۷۲۰ فرسنگ کا راستہ چار دن میں طے کیا۔

ایک اور :- امیر حافظ محمد بیگ دلداری تھا۔ سلطان ملک کاشغری کا بیٹا اور احمد حاجی بیگ کا چھوٹا بھائی۔ خدایدی کے مرنے کے بعد اس کا عہدہ اسی کو دیا گیا۔ سلطان ابوسعید مرزا کے مرنے کے بعد امرائے اندجان سے اس کی نہ بنی۔ وہ سلطان احمد مرزا کے پاس سمرقند چلا گیا۔ ۷۳۰ سلطان ۷۴۰ احمد مرزا کی فکست کی خبر جس وقت معلوم ہوئی ہے اس وقت حافظ محمد بیگ اور اجیب کا حاکم تھا۔ عمر شیخ مرزا جب سمرقند کی تسخیر کے ارادے سے اور اتیبہ میں پہنچا تو اس نے اور اجیب مرزا کے ملازموں کے خوالے کر دیا اور آپ مرزا کا نوکر ہو گیا۔ مرزا نے اس کو اندجان کی حکومت عطا کی۔ اس کے بعد وہ سلطان محمود خاں کے پاس چلا گیا۔ خاں نے مرزا خاں کو اس کے سپرد کیا اور ویزک ۷۵۰ کی حکومت بھی عطا کی۔ میرے کلن لینے سے پہلے ہندوستان کی راہ سے وہ مکہ معظمہ روانہ ہوا اور راستہ ہی میں مر گیا۔ فقیر نش، کم خن اور بے حیثیت آدمی تھا۔ ایک اور امیر خواجہ حسین بیگ خوش مزاج اور سیدھا سادہ آدمی تھا۔ اس زمانہ کے دستور کے موافق شراب نوشی کے وقت توبوق (ایک قسم کا مغلی نغمہ) خوب گاتا تھا۔

ایک اور امیر :- شیخ مزید بیگ تھا۔ میرا پہلا اتالیق وہی ہوا تھا۔ اس کے قاعدے اور قرینے بہت اچھے تھے۔ وہ بابر مرزا ۷۶۰ کی خدمت میں بھی رہا تھا۔ عمر شیخ مرزا کی سرکار میں اس سے بڑا دوسرا امیر نہ تھا۔ وہ ایک فاسق آدمی تھا۔ اس لئے غلام بہت رکھا کرتا تھا۔ ایک اور علی مزید بیگ قوجین تھا۔ اس نے دو مرتبہ بغاوت کی۔ ایک بار آخشی میں اور دوسری دفعہ تاشقند میں۔ منافق، فاسق، نمک حرام اور نکما آدمی تھا ایک حسین یعقوب بیگ تھا۔ صاف دل، خوش طبع، ہوشیار اور مستعد شخص تھا۔ یہ شعر اسی کا ہے :-

باز آئے اے ہمارے کہ بے طوطی خطیت
نزدیک شد کہ زانغ برداستخوان من

بڑا بہادر تھا۔ تیر انداز اچھا تھا۔ چوگان ۷۷۷ خوب کھیلتا تھا۔ اور غوک ۷۸۷
یہ خوب لگاتا تھا۔ عمر شیخ مرزا کے مرنے کے بعد میرے ہاں مختار ہو گیا۔ البتہ تھڑ دلا و
کم حوصلہ اور فتنہ پرواز بھی تھا۔

ایک امیر:- قاسم بیگ تو چچین تھا۔ یہ شخص لشکر اندجان کے قدیم سرداروں میں سے
تھا۔ حسن بیگ کے بعد میری سرکار میں وہی مختار ہوا۔ آخر عمر تک اس کے اختیارات
اور اعتبارات بڑھتے گئے، کم نہ ہوئے۔ وہ بڑا بہادر آدمی تھا۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ
ازبک نواح کاشان ۷۹۷ کو لوٹ مار کر چلے۔ اس نے ان کا پیچھا کر کے ان کو جالیا۔
اور ان کو خوب ٹھونکا۔ عمر شیخ مرزا کے زمانہ میں بھی وہ بڑا تکوریا تھا۔ جنگ یاسی کیست
۸۰۷ میں گھسٹن کی لڑائی لڑا تھا۔ بھاگڑ اور مصیبت کے موقع پر جب میں نے
کوہستان مسیحا ۸۱۷ سے سلطان محمود خل کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو وہ مجھ سے الگ
ہو کر خسرو شاہ کے پاس چلا گیا۔ ۹۰۸ھ ۸۲۷ میں جب میں نے خسرو شاہ کے آدمیوں کو
توڑ لیا اور کابل میں بیج کو جا گھیرا تو اس وقت وہ پھر میرے پاس چلا آیا میں نے رکھ لیا
اور اگلی سی عنایت اور مہربانی کی۔ جس وقت درہ خوش میں میں نے ہزارہ ترکمانوں پر
چڑھائی کی تو قسم بیگ نے بڑھاپے میں جوانوں سے بڑھ کر کام دیا۔ میں نے ملک بگلش
اس کو اس کے صلہ میں دے دیا۔ کابل میں آکر اس کو ہمایوں کا اتالیق کر دیا۔ زمین
داور فتح ۸۳۷ ہونے کے زمانہ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ مسلمان دیانت وار اور پرہیز
گار آدمی تھا۔ مشتبہ کھانے سے بچتا تھا۔ اس کی رائے اور تدبیر بہت عمدہ تھی۔ بڑا کھلی
باز بھی تھا۔ تھا تو ان پڑھ مگر عالی دماغ کھلی باز تھا۔

ایک اور:- بابا قلی بیگ تھا۔ شیخ علی بہادر کی اولاد میں سے شیخ فرید بیگ کے مرنے
کے بعد میرا اتالیق اسی کو کیا تھا۔ جن دنوں میں سلطان احمد مرزا نے اندجان پر لشکر کشی
کی تو سلطان احمد مرزا سے وہ مل گیا۔ اور اورا تیبہ مرزا کو دے دیا۔ سلطان محمود مرزا
کے انتقال کے بعد جس وقت وہ سمرقند سے نکل کر اور بھاگ ۸۴۷ کر آیا تھا اس وقت
سلطان علی مرزا اورا تیبہ سے نکل کر اس سے لڑا اور اس کو شکست دے کر قتل کیا۔
اس کا انتظام اور سلمان فوج نہایت عمدہ تھا۔ نوکروں کو اچھی طرح رکھتا تھا۔ نہ نمازی تھا
نہ روزہ رکھتا تھا۔ ظالم و کافروں آدمی تھا۔

ایک اور:- میر علی دوست طغانی قوم ساغرجی میں سے تھا۔ میری ثانی ایسن دولت

بیم کا رشتہ دار تھا۔ عمر شیخ مرزا کے زمانہ سے میں اکثر اس کی رعایت کرتا تھا۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ اس سے کچھ کام نکلے گئے۔ مگر جس زمانہ میں میرے پاس رہا جیسا خیال تھا ویسا کوئی کام اس سے نہیں نکلا۔ سلطان ابوسعید مرزا کی بھی خدمت میں رہا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ میں جلودگر ہوں۔ میرا شکار تھا۔ اطوار و اخلاق اس کے بہت نکلتے تھے۔ بخیل، فتنہ انگیز، خبیث، منافق، خود پسند، بد زبان اور ترش رو تھا۔ ایک ویس لاغری تھا۔ سمرقند کا رہنے والا قوم توہمی میں سے، آخر میں یہ عمر شیخ مرزا کا بہت مقرب ہو گیا تھا۔ مصیبتوں کے موقعوں پر میرے ساتھ رہا ہے۔ اس کی رائے اور تدبیر بڑی عمدہ تھی۔ کسی قدر فتنہ انگیز ضرور تھا۔

ایک اور :- میر غیاث طغائی علی دوست کا چھوٹا بھائی تھا۔ سلطان ابوسعید مرزا کی سرکار میں مغلوں میں اس سے بڑھ کر کوئی سردار نہ تھا۔ سلطان ابوسعید مرزا کی مہراں کے پاس رہتی تھی۔ عمر شیخ مرزا کے آخری وقت میں ان کے بھی منہ چڑھ گیا تھا۔ اور ویس لاغری کا بہت دوست تھا۔ جب ۸۵۰ کا شہنشاہ سلطان رضا خان کو دے دیا تو اس وقت سے اپنی آخر عمر تک خان ہی کی خدمت میں رہا۔ خان نے بھی اس کو اچھی طرح رکھا۔ بہت ہنسوا اور بڑا ہزل گو تھا۔ بدکاری میں بیباک تھا۔ ایک علی درویش خراسانی تھا۔ سلطان ابوسعید مرزا کے زمانہ میں خراسانی چیلوں میں داخل تھا جس وقت میں کہ سلطان ابوسعید مرزا نے سمرقند اور خراسان پر قبضہ کیا ہے تو دونوں جگہوں کے چیلوں کا اس کو افسر کیا۔ اسی لئے اس کو ”امیر چہرہائے سمرقند و چہرہائے خراسان“ کہا کرتے تھے۔ میرے سامنے اس نے سمرقند کے دروازے میں خوب حملے کئے تھے۔ بہادر آدمی تھا۔ خط نستعلیق اچھا لکھتا تھا۔ خوشامد گو بہت تھا۔ بڑا خیس تھا۔

ایک اور :- قمبر علی مغل آختہ چی ۸۶۰ تھا۔ اس کا باپ اس ملک میں آکر کچھ دن سلاخی کرتا رہا۔ اس سبب سے اس کا نام قمبر علی سلاخ مشہور ہو گیا۔ یونس خاں کے ہاں وہ آفتابچی ہو گیا تھا۔ آخر امراء کے زمرہ میں داخل ہوا۔ میں نے اس کی بہت رعایتیں کیں۔ جب تک ترقی کرتا رہا اس وقت تک اس کا طریق انتظام اچھا رہا۔ جب کسی قابل ہوا تو جی چرانے لگا۔ وہ بکواسی اور فضول گو تھا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ بکواسی فضول گو ہوتا ہے۔ کم حوصلہ اور کوڑ مغز بھی تھا۔

۸۹۹ء تا ۸۷۷ء ہجری کے واقعات

تحت نشینی کا بیان :- جب عمر شیخ مرزا کا انتقال ہوا ہے تو میں اندجان کے چار ۸۸۰ء بارغ میں تھا۔ رمضان شریف کی پانچویں تاریخ منگل کے دن مجھے اندجان میں یہ خبر پہنچی۔ گھبرا کر میں سوار ہوا اور جس قدر ملازم میرے پاس تھے ان کو لے کر قلعہ ۸۹۰ء کی جانب روانہ ہوا۔ میں مرزا کے دروازہ کے قریب پہنچا تھا کہ شیرم طفالی ۹۰۰ء جلاو مجھے عیدگاہ کی طرف لے چلا اس کو یہ خیال گذرا ہو گا کہ سلطان احمد مرزا بڑا بدوشہ ہے اور فوج کثیر کے ساتھ اس نے چڑھائی کی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ امراء مجھ کو اور ملک کو اس کے حوالے کر دیں۔ وہ مناسب سمجھا کہ مجھے اور کند ۹۰۰ء اور اس کے پہاڑوں کی طرف لے جائے۔ اس لئے کہ اگر ملک گیا تو گیا۔ میں تو بیچ جاؤں گا۔ اور اپنے ہاتھوں اچھے خاں یا سلطان محمود خاں کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ خواجہ مولانا قاضی (جو سلطان احمد قاضی کے صاحبزادے اور شیخ برہان الدین قلیچ کی اولاد میں سے تھے۔ مل کی طرف سے ان کا سلسلہ سلطان الملک قاضی تک پہنچتا ہے اور ان کا خاندان یہاں کے اہل ملک کا مرجع ہے اور یہاں شیخ الاسلامی بھی ان ہی کے ہاں رہی ہے اور جن کا ذکر پھر بیان کیا جائے گا) اور دوسرے امراء نے جو قلعہ میں تھے میرے چلے جانے کی خبر سنتے ہی خواجہ محمد وزری ۹۲۰ء (یہ شخص بایریوں میں سے ہے اور عمر شیخ مرزا کا قدیمی ملازم ہے۔ ان کی ایک بیٹی کا اتالیق بھی تھا) کو میرے پاس بھیج کر اطمینان دلایا۔ میں عیدگاہ تک پہنچا ہی تھا جو مجھ کو پھیر لائے۔ میں محل میں آیا اور اتر پڑا۔ خواجہ مولانا قاضی اور سب سردار میرے پاس حاضر ہوئے۔ اور بعد مشورہ ایک بات ٹھہرائی۔ پھر قلعہ کی فیصل اور برج مضبوط بنائے اور سلمان جنگ درست کرنے میں سب مشغول ہو گئے۔ حسن یعقوب اور قاسم قوچین و غیرہم مرغینان کی طرف بطریق الیغار ۹۳۰ء گئے ہوئے تھے۔ دو ایک روز کے بعد آکر انہوں نے بھی ملازمت حاصل کی۔ سب ایک دل اور متفق ہو کر قلعہ کے بچانے میں پورے مصروف ہوئے۔

سلطان احمد مرزا کا حملہ :- اس عرصہ میں سلطان احمد مرزا اوزاتیہ، بخند اور مرغینان کو لیتا ہوا اندجان سے چار کوس ۹۳۰ء کے فاصلہ پر مقام قبا ۹۵۰ء پر آ پہنچا۔ اسی وقت پر درویش کافرنامہ ۹۶۰ء اندجان کے مشہور رہنے والوں میں سے اس سبب سے

قتل کیا گیا کہ نامناسب باتیں کہتا پھرتا تھا۔ اس انتظام سے سارے شہرہ پشت سیدھے ہو گئے۔ خواجہ قاضی اوزون حسن اور خواجہ حسین کو میں نے سلطان احمد مرزا کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ ظاہر ہے کہ اس ملک میں آپ اپنا کوئی آدمی ضرور مقرر کریں گے۔ میں آپ کا ملازم بھی ہوں اور فرزند بھی ہوں۔ اگر یہ خدمت فدوی کو عطا کی جائے تو بہتر ہے۔ آسلی کے ساتھ فیصلہ ہو جائے گا۔ سلطان احمد مرزا فقیر مزاج اور کم خن آدمی تھا۔ مگر جو معاملہ پیش آتا تھا بغیر امراء کے طے نہ ہوتا تھا۔ امراء نے میری اس گزارش پر التفات نہ کیا۔ بلکہ سخت جواب دے کر آگے بڑھے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کلمہ سے میرے ہر موقع پر میری بکری کو بے منت خلق بنا دیتا ہے یہاں بھی اس نے کئی باعث ایسے پیدا کر دیئے کہ دشمن اس طرف آنے سے تنگ اور پشیمان ہو کر بے نیل مرام واپس ہو گئے۔

سلطان احمد مرزا کی واپسی کے اسباب :- ایک سبب تو یہ ہوا کہ قبا ایک سیاہ دریا ہے اور اس میں دلدل ایسی ہے کہ بغیر پل کے اس پر سے عبور نہیں ہو سکتا۔ لشکر تھا بہت اترتے وقت پل ٹوٹ گیا۔ بہت سے گھوڑے اور اونٹ دریا میں ڈوب گئے۔ چونکہ اس سے تین چار سال پہلے دریائے چرچق ۷۷۷ھ سے اترتے وقت بھی ان لوگوں نے ہماری شکست کھائی تھی اور اس واقعہ نے اس کو یاد دلا دیا۔ اس لئے تمام لشکر پر وہم غالب ہو گیا۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ گھوڑوں میں ایسی وبا پھیلی کہ طویلے کے طویلے خالی ہو گئے۔ اس کے علاوہ میری فوج اور رعب کو اتنا ایک دل اور مستعد پایا کہ جب تک دم میں دم ہے اس وقت تک جان دینے سے نہیں ہٹنے کی اور مرنے سے منہ نہیں پھیرنے کی۔ ان باعشوں سے وہ پریشان ہو گئے اور آخر اندجان قریب کو بس بھر کے رہ گیا تھا کہ درویش محمد ترخان کو اس جانب بھیجا۔ یہاں سے بھی حسن یعقوب بھیجا گیا۔ عید گاہ کے نواح میں دونوں دکیوں کی ملاقات ہوئی۔ دونوں نے آشتی کی گفتگو کی اور اپنی اپنی طرف چلے آئے۔

سلطان محمود خاں کا حملہ :- دریائے بخند کے شمال کی طرف سے سلطان محمود خاں چڑھا چلا آتا تھا۔ اس نے آتے ہی آشتی کو گھیر لیا۔ وہاں جمائگیر مرزا تھا اور امراء میں سے علی درویش بیک۔ قلی کوکلتاش۔ محمد باقر بیک اور شیخ عبداللہ ایٹک ۷۸۷ھ آقا تھے۔ ویسے لاغری اور میر غیاث طغائی بھی وہیں تھے۔ یہ دونوں دوسرے امراء سے بدخص ہو

کر کاشان میں جو ویس لاغری کا ملک تھا چلے گئے۔ چونکہ ویس لاغری ناصر مرزا کا اتالیق تھا اس لئے ناصر مرزا کاشان میں رہتا تھا۔ جس وقت خان نواح آخشی میں داخل ہوا تو اس وقت ان دونوں امیروں نے خان سے سازش کر لی اور کاشان حوالے کر دیا۔ میر غیاث تو خان کے ہمراہ رہا اور ویس لاغری ناصر مرزا کو لے کر سلطان احمد مرزا کے پاس چلا گیا۔ وہاں ان کو محمد مزید ترخان کے سپرد کر دیا گیا۔ محمود خان نے آخشی پر کئی حملے کئے مگر کچھ نہ کر سکا۔ آخشی کے سرداروں اور فوج نے جان توڑ کر مقابلہ کیا۔ اس وقت سلطان محمود خان بیمار ہو گیا اور لڑائی سے بھی اس کا جی چھوٹ چکا تھا۔ اپنے ملک کی طرف پھر گیا۔

ابوبکر کاشغری کا حملہ :- ابابکر دوغلت کاشغری جو کسی سے نہ دتا تھا اور کئی برس سے ختن اور کاشغر کا حاکم بن بیٹھا تھا اس کو بھی اس ملک کے لینے کی ہوس ہوئی۔ اور کند ۹۹ کے قریب آکر اس نے ایک گڑھی بنائی۔ اور لوٹ مار کرنی شروع کی۔ خواجہ قاضی معہ چند امراء کے متعین ہوئے کہ کاشغری کی خبر لیں۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو اس نے دیکھا کہ میں اس فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ خواجہ قاضی کو اپنا سفارشی بتایا اور سو جیلوں حوالوں سے اپنا پیچھا چھڑا کر چل دیا۔ سچ یہ ہے کہ اس موقع پر جب کہ ایسے ایسے سخت واقعات پیش آئے ہیں عمر شیخ مرزا کے پس ماندہ امراء اور سپاہیوں نے دل سے متفق ہو کر بھلوری اور جاں بازی میں کسر نہیں کی۔

عمر شیخ مرزا کی فاتحہ ملک کا انتظام :- ان جھگڑوں سے فرصت ملنے کے بعد مرزا کی والدہ شہلا سلطان بیگم ۱۰۰ اور جہانگیر مرزا محل کے لوگوں اور امراء سمیت آخشی سے اندجان میں آئے سب نے عزاداری کی رسمیں ادا کیں۔ فقراء کو آتش ۱۰۱ اور کھانا تقسیم ہوا۔ ان کالوں سے فارغ ہو کر ملک کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی گئی۔ اندجان کی حکومت اور سلطنت کی مدار الہامی پر حسن یعقوب کو مقرر کیا۔ اوش کا صوبہ دار قسم توپچین کو کیا۔ آخشی و مرغینان پر اوزون حسن اور علی دوست طغانی متعین ہوئے۔ عمر شیخ مرزا کے باقی امراء اور ملازموں کو ان کے لائق ملک زمینیں، تنخواہیں، چراگاہیں اور مقلات عطا کئے۔

سلطان احمد مرزا کا انتقال :- سلطان احمد مرزا نے جو یہاں سے اپنے ملک کی طرف

مرحمت کی تو دو تین منزل کے بعد بیمار ہو گیا۔ تپ محرقہ نے آگھیرا۔ جب وہ اورا تیبہ ۱۰۲ کی نواح میں یا تسو ۱۰۳ کے مقام پر پہنچا تو وسط شوال ۱۰۳ ۸۹۹ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ ۱۰۵ اس وقت اس کی عمر چوالیس ۴۴ برس کی تھی۔

مرزا کی ولادت اور حسب و نسب :- وہ ۸۵۵ھ ۱۰۶ میں پیدا ہوا تھا۔ اسی زمانہ میں سلطان ابوسعید مرزا تخت نشین ہوئے تھے سلطان ابوسعید مرزا کے تینوں بیٹوں میں سب سے یہی بڑا تھا۔ اس کی ماں اور وہ بوغادر خان کی بیٹی اور درویش محمد ترخان کی بڑی بہن تھی اور مرزا کے ہاں بادشاہ بیکم یہی تھیں۔

حلیہ اور وضع :- لمبا قد، سرخ ۱۰۷ رنگ، بھاری بدن، ڈاڑھی ایسی چمکتی تھی کہ دونوں کٹوں پر ایک ہل نہ تھا۔ بات چیت بہت مزے دار تھی۔ اس زمانے کے دستور کے موافق چار بیچ وضع کی دستار باندھتا تھا اور اس کا کنارہ ۱۰۸ بھوؤں پر رکھتا تھا۔

اخلاق و اطوار :- خفی مذہب اور خوش اعتقاد تھا۔ یہاں تک ۱۰۹ کہ جلسہ شراب میں بھی نماز ترک نہ ہوتی تھی۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمہ اللہ کا وہ مرید تھا حضرت خواجہ اس کے مربی اور پشت و پناہ تھے۔ وہ بڑا مودب تھا۔ خصوصاً حضرت خواجہ کے سامنے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ خواجہ کی مجلس میں جس وقت تک بیٹھتا تھا ایک زانو سے دوسرا زانو نہ بدلتا تھا۔ ایک مرتبہ خلاف عادت جس زانو پر بیٹھا تھا اس کو بدل کر دوسرے زانو پر بیٹھا۔ مرزا کے جانے کے بعد حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جہاں مرزا بیٹھا تھا، ذرا اس جگہ کو دیکھنا! دیکھا تو وہاں ایک ہڈی تھی۔ مرزا کچھ پڑھا لکھا نہ تھا۔ اگرچہ شہر میں پرورش پائی تھی مگر ایک ترک سادہ مزاج تھا۔ شاعر بھی نہ تھا۔ عمد و قول کا ایسا پکا اور سچا تھا کہ جو کہتا تھا اس کو پورا کر دیتا تھا۔ شجاع بھی تھا۔ گو ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ کوئی نمایاں کام اس کے ہاتھ سے ہوا ہو، لیکن کہتے ہیں کہ بعض معرکوں میں اس نے منہ نہیں پھیرا ہے۔ وہ اچھا تیر انداز تھا وہ ایسا تیر مارتا تھا کہ اکثر سوار ۱۱۰ ہزار میدان کے اس سرے سے اس سرے تک پہنچنے میں اپنے تیر اور گز سے اہلیالوں پر سے قیق کو اڑا دیتا تھا۔ اس کے بعد جب وہ بہت موٹا ہو گیا تھا تو قیر غاول اور پودنہ کو شکاری جانوروں سے پکڑواتا تھا اس کے جانور سے شکار کم بچتا تھا۔ جرے اور باز وغیرہ کے شکار کا بڑا شوقین تھا۔ جرے اور باز سے بہت شکار کھیلتا تھا۔ اور خوب کھیلتا تھا۔

سلطان الف بیک ۳۰ مرزا کے بعد اس جیسا میر شکاری دوسرا کوئی پادشاہ نہیں ہوا۔ وہ شرمیلا بھی انتہا درجہ کا تھا۔ کہتے ہیں کہ خلوت میں اپنے محرموں اور اپنے مصاحبوں کے سامنے بھی پاؤں تک ڈھانکے رکھتا تھا۔ جب کبھی شراب پینے کی دمت لگتی تھی تو مہینہ مہینہ بیس بیس دن تک پئے چلا جاتا تھا۔ چھوڑ دیتا تھا تو مہینہ مہینہ بیس بیس دن تک آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مجلس میں ایک نشست رات دن برابر بیٹھا ہوا شراب پیا کرتا تھا۔ جس زمانہ میں شراب چھوڑ دیتا تھا اس زمانہ میں نشنی چیزوں کا استعمال کرتا تھا۔ اس کی طبیعت کفی ہو گئی تھی۔ کم خن اور مرد آدمی تھا۔ اپنے امراء کی مٹھی میں تھا۔

اس کی لڑائیاں :- وہ چار لڑائیاں لڑا۔ ایک دفعہ لغت ارغون کے چھوٹے بھائی شیخ جمال ارغون سے مقام اقا توڑ ۳۳ نواح رائیں ۳۳ میں لڑ کر اس پر غالب ہوا۔ دوسری دفعہ عمر شیخ مرزا سے مقام خواص ۳۳ میں معرکہ آراء ہوا اور فتح پائی۔ تیسری دفعہ تاشقند ۵۵ کی نواح میں دریائے چرچق کے کنارے پر سلطان محمود خان سے لڑ بھیڑ ہوئی۔ باہر لڑائی تو ہوئی نہیں صرف چند لیرے مغلوں نے لشکر کے پیچھے سے آکر چھاؤنی پر ہاتھ ہی ڈالا تھا کہ اتنا بڑا لشکر جرار بے لڑے بھڑے اور ایک دوسرے سے بغیر مقابلہ کئے ایسا بھاگ نکلا کہ کسی نے کسی کو دیکھا تک نہیں اور بہت سے سپاہی دریا میں ڈوب گئے۔ چوتھی دفعہ حیدر کو کلاش پر یار اطلاق کے میدان میں فتح حاصل کی۔

ممالک مقبوضہ :- ملک سمرقند اور بخارا جو اس کے باپ نے دیا تھا وہ اس کے پاس تھا جب عبدالقدوس نے شیخ جمال کو قتل کیا تو تاشقند، شاہرہ، اور سیرام لے لیا تھا۔ آخر میں تاشقند اور سیرام اپنے چھوٹے بھائی عمر شیخ مرزا کو دے دیا تھا۔ کچھ دن غنجد اور اجیہ بھی مرزا کے قبضہ میں رہے ہیں۔

اس کی اولاد :- مرزا کے ہاں دو بیٹے ہوئے تھے جو طفولیت ہی میں مر گئے۔ پانچ بیٹیاں تھیں۔ چار قبل ۶۶ بیگم سے ہوئیں۔ جن میں سب سے بڑی رابعہ سلطان بیگم تھی۔ جس کو قراکوز بیگم بھی کہتے تھے۔ اس کی شادی اپنی زندگی میں سلطان محمود خان سے کر دی تھی۔ خان سے اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بابا خان تھا۔ یہ بچہ نہایت ہونمار اور خوبصورت تھا۔ جب ازبکوں نے خان کو غنجد میں شہید کیا تو اس

بچہ کو اور بچوں کو بھی مار ڈالا۔ سلطان محمود خاں کے بعد راجہ سلطان بیگم سے جلتی بیگم سلطان نے نکاح کر لیا۔ دوسری بیٹی صالحہ سلطان بیگم عرف آقہ بیگم تھی۔ اس لڑکی کی شادی سلطان احمد مرزا کے بعد سلطان محمود مرزا نے اپنے بیٹے سلطان مسعود مرزا کے ساتھ بڑی دھوم سے کی تھی۔ آخر میں وہ شاہ بیگم اور مرنکار خانم کے ساتھ کاشغر میں گرفتار ہو گئی۔ تیسری بیٹی عائشہ سلطان بیگم تھی۔ میں پانچ برس کا تھا جو سمرقند گیا، وہاں اس سے میری ملگتی ہو گئی۔ اس کے بعد لڑائی جھگڑوں کے زمانہ میں جب وہ بغداد میں آئی تو میں نے اس سے شادی کر لی۔ جب میں نے دوسری دفعہ سمرقند فتح کیا تو اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی، جو چند کے بعد اتر گئی۔ وہ تاشقند کی ویرانی سے پہلے اپنی بڑی بہن کے بسکانے سے مجھ سے علیحدہ ہو گئی تھی۔ مرزا کی چوتھی بیٹی سلطانیم بیگم تھی۔ اس کی شادی پہلے علی مرزا سے ہوئی۔ پھر علی مرزا کے بعد تیمور سلطان سے اس کا نکاح ہو گیا۔ تیمور سلطان کے بعد ممدی سلطان نے اس سے نکاح کر لیا۔ سب سے چھوٹی مرزا کی پانچویں بیٹی معصومہ سلطان بیگم تھی۔ اس کی ماں حبیبہ سلطان بیگم سلطان ارغون کی بیٹی تھیں قوم ارغون سے تھی۔ میں جس زمانے میں خراسان گیا تو وہاں اس سے ملا۔ میں نے اس کو پسند کیا اور شادی کا پیغام دیا۔ پھر کلیل میں لا کر اس سے نکاح کر لیا۔ اسکے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ زچگی کی بیماری سے اس کا انتقال ہو گیا اس لڑکی ہی سے اس کا نام باقی رہا۔

بیویاں اور حرمیں :- اس کی بیویوں میں سے پہلی بیوی مرنکار خانم پونس خاں کی بیٹی تھی۔ جس سے سلطان ابو سعید مرزا کے وقت میں بات ٹھہری تھی۔ میری والدہ کی وہ سگی بہن تھی۔ دوسری بیوی ترخانوں ۱۸۰۰ میں سے تھی۔ اس کا نام ترخان بیگم تھا۔ تیسری مکتل بیگم تھی جو ان ہی ترخان بیگم کی کوکہ تھی اور جس کو سلطان احمد مرزا نے عاشقی سے گھر میں ڈالا تھا۔ مرزا اس کو بہت چاہتے تھے اور یہ ان پر بڑی حاوی تھی۔ شراب بھی پیتی تھی۔ اس کی زندگی میں مرزا نے دوسری عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ آخر اس کو مرزا نے قتل کر ڈالا اور بدنامی سے چھٹکارا پایا۔ چوتھی خاندانہ بیگم ترند کے خاندانوں میں سے تھی۔ جس زمانہ میں کہ میری پانچ برس کی عمر تھی اور میں سلطان احمد مرزا کے پاس سمرقند گیا تھا تو اس زمانہ میں مرزا نے اس سے نکاح کیا تھا۔ ترکوں کی رسم کے موافق اس کا گھوگٹ نہ اٹھا تھا۔ مرزا نے مجھ سے فرمایا

کہ تم گھونگٹ اٹھا۔ ۱۱۹ دو۔ پانچویں بیوی احمد جانی۔ ۱۲۰ بیک کی نواسی تھی لطیف بیگم نام۔

مرزا کے مرنے کے بعد اس نے حمزہ سلطان ۱۲۱ سے نکاح کر لیا تھا۔ حمزہ سلطان کے ہاں اس سے تین بچے ہوئے۔ جس زمانے میں کہ میں نے تیور سلطان اور حمزہ سلطان کو شکست دے کر حصار چھین لیا ہے تو یہ اور دوسرے سلطان زادے گرفتار ہو گئے تھے۔ میں نے سب کو چھوڑ دیا تھا۔ چھٹی بیوی حبیبہ سلطان بیگم سلطان ارغون کی بھتیجی تھی۔

امراء :- ان کے امراء میں سے ایک جانی بیک دولدائی۔ سلطان ملک کاشغری کا چھوٹا بھائی تھا سلطان ابوسعید مرزا نے سمرقند کی حکومت کے ساتھ سلطان احمد مرزا کی سرکار کا اس کو مختار بھی کیا تھا۔ اس کے اخلاق و اطوار عجیب قسم کے تھے۔ لوگ اس کی عجیب عجیب نقلیں بیان کرتے ہیں۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ جس زمانہ میں وہ حاکم سمرقند تھا تو ازبک کا ایک ایلچی آیا۔ جو ازبکوں میں پہلوان مشہور تھا۔ ازبک لوگ طاقت دار اور پہلوان کو بوغا کہا کرتے ہیں۔ جانی بیک نے اس سے پوچھا۔ ”کیا تجھے بوغا کہتے ہیں؟ اگر تو بوغا ہے تو آ! میں تجھ سے ایک زور کروں۔“ اس ایلچی نے ہر چند عذر کیا مگر جانی بیک اس سے لپٹ ہی گیا اور اس کو دے مارا۔ جانی بیک آدمی بہادر تھا۔ دوسرا احمد حاجی بیک تھا جو ملک کاشغری کا بیٹا تھا۔ سلطان ابو ۱۲۲ سعید مرزا نے کئی دفعہ اس کو ہرات کا حاکم کیا تھا۔ اس کے چچا جانی بیک کے مرنے کے بعد اس کو جانی بیک کی جگہ سمرقند کا حاکم مقرر کر دیا۔ خوش طبع اور بہادر آدمی تھا۔ اس کا تخلص وفائی تھی اور وہ صاحب دیوان بھی تھا۔ شعر اچھا کہتا تھا۔ اس کا شعر ہے ۔

ستم اے محتسب امرہ ز زمن دست بدار
احسانم بکن آں روز کہ یابی ہشیار

احمد حاجی بیک جس زمانہ میں ہرات سے سمرقند میں آیا تھا تو میر علی شیرنوائی اس کے ہمراہ تھا۔ پھر جب سلطان حسین مرزا ہرات کا بادشاہ ہوا تو علی شیر ہرات میں آ گیا اور وہاں اس کی بہت رعایت ہوئی۔ احمد حاجی بیک کے پاس اچھے اچھے تہمتاں ۱۲۳ رہتے تھے اور وہ اچھا سوار تھا۔ اکثر اس کے تہمتاں اسی کے خانہ زاد ہوتے تھے۔ اگرچہ بہادر آدمی تھا مگر اس کی بہادری کے لائق اس کا عروج نہیں ہوا۔ وہ ایک بے پروا

مختص تھا۔ اس کے سب کاروبار نوکروں چاکروں کے ہاتھ پر تھے۔ جس وقت بانیستغفر مرزا اور سلطان علی مرزا میں بخارا کے مقام پر لڑائی ہوئی ہے اور بانیستغفر مرزا مغلوب ہوا تو احمد حاجی بیگ پکڑا گیا اور درویش محمد ترخان کے قتل کے اہتمام میں بے عزتی کے ساتھ قتل ہوا۔ ایک درویش محمد ترخان تھا اور ابوفا ترخان کا بیٹا۔ سلطان احمد مرزا اور سلطان محمود مرزا کا سگا ماموں۔ یہ سب امیروں میں سربر آوردہ اور مرزا کا بڑا معتد علیہ تھا۔ دین دار اور فقیر صفت آدمی تھا۔ ہمیشہ قرآن شریف لکھا کرتا تھا۔ شطرنج بہت کھیلتا تھا۔ اور اچھی کھیلتا تھا۔ شکاری جانور پالنے کا اس کو بڑا ملکہ تھا۔ اور شکار پر جانور کو خوب پھینکتا تھا۔ سلطان علی مرزا اور بانیستغفر مرزا کے جھگڑے میں جب کہ یہ مقتدر تھا ایک بدنامی کے ساتھ مارا گیا۔

ایک عبدالعلی ترخان تھا۔ درویش محمد ترخان کا قریب کا رشتہ دار۔ درویش محمد ترخان کی چھوٹی بہن اس کے ساتھ منسوب بھی تھی۔ جو بانی ترخان کی ماں تھی۔ اگرچہ درویش محمد ترخان منزلت خاندانی کے علاوہ مرتبہ و امارت وغیرہ میں بھی اس سے بہت زیادہ تھا مگر یہ فرعون بے سلمان اس کی کچھ اصل نہ سمجھتا تھا۔ یہ اکثر حاکم بخارا رہا ہے۔ اس کے ملازموں کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ وہ اپنے نوکروں کو اچھی طرح اور ذرق و برق رکھتا تھا۔ اس کی واقفیت، عقل، عدالتی کارروائی، دربار، جلوس، شیلان۔ ۳۳، مجلس بالکل شہانہ تھی۔ وہ خالم، ضابط، قاسق اور مدخ آدمی تھا۔ شیبانی خاں کو اس کا نوکر نہ تھا مگر مدتوں اس کی خدمت میں رہا ہے۔ خود چھوٹے چھوٹے سلاطین اکثر اس کے ملازم رہے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ شیبانی خاں کی ساری ترقی حاصل کرنے اور تمام خاندانوں کے برباد ہونے کا باعث عبدالعلی ترخان ہی ہوا ہے۔

ایک سید یوسف و غلامچلی تھا۔ اس کا دادا مظہرستان سے آیا تھا۔ الف بیگ مرزا نے اس کے باپ کے ساتھ بہت کچھ سلوک کیا تھا۔ وہ بڑا مدبر اور بہادر آدمی تھا۔ قبوز ۳۵۔ اچھا بجاتا تھا۔ جب میں پہلے پہل کلہل میں آیا تھا تو اس نے میرے ساتھ بہت سی رعایتیں کی تھیں۔ وہ تھا بھی اسی لائق۔ جب میں نے پہلے سلہ ہندوستان پر فوج کشی کی تھی تو سید یوسف ہی کو کلہل میں چھوڑا تھا۔ وہیں وہ فوت ہوا۔ اور ایک درویش بیگ ایکو تیمور بیگ کی نسل سے تھا۔ (ایکو تیمور بیگ امیر تیمور کے بنائے ہوئے سرداروں) میں سے تھا، وہ حضرت خواجہ عبداللہ احرار رحمہ اللہ کا مرید

تھا۔ علم موسیقی سے واقف تھا۔ ساز بھی بجاتا تھا۔ شاعر بھی تھا۔ جس زمانہ میں کہ سلطان احمد مرزا نے دریائے چرچن کے کنارے پر شکست کھائی ہے تو یہ وہیں دریا میں غرق ہو گیا تھا۔ ایک محمد مزید ترخان تھا۔ جو درویش محمد ترخان کا چھوٹا اور اس کا سگا بھائی تھا۔ یہ کئی برس تک ترکستان کا حاکم رہا ہے۔ شیبانی خاں نے ترکستان اسی سے چھینا ہے۔ اس کی رائے اور تدبیر تو اچھی تھی مگر بے باک اور فاسق تھا۔ دوسری اور تیسری دفعہ جو میں نے سمرقند کو فتح کیا تو وہ میرے پاس آ گیا تھا۔ میں نے بھی اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا۔ کول ملک کی لڑائی میں وہ مارا گیا۔ ایک باقی ترخان عبدالعلی ترخان کا بیٹا اور سلطان احمد مرزا کا چھوٹا زاد بھائی تھا۔ اس کے باپ کے بعد اسی کو بخارا کا حاکم کیا تھا۔ سلطان علی مرزا کے زمانہ میں اس کا بہت عروج ہو گیا تھا۔ پانچ چھ ہزار آدمی اس کے نوکر ہو گئے تھے۔ سلطان علی مرزا کا وہ کچھ ایسا تابعدار نہ تھا۔ شیبانی خاں سے قلعہ دیوی میں لڑ کر ان سے شکست کھائی اور اسے شکست دینے سے شیبانی خاں نے بخارا پر قبضہ کر لیا۔ باقی ترخان کو شکاری جانوروں سے بہت شوق تھا۔ کہتے ہیں کہ سات ۳۶۰ سو شکاری جانور اس کے پاس پلے ہوئے تھے۔ اس کے اخلاق و اطوار ایسے تھے جن کا بیان نہیں ہو سکتا۔ وہ امیر زادگی اور دولت میں سربر آورہ ہو گیا تھا۔ اس کے باپ نے جو شیبانی خاں کے ساتھ بہت سی بھلائیاں کی تھیں تو وہ شیبانی خاں کے پاس چلا گیا۔ مگر اس ناحق شناس اور بے مروت نے ان نیکیوں کے بدلے میں کچھ بھی رعایت و شفقت نہ کی۔ آخر بری حالت اور ذلت کے ساتھ آخری میں وہ مر گیا۔ ایک سلطان حسین ارغون تھا۔ چونکہ مدتوں قراکول کی حکومت اس کے سپرد رہی تھی اس لئے سلطان حسین قراکولی مشہور ہو گیا تھا۔ وہ بڑا صاحب الرائے اور عقلمند تھا۔ بہت دن تک میرے پاس رہا ہے۔ ایک قل محمد توچمین تھا۔ یہ بہاور آدمی تھا۔ ایک عبدالکریم اشرب اخور ۱۳۷۰ تھا۔ یہ سلطان احمد مرزا کا داروغہ دیوان خانہ تھا۔ فیاض اور بہاور آدمی تھا۔

سلطان محمود مرزا کو امراء کا بلانا۔ ملک محمد مرزا کا

باغی ہو کر ناکام ہونا اور سلطان محمود مرزا کا بادشاہ ہونا

سلطان احمد مرزا کے انتقال کے بعد امراء نے اتفاق کر کے ایک قاصد پہاڑی راستہ سے سلطان محمود مرزا کے پاس بھیجا اور مرزا کو بلایا۔ یہاں یہ ہوا کہ ملک محمد مرزا (منوچر کا بیٹا جو سلطان ابوسعید مرزا کا بڑا بھائی ہوتا تھا) سلطان کے خیال سے چند بد معاشوں کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے سمرقند میں آگیا۔ مگر کچھ نہ کر سکا۔ بلکہ اپنے ساتھ اور چند بے گناہوں کے قتل کا باعث ہو گیا۔ سلطان محمود مرزا اس خبر کے سنتے ہی سمرقند میں چلا آیا اور بے کھٹکے تخت پر ہو بیٹھا۔ مگر سلطان محمود مرزا کی چند نالائق حرکتوں کے باعث سے ساری فوج و رعیت مرزا سے نفرت کرنے لگی، اور کنارہ کش ہونے لگی۔ ایک حرکت یہ تھی کہ ملک محمد مرزا کو جو اس کے چچا کا بیٹا اور اس کا داماد تھا مد اور چار مرزاؤں کے گوگ سرائے ۱۳۸۰ میں بھیجا۔ ان میں سے دو کو تو زندہ رکھا اور ملک محمد مرزا کو مد ایک دوسرے مرزا کے قتل کر ڈالا۔ اگرچہ ملک محمد مرزا کسی قدر مجرم تھا لیکن مرزا بے گناہ تھے۔ دوسری حرکت یہ تھی کہ جیسا خود ظالم اور فاسق تھا ویسے ہی اس کے امراء اور وکرا سب کے سب ظالم اور فاسق تھے۔ حصار کے لوگ خصوصاً "خرو شاہ کے متعلق ہمیشہ شراب خواری اور بدکاری میں مشغول رہتے تھے۔ یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ خرو شاہ کے ایک نوکر نے کسی بھلے مانس کی بیوی کو چھین لیا تھا۔ اس مظلوم نے جب خرو شاہ سے فریاد کی تو خرو شاہ نے جواب دیا کہ اتنی مدت تیرے پاس رہی اب کچھ دن تک اس کے پاس رہنے دے۔ اگرچہ اس کا انتظام اور توزک اچھا تھا۔ مال کا کام بھی وہ جانتا تھا، اور علم سیاق سے بھی وہ واقف تھا لیکن اس کی طبیعت ظلم اور فسق کی طرف بہت مائل تھی۔ سمرقند میں آتے ہی اس نے انتظام اور تحصیل کی اور ہی بنا ڈالی۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے متعلق قور کے ساتھ ظلم اور سختی کرنے لگا۔ اس سے پہلے بہترے فقراء اور مساکین ان کی حمایت و سفارش سے بچ بچ جاتے تھے۔ اب خود ان پر تکلیفیں گزرنے لگیں اور زیادتیوں ہونے لگیں چونکہ رعایا اور اہل بازار یہاں تک کہ ترک اور سپاہیوں کے بچوں کو پکڑ

کر چہرہ ۱۳۹۰ بتانے کے لئے لے جاتے تھے۔ اس لئے ڈر کے مارے لوگ گھرتے باہر نہ نکلتے تھے۔ اہل سمرقند پچیس برس سے سلطان احمد مرزا کے سلیہ عاطفت میں آسودگی کے ساتھ گزر کر رہے تھے۔ اور ان کے اکثر معاملے حضرت خواجہ کے سبب سے شرع و انصاف کے موافق فیصل ہوتے تھے۔ اب یہ لوگ ان ظلموں اور بدکاریوں سے عاجز آ گئے اور رنجیدہ ہو گئے۔ وضع، شریف، فقیر اور مسکین برا بھلا کہنے لگے اور بدعائیں دینے لگے۔ - نظم

حذر	کن	زود	درد	نمائے	ریش
کہ	ریش	دروں	عاقبت	سرکند	
بہم	برکن	توانی	دلے		
کہ	آ	ہے	جہانے	بہم	برکند

آخر اس ظلم اور بدکاری کے طفیل پانچ چھ مہینے سے زیادہ سلطان محمود مرزا کی حکومت سمرقند میں نہ رہی۔

۱۳۰۰ء ۹۰۰ ہجری کے واقعات

حسن یعقوب کا باغی ہونا، بھاگنا اور مرنا:- اسی سال میں سلطان محمود مرزا کے پاس سے عبدالقدوس بیگ نامی اہلچی آیا اور سلطان محمود مرزا نے اپنے بڑے بیٹے سلطان مسعود مرزا کی شادی اپنے بڑے بھائی سلطان احمد مرزا کی دوسری بیٹی ۱۳۰۰ء سے کی تھی۔ اس کی شادی کا حصہ لایا۔ اس شادی میں سونے اور چاندی کے پتے اور ہلام تقسیم ہوئے تھے۔ اس اہلچی نے ظاہر میں تو اپنے اہلچی بن کر آنے کی غرض حسن یعقوب کی رشتہ داری بیان کی مگر درحقیقت وہ دل فریب وعدے دے کر حسن یعقوب کو ملانے آیا تھا۔ حسن نے بھی اس کو نرم ہی جواب دیئے، بلکہ اسی طرف ہو گیا۔ شادی کی مبارک باد وغیرہ کی رسمیں ادا کرنے کے بعد قاصد کو رخصت کیا۔ پانچ چھ مہینے کے بعد حسن یعقوب کا رنگ پلٹنے لگا۔ میرے مقربوں کے ساتھ لگا بدسلوکیاں کرنے اور یہاں تک بندوبست کر لیا کہ مجھ کو چھو چھو بتا کے جہانگیر مرزا کو بلو شلہ کر دے۔ چونکہ حسن یعقوب کے بتلوے تمام امراء اور فوج کے ساتھ اچھے نہ تھے اس

لئے اس کے اس منصوبہ سے جو سب واقف ہو گئے تو خواجہ قاضی، قاسم قوچین، علی دوست طغائی اور زون حسن اور اور دولت خواہ میری ٹلنی ایسن دولت بیگم کے پاس حاضر ہوئے۔ مشورہ کر کے یہ بات قرار دی کہ حسن یعقوب کو معزول کرنا چاہئے۔ اس کی معزولی سے فتنہ و فساد فرد ہو جائے گا۔

میری ٹلنی ایسن دولت بیگم ایسی صاحب رائے اور تدبیر تھیں کہ عورتوں میں کم ہوتی ہیں۔ وہ بڑی دور اندیش اور عقل مند تھیں۔ اکثر کلام انہی کے مشورے سے ہوتے تھے۔ حسن یعقوب ارک میں تھا۔ میری ٹلنی صاحبہ قلعہ سنگین۔ ۱۳۲ میں چافار میں تھیں۔ یہاں سے میں اسی قصد سے ارک کی طرف روانہ ہوا۔ حسن یعقوب شکار کھیلنے گیا ہوا تھا۔ میری خبر سنتے ہی ادھر کا ادھر سمرقند کی طرف چل دیا۔ جو سردار وغیرہ اس سے ملے ہوئے تھے ان کو گرفتار کر لیا۔ ان میں محمد باقر بیگ اور سلطان محمود دلدائی۔ ۱۳۳ (سلطان محمد۔ ۱۳۳ دلدائی کا باپ) وغیرہ تھے۔ ان میں سے بعض کو میں نے سمرقند کی طرف رخصت کر دیا۔ اب حکومت اندجلان اور عمدہ مدارالہامی پر قاسم قوچین مقرر ہوا۔ حسن یعقوب سمرقند جانے کے ارادے سے کند بادام تک گیا تھا کہ چند روز کے بعد فتنہ و فساد برپا کرنے کے خیال سے آخشی کا قصد کر کے خوقان۔ ۱۳۵ اور آخشی کی نواح میں آگیا۔ یہ خبر سنتے ہی کچھ سرداروں کو معہ فوج کے دفعتاً حملہ کرنے کے لئے اس کی طرف روانہ کیا۔ ان سرداروں نے کچھ فوج قراولی۔ ۱۳۶ کے لئے مقرر کر دی تھی۔ حسن یعقوب نے سنتے ہی راتوں رات اس فوج پر جو قراول تھی اور اصل فوج سے جدا تھی شبنون مارا۔ ان کی فرد گاہ کو گھیر لیا اور تیر برسائے شروع کئے لیکن اندھیری رات میں خود اسی کے ایک سپاہی کا ایک تیر اس کی پشت میں لگا اور بھاگنے سے پہلے اس نے اپنے کئے کی سزا پائی۔

چو	بد	کردی	مباش	ایمن	زافات
کہ	واجب	شد	طبیعت	را	مکافات

ترجمہ

اپنی بدکاری کی شامت سے نہ بے خوف ہو تو
کہ تجھے اس کی مکافات بھگتنی ہو گی

اتفا اختیار کرنا:- اسی سال میں میں نے اس کھانے سے جو مشتبہ ہو پرہیز اختیار کیا۔

یہاں تک کہ چھری، چمچے اور دسترخوان کی بھی احتیاط ہو گئی اور نماز تہجد بھی بہت کم قضا ہوتی تھی۔

سلطان محمود مرزا کا مرنا :- ماہ ربیع الثانی میں سلطان محمود مرزا سخت بیمار ہوا اور چھ دن میں مر گیا۔ ۸۵۷ھ اس کی عمر تینتالیس برس کی تھی۔ ۸۵۷ھ ۳۸۰ میں پیدا ہوا تھا۔ ابوسعید مرزا کا یہ تیسرا بیٹا تھا۔ یہ سلطان احمد مرزا ایک ماں کے پیٹ سے تھے۔

صورت۔ سیرت :- مرزا کا حلیہ یہ تھا۔ ٹھنکنا قد، چلتی ڈاڑھی، بدن فریہ، اخلاق و اطوار کی کیفیت یہ تھی کہ نماز ترک نہ کرتا تھا۔ انتظام اور ہر بات کا قلعہ بہت درست تھا، وہ علم سیاق خوب جانتا تھا۔ اس کی قلم رو کا ایک پیسہ اس کی اطلاع کے بغیر خرچ نہ ہوتا تھا۔ اس کے نوکروں کی تنخواہ ایک دن نہ چڑھتی تھی۔ اس کی بزم، داد و دہش، دربار اور دعوتوں کے قلعے نہایت عمدہ تھے۔ جو قلعہ ایک بار مقرر کر دیا گیا ہے۔ کیا مجال کہ اس سے کوئی شخص یا کوئی سپاہی تجلوز کر سکے۔ اس کا لباس ۳۹۰ پر تکلف اور اس زمانہ کی وضع کے موافق ہوتا تھا۔ ابتداء میں باز سے بہت شکار کھیا کرتا تھا۔ پھر محکم ۳۱۰ جانور کے شکار کا شوق ہو گیا تھا۔

خز میں ظلم و فسق بہت کرنے لگا۔ رات دن شراب کا گلاس منہ سے لگا رہتا تھا۔ بیبیوں خوبصورت غلام پاس رکھا کرتا تھا اس کے ملک میں جہاں کہیں کوئی امرود خوبصورت نظر آتا اس کو ہر طرح پکڑ کر لڑکوں میں داخل کر لیتا تھا۔ یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ اپنے امراء کے بچوں اور کوکہ زاووں بلکہ کوکاؤں تک کو بھی ان میں داخل کر لیا کرتا۔ یہ ملائق رسم اس کے زمانہ میں اتنی مروج ہو گئی تھی کہ کوئی شخص ایسا نہ تھا جس نے پاس امرود نہ ہوا۔ بلکہ امرود رکھنا معیوب تھا۔ انہی بد اعمالیوں کی شامت سے اس کے سارے بچے جوان ہی مرے۔ وہ شعر بھی کہا کرتا تھا۔ پورا دیوان مرتب کر لیا تھا۔ شعر تو بہت تھے مگر بے مزہ تھے۔ میرے نزدیک ایسے شعر کہنے سے نہ کہنا بہتر ہے۔ بد اعتقاد آدمی تھا۔ حضرت خواجہ عبید اللہ کو حقارت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا۔ دل کا اچھا نہ تھا۔ مزاج میں حیا بہت کم تھی، لپے اور مسخرے اس کے ہم صحبت تھے جو سرد دربار اور علانیہ نالائق حرکتیں اور بیہودہ باتیں کیا کرتے تھے۔ بات اس طرح بری ادا کرتا تھا کہ فوراً سمجھ میں نہ آتی تھی۔

لڑائیاں :- وہ دو لڑائیاں تو سلطان حسین مرزا سے لڑا۔ ایک اتر آباد ۳۲۰ میں جہاں

اس کو شکست ہوئی۔ دوسری مقام بکمن۔ ۱۳۳ میں جو اند خود۔ ۱۳۴ کی فوج میں ہے۔ اس لڑائی میں بھی مغلوب ہوا۔ دو دفعہ بدخشش کے جنوب کی طرف کافرستان۔ ۱۳۵ پر جلاکید اسی سبب سے اس کے فرمانوں کے طفروں۔ ۱۳۶ میں سلطان محمود غازی لکھا جاتا تھا۔

ممالک محروسہ :- سلطان ابوسعید مرزا نے اپنے ملک میں سے استرآباد اس کو دے دیا تھا۔ عراق کے جھگڑے کے بعد وہ خراسان بھی گیا۔ اسی زمانہ میں قنبر علی بیگ حاکم حصار سلطان ابوسعید مرزا کے حکم سے ہندی فوج کو لے کر مرزا کی مدد کے لئے عراق کو چلا اور خراسان پہنچ کر سلطان محمود مرزا سے جاملہ۔ جو نئی خراسان والوں نے سلطان حسین مرزا کا شرہ سنا ویسے ہی سب نے بلوہ کر کے سلطان محمود مرزا کو خراسان سے نکل دیا۔ وہ سلطان احمد مرزا کے پاس سرقد میں آگیا۔ کئی مہینے کے بعد احمد مشتق سید بدر اور خسرو شاہ وغیرہ سلطان محمود مرزا کو لے کر قنبر علی بیگ کے پاس آگئے۔ پھر قلعہ معہ ان اضلاع کے جو کوہ کونین۔ ۱۳۷ کے جنوب میں واقع ہیں جیسے ترفہ چغتایاں حصار خٹلاں۔ ۱۳۸ قدر اور بدخشش کوہ ہندو کش تک تمام ملک سلطان محمود مرزا کے قبضہ میں گئے۔ اس کے بڑے بھائی سلطان احمد مرزا کے مرنے کے بعد سلطان احمد مرزا کا ملک بھی اسی کے تحت میں آگیا۔

اولاد :- اس کے پانچ بیٹے اور گیارہ بیٹیاں تھیں۔ سب سے بڑا مسعود مرزا تھا۔ اس کی ماں خازوادہ بیگم میربزرگ ترفہ کی بیٹی تھی۔ دوسرا بیٹا بانستغر مرزا تھا۔ وہ پشہ بیگم کے پیٹ سے تھا۔ تیسرا بیٹا سلطان علی مرزا تھا۔ اس کی ماں ازبک خاندان سے تھی۔ اس کا نام زہرہ بیگم آغا تھا۔ یہ حرم تھی۔ چوتھا بیٹا سلطان حسین مرزا تھا۔ اس کی ماں میربزرگ کی پوتی تھی اور اس کا نام بھی خازوادہ بیگم تھا۔ یہ لڑکا مرزا کے سامنے تیرہ برس کی عمر میں مر گیا۔ پانچواں بیٹا سلطان ولیس مرزا تھا۔ اس کی ماں یونس خاں کی بیٹی اور میری ماں کی چھوٹی بہن سلطان نگار خانم تھی۔ ان چاروں مرزاؤں کے حالات سامعائے آئندہ کے واقعات میں لکھے جائیں گے۔

تین بیٹیاں بانستغر مرزا کی ہم بطن بہنیں تھیں۔ جن میں سب سے بڑی کی شادی سلطان محمود مرزا نے اپنے چچا منوچہر مرزا کے بیٹے ملک محمد مرزا کے ساتھ کی تھی۔ پانچ بیٹیاں میربزرگ کی پوتی خازوادہ بیگم کے پیٹ سے تھیں۔ ان میں سے سب

سے بڑی کی شادی سلطان محمود مرزا کے بعد ابابکر کاشغری سے ہوئی تھی۔ ان ہی میں سے دوسری بیٹی بیگم تھی۔ جب سلطان حسین مرزا نے حصار کا محاصرہ کیا تھا تو اپنے بیٹے حیدر مرزا (جو پابندہ سلطان بیگم بنت سلطان ابو سعید مرزا کے پیٹ سے تھا) سے اس کی شادی کر کے حصار کا محاصرہ اٹھا لیا تھا۔ تیسری بیٹی آق بیگم تھی۔ چوتھی بیٹی عمر شیخ مرزا کے بیٹے جمالتیر مرزا سے اس زمانہ میں نام زد ہوئی تھی جس زمانہ میں سلطان حسین مرزا نے قندھار پر چڑھائی کی ہے اور عمر شیخ مرزا نے جمالتیر مرزا کو معہ فوج ملک کے لئے بھیجا ہے۔ جب ۹۰۲ھ میں دریائے آمو کے کنارے پر بقی چغتائی آ کر مجھ سے ملا تو یہ بتائیں جو اپنی ماں کے ساتھ تہذیب میں تھیں باقی چغتائی کی بیوی کے ساتھ میرے پاس آگئیں اور جب ہم کھمبو میں پہنچے تو اس کی شادی جمالتیر مرزا سے ہو گئی۔ اس کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ آج کل وہ اپنی مٹی خانزادہ بیگم کے ہمراہ بدخشاں میں ہے۔ پانچویں بیٹی زینت سلطان ۱۵۰ھ بیگم تھی۔ جب میں نے کلل لے لیا ہے تو اپنی والدہ کلن نگار خانم کے کہنے سے میں نے اس سے شادی کر لی۔ مگر کچھ موافقت نہ ہوئی۔ دو تین برس کے بعد چچک کے مرض سے اس کا انتقال ہو گیا۔ ایک بیٹی محمودہ سلطان بیگم تھی۔ سلطان علی مرزا اور یہ دونوں ایک ماں کے پیٹ سے تھے اور مرزا سے یہ بڑی تھی اب وہ بدخشاں میں ہے۔ دو اور بیٹیاں حرم کے پیٹ سے تھیں۔ ایک رجب سلطان دوسری محب سلطان۔

بیویاں۔ حمیں :- سب میں بڑی خانزادہ بیگم بہت میر بزرگ تھی۔ مرزا اس کو بہت چاہتا تھا۔ سلطان مسعود مرزا اسی کے پیٹ سے تھا۔ جب وہ مری تھی تو مرزا نے بڑا سگ کیا تھا۔ اس کے بعد میر بزرگ کی پوتی سے نکاح کر لیا۔ جو متوفیہ کی بھتیجی تھی۔ اس کو بھی خانزادہ بیگم ہی کہا کرتے تھے۔ یہ بیوی پانچ بیٹوں اور ایک بیٹی کی ماں تھی۔ ایک بیوی پش بیگم تھی۔ علی شیر بیگ بہار لو کی بیٹی۔ یہ علی شیر بیگ ترکمان قراقو ۱۵۱ھ بلوچ کے امراء میں سے تھا۔ محمدی مرزا خلف جس شاہ بارانی قراقو بلوچ سے پش بیگم کی پہلی شادی ہو گئی تھی۔ جن دنوں میں عراق اور آذربائیجان کو اوزون حسن ابن مرزا قراقو بلوچ ۱۵۲ھ نے جو جانشاہ کی اولاد سے تھا چھین لیا تو علی شیر بیگ کے بیٹے قراقو بلوچ ترکمانوں کے پانچ چھ ہزار گھروں ۱۵۳ھ کے سمیت سلطان ابو سعید مرزا کی ملازمت میں آ گئے تھے۔ ابو سعید مرزا کے شکست کھانے کے بعد اس ملک میں چلے آئے جس

وقت سلطان محمود مرزا سرحد سے حصار میں آیا اس وقت یہ لوگ مرزا موصوف کی ملازمت میں آ گئے۔ اسی زمانہ میں ان پشہ بیگم سے مرزا نے نکاح کر لیا۔ اس بیگم سے ایک بیٹا اور تین بیٹیاں ہوئیں۔ ایک بیوی سلطان نگار خانم تھی۔ اس کا حسب و نسب اوپر لکھا جا چکا ہے۔ حرم اور سرزیتیں بہت سی تھیں مگر سب سے چڑھی بڑھی زہرہ بیگم آغا ازبکی تھی۔ سلطان ابوسعید مرزا کی زندگی میں اس سے تعلق ہو گیا تھا۔ یہ ایک بیٹے اور ایک بیٹی کی ماں تھی۔ حرم جو بہت سی تھیں ان میں سے دو کے ہاں دو بیٹیاں پیدا ہوئی تھیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

مرزا کے امراء :- امراء میں سے اول خسرو شاہ ترکستان کی قوم قچماق - ۱۵۴۰ء سے تھا۔ لڑکپن میں اس نے امراء ترخان کی جوتیاں جھاڑیں، پھر مزید بیگ ارغون کی نوکری کر لی۔ اسی نے اس کو کسی قدر بڑھا دیا۔ عراق کی تباہی کے زمانہ میں سلطان محمود مرزا کے ساتھ ہو گیا۔ چونکہ راستہ میں مرزا کی اچھی طرح خدمت کی۔ اس لئے مرزا نے بھی اس کے ساتھ بڑی رعایت کی۔ رفتہ رفتہ وہ بڑا آدمی ہو گیا۔ سلطان محمود مرزا کے زمانہ میں اس کے نوکروں کی تعداد پانچ چھ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ دریائے آسہ سے کوہ ہندو کش تک سوائے بدخشاں کے سارے ملک کا حاکم وہی تھا۔ وہاں کا تمام محاصل وہی خورد برد کر جاتا تھا۔ مدارات اور سخاوت بہت کرتا تھا۔ اگر وہ ترک تھا مگر مال گذاری وصول کرنے میں بہت ہوشیار تھا۔ ساتھ ہی اس کے جس قدر پیدا کرتا تھا اسی قدر اڑا دیتا تھا۔ سلطان محمود مرزا کے بعد مرزا کے بیٹوں کے زمانہ میں بہت ہی بڑا آدمی ہو گیا تھا۔ ۱۵۵۰ء اس وقت اس کے نوکروں کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ گو پابند نماز تھا اور کھانے پینے میں بھی احتیاط کرتا تھا مگر تھاسیہ دل، فاسق، کدون، بے سمجھ، بے وفا اور نمک حرام شخص۔ اس نے اس بیچ روزہ دنیا کے واسطے اپنے ایک آقا زادے کو جس کی خود اس نے خدمت کی تھی اور پالا تھا اندھا کر دیا اور ایک کو قتل کر ڈالا۔ یہ وہ ناشائستہ حرکتیں تھیں جن کے سبب سے خدا کی درگاہ میں گنہگار اور مخلوق کے نزدیک مردود ہو کر قیامت تک قابل نفرین و لعنت ہو گیا، اور اس دنیا کے لئے اس نے ایسے تالائق کام کئے۔ آخر میں باوجود اس قدر وسیع اور آباد ملک کے اور اسنے سلمان جنگ اور نوکروں کے ایک مرغی پر اس کا قابو نہ رہا۔ اس کتاب میں اس کا یہ ذکر آگے لکھا جائے گا۔

ایک اور پیر محمد اپنی بوغا توچین قلعہ بلخ کے دروازے پر جنگ ہزار اسپ میں سلطان ابوسعید مرزا کے سامنے دعویٰ کر کے خوب گھونم گھونٹا لڑا قلعہ وہ بلور آدمی تھا۔ ہمیشہ مرزا کے پاس رہا کرتا تھا اور مرزا اس کی صلاح پر عمل کیا کرتا تھا۔ جس وقت سلطان حسین مرزا نے قندز کا محاصرہ کیا ہے اس وقت اس نے خسرو شاہ کی چوٹ پر تھوڑی سی بے سلاں فوج لے کر اندھا دھند شہن مارا مگر کچھ نہ کر سکا بھلا اتنے بڑے لشکر کے سامنے کیا کر سکتا تھا اس کے پیچھے دشمن کے قلعہ فوجی نے تعاقب کیا۔ وہ دریا میں کود پڑا اور وہیں ڈوب گیا۔ ایک ایوب قلعہ سلطان ابوسعید مرزا کے ہاں خراسانی جوانوں کے گروہ میں داخل تھا۔ بلور آدمی قلعہ بانستغر مرزا کی سرکار کا مختار قلعہ کھانے پینے میں کفایت شعار تھا۔ بڑا مسخرا اور چلاک آدمی قلعہ سلطان محمود مرزا اس کو ”بے حیا“ کہا کرتا تھا۔

ایک ولی قلعہ خسرو شاہ کا چھوٹا اور سگا بھائی۔ وہ اپنے آدمیوں کو اچھی طرح رکھتا تھا۔ اسی لئے سلطان مسعود مرزا کو اندھا اور بانستغر کو قتل کرایا تھا۔ وہ ہر کسی کی غیبت کیا کرتا تھا۔ بد زبان، فحش گو، خود پسند اور بد مغز آدمی تھا۔ سوائے اپنے کسی کو کسی کام میں کچھ نہ سمجھتا تھا۔ جب میں نے نواح کیل کائے اور دوشی میں جو نواح قندز میں سے ہے خسرو شاہ کو اس کے ملازموں سے علیحدہ کر کے رخصت کیا تو ولی ازبک کے ڈر سے اندراب در مراب میں آ گیا تھا۔ اس نواح کی قوموں نے بھی اس کو شکست دے کر لوٹ لیا اور وہی قومیں مجھ سے اجازت لے کر کابل میں آ گئی تھیں۔ ولی شیبانی خاں کے پاس چلا گیا۔ شیبانی خاں کے پاس چلا گیا۔ شیبانی خاں نے اس کو سمرقند میں مروا ڈالا۔ ایک شیک عبداللہ برلاس تھا۔ وہ ابوسعید مرزا کے زمانہ ہی میں داخل امراء ہو گیا تھا۔ ۱۵۶۷ جن دنوں میں ابابکر مرزا نے مزید بیگ ارغون اور امراء ترکمن قراقر بلوق کو ہمراہ لے کر سلطان محمود خاں پر چڑھائی کی ہے اور مرزا اپنے بھائی کے پاس سمرقند چلا گیا ہے تو محمود برلاس نے حصار کو نہ چھوڑا اور اس کو خوب سنبھالے رکھا۔ وہ شاعر تھا اور صاحب دیوان تھا۔

بانستغر مرزا بادشاہ سمرقند ہوا۔ خسرو شاہ نکالا گیا۔ سلطان محمود مرزا کے مرنے کی خبر کو خسرو شاہ نے لوگوں سے چھپایا اور خزانہ پر دست اندازی کی۔ بھلا ایسی خبر کیونکر چھپی رہ سکتی تھی۔ فی الفور تمام شہر میں یہ خبر اڑ گئی اور سمرقند والوں کے ہاں

گویا اس دن تھی کے چراغ جل گئے۔ فوج و رعیت نے بلوہ کر کے خسرو شاہ کو گھیر لیا۔ احمد حاجی بیگ اور امراء ترخان نے اس بلوہ کو فرد کیا۔ اور خسرو شاہ کو اس ککشاں سے نکل کر حصار کی طرف چلا کر دیا۔ سلطان محمود مرزا نے اپنی زندگی میں اپنے بڑے بیٹے مسعود مرزا کو حصار اور بانستغر مرزا کو بخارا کا حاکم کر دیا تھا۔ اس موقع پر ان دونوں میں سے کوئی سمرقند میں نہ تھا۔ خسرو شاہ کے چلے جانے کے بعد امراء سمرقند اور حصار نے متفق ہو کر بانستغر بانستغر مرزا کے پاس آدمی دوڑایا اور اس کو بلا کر سمرقند کے تخت پر بٹھا دیا۔ اس وقت بانستغر مرزا کی عمر اٹھارہ برس کی تھی۔

اسی زمانہ میں سلطان جنید برلاس اور بعض اکابر سمرقند کی تحریک سے محمود خل نے سمرقند لینے کے لئے فوج کشی کی اور کبائے ۷۷۵ کے نواح میں آگیا۔ سمرقند سے بانستغر مرزا بھی بہت سی مسلح فوج لے کر باہر نکلا۔ کبائے کے نواح میں مقابلہ ہوا۔ حیدر کو ککشاں جو مغلوں کے لشکر کا بڑا سردار تھا اور ہر اول تھا معہ اپنے ہمراہیوں کے گھوڑوں پر سے اتر کر شیبہ ۷۸۰ مارنے میں مشغول ہوا۔ سمرقند و حصار کی فوج کے مسلح اور من چلے جوانوں نے سوار ہو کر فی الفور گھوڑے ڈھٹائے جو لوگ حیدر کو ککشاں کے زیر حکم گھوڑوں پر سے اتر پڑے تھے وہ دشمن کے گھوڑوں کی روندن میں آ گئے۔ اس جہاں کے بعد باقی فوج مقابلہ نہ کر سکی۔ آخر مغلوں کو شکست ہوئی اور بہت سے کلام آئے۔ بانستغر مرزا ۷۹۰ھ نے بھی ان میں سے اپنے سامنے بہت سوں کو قتل کروایا تھا۔ مقتولوں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ مرزا کا خیمہ تین جگہ سے ہلٹا گیا۔

ابراہیم سارو کی بغاوت اور بابر بادشاہ کی چڑھائی :- ابراہیم سارو نے (جو قوم منیطنج سے تھا اور بچپن سے میرے والد کی خدمت میں رہ کر امیری کے مرتبہ پر پہنچ گیا تھا اور آخر کسی جرم کے ارتکاب نکال دیا گیا تھا) قلعہ اسفرہ میں آ کر بانستغر مرزا کے نام کا خطبہ پڑھوایا اور میری مخالفت اختیار کی۔ شعبان ۸۰۰ کے مہینے میں ابراہیم سارو کے فساد و فتنہ دفع کرنے کے قصد سے لشکر کے ساتھ میں سوار ہوا۔ مہینے کے آخر میں اسفرہ کے سامنے میں آن اتر۔ اسی دن ہمارے سپاہیوں نے دلیری کر کے قلعہ قدیم کے قریب کی دیوار کے پاس پہنچتے ہی نئے قلعہ کو جو فی الحال بنا تھا چھین لیا۔ سید قاسم ایٹک آغا آج سب سے اول رہا۔ سب سے پہلے فوج میں سے نکل کر اس نے شمشیر زنی کی۔ سلطان احمد تہل اور دوست محمد طغانی نے بھی بہت کوشش کی مگر اٹش

۱۶۱۰ء بلوری سید قاسم ہی نے لیا۔ اٹل بلوری مغلوں میں ایک قدیم رسم ہے۔ ضیافت اور آتش خوری کے موقع پر جو شخص سب میں سے تھانکل کرتا ہوتا ہے وہ اس اٹل بلوری کو لیتا ہے جب میں شاہرخیہ میں اپنے ماموں سلطان محمود خاں سے ملنے گیا تو اٹل بلوری سید قاسم نے لیا۔ پہلے دن کی لڑائی میں خدا بیروی میرے آئینے نے تیر نخش ۱۲۳۰ کھا کر قضا کی۔ چونکہ ہم بے زور بکتر مقابلہ کر بیٹھے تھے اس لئے ہمارے بعض سپاہی کام آئے اور بہت سارے زخمی ہوئے۔ ابراہیم سارو کے پاس ایک شخص نہایت عمدہ نخش انداز تھا۔ ایسا تیر انداز دیکھنا نہ اس نے ہمارے اکثر آدمیوں کو زخمی کیا۔ قلعہ فتح ہونے کے بعد وہ میرا ملازم ہو گیا۔ جب محاصرہ کو بہت دن گزر گئے تو میں نے حکم دیا کہ دو تین سرکوب ۱۶۳۰ بنا کر سرنگ لگاؤ۔ غرض لوگ قلعہ گیری کے اسباب جمع کرنے میں مصروف ہوئے اور محاصرہ کو چالیس دن گزر گئے۔ آخر ابراہیم سارو تنگ ہوا اور خواجہ مولانا کی وساطت سے اس نے فرہاں برداری اختیار کر لی۔ شوال ۱۶۳۰ کا مہینہ تھا اور وہ ترکش ۱۶۵۰ اور تلوار گلے میں ڈال کر حاضر ہوا اور شہر اس نے ہمارے سپرد کر دیا۔

نجنند پر قابض ہونا :- مدت سے نجنند بھی عمر شیخ مرزا کی عمل داری میں تھا۔ لڑائی جھگڑوں کے زمانے میں مرزا کی سرکار میگزین سے سلطان احمد مرزا اس کو دبا بیٹھا۔ جب میں اس کے بہت قریب آ گیا تو اس پر بھی حملہ کر دیا گیا۔ نجنند میں میر مغل کا باپ عبدالوہاب شغاول حاکم تھا۔ میرے وہاں پہنچتے ہی اس نے بے تامل شہر حوالے کر دیا۔

محمود خاں سے ملاقات :- اسی زمانہ میں محمود خاں شاہرخیہ میں آیا ہوا تھا۔ جن دنوں میں سلطان احمد مرزا نواح اندجان میں آ گیا تھا ان ہی دنوں میں خاں نے بھی بخشی کو آگھیرا تھا، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ میرے دل میں آئی کہ ہم میں اور اس میں تھوڑا ہی فاصلہ ہے۔ چونکہ وہ باپ اور بڑے بھائی کی جگہ ہے۔ اس لئے اس کی خدمت میں چلنا چاہئے۔ اس سے کچھلی کدورتیں رفع ہو جائیں گی اور اس ترکیب کو جو دیکھنے والے دیکھیں گے اور سننے والے سنیں گے تو میرے حق میں مفید ہو گا۔ یہ سوچ کر چل کھڑا ہوا۔ شاہرخیہ کے باہر ایک باغ میں جس کو میدر بیک نے بنایا تھا خاں سے میں نے ملازمت حاصل کی۔ خاں اس باغ کی چودری میں اترا ہوا تھا۔ اندر پہنچتے ہی اس نے تین دفعہ جھک کر سلام کیا۔ خاں بھی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ مٹنے اور

پچھلے پاؤں ہٹ کر ایک سلام کرنے کے بعد خان نے اپنے پاس بلایا۔ اپنے پہلو میں بٹھایا اور نہایت شفقت و مہربانی فرمائی۔ دو ایک روز کے بعد کندر ۱۶۷۰ اور اہلنی کے راستے سے آغشی اور اندجن کی طرف میں روانہ ہوا۔ ۱۶۷۰ آغشی میں آکر اپنے باپ کے مزار کی زیارت کی۔ جمعہ کی نماز کے وقت میں آغشی سے چلا۔ بند سلاار کے راستے سے ہوتا ہوا مغرب و عشاء کے مابین اندجن میں آگیا۔ یہ بند سلاار کا راستہ نو فرسنگ کا ہے۔

قوم چکرک سے محصول لینا :- اندجن کی صحرائی قوموں میں سے ایک قوم چکرک ۱۶۸۰ ہے۔ ان کے پانچ ہزار گھر ہیں۔ یہ لوگ کاشغر اور فرغانہ کے بیچ میں جو پہاڑ ہیں ان میں رہتے ہیں۔ ان کے پاس گھوڑے اور بھیڑیں کثرت سے ہیں۔ ان پہاڑوں میں بجائے معمولی بیلوں کے گھوٹاس ۱۶۹۰ یعنی نیل گائے پالتے ہیں۔ اس سبب سے قناس بھی ان کے پاس بہت ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ کوستان دشوار گزار میں رہتے ہیں اس لئے مال گزاری نہیں ادا کرتے۔ پس میں نے قاسم بیگ کو سردار لشکر کر کے ان کی طرف بھیجا تاکہ اس قوم سے کچھ مال وصول کرے اور ہمارے لشکر کے لئے بھیجے۔ قاسم بیگ نے جا کر بیس ہزار بھیڑیں اور پندرہ سو گھوڑے لے لئے اور اہل لشکر کو ہائے۔

اوراتیہ پر چڑھائی کا قصد اور ناکامی :- جب لشکر چکرک سے واپس آیا تو اوراتیہ کا قصد کیا گیا۔ اوراتیہ مدت سے عمر شیخ مرزا کے قبضہ میں تھا۔ مگر مرزا نے جس سال انتقال کیا ہے اسی سال وہ قبضہ سے نکل گیا تھا۔ آج کل بانسٹغر مرزا کی طرف سے اس کا چھوٹا بھائی سلطان علی مرزا وہاں تھا۔ سلطان علی مرزا میرے آنے کی خبر سن کر آپ تو کوستان بلغرو مسجاہ ۱۷۰۰ کی طرف چلا گیا اور اپنے آئندہ شیخ ذوالنون کو اوراتیہ میں چھوڑ گیا۔ میں بخند سے ہوتا ہوا دھر چلا۔ اثنائے راہ سے خلیفہ کو شیخ ذوالنون کے پاس بطریق رسالت بھیجا۔ اس مردک بیہوش نے کوئی شافی جواب نہ دیا اور خلیفہ کو گرفتار کر کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ خدا کو پہچانا منظور تھا خلیفہ کسی ترکیب سے نکل گیا اور ہزاروں مصیبتیں اٹھا کر دو تین دن کے بعد پیدل اور ننگے بدن اوراتیہ کی نواح میں آکر مجھ سے ملا۔ چونکہ جاڑے کا موسم قریب آگیا تھا اور لوگوں نے غلہ وغیرہ اٹھا لیا تھا۔ اس لئے چند روز کے واسطے اندجان کی طرف مراجعت کی

گئی۔ میرے چلے آنے کے بعد خان کی فوج اور اٹیہ پر آگئی۔ وہاں والے مقابلہ نہ کر سکے اور اٹیہ محمد حسین گورگن ۷۰۸ھ کے حوالے کر دیا۔ اس دن سے ۹۰۸ھ ۱۷۱۷ء تک اور اٹیہ محمد حسین گورگن ہی کے قبضہ میں رہا۔

۹۰۱ھ کے واقعات ۱۷۱۷ء

سلطان حسین مرزا کا بقصد حصار ترند پر جانا۔ مسعود مرزا کا حصار سے سرمقہ کی طرف بھاگنا۔ اس کے امراء کا تتر بتر ہونا۔ سلطان حسین مرزا نے خراسان سے حصار پر لشکر کشی کی اور جاڑے کے موسم میں وہ ترند ۱۷۱۷ء میں آ گیا۔ سلطان مسعود مرزا ۱۷۱۷ء بھی اپنا لشکر فراہم کر کے ترند ہی کے مقام پر مقابلے میں آ گیا۔ ۱۷۱۷ء خسرو شاہ خود تو قندز کو مضبوط کر کے وہاں رہا اور اپنے چھوٹے بھائی ولی کو ایک لشکر کے ساتھ سلطان حسین مرزا کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ ان لشکروں نے جاڑے کے موسم کا اکثر حصہ دریائے مذکور کے کنارے پر گزارا اور پار نہ اتر سکے۔ سلطان حسین مرزا ایک تجربہ کار اور ہوشیار بادشاہ تھا۔ اس نے مقابلے کے لشکر کو غافل کر کے بالا بالا پانچ سو چھ سو آدمیوں کا ایک دستہ عبداللطیف بخشی کے تحت حکم کلف ۱۷۱۷ء کے راستہ سے روانہ کیا۔ حریف کے آگاہ ہونے تک عبداللطیف بخشی نے اپنے لشکر کے ساتھ دریا کو عبور کیا اور دریا کے کنارے کو مستحکم کر لیا۔ جوں ہی سلطان مسعود مرزا کو یہ خبر معلوم ہوئی ویسے ہی وہ یا تو بزدلی سے یا باقی چغانیانی کے بہکانے سے دہلی کا مخالف تھا بغیر اس کے کہ فوج سے مقابلہ کرے سمجھا کر حصار کی طرف چلتا رہا۔ حالانکہ ولی نے بہت سمجھایا کہ اس لشکر پر جو دریا سے پار ہوا ہے دفعہ حملہ کرنا چاہئے۔ سلطان حسین مرزا نے دریا سے عبور کر کے بدیع الزمان مرزا ابراہیم حسین ذوالنون ارغون اور محمد ولی بیگ کو تونی الفور خسرو شاہ کی طرف روانہ کیا اور مظفر حسین ۱۷۱۷ء مرزا اور محمد بندق برلاس کو ختلان کی جانب چلتا کیا اور آپ حصار کی جانب آیا۔ جب سلطان حسین مرزا کے قریب پہنچنے کی خبر ہوئی تو سلطان مسعود مرزا نے حصار میں اپنا ٹھہرنا مناسب سمجھا اور رودکرد کے بالائی سمت سرہ تاق کے راستہ سے اپنے چھوٹے بھائی بانستغر مرزا کے پاس سرمقہ چلا گیا۔ ولی بھی ختلان کی طرف بھاگ گیا۔ حصار

کے قلعہ کا بندوبست باقی چغتائیانی محمود برلاس اور قوچ بیگ کے باپ سلطان احمد نے کر لیا۔ سلطان حسین مرزا نے یہ خبر سنتے ہی ابوالحسن مرزا کو معہ کچھ فوج کے درہ کمرود کے اوپر کی جانب سلطان مسعود مرزا کے پیچھے روانہ کیا۔ ابوالحسن مرزا نے اس کو راستہ میں جا لیا مگر اس سے کچھ ہو نہ سکا البتہ مرزا بیگ قزاقی ۱۷۷۷ء نے خوب داد مردانگی دی۔

مقام قرا تگین پر امراء حسین مرزا سے حمزہ سلطان وغیرہ کا لڑ کر فتح پانا اور وہاں سے حمزہ سلطان وغیرہ کا اندجان میں آنا۔ حمزہ سلطان اور مہدی سلطان کئی برس سے شیبلی خان کو چھوڑ کر چلے آئے تھے اور معہ اپنے تمام ازبکوں کے سلطان محمود مرزا کے نوکر ہو گئے تھے۔ یہ بھی معہ اپنے ازبکوں کے اور محمد و غلت و سلطان و غلت بھی اپنے مغلوں سمیت جو حصار میں رہتے تھے اس محکمہ میں مقام قرا تگین کی طرف بھاگ گئے۔ سلطان حسین مرزا نے ابراہیم ترخان، یعقوب اور ایوب کو کسی قدر فوج کے ساتھ حمزہ سلطان اور مغلوں کی سرکوبی کے لئے جو قرا تگین میں تھے روانہ کیا۔ قرا تگین کے مقام پر دونوں لشکروں میں لڑائی ہوئی۔ حمزہ سلطان وغیرہ نے سلطان حسین مرزا کی فوج کو شکست دی اور اس کے اکثر امراء کو قید کر کے وہاں سے کوچ کیا۔ ۲۰ اسی بازگشت میں حمزہ سلطان، مہدی سلطان، چماق ۱۷۸۰ء سلطان (حمزہ سلطان کا بیٹا) محمد و غلت (جو بعد میں محمد حصار مشہور ہو گیا تھا) اور سلطان محمود مرزا کے ملازموں میں سے حصار میں رہتے تھے۔ رمضان ۱۷۹۰ء کے مہینہ میں مجھ کو اطلاع کرنے کے بعد اندجان میں میرے پاس آ گئے۔ ان دنوں میں سلاطین تیموریہ کے قاعدہ کے موافق میں تو شک پر بیٹھا کرتا تھا۔ حمزہ سلطان، مہدی سلطان اور چماق سلطان جو آئے تو میں ان کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا تو شک سے نیچے اتر کر ان سے بغل گیر ہوا اور ان سلاطین کو تکیہ کے پاس دست راست کی طرف بٹھایا۔ وہ مغل بھی جن کا سردار محمد حصار تھا میرے ملازم ہو گئے۔

سلطان حسین مرزا نے حصار کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں سلطان حسین نے شر حصار کا محاصرہ کر لیا۔ رات دن وہ نقب لگانے، قلعہ لینے، گولے برسانے اور توپیں جمانے میں مصروف رہتا تھا اور دم بھر چین سے نہ بیٹھتا تھا۔ چارپانچ جگہ اس نے نقب لگائی۔ جو نقب شر کے دروازے کی طرف لگائی تھی وہ بہت آگے بڑھ گئی تھی۔ شر

والوں نے بھی نقب لگا کر اس نقب کا حمل دریافت کر لیا۔ اہل شر نے اوپر کی طرف سے محاصرین کی جانب دھواں کرنا شروع کیا۔ مگر محاصرین نے فوراً نقب کا منہ بند کر دیا۔ جس سے یہ دھواں اوپر ہی کی طرف پلٹ گیا اور قلعہ والوں میں جا گھٹا۔ قلعہ والے مرنے کے قریب ہو گئے اور بھاگ کر باہر نکل آئے۔ آخر پانی کی ٹھیلیں لالا کر نقب پر ڈالیں اور باہر والوں کو نقب سے ہٹا دیا۔ ایک بار کچھ لوگوں نے جلدی سے نکل کر ان محاصرین سپاہیوں پر جو نقب کے منہ پر تھے حملہ کیا اور سب کو بھاگ دیا۔ پھر ایک بار ایسا ہوا کہ شمل کی جانب جہاں خود مرزا اترا ہوا تھا توپ کے سنگین ۱۸۰ گولے مار کر ایک برج جھوڑا کر دیا تھا۔ عشاء کے وقت وہ برج اڑ گیا۔ کچھ سپاہیوں نے جرات کر کے لڑائی کی اجازت چاہی۔ مگر مرزا نے یہ کہہ کر کہ رات کا وقت ہے، اجازت نہ دی۔ صبح ہوتے تک شر والوں نے اس برج کو درست کر لیا۔ صبح بھی یہ لوگ مقابلہ نہ کر سکے۔ اس دو ڈھائی مہینے میں سوائے دھمکانے یا دھس بنانے یا نقب لگانے یا گولے مارنے کے کوئی لڑائی جم کر نہیں ہوئی۔

بدیع الزمان مرزا خسرو شاہ سے منہزم ہوا۔ جب بدیع الزمان مرزا سے اس فوج کے جو خسرو شاہ کی طرف سلطان حسین مرزا نے بھیجی تھی قندز سے تین چار فرسنگ درے جا اترا۔ تو خسرو شاہ اپنے ہمراہیوں کو درست کر کے قندز سے باہر نکل آیا اور رات گزرنے کے بعد بدیع الزمان کے لشکر پر اس نے حملہ کر دیا۔ یہ لوگ بلوچوں کی ایک زبردست مرزا سردار اور امیر تھے جن کے ساتھ خسرو شاہ کے لشکر سے دینی نہیں تو ڈیوڑھی فوج ضرور تھی صرف اپنی احتیاط کرتے رہے اور خندق سے باہر نہ نکلے۔ خسرو شاہ کے پاس اس وقت اچھے برے چھوٹے بڑے شاید چار پانچ ہزار آدمی ہوں گے۔ خسرو شاہ نے (جس نے اس جاتی دنیا اور ان بے وفا نوکروں کے لئے اتنی برائی اور بدنامی اختیار کی اور اس قدر ظلم و ستم کرنا اپنا شعار بنایا اور اتنا بڑا ملک دیا لیا اور اتنے آدمیوں کی بھیڑ بھاڑ کر لی۔ جن کی تعداد آخر میں تیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ اور جس کا علاقہ اپنے بادشاہ اور مرزاوی سے بڑھ گیا تھا، اپنی تمام عمر میں اگر کوئی کام کیا تو یہی کیا۔ اسی میں خسرو شاہ اور اس کے تابعین سردار اور بہادر بن گئے۔ اور خندق سے باہر نہ نکلنے والے ڈرپوک مشہور ہو گئے۔

بدیع الزمان مرزا یہاں سے چلتا بنا اور تھوڑی دور طانغان ۱۸۱ کے مقام پر العو

۱۸۲۰ء بلخ میں جا پڑا۔ خسرو شاہ تو قدوز۔ ۱۸۳۰ء میں رہ گیا تھا اور اس نے اپنے چھوٹے بھائی ولی کو بہت سی فوج کے ساتھ جو نہایت عمدہ اور باہمکن تھی اسے لکشمیں۔ ۱۸۳۰ء قتل اور پہاڑوں کے وامنوں کے ملک میں بھیج دیا تاکہ باہر سے حریف کو دبائے اور تنگ کرے۔ چنانچہ ایک مرتبہ محب علی قورچی کچھ مسلح اور چیدہ سپاہیوں کو ساتھ لے کر دریائے ختلان کے کنارے پر دشمن سے مقابل ہوا اور اس کو شکست ۱۸۵۰ء دی۔ اور کچھ لوگوں کو گھوڑوں پر سے اتار کر ان کے سرکٹ لئے۔ اس کی دیکھا دیکھی سید بم علی دربن۔ قلی بیگ (آس کا چھوٹا بھائی) ہسلول اور ایوب بھی مع چند پر جوش سپاہیوں کے نکلے اور غبر کوہ کے واسن میں جو خواجہ چنگل کی نواح میں ہے لشکر خراسان کی روانگی کے موقع پر پہنچ کر انہوں نے حملہ کیا۔ سید بم علی دربن اور قلی بیلا کو مع ان کے ہمراہیوں کے گرفتار کر لیا۔

سلطان حسین مرزا نے حصار سے محاصرہ اٹھا لیا۔ سلطان حسین مرزا کو ایک تو یہ خبر پہنچی۔ دوسرے حصار کے موسم بہار کی بارش سے لشکر نے بہت تکلیف اٹھائی تھی۔ ان وجہوں سے مصالحت کی تجویز کی گئی۔ اندر سے محمود برلاس نکلا اور باہر سے حاجی پیر بکلول آیا۔ عمائد اور گویئے وغیرہ جو مل سکے وہ جمع ہوئے اور سلطان محمود مرزا کی بڑی بیٹی سے جو خازنہ بیگم کے پیٹ سے تھی۔ حیدر مرزا کی جو پابندہ سلطان بیگم کے پیٹ سے تھا اور سلطان ابوسعید مرزا کا نواسا تھا شادی کر کے سلطان حسین مرزا نے حصار سے محاصرہ اٹھا لیا اور وہ قدز کی طرف روانہ ہو گیا۔ قدز پہنچ کر کسی قدر سیادت کی اور اس کے محاصرے کی تجویز کی گئی۔ آخر بدیع الزمان مرزا نے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دی۔ جانبین کے جو لوگ پکڑے گئے تھے وہ رہا کر دیئے گئے۔ اور محاصرین واپس چلے گئے۔ خسرو شاہ کے اس قدر چڑھنے بڑھنے اور اپنی حد سے آگے قدم رکھنے کا سبب یہی ہوا کہ سلطان حسین مرزا نے دو دفعہ چڑھائی کی اور اس کو چھوڑ دیا۔

مرزا نے بلخ اور استر آبلو اپنے دونوں بیٹوں کو دے دیا۔ جب سلطان حسین مرزا بلخ میں پہنچا تو بلوراء النہر کی عمدہ ٹھکانی کے خیال سے بدیع الزمان مرزا کو بلخ دیا اور مظفر حسین مرزا کو استر آبلو۔ دونوں کو حکم دیا کہ صبح کے دربار میں بلخ اور استر آبلو کے عطا ہونے پر آداب بجالائیں۔ وہ آداب بجالائے۔ اس انتظام سے بدیع الزمان مرزا کو خوف ہوا۔ بلکہ اتنی مدت جو فساد رہا اور بغاوتیں ہوئیں تو اسی سبب سے

ہوئیں۔

ترخانوں کا سمرقند میں فساد وغیرہ :- اسی رمضان ۱۸۶۰ء میں ترخانوں کا فساد سمرقند میں ہوا۔ اس کی مفصل کیفیت یہ ہے کہ بانستغیر مرزا جس قدر حصار کے امراء اور فوج سے میل جول رکھتا تھا اسی قدر سمرقند والوں سے نہ رکھتا تھا۔ شیخ عبداللہ برلاس بڑا سردار اور وزیر تھا۔ اس کے بیٹے مرزا کے ایسے منہ چڑھے ہوئے تھے کہ عاشق و معشوق سے مشتم تھے۔ ترخانوں اور سمرقندی امراء اس سے جلتے تھے۔ آخر درویش محمد ترخان بخارا سے آیا۔ سلطان علی مرزا کو قرشی ۱۸۷۰ء سے لاکر بادشاہ بنایا اور پھر باغ نو ۱۸۸۰ء میں آگیا۔ یہیں بانستغیر مرزا بھی تھا۔ بانستغیر مرزا کو کسی فریب سے گرفتار کر لیا۔ اور اس کے آدمیوں سے الگ کر کے مرزا کو ارک میں لے آئے اور دونوں مرزاؤں کو ایک جگہ رکھا۔ ان کا خیال تھا کہ ظہر کے وقت مرزا کو کوک سرائے میں بھیج دیا جائے۔ بانستغیر مرزا طہارت کے بہانے سے اس مکان میں جو باغ کی بارہ دری کے مشرق و شمال کے بیچ میں ہے چلا گیا۔ دروازے پر ترخانوں کے سپاہی کھڑے تھے۔ مرزا کے ساتھ محمد قلی قوجین اور حسن شرنجی اندر آ گئے۔ اتفاقاً جس مکان میں مرزا طہارت کے لئے آیا تھا اس کے پیچھے ایک دروازہ تھا جو اینٹوں سے تینا کیا ہوا تھا۔ اور جس کو توڑ کر باہر جاسکتے تھے۔ مرزا نے فوراً اس تینے کو توڑ ڈالا اور باہر نکل کر ارک سے عاقر ۳ کی طرف سے فصیل سے اوھر موری کے راستہ سے نکل فصیل ۱۸۹۰ء دو تہی سے کودا اور خواجہ کفشر کے پاس خواجہ کاہ خواجہ کے گھر میں جا پہنچا۔ دروازے پر کھڑے ہونے والے تھوڑی دیر کے بعد اندر آ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ مرزا بھاگ گیا۔ دوسرے دن ترخانوں اکٹھے ہو کر خواجہ کے مکان پر گئے اور مرزائے مفروز کو طلب کیا۔ خواجہ نے دینے سے انکار کیا۔ ترخانوں بھی زبردستی نہ چھین سکے۔ اس لئے کہ خواجہ کمزور نہ تھا۔ دو ایک روز کے بعد خواجہ ابوالکلام اور حاجی بیگ وغیرہ امراء اور بہت سے سپاہیوں اور اہل شہر نے ہجوم کر کے مرزا کو خواجہ کے گھر سے نکال لیا اور سلطان علی مرزا کو معہ ترخانوں کے ارک میں گھیر لیا۔ یہ لوگ ایک دن بھی ارک کو نہ پہنچا سکے۔ محمد ترخان چار راہ دروازہ سے نکل بھاگا اور بخارا چل دیا۔ سلطان علی مرزا اور درویش محمد ترخان پکڑے گئے۔

بانستغیر مرزا احمد حاجی بیگ کے گھر میں تھا کہ درویش محمد ترخان کو پکڑ لائے۔

اس سے دو ایک باتیں پوچھیں۔ مگر وہ جواب شلی نہ دے سکا۔ سچ یہ ہے کہ اس نے ایسا کام بھی نہ کیا تھا جو جواب دے سکتا۔ مرزا نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ وہ تمہرا کر ستون ۱۹۰ سے چمٹ گیا۔ ستون کو چٹنے سے کیا چھوڑتے تھے فوراً ”گردن ازا دی گئی۔“ سلطان علی مرزا کی نسبت حکم ہوا کہ کوک ۱۹۱ سرائے میں لے جا کر آنکھوں میں تیل کی سلائیاں پھیر دی جائیں۔ امیر تیمور نے جو بڑی عمارتیں بنائی تھیں ان میں سے ایک کوک سرائے ہے۔ یہ مکان سمرقند کے ارک میں واقع ہے۔ اس عمارت کی عجیب خاصیت ہے۔ جو شخص امیر تیمور کی اولاد میں سے ابھرتا ہے اور تخت پر بیٹھتا ہے وہ یہیں تخت پر بیٹھتا ہے اور سلطنت کا دعویٰ کرنے میں جو مارا جاتا ہے۔ وہ اسی مکان میں مارا جاتا ہے۔ چنانچہ کنایہ نہ کہا کرتے ہیں کہ فلاں بادشاہ کو کوک سرائے میں لے گئے۔ ”یعنی مار ڈالا۔“ سلطان علی مرزا کو کوک سرائے میں لے گئے اور اس کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دی گئیں۔ معلوم نہیں جراح کے قصد سے یا اناڑی پن سے سلطان علی مرزا کی آنکھوں کو کچھ ضرر نہ پہنچا۔ مرزا اس وقت اس بات کو چھپا گیا اور خواجہ یحییٰ کے گھر میں چلا گیا۔ دو تین دن بعد بھاگ کر ترخانوں کے پاس بخارا جا پہنچا۔ اس واقعہ سے خواجہ عبید اللہ کی اولاد میں دشمنی ہو گئی۔ ان کا بڑا بڑے کا طرف دار ہو گیا اور چھوٹا چھوٹے کا۔ کچھ دن بعد خواجہ یحییٰ بھی بخارا چلا گیا۔

بائستغر مرزا کو علی مرزا نے شکست دی:۔ بائستغر نے فوج جمع کر کے علی مرزا پر جانب بخارا چڑھائی کی۔ جو نبی یہ بخارا کے قریب پہنچا۔ سلطان علی مرزا اور ترخانی امرا ساؤنے ہو سامنے آئے۔ تھوڑی سی لڑائی کے بعد سلطان علی مرزا کو فتح ہوئی اور بائستغر مرزا کو شکست۔ احمد حاجی بیگ اور اچھے اچھے سردار گرفتار ہو گئے۔ جن میں سے اکثر کو قتل کر ڈالا۔ احمد حاجی بیگ کو دردیش محمد ترخان کے قتل کی تہمت میں اس کے عزیزوں ۱۹۲ اور غلاموں نے نکل کر بے عزتی سے قتل کیا۔ سلطان علی مرزا اسی وقت بائستغر مرزا کے پیچھے پیچھے سمرقند کی طرف روانہ ہوا۔

سمرقند پر بابر بادشاہ کا پہلا حملہ:۔ یہ خبر عید ۱۹۳ کے چاند میں مجھے پہنچی۔ میں بھی سمرقند لینے کے لئے مع لشکر اسی مینے میں روانہ ہوا چونکہ سلطان حسین مرزا حصار و قدز سے واپس ہو گیا تھا اس لئے سلطان مسعود مرزا اور خسرو شاہ مطمئن ہو گئے تھے۔ اب سلطان مسعود مرزا بھی سمرقند لینے کے خیال سے شہر سبز میں آگیا۔ خسرو شاہ نے

اپنے چھوٹے بھائی ولی کو مرزا کے ساتھ کر دیا۔ تین چار مہینے تک تین چار ۱۸۳۰ء طرف سے سرقد گھرا رہا۔ خواجہ یحییٰ نے سلطان علی مرزا کے پاس سے میرے پاس آکر میل ملاپ کی باتیں کیں اور ملاقات کی ٹھہرائی۔ سرقد سے دو تین کوس نیچے کی طرف ہٹ کر مقام سفد کی جانب سے میں اپنے لشکر سمیت گیا اور سلطان علی مرزا اپنے لشکر سمیت آیا۔ ادھر سے علی مرزا مع چار پانچ آدمیوں کے آیا اور ادھر سے میں چار پانچ آدمیوں کو لئے ہوئے دریائے کوہک ۱۸۵۰ء میں جا کر دریا کے اندر ہم دونوں نے گھوڑوں پر بیٹھے بیٹھے باہم ملاقات اور مزاج پر سی کی۔ اس کے بعد وہ اس طرف چلا گیا اور میں اس طرف چلا آیا۔ ملا ہٹائی ۱۸۶۰ء اور محمد صالح کو میں نے وہیں خواجہ کے ساتھ دیکھا۔ محمد صالح سے تو میں جب ہی ایک دفعہ ملا تھا۔ مگر ملا ہٹائی اس کے بعد آکر میرے پاس بہت دن تک رہا۔ سلطان علی مرزا کے اس ملنے کے بعد چونکہ جاڑا سر پر آ گیا تھا اور اہل سرقد بھی کیل کانٹے سے درست تھے اس لئے میں اندجان کی طرف پلٹ آیا۔ اور سلطان علی مرزا بخارا چلا گیا۔ سلطان مسعود مرزا شیخ عبداللہ برلاس کی بیٹی پر بہت شیدا تھا۔ اس نے اس سے شادی کر لی۔ اور ملک لینے کا خیال ترک کر کے حصار کی طرف الٹا پھر گیا بلکہ مسعود مرزا کا آنا اسی غرض سے تھا۔ شیراز اور کبکائی کی نواح سے مہدی سلطان بھاگ کر سرقد چلا گیا اور حمزہ سلطان مقام رامن سے اجازت لے کر سرقد پہنچا۔

۹۰۲ ہجری کے واقعات ۱۹۷۷ء

مہدی سلطان نے عبدالکریم کو شکست دی :- اس جاڑے میں بانستغر مرزا کا کام خاصی ترقی کے ساتھ چل رہا تھا۔ جب عبدالکریم اشرت ۱۹۸۷ء سلطان علی مرزا کی طرف سے اس نواح - ۴ کے لینے کے لئے آیا تو مہدی سلطان بھی بانستغر مرزا کی عمدہ فوج کے ساتھ جھٹ پٹ سمرقند سے نکلا اور فوراً اس کے سر پر آدمک - عبدالکریم اشرت اور مہدی سلطان دونوں دوبرو ہو گئے۔ دونوں میں شمشیر بازی ہوتے ہی عبدالکریم کا گھوڑا اس سمیت گرا۔ وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ مہدی سلطان نے ایک ہاتھ تلوار کا ایسا مارا جس سے عبدالکریم کا پنچا کٹ گیا۔ مہدی سلطان نے اس کو تو گرفتار کر لیا اور اس کی فوج کو سخت شکست دی۔ ان سلاطین نے جو دیکھا کہ سمرقند کے معاملات بگڑ رہے ہیں اور مرزاؤں کی سرکاریں ڈنگا رہی ہیں تو ازروئے دور اندیشی سب شیبلی خاں کے پاس چلے گئے۔

بخارا ایوں پر سمرقندیوں کی چڑھائی اور ناکامی :- سمرقندیوں کا اتنا ہی کام بنا تھا کہ سلطان علی مرزا پر فوج کشی کرنے کو آمادہ ہو گئے۔ بانستغر مرزا سریل پر آیا اور سلطان علی مرزا خواجہ کارزون - ۲۰۰ میں آیا۔ اسی موقع پر خواجہ مرادشی - ۲۰۱ کے بھڑکانے سے خواجہ ابوالکلام نے اور امرائے اندجان میں سے دیس لاغری محمد باقر - میر قاسم دولائی اور بانستغر مرزا کے ملازمان خاص میں سے ایک جماعت نے بخارا پر چڑھائی کر دی۔ یہ سب شہر کے قریب ہی پہنچے تھے کہ بخارا ایوں کو اطلاع ہو گئی اور حملہ آور بے نیل مرام واپس آئے۔

سمرقند پر دوبارہ چڑھائی کرنے کے لئے بابر بادشاہ کا روانہ ہونا :- جس وقت میں اور سلطان علی مرزا دونوں ملے تھے۔ اس وقت یہ اقرار ہو گیا تھا کہ گری کے موسم میں وہ بخارا سے اور میں اندجان سے آکر ہم دونوں سمرقند کو گھیر لیں۔ اس وعدے پر میں رمضان - ۲۰۲ میں اندجان سے سوار ہوا۔ یا ربلاق کی نواح میں پہنچے ہی جو سنا کہ دونوں مرزا باہم مقابلہ میں پڑے ہوئے ہیں تو میں نے تولون خواجہ مغل کو دو سو دو تین قزاق فوج کے ساتھ بطریق ایلغار ادھر روانہ کیا۔ جو نہی یہ لوگ قریب پہنچے بانستغر مرزا میری خبر سن کر بڑی پریشانی اور بے سلامتی کے ساتھ الٹا پھر گیا۔ میری یہ فوج اسی

رات کو ندلان سے چلی اور بہت سے مخالفوں کو تیروں سے مار کر بہتوں کو گرفتار کر کے اور بہت سی لوٹ لے کر واپس آئی۔ ایک دو روز کے بعد میں قلعہ ۲۰۳ شیراز میں پہنچا۔ شیراز قاسم دلدائی کے پاس تھا۔ داروغہ شیراز اس کو نہ بچا سکا اور میرے حوالے کر دیا۔ شیراز ابراہیم سارد کو سوئپ دیا گیا۔ دوسرے دن عید کی نماز پڑھنے کے بعد میں سمرقند کی طرف روانہ ہوا اور قوردرغ ۲۰۴ آبیار میں آن اتر۔ آج ہی قاسم دلدائی، وید لاغری، حسن وغیرہ۔ سلطان محمد سفیل اور سلطان محمد دیس تین چار سو آدمیوں کے ساتھ میرے پاس آئے اور ملازمت حاصل کی۔ کہنے لگے کہ بانشنغر مرزا کے بھاگتے ہی ہم الگ ہو کر حضور کی خدمت میں آ گئے ہیں۔ آخر معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ شیراز کے بچانے کا دعویٰ کر کے سلطان بانشنغر مرزا سے جدا ہوئے تھے۔ جب شیراز کا یہ حال دیکھا تو عاجز ہو کر یہاں آ گئے۔

قاسم بیگ نے چند مغلوں کو مروا ڈالا۔ جس وقت میں قزابلوق ۲۰۵ میں آ کر اتر اس وقت ان مغلوں کو گرفتار کر کے لائے جنہوں نے خود سری سے بعض دیہات کو جو راستے میں ملے تھے لوٹ لیا تھا۔ قاسم بیگ نے بنظر انتظام حکم دیا کہ ان میں سے دو تین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔ چار پانچ برس کے بعد مصیبت و آوارگی کے زمانہ میں جب میں ملک میجا سے خان کے پاس جانے لگا تو اسی سبب سے قاسم بیگ مجھ سے علیحدہ ہو کر حصار چلا گیا۔

مقام بام میں لشکر بابری کا قیام۔ قزابلوق سے چلے اور دریا سے اتر کر بام کی نواح میں ٹھہرے۔ آج ہی بعض امراء خیاباں ۲۰۶ پر بانشنغر مرزا کی فوج سے جا بھڑے۔ سلطان احمد تہل کی گردن میں برچھا لگا مگر وہ بچ گیا۔ خواجگی ملا صدر ۲۰۷ (خواجہ کلاں کا بڑا بھائی) کی گردن میں تیر لگا اسی وقت اس کا انتقال ہو گیا۔ یہ شخص بہت اچھا جوان تھا۔ میرے باپ نے ازراہ عنایت اس کو مروار کر دیا تھا۔ یہ صاحب علم آدمی تھا۔ لغت بہت جانتا تھا۔ انشاء پرداز اچھا تھا اور بڑا ۲۰۸ میر شکار تھا۔ جب ہم نواح بام میں تھے تو شہر کے بہت سے دوکلن دار اور ان کے علاوہ اور لوگ لشکر کے بازار میں آ کر سودا سلف بیچنے لگے۔ ایک دن ظہر کی نماز کے وقت دفعت عام شورش مچ گئی اور یہ سب مسلمان لٹ گئے۔ مگر میرے لشکر کا انتظام اس طرح کا تھا کہ میں نے جو حکم دیا کہ ان لوگوں کا مال اسباب کوئی اپنے پاس نہ رکھے۔ سب واپس دے دیا

جائے تو دوسرے ہی دن پہون چڑھے سے پہلے پہلے ایک تارے کا ٹکڑا اور ٹوٹی ہوئی سوئی بھی لشکر والوں کے پاس نہ رہی۔ کل اسباب مالکوں کے حوالے کر دیا گیا۔

یورت خان کی طرف بڑھنا۔ یہاں سے کوچ کر کے سمرقند کے مشرق کی جانب یورت ۲۰۹ خان میں جا اترے۔ یہ مقام سمرقند سے تین کوس کے فاصلہ پر ہو گا۔ یہاں چالیس یا پچاس دن تک ہمارا ٹھہرنا ہوا۔ اس عرصہ میں کئی دفعہ اندر اور باہر کی فوج دل دل چلوں میں خیابان کے مقام پر خوب لڑائیاں ہوئیں۔ ایک بار خیابان میں ابراہیم بیگ چک نے دھلوا کیا۔ اس کے چہرے پر تلوار کا زخم لگا۔ اسی کے بعد سے اس کو ابراہیم چاق ۲۱۰ کہنے لگے۔ دوسری دفعہ خیابان ہی میں پل ۲۱۱ مخاک پر ابوالقاسم کوہ ۲۱۲ برجالزا اور اس نے اپنی پیازی ۲۱۳ کے خوب ہاتھ نکالے۔ پھر ایک دفعہ خیابان ہی میں نواح برنکو ۲۱۴ میں خفیف سی لڑائی ہوئی۔ میرشلہ قوچین نے پیازی کے ہاتھ نکالے۔ میرشلہ قوچین کے اس طرح تلوار لگی کہ اس کی آدمی گردن کٹ گئی۔ تاہم شہ رگ بچ گئی تھی۔

سمرقند پر حملہ اور شر والوں کی دعا۔ انہی دنوں میں جب کہ ہم یورت خان میں تھے سمرقندیوں نے ایک آدمی بھیج کر ازراہ فریب درخواست کی کہ غار عاشقان کی طرف آئیے ہم قلعہ حوالے کر دیں گے۔ ہم لوگ اس خیال سے شب کو پل مخاک پر آئے۔ چیدہ سواروں کا ایک دستہ اور کچھ پیدل مقام موعود پر بھیجے گئے۔ اندر والے چار پانچ پیدلوں ہی کو پکڑ کر لے گئے تھے کہ اور لوگ ہوشیار ہو گئے۔ یہ بڑے بہادر سپاہی تھے۔ جن میں سے ایک کا نام حاجی تھا۔ جو میرے چھٹپن سے میرے پاس رہا تھا۔ دوسرا محمود کوہ برسنگ تھا۔ ان سب کو مار ڈالا۔ جن دنوں میں ہم اسی یورت میں تھے ان دنوں میں سمرقند سے اہل شہر اور اہل بازار اس قدر آتے تھے کہ لشکر شہر نظر آتا تھا۔ جو چیز شہر سے لینی چاہو وہ لشکر میں لے لو۔ اسی زمانہ میں سمرقند کے علاوہ اور قلعوں پہاڑوں اور جنگلوں کے رہنے والے ہمارے پاس آ گئے تھے۔ پہاڑ کے دامن میں قلعہ ارکت کو وہاں والوں نے خوب جنگی کر لیا تھا۔ اس یورت سے ہمیں ارکت پر قبضہ کرانے کے لئے ضرور جانا پڑا مگر وہاں والے ہم سے مقابلہ نہ کر سکے۔ خواجہ قاضی کے توسط سے حاضر ہو گئے میں ان کی خطا معاف کر کے سمرقند کا محاصرہ کرنے پھر چلا آیا۔

سمرقند کا پھر آکر محاصرہ کر لیا :- بلغ میدان کے پیچھے مرغزار قلعہ میں آکر اترتا ہوا سمرقند کے لوگوں میں سے بہت سپاہی اور اہل شہر ہل محمد حبیب کے قریب جمع ہوئے اور ہم پر حملہ آور ہوئے۔ چونکہ ہماری فوج تیار نہ تھی۔ اس لئے فوج کے درست ہونے تک سلطان علی اور بابا قلی کو مخالف پکڑ کر قلعہ میں لے گئے۔

ایک لڑائی :- چند روز بعد ہم یہاں سے اٹھے اور کوہک پہاڑ پر غلبہ کے قریب جا ٹھہرے۔ آج ہی سید یوسف بیگ سمرقند سے نکل کر یہاں میری ملازمت میں حاضر ہوا۔ میں جو اس پڑاؤ سے اس پڑاؤ پر آگیا تو سمرقندی سمجھے کہ میں الٹا پھر گیا۔ تمام سپاہی اور شہری پل مرزا تک اور شیخ زادہ دروازہ سے پل محمد حبیب تک امنڈ آئے۔ میں نے حکم دیا کہ جو فوج موجود ہے تیار ہو جائے۔ اسی فوج نے دو طرف سے پل مرزا اور پل محمد حبیب پر حملہ کیا۔ خدائے تعالیٰ نے میرا منصوبہ پورا کیا۔ دشمن کو شکست ہوئی۔ ان کے اچھے اچھے سردار اور سپاہی پکڑے گئے۔ جو لوگ پکڑے گئے۔ ان میں محمد مسکین تھا۔ حافظ دولدائی تھا جس کے تلوار لگ کر کلمہ کی انگلی کٹ گئی تھی۔ محمد قاسم نبیرہ (حسین نبیر کا چھوٹا بھائی) تھا۔ ادنیٰ طبقہ کے لوگوں میں سے دیوانہ جامہ باف اور کل قاشق تھا۔ (یہ لوگ پتھر سے لڑنے والوں کے سرغنہ تھے اور پاک شرے تھے) غرض ایسے بہت سے سپاہی اور شر کے لوگ تھے۔ جو پہچانے جاتے تھے۔ سمرقند والوں کو ایسی پوری شکست ہوئی کہ اس کے بعد شر سے ان کا نکلنا موقوف ہو گیا۔ اب یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہمارے آدمی خندق کے کنارے تک جانے لگے۔ اور بہت سے لونڈی غلام پکڑ کر لانے لگے۔

تجویز قشلاق :- آفتاب برج میزان میں آیا اور سردی شروع ہو گئی۔ جو امراء صلاح کار تھے ان سے مشورہ کر کے یہ بات قرار پائی کہ شہر والے سب عاجز ہو رہے ہیں۔ خدا چاہے تو آج کل میں ہم شر لئے لیتے ہیں۔ لیکن چونکہ سردی کی تکلیف کا خیال ہے اس لئے شر کے قریب سے اٹھ کر کسی قلعہ میں قشلاق :- ۲۵ کی تجویز کر لینی چاہئے۔ اگر ہم کو چلا جانا ہی منظور ہو گا تو وہاں سے بے تردد ہم چلے جائیں گے۔ قشلاق کے لئے خواجہ دیدار کا قلعہ مناسب معلوم ہوا۔ یہاں سے اٹھ کر اس مرغزار میں جو قلعہ خواجہ دیدار کے سامنے ہے جا اترے۔ قلعہ میں مکانات وغیرہ بنانے کے

لئے مقلات تجویز کئے گئے۔ راج مزدور اور منتظم مقرر کر کے ہم چھوٹی میں آ گئے۔
قشاق مکانات تیار ہونے تک ہمارا کیمپ مرغزار ہی میں پڑا رہا۔

شیبانی کا آنا اور ناکام جانا :- اس اثناء میں بایسنغر مرزا نے شیبانی خاں کے پاس ترکستان میں متواتر آدمی بھیجے اور اس کو کمک کے لئے بلایا۔ ہمارے قشاق گھرتیار ہو کر ہم ان میں آئے ہی تھے کہ شیبانی خاں ترکستان سے مارا مار دوسرے دن صبح ہی ہمارے پڑاؤ پر آن موجود ہوا۔ ہمارا فکر تتر بتر تھا۔ قشاق کی فکر میں کچھ لوگ رباط خواجہ کچھ لوگ کاند اور کچھ شیراز گئے ہوئے تھے۔ جو فوج موجود تھی اسی کو درست کر لیا گیا۔ شیبانی خاں ہمارا مقابلہ نہ کر سکا۔ سمرقند چلا گیا اور سواد شہر میں جا اترا۔ چونکہ بایسنغر مرزا کا مدعا نہ بر آیا اس لئے شیبانی خاں میں اور اس میں پورا میل جول نہ ہوا۔ شیبانی چند روز ٹھہرا مگر کچھ کام نہ نکلا۔ آخر مایوس ہو کر ترکستان کی طرف الٹا پھر گیا۔

بایسنغر مرزا سمرقند چھوڑ کر خسرو شاہ کے پاس چلا گیا :- بایسنغر مرزا نے سات مہینے تک تکلیف محاصرہ اٹھائی۔ اس کو فقط شیبانی خاں کی مدد کی امید تھی۔ جب اوہر سے مایوس ہو گیا تو ناچار دو تین گنگوں بھوکوں کے ساتھ خسرو شاہ کے پاس قندز میں چلا گیا۔ جس وقت ترند کی نواح میں دریائے آمون سے مرزا کا گذر ہوا اور سید حسین اکبر نے جو مسعود مرزا کا خویش اس کا معتبر اور حاکم ترند تھا یہ خبر سنی اسی وقت وہ بایسنغر مرزا کے سر پر آدھمکا۔ مرزا تو دریا کے پار ہو چکا تھا مگر کچھ آدمی اور تھوڑا سا اسباب پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ اس کے ہاتھ لگا۔ میرم ترخان وہیں دریا میں ڈوب گیا۔ محمد طاہر نامی بایسنغر مرزا کا غلام گرفتار ہو گیا۔ بایسنغر مرزا سے خسرو شاہ اچھی طرح پیش آیا۔

سلطان حسین مرزا اور بدیع الزمان مرزا کی لڑائی :- اسی سال میں سلطان حسین مرزا اور بدیع الزمان مرزا کے ان جھگڑوں کا حال معلوم ہوا جن کا انجام یہ ہوا کہ دونوں باپ بیٹوں میں کھٹ پٹ ہو گئی۔ اس کی مفصل کیفیت یہ ہے کہ پچھلے سال بلخ اور استر آباد بدیع الزمان مرزا اور مظفر حسین مرزا کو سلطان حسین مرزا نے دے دیا تھا۔ اس وقت تو اس پر دونوں کی رضامندی حاصل کر لی تھی جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ پھر جب سے اب تک بہت سے اپچی آئے گئے۔ علی شیر بھی سفیر ہو کر آیا اور اس نے

بت کو شش کی لیکن بدیع الزمان مرزا اپنے چھوٹے بھائی کو استر آبلو دینے پر راضی نہ ہوا۔ اس نے صاف جواب دے دیا کہ میرے بیٹے مومن مرزا کا جب ختمہ ہوا ہے تو یہ شر اس کو عنایت ہوا تھا۔

ایک دن مرزا میں اور علی شیر بیگ نے بدیع الزمان کے کھن میں کچھ بھید کی باتیں بت چکے سے کہیں اور کہا کہ ان باتوں کو یاد رکھنا۔ مرزا نے اسی وقت کہا کہ کون سی باتیں؟ علی شیر بیگ صورت دیکھنے لگا اور رو دیا۔ آخر باپ بیٹوں میں اتنی گفتگو ہوئی کہ باپ نے ۲۲۸۰ روپے پر اور بیٹے نے بیٹے پر استر آبلو اور بلخ میں فوج کشی کی۔ یعنی مظفر حسین مرزا اور مومن مرزا کے جھگڑے نے اتنا طول کھینچا کہ مظفر حسین مرزا کے باپ سلطان حسین مرزا نے محمد مومن مرزا کے باپ بدیع الزمان مرزا پر بلخ میں اور سلطان حسین مرزا کے بیٹے مظفر حسین نے بدیع الزمان مرزا کے بیٹے مومن مرزا پر استر آبلو میں چڑھائی کر دی۔ کوردان کے نیچے سبزہ زار بیک چراغ میں نشیمنی جانب سے سلطان حسین مرزا اور بلائی طرف سے بدیع الزمان مرزا آکر مقابل ہوئے۔

بدیع الزمان مرزا کی شکست :- رمضان کی پہلی تاریخ بدھ کے دن ابوالحسن مرزا سرداران حسین مرزا میں سے چند سرداروں اور ایک دستہ فوج کو ہمراہ لے دھنسا سامنے آیا۔ کچھ بہت لڑائی نہ ہونے پائی تھی کہ بدیع الزمان مرزا کو شکست ہوئی۔ اس کے اچھے اچھے سپاہی گرفتار ہو گئے۔ سلطان حسین مرزا نے سب کو مروا ڈالا۔ نہ صرف اسی موقع پر بلکہ جب کبھی اس کے کسی بیٹے نے سرکشی کی اس نے اس کو شکست دی اور اس کے نوکروں میں سے جو جو ہاتھ لگا اس کو مروا دیا۔ سلطان حسین مرزا کیا کرتا۔ وہ حق پر تھا۔ یہ مرزا اس قدر عیش اور بدکاری میں مشغول ہوئے تھے کہ ان کے باپ جیسے ہوشیار و تجربہ کار بادشاہ کو اتنی دور سے آنا پڑا اور رمضان جیسے متبرک مہینے میں گو ایک ہی رات کا فاصلہ رہ گیا تھا مگر اس نے نہ باپ کا لحاظ کیا اور نہ خدا کا خوف کیا۔ اس کو شراب پینے، جلے کرنے اور مزے اڑانے سے کام رہا۔ یہ بندھی ہوئی بات ہے کہ ایسے شخص کو ایسی ہی شکست ہونی چاہئے۔ جو لوگ اس طرح عیش و نشاط کے بندے بن جاتے ہیں ان پر ہر کوئی قابو پا جاتا ہے۔ استر آبلو کی چند سالہ حکومت میں بدیع الزمان مرزا کے حواشی اور ملازم خوب زرق و برق ہو گئے تھے۔ مرزا کے ہاں سونے اور چاندی کا سلمان ڈھیروں ہو گیا تھا۔ ہر قسم کے عمدہ عمدہ کپڑے اور نیچا

گھوڑے موجود تھے۔ بھاگتے وقت ساری کائنات میں چھوڑی اور پہاڑ کے نامہوار راستہ سے ایک خطرناک گھٹائی میں گھس گیا اور بڑی مشکل سے یہاں سے نکلا۔ اس مقام پر اس کے بہت سے لوگ تلف ہو گئے۔

بلخ بھی لے لیا۔ سلطان حسین مرزا اپنے بیٹے کو شکست دینے کے بعد بلخ میں آیا۔ بدیع الزمان مرزا کی طرف سے بلخ کا حاکم شیخ علی طفائی تھا۔ اس سے کچھ نہ ہو سکا۔ اس نے بلخ کو حوالے کر دیا۔ سلطان حسین مرزا نے بلخ کو ابراہیم حسین مرزا کے سپرد کیا۔ محمد دلی بیگ اور شاہ حسین چہرہ کو اس کے ساتھ چھوڑ کر آپ خراسان کی طرف مراجعت کی۔

بدیع الزمان مرزا اور خسرو شاہ کی ملاقات :- بدیع الزمان مرزا اس شکست کے بعد لٹا کھٹا اپنے ہمراہیوں سمیت خسرو شاہ کے پاس قندز میں آیا۔ خسرو شاہ نے بھی اس کی بہت خاطر و تواضع کی۔ گھوڑے 'اونٹ' خیمے 'ڈیرے اور تمام فوجی اسباب مرزا کو اور اس کے ہمراہیوں کو اس قدر پیش کیا کیا کہ دیکھنے والے کہتے تھے کہ اس سلطان اور پچھلے سلطان میں کچھ فرق نہ تھا۔ شاید ہو تو سونے چاندی کے اسباب میں ہو۔

خسرو شاہ کا بدیع الزمان مرزا کو مسعود مرزا پر بھیجنا :- سلطان مسعود مرزا اور خسرو شاہ میں مرزا کی بے اعتدالیوں اور خسرو شاہ کے اقتدار کے سبب سے جھگڑ گئی تھی۔ ولی اور بلی کو ہمراہ کیا اور بدیع الزمان مرزا کو سلطان مسعود مرزا کے مقابلہ کے لئے حصار روانہ کر دیا۔ یہ لوگ قلعہ تک تو نہ پہنچ سکے مگر گرد و نواح میں ایک دو مرتبہ جانبین میں کچھ تگوار چلی۔ ایک دفعہ حصار کے شمال کی طرف سے قوش خانہ ۲۱۷۷ کے مقام پر محب علی قورچی فوج سے علیحدہ ہو کر آیا اور خوب لڑا۔ جس وقت اس کو گھوڑے سے گرا کر لوگوں نے پکڑنا چاہا تو دوسری طرف سے ہمراہیوں نے حملہ کیا اور چھٹا لیا کچھ دن بعد مرزا وغیرہ گرگ آشتی کر کے اٹھے پھر آئے۔

بدیع مرزا کا ذوالنون پاس جانا :- چند روز کے بعد بدیع الزمان مرزا پہاڑ کے راستہ سے قندھار اور زمین داور ۲۱۸۷ میں ذوالنون ازغون اور اس کے بیٹے شاہ شجاع ازغون کے پاس چلا آیا۔ ذوالنون تھا تو بخیل اور خیس مگر اس نے مرزا کی جہت خدمت کی ایک ہی دفعہ میں چالیس ہزار بکریاں پیش کیں۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جس چار

شنبہ کو سلطان حسین مرزا نے بدیع الزمان مرزا کو شکست دی اسی چار شنبہ کو استر آباد میں مظفر حسین مرزا کو شکست دی اور یہ اس سے بھی بڑھ کر تعجب کی بات ہے کہ چار شنبہ نامی ہی ایک شخص محمد مومن مرزا کو گرفتار کر لایا۔

شہر سمرقند کا فتح ہونا۔۔۔ جونہی بانشنغر مرزا بھاگا اسی وقت ہمیں معلوم ہو گیا۔ ہم فوراً ”خواجہ دیدار سے سمرقند کی جانب روانہ ہوئے۔ راستہ میں اکابر امراء اور سپاہی بھی پے در پے استقبال کے لئے آئے۔ قلعہ میں پہنچ کر بستن سرائے میں جا اترے۔ عنایت الہی سے ربیع الاول ۱۲۸۷ھ کے آخر میں شہر سمرقند معہ توابعات مفتوح و مستقر ہو گیا۔

شہر سمرقند کا بیان :- تمام عالم میں سمرقند کے برابر کوئی شہر لطیف نہ ہو گا۔ یہ ملک اقلیم پنجم میں ہے۔ اس کا طول بلد نوے درجہ کچھ دقیقہ ہے اور عرض بلد چالیس درجہ کچھ دقیقہ۔ اس کے شہر کا نام سمرقند ہے اور اس کے متعلقات کو بلوراء النہر کہتے ہیں اور اس اعتبار سے کہ کوئی خیمہ اس پر غالب نہیں آیا ہے اس کو بلدہ محفوظ کہتے ہیں۔ حضرت عثمان دہلوی کی خلافت کے زمانہ میں وہاں والے اسلام سے مشرف ہوئے تھے۔ تابعین میں سے قثم ابن عباس وہاں گئے تھے۔ ان کا مزار آہنی دروازے کے پاس ہے جو اب مزار شاہ کے نام سے مشہور ہے۔ سمرقند کو سکندر ۳۲۰ھ نے بسایا تھا۔ مغل اور ترک کے قبائل اس کو سمرقند کہتے ہیں۔ حضرت امیر تیمور نے اسی کو اپنا دار السلطنت بنایا تھا۔ امیر تیمور سے پہلے امیر جیسے کسی شہنشاہ کا یہ شہر دار السلطنت نہ بنا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ قلعہ کی فصیل کا گرد والا ۲۲۷ھ قدم سے ہٹا جائے۔ نپا تو دس ہزار چھ سو قدم نکلا۔

سمرقند کے باشندے اور اہل کمال :- یہاں کے باشندے سب سنی، پاک مذہب، متشرع اور متدین ہیں۔ ہمارے پیغمبر ﷺ کے زمانہ کے بعد ائمہ اسلام جتنے بلوراء النہر میں پیدا ہوئے ہیں اتنے کسی ولایت میں نہ پیدا ہوئے ہوں گے۔ شیخ ابوالمنصور ماتریدی جو علم کلام کا اماموں میں سے ہے وہ ماترید کے رہنے والے تھے۔ ماترید سمرقند کے ایک محلہ کا نام ہے۔ ائمہ کلام کے دو فرقے ہیں۔ ایک ماتریدیہ دوسرا اشعریہ۔ ماتریدیہ شیخ المنصور سے منسوب ہے۔ خواجہ اسماعیل خرسک ۲۲۲ھ جو بخاری شریف کے جامع ہیں

وہ بھی اسی بلوراء النہر کے تھے۔ صاحب ہدایہ (حنفی مذہب میں ہدایہ سے بڑھ کر فقہ کی کوئی کتب کم معتبر ہوگی) مرفینان کے رہنے والے تھے۔ یہ قصبہ ملک فرغانہ میں ہے اور فرغانہ بھی بلوراء النہر میں داخل ہے جو ملک کے کنارے پر واقع ہے۔

حدود بلوراء النہر کے مشرق میں فرغانہ اور کاشغر ہے۔ مغرب میں بخارا اور خوارزم۔ شمل میں تاشقند اور شاہرخیہ (جس کو شاش اور ہاکت لکھتے ہیں) جنوب میں بلخ اور ترمذ ہے۔

دریائے کوہک اس کے شمل میں سمرقند سے دو کوس کے فاصلہ پر بہتا ہے۔ سمرقند اور دریا کے بیچ میں ایک فکرا ہے جس کو کوہک کہتے ہیں۔ چونکہ یہ دریا اس پہاڑ کے نیچے سے بہتا ہے اس لئے اس کا نام دریائے کوہک مشہور ہو گیا ہے۔ اس دریائے کوہک سے ایک بڑی ندی نکلتی ہے۔ بلکہ وہ خلاصا چھوٹا سا دریا ہے۔ جس کو دریائے درغم کہتے ہیں۔ یہ ندی سمرقند کے جنوب میں بہتی ہے اور سمرقند سے ایک کوس شرعی کے فاصلہ پر ہوگی۔ سمرقند کے بلخات، مقلات اور کئی پرگنے اسی ندی سے سیراب ہوتے ہیں۔ سمرقند سے بخارا اور قراکول تک تخمیناً چالیس کوس کا فاصلہ ہے۔ یہ سارا ملک دریائے کوہک ہی سے مزدوع اور آباد ہے۔ اتنا بڑا دریا تمام زراعت اور عمارت ہی کے کام میں آ جاتا ہے۔ گرمیوں میں تو یہ حل ہے کہ تین چار مہینے بخارا تک اس کا پانی نہیں پہنچنے پاتا۔

میوے :- سمرقند میں انگور، خربوزہ، سیب، انار بلکہ سارے میوے عمدہ ہوتے ہیں۔ اور بہت ہوتے ہیں۔ سمرقند کے دو میوے مشہور ہیں۔ سیب اور انگور صاحبی۔

سمرقند کے بلخات اور عمارتیں :- سمرقند اور اس کی نواح میں امیر تیمور اور ریخ بیک کی بنائی ہوئی عمارتیں اور بلخ بہت سے ہیں۔ امیر تیمور نے ارک سمرقند میں ایک بڑا چومنزہ محل بنایا ہے جس کا نام کوک سرائے مشہور ہے۔ یہ عمارت بہت عالی شان ہے۔ آہنی دروازہ کے پاس شہر میں ایک جامع مسجد عظیم بنائی ہے۔ بہت سے سنگ تراشوں نے (جن کو وہ اپنے ساتھ ہندوستان سے لائے تھے) اس مسجد میں کام کیا ہے اس مسجد کے پیش طاق میں یہ آیت شریفہ افرا یرفع ابراہیم القواعد۔ ایسے جلی قلم سے لکھی ہوئی ہے کہ ایک کوس کے فاصلہ سے پڑھی جاسکتی ہے۔ یہ بھی بہت

بڑی عمارت ہے۔ سمرقند کے مشرق میں دو باغ امیر کے بنائے ہوئے ہیں۔ ایک بہت فاصلہ پر ہے۔ اس کا نام باغ بولدی ۲۲۳ ہے۔ دوسرا قریب ہے اس کا نام باغ دل کشا ہے۔ باغ دل کشا سے فیروزہ دروازہ تک خیابان ۲۲۴ ہے۔ جس کے دونوں طرف صنوبر کے درختوں کی قطار ہے۔ دل کشا میں بھی ایک بڑا محل ہے۔ اس محل میں امیر کی ہندوستان والی لڑائی کی تصویر بنائی گئی ہے۔ کوہک پہاڑ کے دامن میں سیاہ آب کان گل ۲۲۵ کے کنارہ پر (جس کو دریائے رحمت کہتے ہیں) ایک اور باغ بنایا ہے۔ اس کا نام نقش جہاں ہے۔ جب میں نے دیکھا ہے تو وہ دیران پڑا تھا۔ نام ہی نام رہ گیا ہے۔ سمرقند کے جنوب میں باغ چنار ہے۔ یہ باغ شہر کے قریب ہی ہے۔ سمرقند سے نیچے کی جانب باغ شمل اور باغ بہشت ہے۔

محمد سلطان مرزا ابن جہانگیر مرزا نے جو امیر تیمور کا پوتا تھا قلعہ شگین کے دروازہ کے پاس ایک مدرسہ بنایا ہے۔ امیر تیمور کا مزار اور امیر کی اولاد میں سے جو سمرقند کا بادشاہ ہوا ہے اس کی قبر اسی مدرسہ میں ہے۔ الغ بیگ مرزا کی عمارتوں میں سے سمرقند کی شہریناہ کے اندر مدرسہ اور خانقاہ ہے۔ خانقاہ کا گنبد بہت بڑا ہے۔ کہتے ہیں کہ اتنا بڑا گنبد دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ اسی مدرسہ اور خانقاہ کے پاس ایک حمام نہایت عمدہ بنا ہوا ہے۔ جو حمام مرزا کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا فرش ہر قسم کے پتھروں سے بنایا گیا ہے۔ خراسان اور سمرقند میں اس قطع کا حمام شاید ہی دوسرا ہو۔ مدرسہ کے جنوب میں ایک مسجد ہے۔ اس کو مسجد مقطع کہتے ہیں۔ مقطع اس سبب سے نام رکھا گیا ہے کہ لکڑی کے ٹکڑے تراش کر ان کو اسلمی اور خطائی نقشوں سے منقش کیا ہے۔ ساری دیواریں چھتیں اسی طرح کی ہیں۔ اس مسجد کے قبلہ میں اور مسجد مدرسہ کے قبلہ میں بہت فرق ہے۔ غالباً اس مسجد کے قبلہ کا رخ منہموں کے طریقہ پر رکھا گیا ہے۔ کوہک پہاڑ کے دامن میں ایک اور بڑی عمارت رصد کی ہے۔ جس سے زینج لکھی جاتی ہے۔ یہ مکان سہ منزلہ ہے۔ الغ بیگ مرزا نے اسی رصد سے زینج کو رنگنی لکھی ہے۔ آج کل دنیا میں اسی زینج کا رواج ہے۔ دوسری زینج پر کم عمل کیا جاتا ہے۔ اس زینج سے پہلے زینج ایمنخانی رائج تھی جس کو خواجہ نصیر نے ہلاکو خان کے زمانہ میں مراغہ میں رصد بنا کر لکھا تھا۔ غالباً اس وقت تک دنیا میں سات آٹھ رسدوں سے زیادہ نہ تیار ہوئی ہوں۔ ان میں سے ایک رصد خلیفہ مامون نے بنائی تھی

جس پر زچ مامونی لکھی گئی ہے۔ ایک بطلموس ۲۲۶ء نے بھی بتائی ہے۔ ایک رصد ہندوستان میں ہے جو راجہ بکرماجیت کے زمانہ میں انجین اور دھار (ملک مالوہ جس کو اب مندو کہتے ہیں) میں بتائی گئی تھی۔ اہل ہند کے ہندو آج کل اسی سے کام لیتے ہیں۔ اس کو بنے ہوئے ایک ہزار پانچ سو چوراسی برس ہوئے ہیں۔ اور زچوں کی نسبت یہ زچ بہت ہی ناقص ہے۔

اسی کوکب پہاڑ کے دامن میں مغرب کی طرف ایک اور باغ بنایا ہے۔ اس کا نام باغ میدان ہے۔ اس باغ میں ایک بڑا مکان بھی ہے جس کو چل ستون کہتے ہیں۔ ۲۲۷ء اس کے سارے ستون پتھر کے ہیں۔ اس عمارت کے چار برجوں میں چار مینار کی صورت میں پتھر ہی کے ستون ہیں۔ بعض ستون ۲۲۸ء مار بیچ قطع کے بنے ہوئے ہیں۔ اوپر کی منزل میں چاروں طرف دالان ہیں۔ اس عمارت کی کرسی اور فرش تمام سنگین ہے۔ اس کے اس طرف جدھر کوکب پہاڑ ہے ایک باغیچہ ہے۔ اس میں ایک بڑی بارہ دری بتائی ہے۔ باری دری میں ایک بڑا سنگین تخت رکھا ہے۔ اس تخت کا طول تخمیناً چودہ پندرہ گز کا۔ عرض سات آٹھ گز کا اور بلندی ایک گز کی ہے۔ اس اتنے بڑے پتھر کو بڑی دور سے لائے ہیں۔ اس میں ایک درز پڑ گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ درز یہاں لانے کے بعد پڑی ہے۔ اسی باغ میں ایک اور چووری ہے۔ اس کی تمام دیواروں پر چینی کا کام کیا ہوا ہے۔ اس کو چینی خانہ کہتے ہیں۔ ملک خطا ۲۲۹ء سے آدمی بھیج کر اس کو منگوایا تھا۔ شہر کے اندر ایک اور پرانی عمارت ہے جس کو مسجد شلتہ کہتے ہیں۔ اس میں عجیب صنعت ہے کہ مسجد کے صحن میں اگر لات مارو تو لاق لاق کی آواز آتی ہے۔ اس مسجد کو کوئی نہیں جانتا۔

سلطان احمد مرزا کے زمانہ میں بھی ہر طبقہ کے امراء نے بہت سے باغ و باغیچے بنائے تھے۔ ان میں سے درویش محمد ترخان کا چار باغ اپنی طرز۔ صفائی اور ہوا میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ باغ میدان کے نیچے کی جانب ایک بلندی پر جو قلبہ کے مرغزار کے اوپر واقع ہے بنایا ہے۔ تمام باغ جو اس مرغزار میں ہیں وہ اس باغ کے زیرِ پا ہیں۔ چار باغ کے درجے بھی ترکیب کے ساتھ بنائے ہیں۔ تارون ۲۳۰ء۔ سرو اور سفیدار کے درخت لگائے ہیں۔ یہ مقام نہایت ہی عمدہ ہے۔ صرف عیب اتنا ہے کہ کوئی بڑا مندر اس میں نہیں ہے۔ شہر سمرقند عجیب ایک آراستہ شہر ہے۔ اس میں ایک خصوصیت یہ ہے

جو اور شہروں میں کم ہو گی کہ ہر پٹے کے بازار الگ الگ ہیں۔ مخلوط نہیں ہیں۔ یہ اچھی رسم ہے۔ نٹن بائیں اور آتش پڑوں کی دوکانیں بہت عمدہ ہیں۔ سمرقند کا کھنڈ نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ اور تمام عالم میں جاتا ہے۔ کھنڈ کے کارخانے جن کو جدا کرتے ہیں۔ مقام کن گل میں ہیں اور کن گل سیاہ آب کے کنارے پر ہے جس کو آب رحمت بھی کہتے ہیں۔ سمرقند کی عمدہ اشیاء میں سے دوسری چیز محمل قرمزی ہے۔ اس کو بھی دور دور لے جاتے ہیں۔

سواد شہر کے مرغزار :- شہر کے گردا گرد بہت سے عمدہ سبزہ زار ہیں۔ ایک سبزہ زار کن گل کے نام سے مشہور ہے۔ جو سمرقند سے کوئی کوس بھر شرعی کے فاصلہ پر مشرق میں ذرا مائل شمال واقع ہے۔ سیاہ آب جس کو دریائے رحمت کہتے ہیں کن گل کے بیچ میں سے جاری ہے۔ یہاں سات آٹھ آسیا ۲۳۱ پانی ہو گا۔ اس کے گرد بالکل دلدل رہتی ہے۔ یعنی کہتے ہیں کہ اس سبزہ زار کا اصلی نام کن آبگیر تھا۔ مگر تاریخوں میں کن گل ہی لکھا دیکھا ہے۔ سمرقند کے بلوشاہوں نے ہمیشہ قوروغ - ۲۳۲ کی طرح اس سبزہ زار کی حفاظت کی ہے۔ ہر سال مینے دو مینے اس میں ضرور آکر رہے ہیں۔ اس مرغزار کے اوپر کی جانب مشرق و جنوب کے بیچ میں دو سرا مرغزار ہے۔ اس کو پورت خان - ۲۳۳ کہتے ہیں جو سمرقند کے مشرق میں ایک کوس شرعی کے فاصلہ پر ہو گا۔ دریائے سیاہ اس میں ہوتا ہوا کن گل میں جاتا ہے۔ اس پورت خان میں دریائے سیاہ اس طرح چکر کھا کر بہتا ہے کہ اس چکر کے اندر کی زمین میں خلاصا ایک لشکر اتر سکتا ہے۔ اس کے نکلنے کے راستے بہت تنگ ہیں۔ اس مقام کو عمدہ خیال کر کے سمرقند کے محاصرہ کے زمانہ میں کئی بار ہم کو یہیں اترنے کا اتفاق ہوا تھا۔ ایک سبزہ زار قوروغ - ۲۳۴ بودہ ہے۔ یہ باغ و لکشا اور سمرقند کے بیچ میں واقع ہے۔ ایک مرغزار کول مخاک ہے۔ سمرقند سے مغرب کی طرف کسی قدر مائل شمال دو کوس شرعی کے فاصلہ پر ہے۔ یہ بھی اچھا مرغزار ہے۔ اس کے ایک طرف بڑا تالاب ہے۔ لہٰذا سبب سے اس کا نام اولانک کول - ۲۳۵ مخاک مشہور ہو گیا ہے۔ محاصرہ سمرقند کے زمانہ میں جب میرا لشکر پورت خان میں تھا تو سلطان علی مرزا اسی کول مخاک مرغزار میں پڑا ہوا تھا۔ ایک اور سبزہ زار قلبہ ہے۔ یہ بہت چھوٹا سا ہے۔ اس کے شمال میں موضوع قلبہ اور دریائے کوہک ہے۔ جنوب میں باغ میدان اور چار باغ درویش محمد

ترخان اور مشرق میں پشتہ کوہک ہے۔

سمرقند کے پرگنے :- سمرقند کے پرگنے اور علاقے نہایت عمدہ ہیں۔ بڑا علاقہ سمرقند کے قریب بخارا ہے۔ جو سمرقند کے مغرب میں پانچ ۲۳۹۰ فرسنگ کے راستہ پر ہے۔ بخارا کے تحت میں بھی کئی پرگنے ہیں۔ بخارا ۲۳۷۰ ایک اچھا شہر ہے۔ اس میں میوے تحفہ اور بکھرت ہوتے ہیں۔ خربوزہ کا تو کیا کتنا ہے۔ بلوراء النہر میں بخارا جیسا اچھا اور کثرت سے خربوزہ کہیں نہیں ہوتا۔ گو ملک فرغانہ میں آغشی کا ایک قسم کا خربوزہ جس کو میر تیموری کہتے ہیں بخارا کے خربوزہ سے بہت میٹھا اور لطیف ہوتا ہے لیکن بخارا میں ہر قسم کا خربوزہ ڈھیروں پیدا ہوتا ہے۔ اور عمدہ ہوتا ہے۔ آلو بخارا وہاں کا مشہور ہے۔ بخارا کا سا آلو کہیں ہوتا ہی نہیں۔ اس کا پوست چھیل کر اور خشک کر کے جا بجا تحفہ لے جاتے ہیں۔ تلپین کی یہ اچھی دوا ہے۔ یہاں پرندے اور قازیں بہت ہوتی ہیں۔

بلوراء النہر میں بخارا سے بڑھ کر کہیں کی شراب تیز اور تند نہیں ہوتی۔ میں جس زمانہ میں سمرقند میں تھا اور شراب بھی پیتا تھا تو بخارا ہی کی شراب پیتا تھا۔ دوسرا علاقہ خطہ کیش سمرقند کے جنوب میں نو فرسنگ ۲۳۰۰ کے راستہ پر ہے۔ سمرقند اور کیش کے بیچ میں ایک پہاڑ واقع ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں اس کا نام کوہ تن لکھا ہے۔ جو پتھر کہ سنگ تراشی کے کام میں لاتے ہیں وہ اسی پہاڑ سے نکالتے ہیں۔ موسم بہار میں تمام جنگل اور شہر کے درو دیوار تک بہت ہی سرسبز ہو جانے سے اس کو شہر سبز کہتے ہیں۔ چونکہ حضرت امیر تیمور کا وطن بلوف یہی شہر تھا اس لئے انہوں نے اس کو دارالسلطنت بنانے کی طرف بہت توجہ کی تھی۔ اس میں بڑی بڑی عمارتیں بنائی ہیں۔ اپنا دربار کرنے کے لئے ایک عالی شان پیش طاق بنایا ہے۔ اس پیش طاق کے دائیں بائیں جانب اس سے چھوٹے دو پیش طاق بنائے ہیں۔ جن میں امراء اجلاس کرتے تھے۔ ان کے علاوہ اس دیوان خانہ کے ہر ضلع میں اہل مقدمات کے واسطے اور چھوٹے چھوٹے والان بنائے ہیں۔ بڑے پیش طاق جیسا عالی شان پیش طاق دنیا میں کم ہو گا۔ کہتے ہیں کہ طاق کسری ۲۳۰۰ سے بھی یہ بہت بڑھا ہوا ہے۔

کیش میں ایک مقبرہ اور ایک مدرسہ بھی بنایا ہے۔ جمائگیر مرزا کی اور امیر کی بعض اولاد کی قبریں اسی میں ہیں چونکہ سمرقند کی طرح کیش میں شہر بننے کی قابلیت نہ

تھی اس لئے آخر سمرقند ہی وار الخلاف مقرر ہوا۔ ایک علاقہ قرشی ہے۔ اس کو نسف اور نخشب بھی کہتے ہیں۔ قرشی مغلی زبان کا لفظ ہے۔ مغلوں کی زبان میں قبرستان کو قرشی کہتے ہیں۔ شاید چنگیز خان کے تسلط کے بعد اس کا یہ نام زبان زد ہو گیا۔ پانی یہاں بہت کم ہے۔ یہاں کی بہار کا موسم نہایت اچھا ہوتا ہے۔ خربوزے کی زراعت کثرت سے ہوتی ہے۔ یہ علاقہ سمرقند کے جنوب میں اس بہ مغرب اٹھارہ فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ باغری قرا جانور کی صورت کا یہاں ایک جانور ہوتا ہے اس کو قیل قویر دغ کہتے ہیں۔ چونکہ یہ جانور اس ملک میں بے شمار ہوتا ہے اس لئے یہاں اس کا نام مرنگ قرشی مشہور ہو گیا ہے۔ ایک خراز کا علاقہ ہے۔ ایک علاقہ کر۔ نیہ کا ہے۔ سمرقند اور بخارا کے درمیان میں ایک علاقہ قراکول ہے۔ جو بہ نسبت اوروں کے دریا سے بہت نشیبی جانب میں بخارا سے سات فرسنگ مغرب اور شہل کے درمیان میں ہے۔ اس میں بہت سے پرگنے ہیں۔

ایک پرگنہ سفد ۲۳۰ ہے۔ اس کے متصل بہت سے پرگنے ہیں۔ ان کی ابتداء یاربلاق سے ہے۔ اور انتہا بخارا تک ہے۔ ان کے راستہ میں ایک فرسنگ بھی ایسا نہیں ہے کہ جہاں کوئی گلوں آباد نہ ہو۔ یہ مشہور ہے کہ امیر تیمور فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس ایک باغ ہے جس کا طول تیس فرسنگ کا ہے۔ یہ اشارہ ان ہی پرگنوں سے تھا۔ ایک پرگنہ شادوار ہے۔ شر اور حوالی شر سے ملا ہوا۔ یہ بہت اچھا پرگنہ ہے۔ ایک جانب اس کے وہ پہاڑ ہے جو شر سبز اور سمرقند کے بیچ میں ہے۔ اس کے دیہات اسی پہاڑ کے دامن میں بستے ہیں۔ دوسری طرف دریائے کوہک ہے۔ یہاں ہوا نہایت عمدہ صفائی اچھی پانی کی کثرت سے اور جنس سستی ہے۔ جن لوگوں نے مصر اور شام کو دیکھا ہے وہ بھی اس جگہ کو بے نظیر بیان کرتے ہیں اگرچہ پرگنے بھی ہیں مگر ایسے نہیں ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

اولاد تیمور میں سے سمرقند کے بادشاہ۔ امیر تیمور نے سمرقند کا حاکم اپنے بیٹے جہانگیر مرزا کو کیا تھا۔ جہانگیر مرزا کے مرنے کے بعد اس کے چھوٹے بیٹے کو حاکم کیا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کے بڑے بیٹے محمد سلطان کو یہاں کی حکومت رہی تھی۔ شاہرخ مرزا نے سارا ملک بلوراء النہر اپنے بڑے بیٹے بلخ مرزا کو دیا تھا۔ بلخ بیک مرزا سے اس کے بیٹے عبداللطیف مرزا نے لیا اور اس بلخ روزہ بے ثبات دنیا کے لئے اپنے

دانشمند اور بڑے باپ کو شہید کیا۔ الف بیک مرزا کے مرنے کی تاریخ اچھی لکھی گئی ہے۔ وہ یہ ہے۔

الف بیک بحر علوم و خرد
کہ دنیاؤ دیں را او بود پشت
ز عباس شد شلوت چشید
شدش حرف تاریخ عباس کشت
عبداللطیف نے بھی پانچ چھ مہینے سے زیادہ سلطنت نہیں کی۔
چنانچہ یہ بیت مشہور ہی ہے۔

پدر کش بلو شاہی رانشاید
اگر شاید بحر شش نہ نیاید
اس کے مرنے کی تاریخ بھی اچھی لکھی گئی ہے۔
عبداللطیف خرد جشید فر کہ بود
در سلک بند گانش فرید دن و زرد دہشت
بابا حسین کشت شب جمعہ اش بہ تیر
تاریخ اس نویس کہ بابا حسین کشت

عبداللطیف مرزا کے بعد عبداللہ مرزا (ابراہیم سلطان مرزا کا بیٹا شاہرخ مرزا کا پوتا۔ اور الف بیک مرزا کا داماد) تخت پر بیٹھا۔ یہ مرزا ڈیڑھ برس یا قریب دو برس کے بادشاہ رہا ہو گا۔ اس کے بعد سمرقند کو سلطان ابوسعید مرزا نے لے لیا۔ اور اپنے جیتے جی اپنے بڑے بیٹے سلطان احمد مرزا کو دے دیا تھا۔ سلطان ابوسعید مرزا کے انتقال کے بعد سلطان احمد مرزا سمرقند کا بادشاہ ہوا۔ جب سلطان احمد مرزا کو تخت پر بٹھایا۔ ترخانپور کے قسلا میں بانیستغفر مرزا کو تخت سے اتار دیا اور اس کے چھوٹے بھائی سلطان علی مرزا کو دو ایک دن کے لئے بٹھا دیا۔ اس کے بعد پھرونی بانیستغفر مرزا بلو شاہ ہو گیا۔ چنانچہ اوپر ذکر ہو چکا ہے بانیستغفر مرزا سے میں نے چھینا آئندہ کے واقعات میں اس کے اور حالات لکھے جائیں گے۔

سمرقند کے تخت پر بیٹھتے ہی میں نے وہاں کے امراء کے ساتھ گذشتہ زمانہ کی طرح عنایت و مہربانی کرنی شروع کی۔ جو امراء میرے ہمراہ تھے ان کے ساتھ بھی ان

کے موافق سلوک کیا۔ سلطان احمد تہل کے ساتھ بہت سی رعایت کی گئی۔ اوسط درجہ کے امیروں میں تھا۔ میں نے اس کو بڑے درجہ کے امیروں میں کر دیا۔ سمرقند کے علاوہ تمام ملک میرا مطیع ہو گیا تھا یا سلطان علی مرزا کا۔ جو ملک ہمارا ہو گیا تھا اس کو ہم تہا نہ کر سکتے تھے اور جو ملک لٹ کھٹ گیا تھا ہملا اس سے کچھ وصول ہی کیونکر کیا جاسکتا تھا جو کچھ لشکر والوں کے پاس تھا وہ ہو چکا اور جب سمرقند فتح ہوا ہے تو اس کا یہ دھاڑا تھا کہ الٹی ختم و تقویٰ کی احتیاج تھی۔ ایسی صورت میں وہاں سے کوئی لے ہی کیا جاسکتا تھا۔ ان باغیوں سے لشکر والے بالکل ٹوٹ گئے اور ہم بھی ان کو کچھ نہ دے سکے۔ لوگوں کو اپنے اپنے گھر بھی یاد آنے لگے۔ ایک ایک دو دو کھٹکے لگے۔ سب سے اول جان قلی بیان نے بھاگنے میں پہل کی۔ پھر ابراہیم بیگ چک ۲۳۱۰ چل دیا۔ اسی طرح سارے مغل بھاگ گئے۔ اس فسلو کے فرو کرنے کے لئے خواجہ قاضی کا بڑا دوست اور معتقد تھا اس لئے خواجہ اور اوزون حسن متفق ہو کر گئے تاکہ ان بھاگے ہوؤں میں سے بعض کو سزا دیں اور بعض کو ہمارے پاس بھیج دیں حقیقت میں فسلو کی جڑ اور ان بھگوڑوں کا پسنانے والا اوزون حسن نمک حرام ہی تھا۔ سلطان احمد تہل کے جاتے ہی سب کھل کھلا بڑ بیٹھے اور مختلف ہو گئے۔ اس کئی برس میں کہ میں نے سمرقند کی تسخیر کے قصد سے بہ وقت فوج کشی کی۔ سلطان محمود خاں نے کچھ معتد بہ ملک تو نہ کی مگر سمرقند کی فتح کے بعد وہ اندجلن کا طلب گار ہو گیا۔ اس وقت جو اکثر فوج کے لوگ اور سارے مغل جو بھاگ کر اخشی اور اندجلن میں چلے گئے تو اوزون حسن اور احمد قلی نے جمائگیر مرزا کے لئے اس ملک کی خواہش کی لیکن کئی وجہ سے ممکن نہ تھا کہ ان کی خواہش پوری کی جائے۔

ایک تو یہ کہ اگرچہ اس ملک کے دینے کا خان سے وعدہ نہ ہوا تھا مگر انہوں نے طلب تو کیا تھا اور جب کہ خان نے طلب کیا تو پھر جمائگیر مرزا کو کیونکر دیا جاتا۔ مجھے خان سے بگاڑتے بن نہیں پڑتی۔ دوسرے یہ کہ لوگ جو اس نازک موقع پر بھاگ کر وہاں جا پہنچے تو مجھے دبا کر لینا چاہیے اگر اس سے پہلے کچھ اقرار ہو جاتا تو مضائقہ نہ تھا۔ کوئی وجہ پیدا ہو جاتی۔ ان کے بے مواقع دباؤ کس سے اٹھایا جاتا۔ تمام مغل، اندجلن کی فوج اور امراء میں کچھ امراء مقرب سب کے سب اندجلن چلے گئے۔ میرے پاس سمرقند میں چھوٹے بڑے اور اچھے برے امراء کل ہزار آدمی کے قریب رہ گئے ہوں

گئے۔ چونکہ جہانگیر مرزا کے طرف داروں کی استدعا منظور نہ ہوئی اس لئے انہوں نے ان لوگوں کو جو مجھ سے ٹکٹ کر میرے پاس سے بھاگ گئے تھے بلا کر اپنے ساتھ کر لیا۔ بدول اپنی حرکتوں کے ڈر سے خدا سے چاہتے تھے کہ یہ معاملہ پیش آجائے۔ ان سب نے ملک کر آخشی سے اندجان پر چڑھائی کی اور کھلم کھلا فساد کرنا شروع کیا۔

تولون خواجہ کا روانہ کرنا۔۔۔ تولون خواجہ ایک بہادر آدمی قوم نار بن کے قزاقوں کا سردار تھا۔ میرے والد عرش مرزا نے بھی اس کے ساتھ بہت رعایت کی تھی۔ اور وہ ہنوز مستحق رعایت ہی تھا۔ میں نے بھی ازراہ پرورش امیروں میں اس کو داخل کر دیا تھا۔ اچھا بہادر قزاق سپاہی اور لائق رعایت آدمی تھا۔ چونکہ مغلوں میں میرا اعتدائی اور چڑھایا بڑھایا ہوا تولون خواجہ ہی تھا اس لئے جس وقت مغلوں کی قومیں سرحد سے بھاگیں تو میں نے تولون خواجہ کو ان کے پیچھے روانہ کیا۔ تاکہ لوگوں کو نصیحت کر کے ان کے خوف کو دور کر دے اور وہ لوگ مارے ڈر کے برباد نہ ہوں۔ مگر نمک حراموں اور فتنہ انگیزوں نے ان کو ایسا بھڑکا دیا تھا کہ وعدہ و وعید اور نصیحت اور دھمکانے نے کچھ فائدہ نہ دیا۔

جہانگیر مرزا، تہل، اوزون حسن نے اندجان کا محاصرہ کر لیا۔۔۔ تولون خواجہ میان دو آب میں پہنچا تھا دو آب کو ربا ملک اور چینی۔ ۲۳۲ کہتے ہیں کہ اوزون حسن اور سلطان احمد تہل نے دو گنا کچھ فوج تولون خواجہ پر بھیجی۔ یہ فوج عین غفلت میں اس پر جا پری اور اس کو پکڑ کر مار ڈالا۔ اوزون حسن اور تہل نے جہانگیر مرزا کو ساتھ لے کر اندجان کو آگیرا۔ جب ہم اندجان سے چلے تھے تو علی دوست طغانی کو اندجان میں اور اوزون حسن کو آخشی میں چھوڑ گئے تھے۔ پھر خواجہ قاضی بھی آگئے تھے اور دو لوگ سرحد سے چلے آئے تھے وہ بھی بہت سے تھے۔ خواجہ قاضی نے قلعہ بچانے اور میری خیر خواہی کے خیال سے اٹھارہ ہزار اپنی بکریاں ان لوگوں کو دیں جو قلعہ میں تھے اور ان کے اہل و عیال کو دیں جو میرے پاس تھے۔ محاصرہ کے زمانہ میں میری۔ ۲۳۳ ماؤں اور خواجہ قاضی کے پاس سے برابر خطوط آئے کہ ہم بے طرح گھر گئے ہیں۔ اگر تم نہ آئے اور ہماری خبر تم نے نہ لی تو کام بگڑ جائے گا۔ سرحد کو اندجان کے طفیل آیا ہے۔ اگر اندجان پاس ہے تو خدا چاہے سرحد پھر ہاتھ آسکتا ہے۔

علالت مزاج۔۔۔ اس مضمون کے خط پے در پے آئے۔ میں ان دنوں میں سخت بیمار

تھا۔ پہلے ایک مرتبہ بیمار ہو کر اچھا بھی ہو گیا تھا۔ مگر ضعف کی حالت میں پوری احتیاط نہ کر سکا کہ پھر ٹھیک ہو گیا۔ اس مرتبہ بری طرح بڑا۔ چنانچہ چار دن تک زبان بند رہی۔ روٹی کے پھویوں سے میرے منہ میں پانی ٹپکلا جاتا تھا۔ میرے ہمراہی کیا امراء کیا سپاہی سب میری زندگی سے مایوس ہو گئے تھے۔ اور سب کو اپنی اپنی پڑگئی تھی۔ اس برے وقت میں اوزون حسن کا جو اہلچی آیا تھا اور کچھ لغو پیغام لایا تھا۔ امراء نے غلطی سے میرا حال اس کو دکھا کر رخصت کر دیا۔ چار پانچ روز بعد اس حال سے کسی قدر مجھے افادہ ہو گیا۔ مگر زبان صاف نہیں ہوئی۔

سمرقند چھوڑ کر چلے :- جب کہ میری والدہ اور نانی ا لین دولت بیگم نے اور میرے استاد و پیر مولانا قاضی نے ایسے مضامین کے خط لکھے ہوں اور بڑی شدود سے مجھے بلایا ہو تو کون ایسا دل رکھتا ہو گا کہ اس پر خیال نہ کرے اور ٹھہرا رہے۔ پس چند روز بعد رجب ۲۴۴ کے مہینے میں ہفتہ کے دن اندجان کی طرف روانہ ہونے کے لئے سمرقند سے میں چلا۔ اس مرتبہ سمرقند میں کچھ دن بادشاہت کر لی۔ دوسرا ہفتہ تھا کہ میں بخمد جا پہنچا۔ اسی دن ایک شخص اندجان سے یہ خبر لایا کہ سات دن پہلے جس ہفتہ کے دن میں سمرقند سے چلا تھا اسی ہفتہ کو علی دوست طغائی نے اندجان کا قلعہ دشمنوں کے حوالے کر دیا۔

اندجان چھن گیا :- اس کی مفصل کیفیت یہ ہے کہ اوزون حسن کے آدمیوں نے جن کو میری عزالت میں میرا سہل دکھا کر رخصت کیا تھا اس موقع پر کہ قلعہ کا محاصرہ ہو رہا تھا آکر بیان کیا کہ بادشاہ کی زبان بند ہو گئی ہے۔ روٹی کے پھویوں سے منہ میں پانی پکاتے ہیں۔ علی دوست طغائی سے قسمیں کھا کھا کر یوں ہی بیان کیا گیا۔ علی دوست اس وقت خاکن دروازہ میں تھا۔ یہ سنتے ہی اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ مخالفوں سے عہد دہیان کر کے قلعہ میں دے دیا۔ قلعہ میں کوئی سپاہی اور ذرا سا ذخیرہ بھی نہ رہا۔ یہ اس نمک حرام منافق کی انتہا درجہ کی نامردی تھی اور یہ باتیں جو بیان ہوئی ہیں صرف اس نے اپنے بچانے کے لئے گھڑ لی تھیں۔

خواجہ مولانا قاضی کا حال :- جب مختلف اندجان لے چکے تو بخمد میں میرے آ جانے کی خبر پہنچی۔ اس خبر کے سنتے ہی مولانا قاضی کو بڑی بے عزتی سے ارک کے

دروازہ میں پھانسی دے کر شہید کر دیا۔ خواجہ مولانا قاضی کا نام عبداللہ تھا۔ اور عرف خواجہ مولانا تھا۔ باپ کی طرف سے ان کا نسب شیخ برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے اور ماں کی جانب سے سلطان الملک ۲۳۵۰ ماضی تک۔ ملک فرغانہ میں اس خاندان کے لوگ پیشوا، شیخ الاسلام اور قاضی رہے ہیں۔ خواجہ مولانا حضرت خواجہ عبید اللہ کے مرید تھے۔ ان ہی سے تربیت پائی تھی۔ مجھ کو خواجہ قاضی کے دلی ہونے میں کچھ شک نہیں ہے۔ ان کی ولایت کا اس سے بہتر اور کیا ثبوت ہو گا کہ جو لوگ ان کے شہید کرنے میں شریک تھے تھوڑے ہی دنوں میں سب کا نام و نشان نہ رہا۔ مولانا نے مرحوم عجب شخص تھے۔ ڈر اور خوف تو ان میں نام کو نہ تھا۔ ایسا دلیر آدمی دیکھا نہ سنا۔ یہ صفت بھی ولایت کی دلیل ہے۔ دنیا دار کیسے ہی بہادر ہوں مگر کچھ نہ کچھ دھڑکا اور اندیشہ رہتا ہی ہے۔ خواجہ اس سے بالکل پاک تھے۔ خواجہ کے شہید ہونے کے بعد خواجہ کے نوکروں، عزیزوں اور لونڈی غلاموں کو ظالموں نے گرفتار کر لیا اور لوٹ لیا۔

پریشاں حلی :- میری والدہ اور مٹی صاحبہ کو معہ ان لوگوں کے بل بچوں کو جو میرے ہمراہ تھے۔ نجد میں میرے پاس بھیج دیا۔ اندجان کے لئے سرفرد چھوڑا تھا۔ اندجان بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ اب ہمارا یہ حل ہے کہ نہ اوھر کے رہے نہ اوھر کے رہے۔ جس دن سے میں بلو شاہ ہوا تھا اس طرح آدمیوں سے اور ملک سے علیحدہ نہ ہوا تھا اور جب سے میں نے ہوش سنبھالا تھا ایسا رنج اور ایسی مشقت نہ اٹھائی تھی۔ اس سبب سے مجھے بڑا صدمہ تھا۔ بعض منافقوں ۲۳۶۰ کو میرا سرکار میں خلیفہ کا رہنا کھٹکتا تھا۔ محمد حسین مرزا دفیوہ نے خلیفہ کو تاشقند بھیجنے پر اصرار کیا۔

مدد کے لئے سلطان محمود خاں کا آنا اور الٹا پھر جانا :- میں نے مجبوراً "قاسم بیگ کو خان کے پاس تاشقند بھیجا اور ان سے اندجان پر چڑھائی کرنے کی استدعا کی۔ خان بھی ۲۳۷۰ لشکر فراہم کر کے ۲۳۸۰ جاگ آہنگران کی طرف آیا۔ جب وہ کندز ایک اور المانی کے نیچے اترا تو میں بھی نجد سے آیا اور اپنے خان دادا سے ملا۔ کندز ایک ۲۳۹۰ اور المانی کو فتح کر کے آخشی کی طرف آئے۔ مخالف بھی اس طرف سے لشکر جمع کر کے آخشی پر آگئے۔ اس وقت میرے چند طرف داروں نے میرے آنے کی امید میں قلعہ باپ پر قبضہ کر رکھا تھا۔ لیکن خان کے چلے جانے کے خیال سے مخالفوں نے قلعہ باپ کو زبردستی چھین لیا۔ خان کے اور سب اخلاق و اطوار تو اچھے تھے مگر سپاہ

گری اور سرداری کی لیاقت نہ تھی۔ ایسے موقع پر کہ اگر ایک منزل بھی اور آگے بڑھ جائیں تو بغیر لڑے بھڑے ہی ملک ہاتھ آجائے دشمنوں کی فریب آمیز باتوں میں آکر خان نے صلح کی ٹھیرادی۔ اور خواجہ ابوالکارم کو مدد بیک تلبہ کے جو تہل کا بڑا بھائی اور ان دنوں میں خان کا داروغہ دیوان خانہ ۲۵۰ تھا اپنی بنا کر بھیج دیا۔ دشمنوں نے اپنے پھلوے کے لئے کچھ جموٹی بھی باتیں ملا کر خان کو اور بیچ والوں کو کسی قدر رشوت دینی قبول کر لی۔ خان نے اسی پر اکتفا کیا اور الٹا پھر گیا۔

لوگوں کا چلا جانا :- میرے ساتھ والے امراء اور سپاہی جو تھے ان میں سے بہتوں کے گھر بار اندجان میں تھے۔ جب یہ لوگ اندجان لینے سے مایوس ہو گئے تو چھوٹے بڑے امراء اور سپاہی سات آٹھ سو آدمیوں کے قریب میرے پاس سے چلے گئے۔ جانے والے امراء میں سے علی درویش بیک، علی مزید توچین، محمد باقر بیک، شیخ عبداللہ ایٹک آغا اور سیرم لاغری تھے۔ میرے شریک حلال اچھے برے کوئی دو سو سے زیادہ اور تین سو سے کم آدمی رہ گئے۔ ان میں امراء یہ تھے۔ قاسم بیک توچین، ولس لاغری، ابراہیم ساردی، شیرم طغائی اور سیدیم قرا مصاحبوں اور اہل خدمت میں سے یہ لوگ رہ گئے۔ میر شاہ توچین، سپہ قاسم، ایٹک آغا جلاڑ، قاسم عجب، محمد دوست، علی دوست طغائی، مبشر، خدا بیری توچی، منگل، یارک طغائی، سلطان قلی، بابا قلی، پیر ولس، شیخ ولس، یار علی، بلال، قاسم میر آخر اور حیدر رکاب دار۔ اس وقت مجھے بڑا ہی صدمہ ہوا بے اختیار ہو گیا اور خوب رویا۔ میں بخند میں چلا آیا۔

سرقند پر بار درگر چڑھائی :- میری والدہ اور میری نانی اور میرے ہمراہیوں کے اہل و عیال کو بخند میں میرے پاس بھیج دیا تھا۔ یہ رمضان کا مہینہ ہم نے بخند میں گزارا۔ سلطان محمود خان کے پاس آدمی بھیج کر کمک مانگی اور سرقند کی طرف روانہ ہوا۔ خان نے اپنے بیٹے سلطان محمد خاں اور احمد بیک کو پانچ چھ ہزار فوج کے ساتھ سرقند پر قبضہ کرنے کے لئے معین کیا اور خود بھی اورا تیبہ تک آگیا۔ میں وہاں خان سے ملا اور یار ایلاق کے راستہ سے سرقند کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان محمد خاں اور احمد بیک دو امرے راستہ سے مار ایلاق میں پہلے سے آگئے تھے۔ میں بورکہ ایلاق کے راستہ سے گذرا۔ میں جو یار ایلاق میں ایک بڑا شہر اور وہاں کے حاکم کا مستقر ہے آیا۔ سلطان محمد اور احمد بیک شیبانی خاں کے آنے اور اس کے شیراز و نواح شیراز کے تاراج کرنے کی

خبر سن کر اٹھ پھر گئے۔ اب ضرور ہوا کہ میں بھی بغداد کو الٹا پھر جاؤں۔

تاشقند کی طرف جانا: جب سلطنت لینے کا خیال اور ملک گیری کا دعویٰ ہو تو ایک دو مرتبہ کے ناکام رہنے سے دل نہیں چھوڑا جاتا۔ اندجان لینے کے خیال سے مدد طلب کرنے کے لئے میں خان کے پاس تاشقند گیا شاہ بیگم اور عزیز و اقارب سے ملے ہوئے ساتھ آٹھ برس ہو گئے تھے۔ اس بہانہ سے ان سے بھی مل لیا۔ تھوڑے دن بعد سید محمد مرزا دوغلت، ایوب بیگ چک اور جان حسن نارین ۲۵۴ کو سات سے آٹھ سو فوج کے ساتھ خان نے ملک کے لئے متعین کیا۔ اس ملک کو ساتھ لئے ہوئے میں بغداد میں آیا اور آتے ہی نونخ پر جو بغداد سے دس فرسنگ ہے چڑھائی کرنے کے لئے بلا توقف چل کھڑا ہوا۔ کند بلوام کو بائیں ہاتھ کی طرف چھوڑا اور راتوں رات رستہ طے کر کے نونخ جا پہنچا اور سیریاں لگا کر اچانک اس کو لے لیا۔ خروڑوں کی فصل تھیں۔ نونخ میں ایک قسم کا خروڑہ ہوتا ہے جس کو اسماعیل شیخی کہتے ہیں۔ اس کا پوست زرد کیفیت جیسا بیج تخمیناً سیب کے بیج کے برابر اور گودا چار انگل ہوتا ہے۔ عجب مزہ کا خروڑہ ہے۔ اس نواح میں ایسا خروڑہ نہیں ہوتا۔ دوسرے دن امراء مغول نے عرض کیا کہ ہمارے پاس فوج بہت تھوڑی ہے۔ اس ایک قلعہ کے لینے سے کیا کام چلے گا۔ بے شک یہ بات ٹھیک تھی۔ پس وہاں ٹھہرنا اور قلعہ کو مضبوط کرنا خلاف مصلحت سمجھا گیا اور ہم بغداد کی طرف واپس چلے آئے۔

خسرو شاہ وغیرہ کا ذکر ہے۔ اسی سال خسرو شاہ نے بائستغر مرزا کو ہمراہ لے کر فوج کشی کی اور چغتایان میں آکر ازراہ فریب سلطان مسعود مرزا کے پاس ایچی بھیجا کہ تم بھی آؤ۔ ہم تم سرقد پہ حملہ کریں گے۔ اگر سرقد فتح ہو گیا تو ایک مرزا سرقد میں رہے اور ایک حصار میں سلطان مسعود مرزا کی فوج اور امراء وغیرہ سب اس سے آزرہ خاطر تھے۔ وجہ یہ تھی شیخ عبداللہ برلاس جو بائستغر مرزا کے پاس سلطان مسعود مرزا کے پاس گیا تو چونکہ وہ مرزا کا سر تھا اس لئے اس کی بڑی خاطر ہوئی۔ اگرچہ حصار کی ریاست چھوٹی سی تھی مگر اس کے لئے ہزار تومان فلوس تنخواہ مقرر ہوئی۔ اور ختلان کا علاقہ دروبست اس کو دے دیا۔ ختلان سلطان مسعود مرزا کے بہت سے امراء اور ملازموں کی جاگیر و تنخواہ میں تھا۔ یہ اس پر قابض ہو گیا۔ اور اس کے دونوں بیٹے مسعود مرزا کی سرکار کے بالکل مالک اور مختار بن گئے۔ جو لوگ بدول ہو گئے

تھے وہ بھاگ بھاگ کر بانسٹنغر مرزا کے پاس آنے لگے۔

حصار چھن گیا۔ خسرو شاہ اور بانسٹنغر مرزا نے سلطان مسعود مرزا کو فریب آمیز باتوں سے غافل کر کے چغتایان سے جھٹ پٹ چل کھڑے ہوئے اور حصار پر حملہ کر کے نقارہ ۲۵۲ کے وقت اس کو چھین لیا۔ سلطان مسعود مرزا شہر کے باہر قریب شہر ایک محل میں تھا۔ جس کا نام دولت سرا ہے اور جس کو اس کے باپ نے بنایا تھا۔ مرزا یہاں سے قلعہ میں نہ پہنچ سکا۔ شیخ عبداللہ برلاس کو ساتھ لے کر ختلان کی طرف بھاگ گیا۔ راستہ میں شیخ عبداللہ برلاس سے چھڑ گیا اور ایوان ۲۵۳ کی راہ سے ہوتا ہوا سلطان حسین مرزا کے پاس چلا گیا۔ حصار کے فتح ہوتے ہی خسرو شاہ نے بانسٹنغر مرزا کو حصار میں رکھا اور ختلان اپنے چھوٹے بھائی ولی کو دے دیا۔

خسرو شاہ نے بلخ لینے کا ارادہ کیا۔ چند روز کے بعد خسرو شاہ بلخ لینے کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ پہلے اپنے ایک سردار نظر بھلور کو تین چار ہزار فوج کے ساتھ بلخ کی طرف بھیجا۔ پھر چار دن کے بعد بانسٹنغر مرزا کو لے کر خود بھی آگیا۔ اور بلخ کو گھیر لیا۔ بلخ میں ابراہیم حسین مرزا اور سلطان حسین مرزا کے اکثر امراء موجود تھے۔ خسرو شاہ نے اپنے چھوٹے بھائی ولی کو ایک بڑا لشکر دے کر شیرخان ۲۵۴ پر حملہ کرنے اور اس کی نواح کو تاراج کرنے کے لئے روانہ کیا۔ ولی گیا اور پاس سے بھی شیرخان پر حملہ نہ کر سکا۔ جو لوگ اس کے ہمراہ تھے ان کو ان قوموں کی تلخت و تاراج کے لئے روانہ کیا جو چول زرودک ۲۵۵ میں رہتی تھیں۔ ان لوگوں نے چول زرودک کو جالوٹا۔ تخمیناً ایک لاکھ سے زیادہ بکریاں اور تقریباً تین ہزار اونٹ ان کے ہاتھ لگے۔ ولی نے یہاں سے سان ۲۵۶ اور جاریک کے ملک کو جالوٹا اور برباد کر دیا جو لوگ پہاڑ میں پناہ گزیں ہوئے تھے ان کو پکڑ لیا اور بلخ میں اپنے بھائی سے آلا۔ جس زمانہ میں خسرو شاہ بلخ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا تو ایک دن نظر بھلور اپنے سردار کو جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ سواو بلخ کی سرس توڑ ڈالنے اور ان کے پانی کو خراب کرنے کے لئے بھیجا۔ تینگری بیروی سلن جی جو سلطان حسین مرزا کا ایک سردار تھا۔ ستر اسی آدمیوں کے ساتھ اندر سے باہر نکلا اور نظر بھلور کے مقابلہ میں آکر اس کو زیر کیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر قلعہ میں لے آیا۔ سچ یہ ہے کہ بڑی بھلور کی اور ایک نمایاں کام کیا۔

ذوالنون ارغون پر سلطان حسین مرزا کی چڑھائی اور بست کی فتح :- اسی

سلطان حسین مرزا نے ذوالنون ارغون پر اور اس کے بیٹے شہ شجاع پر فوج کشی کی۔ ذوالنون نے اپنی بیٹی بدیع الزمان مرزا کو دے دی تھی اور دونوں باپ بیٹے مرزا کے ملازم ہو کر باغی ہو گئے تھے۔ سلطان حسین مرزا قلعہ بست ۷۵۷ھ میں آن اڑا اس وقت مرزا کے لشکر میں غلہ کا سخت قحط ہو گیا۔ قریب تھا کہ بھوک سے تنگ آ کر لشکر وہاں سے بھاگ جائے۔ مگر قلعہ بست کے داروغہ نے قلعہ حوالے کر دیا۔ جو ذخیرہ قلعہ میں موجود تھا اس کو لے کر انہوں نے خراسان کی طرف مراجعت کی۔

سلطان حسین مرزا کے بیٹوں کی بغلوت :- جب سلطان حسین مرزا جیسا بڑا بادشاہ اس قدر سلسل اور اسباب کے ہوتے ہوئے کئی دفعہ قندز، حصار اور قندھار پر چڑھائی کر کے بغیر لئے اٹا بھر گیا تو پھر اس کے بیٹے اور امراء بھی اتنے دلیر اور سرکش ہو گئے۔ سلطان حسین مرزا نے اپنے بیٹے محمد حسین مرزا کی بغلوت دفع کرنے کے لئے جو استر آباد کا حاکم مقرر ہوا تھا اور وہاں باغی ہو گیا تھا۔ محمد ولی بیگ کے تحت حکم ایک بڑا لشکر مع چند امراء ایلغار کے ساتھ روانہ کیا اور آپ مقام انگ ۲۵۸۰ نشین میں ٹھہرا۔ اسی موقع پر بدیع الزمان مرزا اور ذوالنون کا بیٹا شاہ بیگ فوج کشی کر کے عین غفلت میں دفعتاً سلطان حسین مرزا کے سر پر آ موجود ہوا۔ حسن اتفاق سے سلطان مسعود مرزا جو حصار چھنوا کر سلطان حسین مرزا کے پاس چلا آتا تھا، اسی دن آپہنچا اور جو لشکر استر آباد پر گیا تھا وہ بھی آج ہی مرزا سے آن ملا۔ سامنے ہوتے ہی بے لڑے بھرنے بدیع الزمان اور شاہ بیگ بھاگ گئے۔ سلطان حسین مرزا سلطان مسعود مرزا سے اچھی طرح ملا۔ اس ۲۵۹۰ کو اپنی بیٹی سے منسوب کرنے کی عزت بخشی اور اس پر بہت عنایت و مہربانی کی۔ لیکن باقی چغتایان کے ہلسانے سے جو خسرو شاہ کا چھوٹا بھائی تھا اور اس سے پہلے سلطان حسین مرزا کا نوکر تھا مرزا خراسان میں نہ ٹھہرا۔ ایک بہانہ سے نکل کھڑا ہوا۔ اور سلطان حسین مرزا سے بے رخصت ہوئے خسرو شاہ کے پاس چلا آیا۔ خسرو شاہ نے بانیستغفر مرزا کو حصار سے بلا لیا تھا۔ انہی دنوں میں میراں شاہ مرزا الف بیگ ۲۶۰۰ مرزا کا بیٹا اپنے باپ سے باغی ہو کر ہزارہ میں آیا۔ اپنی بے اعتدالیوں کی بدولت ہزارہ میں بھی نہ ٹھہر سکا اور خسرو شاہ ہی کے پاس چلا آیا۔

بعضے کو تاہ اندیشوں کا قصد تھا کہ تینوں بادشاہ زادوں کو قتل کر کے خسرو شاہ کو بادشاہ کر دے۔ یہ حرکت تو مصلحت کے خلاف دیکھی۔ مگر سلطان مسعود مرزا کو جس کو

خروشاہ نے بچہ سا پالا تھا اور جس کا وہ اتالیقی بھی رہا تھا اس بچے روزہ دنیا کے لئے جس نے نہ اس کے ساتھ وفا کی اور نہ کسی اور کے ساتھ وفا کرے گی۔ نمک حرام نے نشتر سے اندھا کر دیا۔ مسعود مرزا کے چند کوکا عزیز اور رفقاء اس خیال سے کہ سمرقند میں سلطان علی مرزا کے پاس مرزا کو لے جائیں گے کیش میں لے آئے۔ وہاں والے بھی ہلاک کرنے کے درپے ہوئے۔ یہ لوگ کیش سے بھاگ کر چار جوئی کے راستہ سے سلطان حسین مرزا کے پاس چلے گئے۔ سچ یہ ہے کہ جو شخص اس طرح کی بری حرکت کرے اور ایسے کام کا مرتکب ہو اس پر قیامت تک لعنت ہوتی رہے گی۔ جو شخص خروشاہ کے یہ عمل سنے گا اس پر لعنت ہی کرے گا اور جس کو ان افعال پر لعنت کرتے نہ سنے گا اس کو بھی لعنت کا سزاوار جانے گا۔ اس تلاقح حرکت کے بعد بانستغیر مرزا کو بلو شاہ کیا اور حصار کی طرف بھیج دیا۔ میراں شاہ مرزا کو ہامیان کی طرف روانہ کیا اور سید کمال کو بطریق ملک اس کے ساتھ کر دیا۔

۹۰۴ ہجری کے واقعات مطابق ۱۹ اگست ۱۴۹۸ء

سمرقند پر دوبارہ توجہ اور ناکامی :- سمرقند اور اندجان لینے کے لئے دوبارہ توجہ ہوئی مگر کچھ کام نہ بنا۔ پھر نجد چلا آیا۔ نجد ایک چھوٹی سی جگہ ہے۔ جب سو دو سو آدمی کا سردار وہاں مشکل سے اوقات بسر کر سکتا ہو تو جس کو سلطنت کا "دعویٰ" ہو وہ کس طرح گزر کر سکتا ہے اور نچلا بیٹھ سکتا ہے۔ سمرقند لینے کے خیال سے محمد حسین کورگلان و غلت کے پاس جو اوراتیہ میں تھا آدمی بھیجے گئے اور اس سے کہلا بھیجا کہ یار ایلاق کے دیہات میں سے مقام بشاغر کو جو حضرات خواجہ کی ملک میں سے تھا اور ان جگہوں میں اس کے ہاتھ آگیا تھا۔ عاریتاً اس جاڑے کے موسم میں ہمیں ویدے تاکہ وہاں ٹھہر کر سمرقند کے علاقہ پر چڑھائی کریں اور جو کچھ ہو سکے وہ کیا جائے۔ محمد حسین مرزا بھی راضی ہو گیا۔ نجد سے میں بشاغر کی طرف روانہ ہوا۔ جس وقت مقام زامین میں ۲۶۱۰ ہجری مجھے تپ چڑھ آئی بخار ہی میں لہلہاتا ہوا زامین سے مارامار پہاڑی راستہ طے کر کے ۲۶۱۲ ہجری رباط خواجہ پر آگیا۔ خیال تھا کہ عین غفلت میں میڑھیاں لگا کر فیصل پر چڑھ جائیں گے اور خواجہ رباط کے قلعہ کو جو پرگنہ شاددار کا صدر مقام ہے چھین لیں گے۔ نماز کے وقت وہاں پہنچنا ہوا۔ وہاں والے ہوشیار ہو گئے۔ ہم اٹے پھر آئے اور پیر کہیں ٹھہرنے کے بشاغر میں آ گئے۔ بخار ہی میں تیہ چودہ ۲۶۱۳ فرسنگ کا راستہ

بڑی سختی اور محنت سے میں نے قطع کیا۔

چند روز بعد ابراہیم سارڈ، شیرم ملخالی ویس لاغری اور کچھ امیروں، مصاحبوں اور ملازموں کو بطریق ایلخار مقرر کیا تاکہ یار ایلاق کے قلعوں کو خواہ بزور شمشیر خواہ بمصلحت لے لیں۔ ان دونوں میں یار ایلاق سید یوسف کے پاس تھا۔ سرقد سے میرے چلے آنے کے بعد وہ وہیں رہ گیا تھا اور سلطان ۲۶۳۷ علی مرزا نے بھی اس کے ساتھ رعایت کی تھی۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی اور اپنے بیٹے کو یار ایلاق کے قلعوں کے انتظام پر مقرر کر دیا تھا۔ احمد یوسف جو آج کل سیالکوٹ کا حاکم ہے ان قلعوں میں تھا۔ ہمارے سب سرداروں اور فوج نے جاڑے بھریہ کارروائی کی کہ ان قلعوں میں سے بعض کو صلح سے۔ بعض کو لڑبھڑ کر اور بعض کو عیاری و دزدی سے چھین لیا۔ اس ملک میں ازبکوں اور مغلوں کے ڈر کے مارے کوئی گاؤں ایسا نہ تھا جس میں قلعہ نہ ہو۔

یار ایلاق سے بعد صلح بشاغرخ جانا:- اسی موقع پر سید یوسف بیگ اس کا چھوٹا بھائی اور اس کا بیٹا تینوں ہم سے بدگمن ہو گئے۔ ان کو خراسان کی طرف بھیج دیا گیا۔ یہ جانا بھی انہی رگڑوں جھڑوں میں گزرا۔ جب ۲۶۵۷ گرمی کا موسم آیا تو مخالفوں نے خواجہ یحییٰ کو صلح کے لئے بھیجا اور آپ بھی لشکر کشی کی اشتعالک سے شیراز ۲۶۶۷ اور کابل کے نواح میں آ گئے۔ میرے ساتھ کل سپاہی دو سو سے زیادہ اور تین سو سے کم تھے۔ دشمنوں کا چاروں طرف سے ہجوم۔ اندجان کی طرف پھر پلٹ کر جانے میں نصیب نے کچھ مدد نہ کی اور کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ ضرورتاً کسی قدر صلح کر لی اور بشاغرخ کی طرف مراجعت کی گئی۔

اور اتیبہ کے ایلاتوں میں سردان پھرنا:- بخند ایک چھوٹی سی جگہ ہے۔ کسی سردار کی مشکل سے اس میں گزر ہو سکتی ہے۔ ڈیڑھ دو برس کے قریب وہیں میرا ٹھہرنا ہوا۔ وہیں کے مسلمانوں نے جہاں تک ان کا مقدور تھا پیسے سے مدد دینے اور خدمت کرنے میں کمی نہیں کی۔ اب بار دگر بخند کس منہ سے جلیا جائے۔ اور بخند جا کر کوئی کرے ہی کیا۔

نہ جانے کے لئے اپنے میر ہے کوئی مامن
نہ رہنے کے لئے اپنے مقرر ہے کوئی مسکن

آخر اسی تروڈ اور پریشانی میں اورا تیبہ کے جنوب میں جو ایلاق ہیں وہاں چلا گیا۔ اس نواح میں حیران پریشان بے ٹھکانے سرگرداں پھر کر کچھ دن گزارے۔

خواجہ ابوالکلام سے ملاقات :- ان ہی دنوں میں ایک دن خواجہ ابوالکلام جو میری طرح جلا وطن ہو کر آوارہ پھر رہا تھا مجھ سے ملنے آیا۔ میں نے اس سے اپنے جانے اور اپنے رہنے کے متعلق مشورہ کیا اور پوچھا کہ اب کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ وہ افسوس کر کے میری حالت پر رو دیا۔ اور فاتحہ پڑھ کر چلا گیا۔ میرا بھی دل بھر آیا اور میں رو دیا۔

مرغینان جانا :- اسی دن ظہر کا کچھ وقت باقی تھا کہ ناگہ پہاڑ کی گھاٹی میں سے ایک سوار نمودار ہوا۔ یہ سوار علی دوست طفائی کا نوکر تھا۔ اس کا نام یو لچوق تھا۔ علی دوست نے اس کے ہاتھ کھلا بھیجا تھا کہ اگرچہ مجھ سے بہت خطائیں سرزد ہوئی ہیں مگر میں امیدوار ہوں کہ براہ خلوندی میرے گناہ بخش دیجئے اور اس طرف تشریف لے آئیے۔ میں مرغینان نذر کر کے حق خدمت ادا کروں تاکہ میرے گناہ دھوئے جائیں اور میری شرمندگی جاتی رہے۔ ایسی پریشانی اور حیرانی میں اس نوید کے سنتے ہی کوئی توقف اور سوچ نہ کیا۔ مغرب کا وقت ہو گیا تھا۔ اسی وقت مرغینان کی طرف بطریق ایلغار میں روانہ ہو گیا۔ یہاں سے مرغینان تک تقریباً "چوبیس فرسنگ" ۳۶۷۷ کا راستہ ہو گا۔ اس ساری رات اور دوسرے دن ظہر تک کہیں توقف نہ کیا اور سیدھے چلے گئے۔ ظہر کے وقت تک آب نام ایک گاؤں میں جو نجد کے علاقہ میں ہے اترے۔ گھوڑوں کو ذرا استایا اور دانہ کھلا کر آدھی رات کو نفاہ کے وقت ۳۶۸۷ تک آب سے چل نکلے۔ اس آدھی رات کو صبح تک۔ دوسرے دن دن بھر اور دن کی رات کو صبح ہونے سے ذرا پہلے تک چلتے رہے۔ جب مرغینان ایک فرسنگ رہ گیا تو دیس بیک وغیرہ نے سوچ کر عرض کیا کہ علی دوست وہی شخص ہے جس نے کیسی کیسی برائیاں کی ہیں۔ نہ کوئی شخص بیچ میں ایک دو دفعہ آیا گیا اور نہ کچھ عمد و بیان اور گفتگو ہوئی۔ پھر اس بھروسے پر ہم وہاں جا رہے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ان لوگوں کا یہ اندیشہ بلاوجہ نہ تھا۔ تھوڑی دیر ٹھہرے اور مشورت کی گئی۔ آخر یہی قرار پایا کہ گو یہ اندیشہ واجب ہے مگر اس سے پہلے سوچنا چاہئے تھا۔ تین چار دن تکلیف اٹھائی۔ کہیں ٹھہرے نہیں۔ چوبیس پچیس فرسنگ آگئے۔ نہ گھوڑوں میں دم رہا، نہ آدمیوں میں۔ بھلا یہاں سے کیونکر اٹا

پھرا جائے اور نیل سے پلٹا بھی جائے تو کہیں جلیا جائے۔ جب یہاں تک آگئے تو اب چلنا ہی چاہئے۔ خدا جو چاہے وہ کرے۔ اسی بات کو ٹھہرا اور خدا پر توکل کر روانہ ہو گئے۔

اب صبح کی نماز کا اوّل وقت تھا کہ قلعہ مرغینان کے دروازہ پر ہم جا پہنچے۔ علی دوست طغائی دروازہ کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ دروازہ بند رکھا اور عہد کرنے کی التجا کی۔ عہد و پیمان ہو گئے تو اس نے دروازہ کھولا اور ملازمت حاصل کی۔ علی دوست سے ملنے کے بعد قلعہ میں ایک مناسب مکان میں ہم اترے۔ میرے ہمراہ چھوٹے بڑے دو سو چالیس آدمی تھے۔ بات یہ تھی کہ اوزون حسن اور احمد تنبل نے اہل ملک پر نہایت ظلم و ستم برپا کر رکھے تھے۔ اس سبب سے سارے اہل ملک نے میرے آنے کی خواہش کی۔ مرغینان میں آنے کے بعد تین دن بعد بشاغری والوں میں سے جو نئے بھرتی کئے تھے ان کو اور علی دوست ۳۶۹ بیگ کے نوکروں میں سے سو سے زیادہ آدمیوں کو قاسم بیگ کے ہمراہ اندجان کے جنوب کی طرف اسپاریون، توروق شاریون اور بکر اکون ۲۷۰ جیسی پہاڑی قوموں پر بھیجا گیا۔ تاکہ دریائے خند سے پار ہو کر اس طرف کے قلعوں کو لے لیا جائے اور وہاں کے پہاڑی لوگوں کو جس طرح ہو سکے ہماری طرف مائل کر لیا جائے۔

اوزون حسن اور تنبل کا مرغینان پر حملہ ۳۰ تھوڑے دن بعد اوزون حسن اور سلطان احمد تنبل جہانگیر مرزا سمیت جتنی فوج موجود تھی اس کو اور کچھ مغلوں کو فراہم کر کے آخشی اور اندجان سے جس قدر ہو سکا اس قدر لشکر ہمراہ لے کر مرغینان پر حملہ کرنے کے خیال سے آئے اور مرغینان سے ایک کوس شرعی کے فاصلہ پر مشرق کی طرف شان ناہی گاؤں میں ٹھہرے۔ ایک دو روز سستائے اور سلمان درست کر کے مرغینان کے قرب و جوار کے مقامات میں آگئے۔ باوجودیکہ قاسم بیگ، ابراہیم سار اور دلیس لاغری وغیرہ جیسے سرداروں کو دو طرف بطریق ایلغار روانہ کر دیا گیا تھا اور میرے پاس تھوڑی سی فوج رہ گئی تھی مگر جتنی تھی اسی کو درست کر کے مقابلہ میں نکل آیا ان لوگوں نے دشمنوں کو آٹے نہ بڑھنے دیا۔ اس دن ظلیل چہرہ دستار پیچ خوب لڑا اور کامیاب ہوا۔ دشمن کچھ نہ کر سکے۔ بار دیگر ان کو شہر کے قریب آنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ قاسم بیگ جو اند جان کے جنوبی پہاڑی ملک میں گیا ہوا تھا۔ اسپاریون، توروق

شارون، چکرکون کو اور اس طرف کی رعایا کو جن میں دہاتی، جنگلی، پہاڑی اور خانہ بدوش قومیں تھیں ساتھ لئے ہوئے آیا۔ دشمنوں کے سپاہی بھی ایک ایک دو دو بھاگ کر آنے شروع ہوئے۔ ابراہیم سارو۔ ویس لاغری وغیرہ جو آخشی کی طرف دریا سے اتر کر گئے تھے انہوں نے بھی قلعہ باب پر اور دو ایک اور قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ اوزون حسن اور تنبل ظالم، فاسق اور کافروں اشخاص تھے۔ ساری رعیت ان سے ناراض تھی۔ آخشی کے عمامہ میں سے حسن دیکھی۔ ۲۷۱ھ نے اپنے گروہ سمیت کچھ لپٹے شہدوں کو اپنے ساتھ بلوے پر آمادہ کیا۔ ان سب نے ان لوگوں کو جو آخشی کے قلعہ نگین میں تھے لاشیوں سے مارتے مارتے ارک میں دھسا دیا۔ اور ابراہیم سارو، ویس لاغری، سیدی قرا اور سرداران ہمرائی کو قلعہ نگین آخشی میں کھسالیا۔ سلطان محمود خان نے بندہ علی اور اپنے کو کلتاش حیدر اور حاجی غازی مفت ۲۷۲ھ کو جو اسی زمانہ میں شیباق خان کے پاس سے بھاگ کر خان کے پاس آگیا تھا معہ امرائے قبیلہ نارین۔ ۲۷۳ھ کے ہماری کمک کے لئے بھیجا۔ اسی موقعہ پر یہ کمک آن پہنچی۔ اوزون حسن یہ خبر سنتے ہی گھبرا گیا۔ جن لوگوں کو اس نے بڑھلایا تھا اور جو اس کے کام کے آدمی تھے سب کو آخشی کے آرک کی کمک پر معین کر کے بھیج دیا۔ یہ لوگ صبح کو دریا کے کنارہ پر پہنچے۔ ہمارے لشکر کو اور مغلوں کے لشکر کو ان کا حال معلوم ہوا۔ کچھ لوگوں کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھوڑوں کے سالن کو اتار کے دریا سے پار ہو جاؤ۔ دشمنوں کی فوج جو کمک کو آئی تھی گھبرا گئی اور کشتی کو اوپر کی طرف نہ کھینچ سکی۔ یہ فوج قلعہ میں جو نہ جا سکی تو اپنی جان بچا کر جس راستہ سے گئی تھی اسی راستہ سے پیچھے ہٹ آئی۔ ہماری فوج اور مغلوں کی فوج میں سے جو جہاں تھا وہیں سے گھوڑوں کی ننگی پیٹ پر سوار ہو کر حملہ آور ہوا۔ کشتی نشین ذرا نہ لڑ سکے۔ قارلوقان بخشی نے مغل بیگ کے ایک لڑکے کو بلایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس سے کیا حاصل ہوا۔ کام تو بگڑ چکا تھا۔ کشتی والے اسی حرکت کے سبب سے اکثر قتل ہوئے۔ ایک دفعہ ہی ان لوگوں کو جو دریا میں تھے خشکی میں لا کر سب کو مار ڈالا۔

اوزون حسن کے معتبر آدمیوں میں سے قارلوقان بخشی۔ خلیل دیوانہ اور قاضی غلام تھے۔ ان میں سے قاضی غلام اس بہانہ سے بچ گیا کہ غلام تھا۔ سپاہیوں میں سے سید علی جو آج کل میرے پاس چڑھا بڑھا ہوا ہے اور حیدر قلی ٹنگہ کاشغری وغیرہ پانچ

چھ آدمی ستر اسی آدمیوں میں سے بچے۔ دشمن یہ خبر سن کر مرغینان کی نواح میں نہ ٹھہر سکے اور اندجان کی طرف بڑی سراسیمگی کے ساتھ چلے گئے۔ اندجان میں ناصر بیک کو چھوڑ آئے تھے۔ جو اوزون حسن کا بہنوئی تھا۔ اگر اس کا جانی نہ تھا تو حالت ضرور تھا۔ وہ ایک تجربہ کار آدمی تھا اور بڑا بہادر بھی تھا۔ ان کیفیتوں کو سن کر اور ان لوگوں کی بے بنیادی سمجھ کر قلعہ اندجان کو اس نے مضبوط کر لیا اور میرے پاس آدمی بھیجا۔ جب مخالف ۲۷۴ھ اندجان پہنچے تو ان کو قلعہ کی مضبوطی معلوم ہوئی۔ اب کوئی بات قرار نہ پائی اور سب منتشر ہو گئے۔ اوزون حسن تو آخشی کی طرف سے اپنے گھر چلا گیا۔ سلطان احمد تنبل اپنے ملک اوش کو روانہ ہوا۔ جمائگیر مرزا کو اس کے حواشی اور ملازم اوزون حسن سے علیحدہ کر کے تنبل کے پاس لے بھاگے۔ ابھی تنبل اوش نہ پہنچا تھا کہ یہ لوگ اس سے جا ملے۔

فتح اندجان :- جون ہی میں نے یہ سنا کہ اندجان والے میرے طرف دار ہیں دوں ہی میں نے کچھ تامل نہ کیا۔ سورج نکلتے ہی میں مرغینان سے چل نکلا اور دن ڈھلے اندجان میں آگیا۔ ناصر بیک اور اس کے دونوں بیٹے دوست بیک، میرم بیک حاضر ہوئے۔ میں ان سے ملا۔ میں نے ان کا حال پوچھا۔ ان پر عنایت و مہربانی کی اور شفقت و مہمت کا امیدوار کیا۔ تقریباً دو برس ہوئے تھے کہ آبائی ملک ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اللہ کی عنایت سے ۲۷۵ھ ذیقعد ۹۰۳ ہجری میں پھر فتح ہو گیا۔ سلطان احمد تنبل جمائگیر مرزا کو لئے ہوئے اوش گیا تھا۔ وہ جو اوش میں پہنچا تو وہاں کے ادباشوں اور بازاریوں نے لاشیوں سے مار مار کر اوش سے باہر نکال دیا۔ اور قلعہ کو میرے لئے بچا کر میرے پاس آدمی بھیجا۔ جمائگیر اور تنبل چند آدمیوں کے ساتھ حیران و پریشان اوش سے اور کند ۲۷۶ھ میں آئے۔

اوزون حسن کا عزل و اخراج :- اوزون حسن جب اندجان میں نہ جاسکا تو آخشی کی طرف چلا گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ شر آخشی میں جا پہنچا چونکہ وہی مفسدوں کا سرغنہ اور فساد کی جڑ تھا اس لئے اس خبر کے سنتے ہی میں اندجان میں چار پانچ دن سے زیادہ نہ ٹھہرا اور آخشی روانہ ہو گیا۔ آخشی میں میرے پہنچنے ہی اس کو کچھ نہ بن پڑی۔ عند اور امان کا طلب گار ہوا اور قلعہ میرے حوالے کر دیا۔ میں چند روز آخشی میں ٹھہرا۔ آخشی و کاشان کا بخوبی تمام میں نے انتظام کیا اور وہاں کے سب کام درست کئے۔ پھر

امرائے مغول کو جو اس موقع پر میری مدد کے لئے آئے تھے رخصت دی اور اوزون حسن کو اس کے متعلقین اور اہل و عیال سمیت اندجان میں اپنے ہمراہ لے آیا۔ ۲۷۷ء چونکہ اس سے عہد کر لیا تھا اس لئے اس کی جان و مال کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ قرۃ العین ۲۷۸ء کے راستہ ۲۷۹ء سے اس کو حصار چلے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ اپنے تھوڑے سے آدمیوں کے ہمراہ حصار چلا گیا اور اس کے باقی ماندہ نوکر چاکر یہاں رہ گئے۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے ہمارے اور خواجہ قاضی کے متعلقوں کو لوٹا اور تباہ کیا تھا۔ بعض امیروں نے متفق ہو کر مجھ سے عرض کیا کہ ان برائیوں کے باعث اور ہماری طرف مسلمانوں کی بربادی اور لٹنے کے سبب یہی لوگ ہیں۔ انہوں نے اپنے آقاؤں کے ساتھ کیا کیا جو ہمارے ساتھ کریں گے مگر ان کو گرفتار کر لیا جائے یا لوٹ لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے؟ خصوصاً ایسی حالت میں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارے گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ ہمارے کپڑے پہنتے ہیں اور ہماری بکریاں کٹ کٹ کر کھاتے ہیں۔ بھلا یہ ستم کون سے سکتا ہے؟ اگر اذروئے ترحم ان کو گرفتار نہ کیا جائے یا تاراج نہ کیا جائے تو کم سے کم اتنا تو ضرور ہونا چاہئے کہ جو لوگ جھگڑوں اور مصیبتوں میں ہمارے ساتھ رہے ہیں ان کو حکم ہو جائے کہ اپنا اپنا مال اسباب جو موجود ہے پہچان کر لے لیں۔ اگر اتنے ہی میں ان کا پیچھا چھوٹ جائے تو ان کو احسان ماننا چاہئے۔ حقیقت میں یہ بات معقول معلوم ہوتی۔ حکم دے دیا گیا کہ ہاں جو لوگ ہمارے ساتھی تھے وہ اپنا مال پہچان کر لے لیں۔ اگرچہ ایسا کرنا ٹھیک تھا اور بے موجب نہ تھا مگر ذرا بندی ہوئی۔ کیونکہ جہانگیر مرزا جیسا دشمن بغل میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس طرح لوگوں کو بھڑکانا دینا اچھا نہ تھا۔ ملک گیری اور ملک داری میں گو بعض کام ظاہر معقول اور باوجہ معلوم ہوتے ہیں مگر ہر کام کے لئے لاکھ طرح کی اونچ نیچ دیکھنی واجب اور لازم ہے۔ ہم نے جو بے سوچے ایک ایسا حکم دے دیا تو اس سے کس قدر فتنے پھپھکتے ہیں۔ یہی سب تامل حکم دے دینا اندجان سے ہمارے دوبارہ نکلنے کا باعث ہوا۔ اسی سے مغلوں کو اندیشے پیدا ہوئے۔ یہ لوگ ربا ملک اور چینی سے جس کو دو آہ بھی کہتے ہیں اور کند کی طرف روانہ ہوئے اور تنبل کے پاس آدی بھیجا۔ میری والدہ کے پاس تقریباً ڈیڑھ دو ہزار مغل تھے۔ ان کے علاوہ حصار سے حمزہ سلطان، مہدی سلطان اور محمد دولت کے ساتھی مغل آ گئے تھے جن کی تعداد اتنی ہی ہو گئی۔ مغلوں کی قوم نے ہمیشہ

برائیاں اور بغلوں کی ہیں۔ آج تک پانچ دفعہ تو مجھ ہی سے بغلوں کی ہے۔ یہ نہیں کہ مجھ کو غیر سمجھ کر مجھ سے ایسا ہوا۔ بلکہ اپنے سرداروں کے ساتھ بھی بار بار ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔ مغلوں کی اس بغلوں کی خبر سلطان قلی چنگ نے مجھے پہنچائی۔ یہ وہ شخص ہے جس کے باپ خدا بیروی بوقت کے ساتھ مغلوں میں سب سے زیادہ میں نے سلوک کئے اور جس کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہ خود بھی مغلوں کے ساتھ تھا۔ اس نے بڑا کام کیا کہ اپنے گروہ اور قوم سے جدا ہو کر مجھے یہ خبر دی۔ اگرچہ اس موقع پر کام کر گیا لیکن آخر میں اس نے وہ وہ برائیاں کی ہیں کہ اس طرح کی سو خد متیں بھی ہوں تو اکارت ہیں۔ چنانچہ اس کا ذکر آگے آئے گا۔ اس نے آئندہ جو بدذاتیاں کیں وہ اس کے مغل ہونے کا نتیجہ تھا۔

مغلوں سے لڑائی اور مغلوں کی فتح :- اس خبر کے آتے ہی امراء کو جمع کیا گیا اور صلاح لی گئی۔ سب نے عرض کیا کہ یہ چھوٹا سا کام ہے۔ حضور کے چلنے کی کیا ضرورت ہے۔ قاسم بیگ امراء اور لشکر کا سردار ہو کر سب کو لے جائے۔ یہی بات قرار پائی۔ اس کام کو سل سمجھا گیا۔ ایسا سمجھنا غلط تھا۔ اسی دن قاسم بیگ اپنے لشکر اور امراء کو لئے ہوئے روانہ ہوا۔ یہ لوگ راستہ ہی میں تھے اور ہنوز منزل پر نہ پہنچے تھے کہ ننبیل مغلوں میں آن ملا۔ اسی رات کو صبح کو یاسی کیچمت کے گھاٹ سے دریائے ایلامیش کے پار ہوتے ہی ڈبھیر ہو گئی اور خوب لڑائی ہوئی۔ قاسم بیگ خود سلطان محمد ارغون کے مقابل ہوا اور دو تین مرتبہ پے در پے ایسی تلواریں ماریں کہ اس کو سرنہ اٹھانے دیا۔ اس کے علاوہ میرے اور بھی بہت سے جوان خوب مقابل ہو کر لڑے مگر آخر کار شکست کھائی۔ قاسم بیگ، علی دوست طغائی، ابراہیم سارو، ویس لاغری، سید قرا اور امراء و مقرین میں سے تین چار اور تو نکل آئے اور باقی اکثر امراء وغیرہ گرفتار ہو گئے۔ گرفتار ہونے والوں میں سے علی درویش بیگ، میرم لاغری، تو قد بیگ، طغائی بیگ محمد دوست، علی دوست، میر شاہ توچین اور میرم دیوانہ تھے۔ اس معرکہ میں دو جوان خوب لڑے۔ ہماری طرف سے ابراہیم سارو کے چھوٹے بھائیوں میں سے صد نائی اور ادھر سے حصاری مغلوں میں سے شمسوار نائی کی ڈبھیر ہوئی۔ شمسوار نے ایسی تلواریں ماری کہ خود کو کاٹ کر صمد کے سر میں بیٹھ گئی۔ بلوجود اس زخم کے صمد نے ایسا ہاتھ مارا کہ اس کی تلواریں شمسوار کے سر میں سے ہتھیلی برابر ہڈی کا ٹکڑا کاٹی ہوئی نکل گئی۔

شہسوار کے سر پر خود نہ تھا اور اس کے سر کا زخم اچھی طرح باندھ دیا گیا تھا اس سبب سے وہ اچھا ہو گیا۔ ادھر کوئی نہ تھا جو صدمہ کی خبر لیتا۔ تین چار دن کے بعد اسی زخم سے صدمہ مر گیا۔ گویا مصیبت سے اور جنگوں سے چھٹ گیا۔ ملک لیتے ہی یہ عجب بے ہنگام نکلتا ہوئی۔ ہمارے ہاں قنبر علی مغل ایک رکن اعظم تھا جس وقت میں نے اندجان فتح کر لیا تھا تو وہ اپنے ملک کو چلا گیا تھا۔ یہاں نہ تھا۔

ننبل نے اندجان پر چڑھائی کی اور ناکام پھر گیا۔ اسی نازک موقع پر ننبل جانیگر مرزا کو ساتھ لئے ہوئے اندجان سے ایک شرعی کوس کے فاصلہ پر ایک مرغزار میں جو پشتہ عیش کے سامنے ہے آن ٹھہرا۔ وہ ایک مرتبہ تیار ہو کر چل دختران سے پشتہ عیش کے دامن تک آیا۔ ہمارے جوان بھی محلات اور باغات سے تیار ہو کر باہر نکلے۔ دشمن آگے نہ آسکا۔ پشتہ عیش کے دامن ہی سے الٹا پھر گیا۔ جب اس نواح پر چڑھائی کی ہے تو اسی چڑھائی کے زمانہ میں ہمارے گرفتار شدہ آدمیوں میں سے میرم لاغری اور تودہ کو قتل کر ڈالا۔ تقریباً "مہینہ بھر تک دشمن یہاں پڑا رہا مگر کوئی کام نہ نکلا۔ آخر اوش کی طرف سب چلے گئے۔ میں نے اوش ابراہیم سارو کو دے دیا تھا چونکہ اس ۲۸۰ کا کوئی آدمی وہاں نہ تھا اس لئے دشمنوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔

۹۰۵ھ کے واقعات مطابق ۸ اگست ۱۴۹۹ء

فوج جمع کر کے جانب اوش ننبل وغیرہ پر چڑھائی :- اپنے ملک میں جس قدر سوار اور پیادوں کی فوج تھی اس کے بلانے کے لئے محصل ۲۸۰ اور ہرکارے بھیج کر جلد آنے کی تاکید کی۔ قنبر علی کے پاس اور لشکر میں سے جو سپاہی اپنے اپنے ملک کو چلے گئے تھے ان کے پاس باہتمام ہرکارے دوڑا دیئے گئے۔ "تورا" بیڑھیاں، پھاڑے، کھانڑیاں اور جو جو سامان لشکر ہے اس کے مہیا کرنے کے لئے محصل مقرر کئے۔ اطراف ملک سے جو سپاہی سوار اور پیادے آتے گئے ان کو ایک جائے ٹھہرایا گیا۔ جتنے نوکر و سپاہی ادھر ادھر انتظام کے واسطے چلے گئے تھے ان کو بھی جمع کر لیا گیا اور خدا پر توکل کر کے اٹھارویں ۲۸۲ محترم کو حافظ بیگ کے چار باغ کی طرف روانہ ہوا۔ دو ایک روز چار باغ میں رہ کر جس قدر اسباب حرب و ضرب باقی رہ گیا تھا اس کو تیار کر لیا۔ اس کے

بعد لڑائی کی صفیں جرنغار 'جرنغار' قول اور ہر اول سوار اور پیادوں سے مرتب کر کے اوش کی طرف چل کھڑا ہوا۔ اوش کے نزدیک پہنچتے ہی معلوم ہوا کہ دشمن اوش کی نواح میں نہ ٹھہر سکے اور رباط۔ ۲۸۳ سرہنگ میں جو اوش کے شمال میں ہے بھاگ گئے۔ ہم اس رات لات کند میں ٹھہرے۔ صبح کو اوش سے چلتے وقت خبر آئی کہ دشمن اندجان کی طرف چلے گئے ہیں۔ ہم بھی اور کند کی طرف روانہ ہوئے۔ اور کند کی نواح کے لوٹنے کے لئے فوج کا دستہ اپنے سے آگے روانہ کیا۔ دشمن جو اندجان کی طرف گئے تھے تو راتوں رات خندق میں جا پہنچے۔ جس وقت فاصل پر میڑھیاں لگانی چاہیں اسی وقت شہر والے ہوشیار ہو گئے۔ حملہ آور کچھ نہ کر سکے اور الٹے پھر گئے۔ ہمارا پیش رفتہ دستہ فوج نے اور کند کی نواح کو لوٹا مگر کچھ ان کے ہاتھ نہ آیا۔ یوں ہی الٹے پھر آئے۔ اوش کے قلعوں میں سے ایک قلعہ مادو ہے جو اس زمانہ میں بہت مضبوط مشہور تھا۔ ننبیل نے اپنے چھوٹے بھائی خلیل کو اس قلعہ میں انتظام کے لئے کوئی ڈھائی سو آدمیوں کے ساتھ چھوڑ رکھا تھا۔

قلعہ مادو پر یورش اور اس کا فتح ہونا۔ ہم پلٹ کر آئے اور مادو کے قلعہ پر ایک سخت لڑائی لڑے۔ مادو کا قلعہ بہت مضبوط قلعہ ہے۔ اس کے شمال کی طرف ایک دریا ہے۔ وہ اتنا اونچا ہو گا کہ اگر وہاں سے تیر ماریں تو شاید فاصل کے اندر نہ پہنچے۔ اس کا ایک نالہ اسی جانب بہتا ہے۔ قلعہ کے نیچے دونوں طرف اس طرح تفصیل بنائی ہے کہ گلی سی بن گئی ہے اور اس کو دریا تک پہنچا دیا ہے۔ پشت کے گرد خندق ہے چونکہ دریا قریب ہے اس لئے اس میں سے توپ کے گولوں کے برابر بڑے بڑے پتھر قلعہ پر لا کر جمع کر لئے۔ جتنے بے حد اور بڑے پتھر قلعہ مادو پر سے برسائے گئے ہیں اپنے قلعوں پر لڑائیاں ہوئیں مگر کسی قلعہ پر سے اتنے پتھر کسی نے نہیں برسائے۔ عبدالقدوس کوہ برکتہ بیگ کا بڑا بھائی فاصل کے نیچے پہنچ گیا تھا۔ فاصل پر سے اس پر ایسا پتھراؤ کیا کہ اس کا پاؤں کہیں نہ ٹک سکا اور معلق ہو کر اس طرح گرا کہ سر نیچے اور پاؤں اوپر۔ ایسی اونچی جگہ سے اگرچہ لڑکتا ہوا پشت کے نیچے آ پڑا لیکن بال بار بچا اور اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر میں چلا گیا۔ دہری فاصل والے نالہ پر بار علی بلال کے سر میں ایک پتھر لگا۔ اس کا سر پھٹ گیا۔ اس کے لڑکے نے زخم کو باندھ دیا۔ اس لڑائی میں بہت لوگ پتھروں سے صانع ہوئے۔ اس کے دوسرے دن جو لڑائی ہوئی

تو چاشت ۲۸۴ کے وقت سے پہلے دریائی تالہ چھین لیا گیا یہ لڑائی شام تک رہی۔ ۲۸۵ دریائی تالہ پر جو قبضہ ہو گیا تھا تو دشمن پانی نہ لے سکے۔ صبح کو انہوں نے امن چاہی۔ اور باہر نکل آئے۔ ان کے سردار ظلیل کو جو تنبل کا چھوٹا بھائی تھا مدد سزا سی بلکہ سو آدمیوں کے گرفتار کر کے اندجن بھیج دیا گیا۔ تاکہ احتیاط سے وہیں نظر بند رکھیں۔ ہمارے امراء سردار اور عمدہ سپاہی بھی دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے تھے۔ یہ اچھا بدلہ مل گیا۔

آنجناب میں دونوں لشکر پڑے رہے۔ ۲۸۶ کو فتح کر کے اونجو تو یہ نام ایک گاؤں میں جو اوس کے علاقہ میں ہے ہم آن اترے۔ ادھر تنبل اندجن سے پلٹ کر مقام آنجناب میں جو رباط سرہنگ آور چینی کے دیہات میں سے ہے آٹھرا۔ ان دونوں لشکروں میں ایک فرسنگ کا فاصلہ ہو گا۔ انہی دنوں میں قنبر علی بیماری کی وجہ سے اوش چلا گیا کوئی مہینہ بھریا چالیس دن یہیں پڑے رہے اور کوئی لڑائی نہیں ہوئی مگر ہمارے غلہ لانے والے اور دشمنوں کے غلہ لانے والے روز لڑتے رہے۔ ان دنوں میں راتوں کو لشکر کے گرد بہت بندوبست کیا جاتا تھا۔ خندقیں کھودی گئی تھیں۔ جہاں خندق نہ تھی وہاں جھانکڑ لگا دیئے گئے تھے۔ جس قدر فوج تھی سب مسلح خندق کے کنارہ پر رہتی تھی۔ اتنی احتیاط پر بھی تیسرے چوتھے دن رات کو لشکر میں غل غپازا ہو جاتا تھا۔ ایک دن غلہ آوروں کا سردار ہو کر سیدی بیگ طفائی گیا تھا۔ غنیم کے سپاہیوں نے دغتہ آن گھیرا اور اٹائے جنگ میں سیدی بیگ کو پکڑ لیا۔

بائستقر مرزا کا کا شہید ہونا۔ اسی برس میں خسرو شاہ بلخ پر فوج کشی کرنے کے خیال سے بائستقر مرزا کو بلا کر قندز میں لایا اور پھر بلخ کی طرف روانہ ہوا۔ جس وقت مقام اوباج ۳۰ میں پہنچا۔ اس وقت کبچت کافر نعمت خسرو شاہ کو سلطنت کی دوس ہوئی۔ اسی ہوس میں اس نے بائستقر مرزا جیسے خوش طبع پر فضیلت اور صاحب حسب و نسب بلو شاہ زادہ کو امراء سمیت گرفتار کر لیا اور کلکن کے چلہ سے بھائی دے کر محرم کی دوسوں کو شہید کر ڈالا اور اس کے امراء اور مقربوں کو بھی مار ڈالا۔ بھلا سلطنت ایسے تالائق اور بے ہنر آدمی کو کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔ جس کا نہ سبب و نسب درست نہ حیثیت نہ جس میں ہنر نہ تدبیر نہ شجاعت نہ انصاف اور نہ عدالت۔

بائنسفر مرزا کا مجمل حل :- مرزا کی ولادت اور اس کا نسب۔ وہ ۸۸۲ھ میں بمقام حصار پیدا ہوا تھا۔ سلطان محمود مرزا کا منجھلا بیٹا تھا۔ سلطان محمود مرزا سے چھوٹا اور سلطان علی مرزا، سلطان حسین مرزا اور سلطان ولس مرزا (جو خان مرزا مشہور ہے) سے بڑا۔ اس کی ماں کا نام پشہ بیگم تھا۔ مرزا کا حلیہ یہ ہے بڑی بڑی آنکھیں، گول چہرہ، میانہ قد، پر ملاحت جوان، چہرہ کا ڈول تر کمانوں کا سا، اخلاق دا طور یہ تھے۔ عادل، خوش طبع انسان اور صاحب فضیلت بادشاہزادہ تھا۔ اس کا استلو سید محمود شیعہ تھا۔ اسی سبب سے بائنسفر مرزا بھی مطعون تھا۔ کہتے ہیں آخر سمرقند میں وہ اس عقیدہ سے پھر گیا تھا اور پاک اعتقاد ہو گیا تھا۔ شراب کا بڑا شوقین تھا۔ جس وقت شراب نہ پئے ہوئے ہوتا اس وقت نماز پڑھتا تھا۔ شراب کے نشہ میں نماز نہ پڑھتا تھا۔ اس کی سخلوت اور فیاضی اعتدال کے ساتھ تھی۔ نستعلیق خط کا خوش نویس تھا۔ مصور بھی برا نہ تھا۔ شعر بھی خاصا کہتا۔ ۲۸۷ھ تھا۔ عادلی تخلص تھا۔ اس کا کلام اتنا نہ ہوا کہ دیوان مرتب ہو جائے۔ یہ مطلع ۲۸۸ھ اسی کا ہے۔

سایہ دار از ناتوانی جا بجای او قتم
گر تیرم روئے دیوارے زبای او قتم

سمرقند میں بائنسفر مرزا کی غزلیں اتنی مشہور ہیں کہ ہر گھر میں ان کے اشعار سن لو۔ لڑائیاں اس کی یہ ہیں۔ وہ دو لڑائیاں لڑا ہے۔ ایک دفعہ سلطان محمود خاں سے۔ بائنسفر مرزا کے تخت پر بیٹھتے ہی سلطان محمود خاں نے سلطان جنید برلاس وغیرہ مغزبوں کے بھکانے اور بھڑکانے سے سمرقند چھیننے کے لئے فوج کشی کی۔ وہ ۲۸۹ھ آق کو قتل سے ہوتا ہوا رباط سفد اور کببائی کی نواح میں آیا بائنسفر مرزا بھی سمرقند سے نکلا اور کینائی میں مقابلہ کر کے محمود خاں کو شکست فاش دی۔ تین چار ہزار مغل بائنسفر مرزا کے حکم سے قتل کر دیئے گئے۔ حیدر کو کلش جو خان کا بہت منہ چڑھا ہوا تھا اس لڑائی میں مارا گیا۔ دسری بار بخارا میں سلطان علی مرزا سے لڑائی ہوئی اور بائنسفر مرزا مغلوب ہو گیا۔ اس کے قبضہ میں یہ ملک تھے۔ اس کے باپ سلطان محمود مرزا نے اس کو بخارا دیا تھا۔ باپ کے امراء نے متفق ہو کر سمرقند کا بادشاہ کر دیا۔ کچھ مدت تک بخارا بخارا بھی اسی کی قلمرو میں داخل رہا۔ ترخانوں کی بغاوت کے بعد بخارا قبضہ سے نکل گیا۔ جب میں نے سمرقند فتح کر لیا تو وہ خسرو شاہ کے پاس بھاگ

مگیا۔ خسرو شاہ نے حصار چھین کر اس کو دے دیا۔ مرزا کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ خسرو شاہ کے پاس آنے کے زمانہ میں اس نے اپنے چچا سلطان خلیل مرزا کی بیٹی سے شادی کی۔ اس کے سوا اور کوئی بیوی یا حرم نہ تھی۔ اس نے ایسے استقلال کے ساتھ سلطنت نہیں کی کہ ایک شخص کو بھی بڑھایا ہو۔ اور امیر بنایا ہو۔ اس کے امراء وہی باپ اور چچا کے امراء تھے۔

امراء کا آنا تنبل سے لڑائی اور اس پر فتح پانا :- بانستغر مرزا کے واقعہ کے بعد سلطان احمد قراول قوچ بیگ کا باپ اپنے بھائیوں 'عزیزوں' بل بچوں اور نوکروں سمیت قراگین ۲۹۰ سے چلا اور مجھے اطلاع دے کر میرے پاس آگیا۔ قنبر علی اوش میں بیمار ہو گیا تھا۔ تندرست ہو کر وہ بھی چلا آیا۔ اس عجیب موقع پر سلطان احمد قراول نے اپنے ہمراہوں سمیت بطور غیبی کمک کے جو آگیا تو اس کو نیک شکون خیال کیا اور دوسرے دن صبح کو سلمان درست کر کے دشمن کے مقابلہ کے لئے ہم روانہ ہو گئے۔ دشمن آنجنال میں نہ ٹھہر سکا۔ اپنے پڑاؤ سے چل کھڑا ہوا۔ ہم اسی کے پڑاؤ میں آن اترے۔ کسی قدر سلمان 'فرش فروش اور خیمے ڈیرے وغیرہ ہمارے اہل لشکر کے ہاتھ لگے۔ اسی رات تہل جمانگیر مرزا کو لئے ہوئے ہماری بائیں طرف سے ہوتا ہوا موضع ۲۹۱ خوبان میں جو اند جان کی جانب ہمارے پہلو میں ہم سے تین فرسنگ کے راستہ پر ہو گا آگیا۔ دوسرے دن ہم بھی برانغار 'جرانغار' قول اور ہراول کو مرتب کر 'گھوڑوں پر سلمان ڈال' ہتھیار لگا اور صف بندی کر ان پیادوں کو جو توراہ اٹائے ہوئے تھے اپنے آگے کیا اور غنیم کی طرف روانہ ہوئے۔

برانغار میں علی دوست طحانی معہ اپنے پیروں کے تھا۔ جرانغار میں ابراہیم سارد' وئس لاغری' سید قرا' محمد علی مبشر' کبننگ ۲۹۳ بیگ (خواجہ کلاں کا بھائی) بعض اور مصہ سین' سلطان احمد قراول اور کوچ بیگ معہ اپنے ہمراہوں کے مقرر ہوئے۔ قاسم بیگ میرے پاس قول میں تھا۔ قنبر علی ہراول اور ہمارے بعض مصاحبین و ملازمین معہ سقا میں ہو خوبان کے جنوب و مشرق میں مقام خوبان سے کوس بھر پر ہے پہنچے ہی تھے۔ خوبان سے غنیم بھی درست ہو کر نکلا۔ ہم بھی پوری احتیاط کے ساتھ بہت جلد آئے بڑھے توروں اور پیادوں کو مرتب کر دیا گیا تھا۔ وہ مقابلہ کے محل پر پہنچے رہ گئے۔ حمایت الہی سے ان کی کچھ ضرورت نہ ہوئی۔ ان لوگوں کے پہنچنے سے پہلے ہماری جرا

نغار اور دشمن کی برانغار کلہ بیکلہ لڑنے لگی۔ خواجہ کلاں کا بھائی کنبنگ بیک یہاں خوب مستعدی سے لڑا۔ کنبنگ ۲۹۳ بیک کے بعد محمد علی مبشر بھی اچھا لڑا۔ دشمن اتنا حملہ بھی نہ جمیل سکا اور بھاگ نکلا۔ براہنہ اور ہراول کو لڑنے کا موقع نہ ملا۔ بہت سے لوگ گرفتار ہو کر آئے۔ میں نے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ ہمارے امراء میں سے قاسم بیک اور علی دوست بیک نے، لیکن زیادہ تر علی دوست بیک نے احتیاط اور نقصان کے خیال سے بھگڑوں کے تعاقب میں دور بھیجنا مناسب نہ سمجھا۔ اس سبب سے ان کے بہت سے لوگ گرفتار نہ ہوئے۔ ہم وہیں موضع خوبان میں اتر پڑے۔ میں پہلے پہل ۲۹۵ باقاعدہ لڑائی یہی لڑا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل و کرم سے فتح عنایت کی۔ میں نے اس کو نیک شگون خیال کیا۔ دوسرے دن میری واوی شاہ سلطان بیگم اس خیال سے کہ اگر جہانگیر مرزا پکڑا گیا ہو تو اس کو چھڑالیں اندجان سے تشریف لائیں۔ جازا قریب آگیا تھا۔ بیرو نجات میں غلہ اور گھاس کا ٹام نہ تھا۔ اس واسطے اور کند پرورش کرنی مناسب نہ سمجھی اور اندجان کی طرف مراجعت کی گئی۔

اندجان سے ربا ملک اور چینی کی طرف جانا۔ چند روز کے بعد مشورہ کر کے یہ تجویز قرار پائی کہ اندجان میں قشلاق قائم ۲۹۶ کرنے سے دشمن کو کوئی نقصان اور ضرر نہیں پہنچے گا۔ بلکہ گمان غالب ہے کہ چوری اور قزاقی سے وہ اپنا کام بنالے ایسی جگہ قشلاق کرنا چاہئے جہاں ہمارے لشکر کو کھانے پینے کی تکلیف نہ ہو اور دشمن کو ایک طرح سے ہم تنگ کرتے رہیں۔ اس مصلحت سے ربا ملک اور چینی (جس کو میان دو آب بھی کہتے ہیں) کی طرف اندجان سے روانہ ہو کر مواضع ارمیان و نوشاب کی نواح میں قشلاق کے لئے پہنچے اور وہیں قشلاق مقرر کیا۔ یہاں شکار کھیلنے کے عمدہ مقامات اور کھیل تماشوں کے لئے اچھے اچھے میدان ہیں۔ دریائے اٹلامیش ۲۹۷ کے قریب کے جنگلوں میں پہاڑی بکریاں، بارہ بگئے اور سور بہت ہوتے ہیں۔ اس جنگل کے ان ٹکڑوں میں جہاں جھاڑیوں کے دور دور جھنڈ ہیں جنگلی جانور اور خرگوش کثرت سے ہوتے ہیں۔ اور رنگ رنگ کے ہوتے ہیں۔ یہاں کی لومڑی اور جگہ کی لومڑیوں سے بڑی تیز رفتار ہوتی ہے۔ قشلاق کے زمانہ میں دوسرے تیسرے دن میں شکار کھیلتے جاتا تھا۔ بڑے بڑے جنگل کھوند کر بارہ سنگوں اور پہاڑی بکریوں کا شکار کھیلتا تھا۔ اس کے تنگ جنگلوں میں جنگلی پرندوں پر شکاری جانور چھوڑے جاتے تھے اور تیر دو شاذ سے

بھی گرائے جاتے تھے۔ وہاں کا جنگلی پرندہ بہت فریبہ ہوتا ہے جب تک ہم اس تعلق میں رہے ان جنگلی جانوروں کا گوشت ڈھیروں میں پڑا رہتا تھا۔ تعلق میں رہنے کے زمانہ میں خدا پیروی تو مٹی ۲۹۸۔ جس کو میں نے مہربانی سے نیا امیر بتایا تھا دو تین مرتبہ ننبل کے قزاقوں ۲۹۹۔ کو زیر کر کے ان کے سرکٹ لایا۔ اوش اور اندجلن کی نواح کے قزاق ۳۰۰۔ سپاہی بھی متواتر دشمن کے علاقوں کو عیاری سے تباہ کرتے رہے۔ ان کے گھوڑے پکڑ لائے۔ آدمیوں کو مار ڈالا اور ان کو خوب دق کیا۔ اگر ہم جاڑے بھر اسی تعلق میں رہتے تو عجب نہ تھا کہ گرمیوں کے آتے تک بے لڑے دشمن تباہ ہو جاتے۔ کیونکہ ہم نے اتنے ہی دنوں میں دشمن کو بہت تنگ اور عاجز کر دیا تھا۔

اس وقت قنبر علی نے اپنے علاقہ میں جانے کی اجازت چاہی۔ ہر چند اس کو یہ باتیں سمجھائیں اور منع کیا مگر وہ اور زیادہ جانے پر اڑ گیا۔ عجب ہلکا اور فندی آدمی تھا۔ مجبوراً اس کو جانے کی اجازت دے دی۔ پہلے اس کے علاقہ میں فوج تھی۔ اس دفعہ جو اندجلن لیا ہے تو اسفرہ اور کند بادام بھی اسی کو دے دیا گیا۔ ہمارے امراء میں قنبر علی ہی کے پاس بہت سالک اور بہت سے آدمی تھے۔ جتنا یہ ذی مقدار تھا اتنا کوئی نہ تھا۔ ہم چالیس پچاس دن تک اسی تعلق میں رہے۔ قنبر علی کی وجہ سے لشکر کے اور لوگوں کو بھی رخصت دینی پڑی اور ہم بھی آخر اندجلن میں آ گئے۔ جتنے دن ہم تعلق میں رہے اتنے دن ننبل کے آدمی نچلے نہ بیٹھے۔ خان کے پاس تاشقند لوگوں کے آنے جانے کا لگا لگا ہی رہا۔ احمد بیگ (جو سلطان محمود خلن کے بیٹے محمد سلطان ۳۰۱۔ کا بیگ آئیکہ اور خان کا رعایتی بڑا سردار تھا اور ننبل کا چچیرا بھائی تھا) اور بیگ تلبہ (جو خان کا ایٹک ۳۰۲۔ آغا تھا اور ننبل کا سگا بڑا بھائی تھا) اس نے خلن کے اور ننبل کے پاس آمدورفت کر کے خلن کو اس پر آمادہ کیا کہ ننبل کی مدد کریں۔ بیگ تلبہ جب سے پیدا ہوا تھا مغلستان ہی میں رہا تھا اور مغلوں ہی میں رہ کر چھوٹے سے بڑا ہوا تھا۔ ہمارے ملک میں کبھی نہ آیا تھا اور اس ملک کے کسی بادشاہ کی خدمت میں نہیں رہا تھا۔ ہمیشہ اس نے ان خواتین ہی کی خدمت میں کی تھیں۔ اپنے گھربار اور اہل و عیال کو تاشقند میں چھوڑ کر یہ خود اپنے چھوٹے بھائی ننبل کے ساتھ ہو گیا۔

قاسم عجب کی گرفتاری :- ان دنوں میں ایک عجیب حادثہ ہوا۔ وہ یہ ہے کہ قاسم عجب کو میں آخشی میں عاریتہ چھوڑ گیا تھا۔ وہ تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ قزاقوں

کے تعاقب میں نکلا۔ دریائے نجد سے پار ہو کر مقام ہجراتا۔ ۳۰۳ میں پہنچا تھا کہ تنبل کی بہت سی فوج سے اس کا مقابلہ ہوا اور مقابلہ ہوتے ہی وہ پکڑا گیا۔ جب تنبل نے ہمارے لشکر کے چلے جانے کی خبر سنی اور اس کا بڑا بھائی بیگ تلبہ خاں سے باتیں کر کے آگیا اور کمک کا آنا اس کو یقینی ہو گیا تو تنبل اور کندہ ۳۰۴ سے میان دو آب میں آگیا۔ اس اثناء میں کاشان سے تحقیق خبر آئی کہ خان نے تنبل کی مدد کے لئے محمد سلطان خانیکہ اپنے بیٹے کو (جو سلطانم مشہور تھا) مع احمد بیگ کے مقرر کیا ہے۔ اس کے ساتھ پانچ چھ ہزار آدمی ہیں۔ ارجہ ۳۰۵ کنت کے راستہ سے کاشان کو آگیا۔ ہم نے بھی کچھ ان لوگوں کا انتظار نہ کیا جو اوہر اوہر گئے ہوئے تھے، جس قدر لوگ موجود تھے ان ہی کو ہمراہ لے کر بلا توقف اسی کڑکڑاتے جاڑے میں اللہ پر توکل کیا اور سلطانم اور احمد بیگ پر چڑھائی کرنے کے لئے اندجان سے براہ بند سلاہ ہم روانہ ہوئے۔ رات بھر کہیں دم نہ لیا۔ دوسرے دن آخشی میں آکر ٹھہرے۔ اس رات بلا کی سردی تھی۔ یہ حال تھا کہ بعض کے تو ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوئے تھے اور بہت لوگوں کے کان ایسے ہو گئے تھے جیسے مرجھائے ہوئے سیب ہوتے ہیں۔

آخشی میں ہم نے زیادہ توقف نہ کیا۔ قاسم عجب کی جگہ یارک طغائی کو عاریتاً آخشی میں چھوڑ کر ہم کاشان کی طرف روانہ ہو گئے۔ کاشان کو سبھر رہا ہو گا جو خبر آئی کہ ہمارے آنے کی سن کر احمد بیگ اور سلطانم پریشان ہوئے اور فوراً "بھاگ گئے۔ تنبل کو ہمارے آنے کا جو حال معلوم ہوا تو اپنے بڑے بھائی کی کمک کے لئے بطریق ایلیخا آن پہنچا۔ تیسرا پہر تھا کہ تنبل کے لشکر کے سپاہی ٹوکنہ ۳۰۶ کی طرف سے نمودار ہوئے۔ اپنے بڑے بھائی کے یوں جلد اور بے موقعہ پلٹ جانے اور ہمارے اس طرح جھٹ پٹ پہنچ جانے پر تنبل حیران رہ گیا۔ میں نے کہا خدا کی کار سازی ہے کہ وہ ان کو اس طرح لے آیا ہے کہ ان لوگوں کے گھوڑوں میں ٹکناں سے دم نہیں رہا ہے۔ لڑائی ہو تو خدا سے امید ہے کہ ان میں سے ایک بھی بچ کر نہ جائے پائے گا۔ دس لاغری نے عرض کیا کہ دن آخر ہو گیا۔ اگر آج مقابلہ نہ بھی ہوا تو کل یہ کہاں بچ کر جائیں گے۔ کل جہاں یہ ہوں گے وہیں ہم ان کو آگے رکھ لیں گے۔ یہی صلاح ٹھہری اور وقت لڑنا مناسب نہ سمجھا۔ اس طرح غنیم کا قابو میں آنا اور پھر بچ کر نکل جانا اس ترکی مثل کا مصداق ہے۔ قابو میں آئے ہوئے کو چھوڑ دینے سے بڑھاپے تک

افسوس کرنا پڑتا ہے۔

کار ہارا بوقت باید جست
کار بیوقت ست باشد ست

دشمن نے صبح تک کی فرصت کو غنیمت جانا۔ راتوں رات وہ کہیں نہ ٹھہرا اور قلعہ ارخیان میں آگیا۔ جب صبح کو ہم نے غنیم پر چڑھائی کی اور اس کو اپنی جائے پر نہ پایا تو ہم بھی اس کے پیچھے روانہ ہوئے۔ چونکہ ہم نے قلعہ ارخیان کے قریب محاصرہ مناسب نہ جانا اس لئے کوس بھر کے فاصلہ پر قریہ نمسکان ۳۰۷ میں ڈیرے ڈال دیئے۔

تیس چالیس دن تک ہم تو اسی پڑاؤ میں پڑے رہے اور تنبل قلعہ ارخیان میں رہا۔ کچھ کچھ لوگ ادھر سے اور ادھر سے آتے تھے اور دو دو ہاتھ کر کے پلٹ جاتے تھے۔ ایک رات وہ شبون لے کر آئے۔ لشکر سے دور ہی سے کچھ تیرمار کرانے پھر گئے۔ ہمارے لشکر کے گرد خندق کھود دی گئی تھی اور جھانکڑ لگا دیئے گئے تھے اس سبب سے وہ کچھ نہ کر سکے۔ ہم اسی مقام میں تھے کہ دو تین مرتبہ قنبر علی نے بگڑ کر اپنے علاقہ میں جانا چاہا۔ آخر ایک دفعہ چلا ہی تھا کہ بعض امراء کو بھیج کر بڑی وقت سے اس کو الٹا پھیرا۔ اسی اثناء میں سید یوسف ٹمپی ۳۰۸ نے سلطان احمد تنبل کے پاس آدمی بھیجے اور اس سے ساز باز کی۔ اندجان کے پہاڑوں کے دامنوں میں جو اضلاع ہیں ان میں دو ضلع مشہور ہیں۔ ایک او۔ لغور، دوسرا ٹم۔ ۳۰۹ ٹم میں سید یوسف بڑا آدمی تھا۔ رفتہ رفتہ میری سرکار میں روشناس ہو گیا۔ وہ اپنی حد سے بڑھ گیا تھا۔ اگرچہ اس کو کسی نے امیر نہ بنایا تھا مگر وہ خود امیری کا دعویٰ کرنے لگا۔ بڑا ہی منافق اور تلون مزاج آدمی تھا۔ اس دفعہ جو میں نے اندجان لیا ہے تو جب سے اب تک دو تین مرتبہ مجھ سے مل کر تنبل سے باغی ہو گیا اور دو تین بار تنبل کے ساتھ ہو کر مجھ سے پھر گیا۔ اس کی آخری بغاوت یہی تھی۔ اس کے ساتھ بہت سے قبائل تھے۔ اس خیال سے کہ وہ تنبل کے پاس نہ پہنچ جائے اور ہم اس کو راستہ ہی میں گھیر لیں۔ ہم بھی سوار ہو گئے۔ تیسرے دن ۳۱۰ ہم ہشتاران کے مقام میں پہنچے لیکن تنبل کی فوج قلعہ ہشتاران میں داخل ہو چکی تھی۔ اس حملہ میں جو سردار ساتھ تھے ان میں سے علی درویش بیگ اور قوچ بیگ معہ اپنے بھائیوں کے ہشتاران کے دروازہ پر جا پہنچے

اور محسن کی لڑائی لڑے۔ قوج بیگ نے اپنے بھائیوں سمیت لڑائی میں کوشش کر کے اکثر ناموری حاصل کی۔ ہشتاران سے ایک کوس کے فاصلہ پر ایک اونچی جگہ ہم اترے۔ تنبل جہانگیر مرزا کو لئے ہوئے آیا اور قلعہ ہشتاران کو پیچھے رکھ کے اتر پڑا۔

جہانگیر مرزا سے صلح :- تین چار دن کے بعد ہمارے ان امراء میں سے جو خلاف میں تھے علی دوست اور قنبر علی سلاخ نے مع اپنے توابع و لواحق کے صلح کی تجویزیں کرنی شروع کیں۔ ہمارے طرف داروں کو اس کی ذرا خبر نہ ہوئی۔ ہم لوگ اس پر اصلاً راضی نہ تھے مگر جب بڑے دو امیر یہی دو مرد تھے تو ان کی بات نہ سننے اور صلح نہ کرنے میں اور خوف تھے۔ ضرورتاً اسی طرح صلح کرنی پڑی کہ دریائے نجد سے آغوشی کی طرف کا ملک جہانگیر مرزا لے لے۔ اور اندجان کی جانب کا ملک میرے قبضہ میں رہے اور کند کو بھی اپنے اہل و عیال کے بلا لینے کے بعد ہمارے ہی قبضہ میں دے دے۔ اس تقسیم کے بعد میں اور جہانگیر مرزا بہ اتفاق سمرقند پر چڑھائی کریں۔ سمرقند فتح ہو جائے تو سمرقند میں لے لوں اور اندجان جہانگیر مرزا کو دے دیا جائے۔ یہی بات قرار پا گئی۔ دوسرے دن جہانگیر مرزا اور تنبل آئے۔ رجب ۳۱۲ کے مہینے کا آخر تھا۔ جب انہوں نے مجھ سے ملازمت حاصل کی اور جو بات مقرر ہوئی تھی اس کا عہد د بیان کر لیا۔ جہانگیر مرزا کو آغوشی کی طرف رخصت دی گئی اور میں اندجان میں آ گیا۔ اندجان میں آتے ہی میں نے تنبل کے چھوٹے بھائی خلیل وغیرہ کو جو قید تھے رہائی دی اور سب کو خلعت دے کر رخصت کر دیا۔ انہوں نے بھی ہمارے امراء اور مصاحبوں کو (جو مقید تھے جسے طفائی بیگ، دوست محمد، میر شاہ قوچین، سیدی بیگ، قاسم عجب، بیرویس اور میرم دیوان) رہا کر کے بھیج دیا۔

علی دوست کا فروغ :- اندجان میں آنے کے بعد علی دوست کا اور ہی ڈھنگ ہو گیا۔ جو لوگ معیتوں اور جنگڑوں میں میرے رفیق تھے۔ ان سے برے سلوک کرنے لگا۔ پہلے تو خلیفہ کو نکلا پھر ابراہیم سارد اور ویس لاغری کو بے سبب اور بے گناہ ماخوذ کر کے ان کا گھربار لوٹ لیا اور ان کو ان کے علاقوں سے نکال دیا۔ آخر قاسم بیگ کی بھی خبر لی۔ ظاہر میں یہ بہانہ کہ اور ابراہیم سارد خواجہ قاضی کے دوست ہیں۔ مجھ سے ان کا بدلہ لیں گے۔ اس کا بیٹا محمد دوست تو بلاو شاہت ہی کے ڈھنگ برتنے لگا۔ اس کی

مجلس و ضیافت لا طریق، دربار کا قرینہ اور سلمان آرائش بالکل بلو شاہوں کا سا ہونے لگا۔ ان دونوں باپ بیٹوں نے تنبل کے برتے پر یہ حرکتیں کرنی اختیار کیں۔ مجھے بھی اتنا اقتدار اور اختیار نہ رہا کہ ان کو ایسی نامعقول حرکتوں سے روک سکوں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تنبل جیسا دشمن ان کی حمایت پر میری بغل میں بیٹھا ہوا تھا۔ جو ان کا جی چاہتا تھا وہ کرتے تھے کیا نازک موقع تھا کہ میں دم نہ مار سکتا تھا۔ اس زمانہ میں ان دونوں باپ بیٹوں سے میں نے بڑی ذلت برداشت کی۔

پہلی شادی :- عائشہ سلطان بیگم میرے چچا سلطان احمد صحرزا کی بیٹی جس سے میرے باپ اور چچا کی زندگی میں منگنی ہو گئی تھی وہ بغداد میں آ گئی۔ شعبان کے مہینے میں میں نے اس سے شادی کی۔ اگرچہ ابتداء میں جب کہ نئی نئی شادی ہوئی ہے مجھے اس سے بہت محبت تھی مگر مارے شرم کے دسویں، پندرھویں، بیسویں دن میں اس کے پاس جایا کرتا تھا۔ آخر خود ہی وہ محبت نہ رہی اور حجاب اور زیادہ ہو گیا۔ مہینے ڈیڑھ مہینے کے بعد میری والدہ خانمیر نے بہت دھمکایا اور بڑی دقتوں سے مجھے اس کے پاس بھیجا۔

عاشق ہونا :- اردو بازار میں ایک لڑکا تھا۔ بابری نام۔ جس میں ہم ٹامی کی بھی ایک مناسبت تھی۔ انہی دنوں میں مجھے اس کے ساتھ عجیب لگاؤ پیدا ہو گیا ہے۔

اس پری دوش پہ کیا ہوا شیدا
بلکہ اپنی خودی بھی کھو بیٹھا

اس سے پہلے میں کسی پر فریفتہ نہ ہوا تھا۔ کسی سے مرد محبت کی بات تک نہ کرتا تھا۔ دل لگی کا نام بھی نہ سنا تھا۔ اس زمانہ میں ایک آدھ شعر فارسی میں بھی کہا کرتا تھا۔ ان میں سے ایک شعر یہ ہے۔

چچ کس چوں من خراب و عاشق و رسوا مباد

چچ محبوبے چو تو بے رحم و بے پروا مباد

مگر حال یہ تھا کہ اگر کبھی بابری میرے سامنے آ جاتا تھا تو مارے شرم کے نگاہ بھر کر اس کی طرف نہ دیکھ سکتا تھا۔ چہ جائیکہ اس سے مل سکوں اور باتیں کر سکوں۔ منطراب دل کی یہ حالت تھی کہ اس کے آنے کا شکریہ تک ادا نہ کر سکتا تھا۔ یہ تو تھا کہ نہ آنے کا گلہ زبان پر لا سکتا اور زبردستی بلانے کی تو مجال ہی کس کو تھی۔ اس شیفٹگی کے زمانہ میں ایک دن اپنے حشم و خدم کے ساتھ میں ایک گلی میں چلا جاتا تھا۔

دفعۃً" باری سے میرا آمانا سامنا ہو گیا میری عجب حالت ہوئی۔ قریب تھا کہ اپنے آپے میں نہ رہوں۔ آنکھ اٹھا کر دیکھنا یا بات کرنا تو ممکن نہ تھا۔ بہت چھپتا ہوا اور گھبراتا ہوا میں آگے بڑھ گیا۔ محمد صالح کی یہ بیت بے اختیار یاد آگئی۔

شوم شرمندہ ہر گمہ یار خود را اور نظر بینم
رفیقان سوئے من بنیند و من سوئے دگر بینم

یہ بیت بالکل میرے حسب حال تھی۔ ان دنوں میں عشق و محبت کا ایسا زور اور جوانی اور جنون کا انتہائی غلبہ ہوا کہ کبھی کبھی ننگے سر ننگے پاؤں میں۔ باغوں میں اور باغیچوں میں گھولتا تھا۔ نہ اپنے اور بیگانے کی طرف التفات تھا نہ اپنی اور دوسرے کی پروا تھی۔

نہ تھا معلوم مجھ کو مجھے الفت میں پیش آیا
کسی کو کوئی دل دے تو یہی گت اس کی ہوتی ہے

اسی سال میں سلطان۔ ۳۱۳ علی مرزا اور محمد مزید ترخان کا بگاڑ ہو گیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ ترخانی بہت مقتدر و معتبر ہو گئے تھے۔ باقی تو دروہست بخارا کو دبا بیٹھا تھا۔ یہاں تک کہ بخارا کی آمدنی میں سے ایک حصہ کسی کو نہ دیتا تھا۔ محمد مزید ترخان بھی سرحد کا بالکل مالک بن بیٹھا تھا۔ اس نے سارا ملک اپنے بیٹوں، متعلقوں اور عزیزوں کے لئے گھیر لیا تھا۔ شہر کی آمدنی سے جو تھوڑی سی رقم راتبہ کے طور پر مقرر کر دی گئی تھی اس کے سوائے ایک پیسہ سلطان علی مرزا کو کسی طریقہ سے نہ پہنچتا تھا۔ سلطان علی مرزا جوان ہو گیا تھا۔ وہ اس طریقہ کا تحمل کب تک کرتا۔ اپنے رفیقوں کے بل پر محمد مزید ترخان کے درپے ہوا۔ ۳۱۴ محمد مزید ترخان اس بات کو ٹاڑ گیا۔ مرزا کو اور اس کے نوکروں، چاکروں، متعلقوں، عزیزوں اور ان امراء کو جو اس سے ملے ہوئے تھے جیسے سلطان حسین ارغون، پیر احمد، اوزون حسن کا چھوٹا بھائی خواجہ حسین، قزاق لاس، صالح محمد اور بعض اور امراء اور سپاہیوں کو ساتھ لے کر شہر سے باہر آ گیا۔ اسی زمانہ میں سلطان محمود خان نے محمد حسین و غلت، احمد بیگ اور اپنے بہت سے مغلوں کو خان۔ ۳۱۵ مرزا کے بیگ آتکے ہی تھے۔ حسن، نیر، ہندو بیگ اور کچھ اور لوگ جو حافظ بیگ اور طاہر بیگ سے لگاؤ رکھتے تھے سلطان علی مرزا کے پاس سے بھاگ کر خان مرزا کے پاس چلے گئے۔ محمد مزید ترخان نے یہ کیا کہ لوگوں کو بھیجا اور خان

مرزا اور لشکر مغل کو بلایا۔ شلو وار کی فوج میں آکر خان مرزا اور امرائے مغل سے ملاقات کی۔ چونکہ امرائے مغل کا محمد مزید بیگ اور ان لوگوں سے خوب میل جول نہ ہوا۔ بلکہ مغلوں نے محمد مزید ترخان کی گرفتار کا ارادہ بھی کر لیا تھا۔ مزید ترخان اور اس کے امرا اس چال کو سمجھ گئے اور بہانہ کر کے مغلوں سے کنارہ کر گئے۔ ان کے الگ ہوتے ہی مغلوں کے بھی پاؤں اکٹڑ گئے۔ جب یہ لوگ یاریلاتی میں آکر ٹھہرے تو سلطان علی مرزا سمرقند سے تھوڑی سی فوج کے ساتھ وفتا خان مرزا پر مغلوں کے لشکر پر آپڑا۔ مغل بے لڑے بھاگ نکلے۔ آخر میں سلطان علی مرزا سے یہ ہی ایک عمدہ کام ہوا۔

مزید ترخان وغیرہ کی اشتعالک سے سمرقند جانا اور ناکام ہونا :- محمد مزید ترخان اور سب لوگ علی مرزا وغیرہ مرزاؤں سے مایوس ہو گئے تھے۔ عبدالوہاب مغل کو جب اس سے پہلے میرے پاس تھا اور جس نے اندجان کے گھر جانے کے موقع پر خواجہ قاضی کا خوب ساتھ دیا تھا اور اپنی جان لڑا دی تھی میرے پاس بھیجا اور مجھے اپنی مدد کے لئے بلایا۔ میں خود اس معاملہ کے واسطے خراب و خستہ ہو رہا تھا۔ سمرقند ہی پر چڑھائی کرنے کے لئے جمائیکر مرزا سے صلح کر لی تھی۔ فوراً میرے مغل کو جمائیکر مرزا کے پاس ڈاک چوکی میں آکھی بھیجا اور آپ سمرقند کی جانب جانے کو آمادہ ہوا۔ ذیقعد ۱۰۰۰ھ کا مہینہ تھا جو سمرقند کی طرف لشکر کی روانگی ہوئی۔ چوتھے دن مقام قبا میں ہم پہنچے۔ ظہر کے وقت خبر آئی کہ ننبیل کے چھوٹے بھائی غلیل نے اوش کا قلعہ چوری سے آکر چھین لیا ہے۔ اس کا مفصل حال یہ ہے کہ ان قیدیوں کو جن کا سردار ننبیل کا چھوٹا بھائی غلیل تھا رہا کر دیا گیا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ننبیل نے غلیل کو اہل و عیال وغیرہ کے لانے کے واسطے جو اور کند ۳۱۷ میں تھے بھیجا تھا۔ یہ اس بہانہ سے اور کند میں آکر ٹھہر گیا۔ لگا حیلے حوالے کرنے کہ آج آتا ہوں کل آتا ہوں۔ جب میں مع لشکر سوار ہو گیا تو میدان صاف دیکھا اور اوش کو خالی پایا۔ راتوں رات چوری سے آکر وفتا خان اوش کو لے لیا۔ یہ خبر ہم نے سنی مگر ٹھہرنا اور اس سے لڑنا کئی وجہ سے خلاف مصلحت دیکھا اور سمرقند کی طرف ہم متوجہ ہو گئے۔

وہ وجوہات یہ تھیں کہ ایک تو میرے سارے سپاہی سلمان جنگ درست کرنے کے لئے اپنے اپنے گھر مختلف مقامات میں چلے گئے تھے اور ہم سب صلح کے بھروسے پر

دشمنوں کے فریبوں سے غافل اور بے خبر تھے۔ دوسرے علی دوست اور قنبر علی جیسے ہمارے دو بڑے سرداروں سے ایسی حرکتیں ظاہر ہو چکی تھیں کہ ان پر اعتقاد نہ رہا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ تیسرے تمام امراء سرقد نے جن کا سردار محمد مزید ترخان تھا مثل عبدالوہاب کو میرے پاس میرے بلانے کے لئے بھیجا تھا۔ بھلا سرقد جیسے پائے تخت کو چھوڑ کر اندجان جیسے چھوٹے سے ملک میں کون اوقات ضائع کرتا۔ میں تو قبا سے مرغینان میں آگیا۔ مرغینان میں قوج بیگ کے باپ سلطان احمد بیگ کو مقرر کیا تھا۔ وہ اپنے تعلقات کی وجہ سے میرے ہمراہ نہ ہو سکا۔ مرغینان ہی میں رہ گیا۔ ہاں قوج بیگ اپنے دو ایک بھائیوں سمیت میرے ساتھ ہو گیا۔ میں اسفہ کے راستہ پر ہو گیا۔ مجن نام ایک موضع میں جو اسفہ کے توابعات میں سے ہے آکر اترا۔ اتفاقات حسنہ سے قاسم بیگ معہ اپنی فوج کے اور علی دوست معہ اپنی فوج کے اور سید قاسم اور بہت سے عمدہ سپاہی اسی رات مجس ۳۱۷ کے مقام میں اس طرح جیسے کوئی ڈاک میں آتا ہے آئے اور میرے ساتھ ہو لئے۔ یہاں سے چلے دشت ۳۱۸ خیابان کا راستہ طے کرتے ہوئے پل خوبین ۳۱۹ پر ہو کر مقام اوراتیہ میں ہم آئے قنبر علی اپنے علاقہ نجد سے ننبیل کے پاس اس پر بھروسہ کر کے فوج کشی کے باب میں گفتگو کرنے آخشی آیا۔ جوں ہی وہ آخشی آیا دونی ننبیل نے اسے قید کر لیا۔ اور اس کے علاقہ پر چڑھائی کر دی۔ ترکی مثل مشہور ہے کہ۔

بھروسہ نہ کر دوست پر اپنے تو
کہ بھر دے گا وہ بھس تری کھل میں

جس وقت قنبر علی کو ایک جائے سے دوسری جائے لے جا رہے تھے اس وقت رستہ میں سے وہ پیادہ پا ہزار دقتوں سے بھاگ نکلا اور ہم مقام اوراتیہ ہی میں تھے کہ ہم سے آگیا اوراتیہ ہی میں خبر آئی کہ شیبانی خاں قلعہ بوسی میں باقی ترخان کو زیر کر کے بخارا کی طرف روانہ ہوا ہے۔ ہم اوراتیہ سے پیلاغ بورکہ ہوتے ہوئے۔ ۳۲۰ سنگراز میں آئے۔ سنگراز کے داروغہ نے قلعہ حوالے کر دیا۔ چونکہ قنبر علی تباہ اور برباد ہو کر آیا تھا اس لئے اس کو تو سنگراز میں چھوڑا اور ہم آگے بڑھے۔

جب ہم مقام یورت خان میں اترے تو امراء سرقد نے جن کا سردار محمد مزید ترخان تھا آکر ملازمت ۳۲۱ کی۔ سرقد کی تسخیر کے باب میں میں نے ان سے مشورہ

کیا۔ سب نے کہا کہ خواجہ یحییٰ بھی بادشاہ کا خواستگار ہے۔ اگر خواجہ اس بات پر جم جائے تو سمرقند بڑی آسائش سے بے کھلے ہاتھ آ جائے گا۔ اس خیال سے کئی بار خواجہ یحییٰ کے پاس بات چیت کرنے کے لئے آدمی بھیجے۔ خواجہ نے مجھے سمرقند میں بلا لینے کے باپ میں کوئی پختہ جواب نہ بھیجا۔ مگر کوئی ایسی بات بھی نہ کہی کہ جس سے میں مایوس ہو جاؤں۔ یورت خان سے کوچ کیا اور مقام درغم کے قریب میں اترا۔ یہیں سے خواجہ یحییٰ کے پاس محمد علی کاتب دار کو بھیجا وہ جواب لایا کہ آئیے شہر حاضر ہے۔ شام ہوتے ہی ہم درغم سے سوار ہو کر شہر کی طرف چلے۔ سلطان محمود دولہائی۔ سلطان محمد دولہائی کا باپ یورت خان سے بھاگ کر دشمنوں کے پاس چلا گیا اور ان کو اس ارادہ کی خبر کر دی۔ جب یہ بھید ان پر کھل گیا تو جو خیال ہم نے کیا تھا وہ پورا نہ ہوا۔ ناچار ہم اٹلے پھر آئے اور درغم کے پاس آن اترے۔

اور امراء کا آنا اور علی دوست کا جانا۔۔۔ ابراہیم ساردر منکلیج نے (جو سب سے زیادہ میرا مورد عنایت تھا اور اس زمانہ میں یار۔ یلیق تھا اس زمانہ میں علی دوست نے اس کو بریلو کر کے نکل دیا تھا) میرے بیٹے محمد یوسف کے ساتھ آ کر ملازمت حاصل کی۔ غرض میرے تمام امراء اور مصاحبین علی دوست بیگ جن کے خلاف تھا۔ جن میں سے اس نے بعض کو جلا وطن، بعض کو تاراج اور بعض کو بریلو کر دیا تھا، ایک ایک کر کے سب میرے پاس آ گئے۔ اب علی دوست کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ چونکہ تنبل کے بل پر مجھ کو اور میرے دولت خواہوں کو بہت تنگ کیا تھا اور ستایا تھا اس لئے مجھ کو اس مردک سے نفرت ہو گئی تھی۔ وہ بھی مارے ڈر کے اور مارے شرمندگی کے میرے پاس نہ ٹھہر سکا۔ مجھ سے اس نے رخصت پچائی۔ میں نے بھی خوشی سے بے تامل رخصت دے دی۔ علی دوست اور محمد یوسف دونوں رخصت لیتے ہی تنبل کے پاس چلے گئے۔ اس کے مقرب ہو گئے اور دونوں نے بہت سی برائیاں اور بغاوتیں میرے ساتھ کیں۔ دو ایک برس کے بعد علی دوست کے ہاتھوں میں سرطان پھوڑا ہو گیا اور وہ اسی سے مر گیا۔ محمد دوست ازبکوں کے پاس آ گیا تھا۔ اگرچہ ازبکوں میں چلے آنے سے اس کو خاصی کامیابی حاصل ہوئی اور اس کا چلا آنا اس کے حق میں برا نہ تھا مگر وہ وہاں سے بھی نمک حرامی کر کے بھاگ گیا اور اندجان کے پہاڑوں میں قندہ و فسلا ہوا کرتا رہا۔ آخر کار ازبکوں نے پکڑ کر اس کو اندھا کر دیا۔ یہ مثل سچ ہے کہ فلاں شخص کے

نمک نے اس کی آنکھیں پھونڈ دیں۔

شیبانی خاں بخارا لیتا ہے۔ ان دونوں کو رخصت دینے کے بعد میں نے غوری برلاس کو کچھ فوج کے ساتھ بخارا کی طرف سن گن لینے کے واسطے بھیجا معلوم ہوا کہ شیبانی خاں نے بخارا کو لے لیا۔ اور وہ سمرقند کی جانب چلا آتا ہے۔ میں نے اس نواح میں اپنے ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ کیش کی طرف چلا گیا۔ امراء سمرقند کے گھر بھی اکثر کیش میں تھے۔ کیش میں آنے کے بعد دو ایک ہفتے گزرے تھے جو خبر آئی کہ سلطان علی مرزا نے سمرقند شیبانی خاں کے حوالے کر دیا۔ اس کا مفصل حل یہ ہے کہ سلطان علی مرزا کی ماں زہرہ بیگی آغا نے اپنی نڈانی اور بیوقوفی سے خفیہ شیبانی خاں کے پاس آدی بھیجا۔ اور کہلا بھیجا کہ اگر شیبانی خاں مجھ سے نکاح کر لے تو میرا بیٹا سمرقند اس کو دے دے گا۔ لیکن شیبانی - ۳۲۳ خاں سمرقند لینے کے بعد سلطان علی مرزا کے باپ کا ملک پر اس کو دیدے۔ اس کارروائی سے یوسف ارغون واقف تھا بلکہ اسی غدار نے یہ سمجھائی تھی۔

۹۰۶۳۲۳ھ کے واقعات

شیبانی خاں کا سمرقند میں آنا اور علی مرزا کا قتل ہونا:- شیبانی خاں اس عورت کے وعدہ پر چلا آیا اور باغ میدان میں آن اترا۔ سلطان علی مرزا نے یہ کیا کہ نہ کسی امیر سردار ملازم اور سپاہی کو خبر کی نہ کسی سے صلاح لی۔ دوپہر کے قریب صرف تھوڑے سے چھوٹے بڑے خانگی ملازموں کے ساتھ چار راہہ دروازہ سے باہر نکل باغ میدان میں شیبانی خاں کے پاس آگیا۔ شیبانی خاں مرزا سے کچھ اچھی طرح نہ ملا۔ ملاقات کے بعد اپنے سے بہت نیچی جگہ بٹھایا۔

خواجہ یحییٰ نے جو مرزا کے جانے کی خبر سنی تو گھبرا گیا۔ خواجہ سے سوائے اس کے اور کچھ نہ بن پڑی کہ وہ بھی شیبانی خاں کے پاس چلا آیا۔ شیبانی خاں نے ملاقات کے وقت خواجہ کی تعظیم نہ دی اور شکایت آمیز باتیں کیں۔ جب خواجہ چلنے لگا تو شیبانی خاں خواجہ کی تعظیم کو اٹھ کھڑا ہوا۔ خواجہ علی کا بیٹا خان علی پائی مقام ربطا خواجہ میں تھا۔ اپنے مرزا کے نکل آنے کی سنتے ہی وہ بھی شیبانی خاں کے پاس آگیا۔ اس کبیخت عورت نے جو ناقص العقل تھی خلوند کرنے کی ہوس میں اپنے بیٹے کی عزت کو اور گھر

بار کو بریلو کر دیا۔ شیبانی خان نے اس کی ذرا پروا نہ کی بلکہ اس کو حرم اور سمیت کے برابر بھی نہ سمجھا۔

سلطان علی مرزا بھی اپنے معاملہ میں حیران اور اپنے چلے آنے سے بہت پشیمان تھا۔ اس کے بعض مقرروں نے یہ کیفیت دیکھ کر چاہا کہ مرزا کو لے بھاگیں۔ مگر سلطان علی مرزا راضی نہ ہوا۔ چونکہ موت آئی مٹی تھی اس لئے اس سے نہ بچ سکا۔ تیمور سلطان کے پاس چلا گیا۔ چار پانچ دن بعد مرغزار قلعہ میں اس کو قتل کر ڈالا۔ وہ اس ٹپائیدار اور جانے والی جان کے لئے بدنام ہو کر مرا کیونکہ ایک عورت کے کہنے میں آگیا اور نیک ناموں کے زمرے سے نکل گیا۔ ایسے شخص کے حالات اس سے زیادہ نہ لکھنے چاہئیں۔ خان نے جان علی کو بھی مرزا کے پاس بھیج دیا۔ چونکہ خواجہ یحییٰ سے شیبانی خان خائف تھا اس لئے خواجہ کو دونوں بیٹوں خواجہ محمد ذکریا اور خواجہ بلقی سمیت خراسان چلے جانے کی رخصت دے دی۔ مگر پیچھے پیچھے کچھ ازبک بھی گئے۔ انہوں نے حضرت خواجہ کو معہ دونوں لڑکوں کے نواح خواجہ گارزون۔ ۳۲۵ میں شہید کر دیا۔ شیبانی خان کہا کرتا تھا کہ یہ کام میں نے نہیں کیا بلکہ قنبر علی۔ ۳۲۶ اور سپک بے نے کیا ہے۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ ”عذر گنہ بدتر از گنہ“ جب کسی بادشاہ اور خان کے امراء ایسا کام بغیر اس کے پوچھے لکھے کریں تو پھر ان کی بادشاہی اور خلائی ہی کیا۔

کیش کا چھوڑنا جو خنی ازبکوں نے سرقد پر قبضہ کیا فوراً ہم بھی کیش سے حصار کی طرف چلے گئے۔ محمد مزید ترخان اور امراء سرقد مع اپنے متعلقوں اور بل بچوں کے ہمارے ساتھ چلے۔ علاقہ چغانیان کے مرغزار میں پہنچنے کے بعد محمد مزید ترخان اور سرقد کے امراء ہم سے علیحدہ ہو کر خسرو شہ کے پاس چلے گئے اور اس کے نوکر ہو گئے۔ ہماری یہ حالت ہو گئی کہ ہم شہر اور ملک سے محروم نہ کہیں ہمارے پاس رہنے کا موقع نہ جانے کا ٹھکانا۔ گو خسرو شاہ نے ہمارے خاندان سے بہت کچھ برائیاں کی تھیں مگر ناچار اسی کے ملک میں سے جانا پڑا۔ مجھے ایک خیال تھا کہ ملک قرا قرا ۳۲۷ اور الائی۔ ۳۲۸ کے راستہ سے ہوتے ہوئے اپنے چھوٹے خان دادا الچہ خان کے پاس چلنا چاہئے۔ مگر یہ خیال پورا نہ ہوا۔ کروڑ سے بہت اونچی جانب پھر کر سرہ۔ ۳۲۹ تلق اور ایانی کے اوپر سے ہمارا چلنا ہوا۔ جب ہم نونداک کی نواح میں پہنچے تو خسرو شہ کا ایک نوکر آیا۔ نوگھوڑے اور نو پارچے اپنے آقا کی طرف سے اس نے نذر کئے۔

کھمرو کی گھاٹی میں ہم پہنچے۔ اس وقت شیر علی چہرہ خسرو شاہ کے بھائی دلی کے پاس چلا گیا۔ دوسرے دن قوچ بیگ الگ ہو گیا اور حصار روانہ ہو گیا۔ درہ ۳۳۰ کھمرو میں آکر ہم اوپر کی جانب ۳۳۱ چلے۔ ان تنگ راستوں، کڈھب گڑھوں اور نہایت خوفناک گھاٹیوں میں ہمارے بست سے گھوڑے اور اونٹ تھک کر چلنے کے قائل نہ رہے۔ تین چار منزلیں کر کے ہم سرہ تن کی گھاٹی میں پہنچے۔ گھاٹی اور کس بلا کی گھاٹی! میں نے کبھی ایسی وحلوں اور تنگ گھاٹی نہیں دیکھی تھی اور کبھی ایسے تنگ راستوں اور کڈھب گڑھوں میں سے مجھے چلنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ بڑی تشویش اور صعوبت کے ساتھ ان خطرناک تنگیوں اور گڑھوں سے نکل کے نہایت رنج مشقت اٹھانے کے بعد اونچی تنگ اور مسلک گھاٹیوں کو طے کر کے قن کی نواح میں پہنچنا ہوا۔

قن کے پہاڑوں میں بڑی جمیل ہے۔ جس کا محیط تخمیناً "کوس بھر ہو گا۔ نہایت خوبصورت جمیل ہے۔ اس مقام پر خبر آئی کہ ابراہیم ترخان قلعہ شیراز میں ہے اور اس نے قلعہ کو خوب مضبوط کر لیا ہے۔ یاریبلاق کے علاقہ کے قلعوں کو بھی قنبر علی اور ابو القاسم کوہ برور سے کر کے وہاں ہو بیٹھے ہیں۔ یہ دونوں خواجہ دیدار میں تھے۔ جب ازبکوں نے سمرقند لیا ہے تو یہ خواجہ دیدار میں نہ ٹھہر سکے۔ اور یاریبلاق میں چلے آئے۔ میں نے مقام قن کو سیدھے ہاتھ کی طرف چھوڑا۔ ۳۳۲ اور مقام کسود کی طرف رخ کیا۔ ملک قن مہمان نوازی، سخاوت، خدمت گزاری اور انسانیت میں مشہور تھا۔ جس زمانہ میں سلطان حسین مرزا نے حصار چھینا ہے اس زمانہ میں سلطان مسعود مرزا اپنے چھوٹے بھائی بالستقر مرزا کے پاس سمرقند میں اسی راستہ سے گیا تھا۔ ملک قن نے ستر اسی گھوڑے اس کی نذر کئے تھے اور بہت خاطر و مدارات کی تھی۔ میرے لئے ایک صرف ایک مرل سا بھیج دیا اور آپ نہ آیا۔ خدا کی قدرت ہے۔ جب ہم پر وقت پڑا ہے تو جو لوگ سخاوت میں مشہور تھے وہ نہیں ہو گئے اور جو لوگ بامروت تھے وہ مروت کو بھول گئے۔ خسرو شاہ بھی بہت ہی سخی و کریم مشہور تھا۔ بدیع الزمان مرزا کے ساتھ اس نے کیسی خدمت گزاریاں کیں جن کا بیان ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ باقی ترخان وغیرہ کے ساتھ اس نے کیسی خدمت گزاریاں کیں جن کا بیان ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ باقی ترخان وغیرہ کے ساتھ اس نے بہت انسانیت و سخاوت برتی۔ دو دفعہ ہم کو اس کے ملک سے گزرنے کا موقع ہوا۔ بنائے جنس تو درکنار جو

بات ہمارے ادنیٰ نوکر کے ساتھ کئی چاہئے تھی وہ ہمارے ساتھ نہ کی۔ بلکہ ہمارے نوکروں کے برابر بھی ہم کو نہ سمجھ

کی کس کے ساتھ اے دل اہل جہاں نے نکلی

جو آپ ہی برا ہوا اس سے امید کیسی

اس خیال سے کہ شاید کسود کے قلعہ میں ازبک ہوں قلعہ سے نکلے ہی کہیں دم نہ لیا اور قلعہ کسود کو جاگھیرا۔ لیکن قلعہ پہلے ہی ویران قلعہ مدت سے کوئی اس میں نہ تھا۔ وہاں سے چل کر ہم دریائے کوہک کے کنارے پر آن اترے۔ مقام یاری کے موڑ سے بذریعہ پل دریائے کوہک کے پار ہوئے۔ قاسم بیگ کے زیر حکم بعض امراء کو قلعہ ربط خواجہ کی طرف بھیجا تاکہ اس کو دھوکے سے فتح کر لیا جائے۔ ہم یاری اور کوہ شقار خانہ ۳۳۳ سے نکل یار بیلاق میں آئے۔ جو سردار ربط خواجہ کی طرف گئے تھے وہ فسیل کے نیچے ٹھہرے۔ میڑھیاں لگاتے وقت یا تو یہ لوگ خود سمجھ گئے یا ان کو سمجھا دیا گیا کہ قلعہ فتح ہونا دشوار ہے۔ یہ لوگ اگلے پھر آئے۔ قنبر علی جو سنگزار ۳۳۴ تھا ہم سے آکر ملا۔ ابو القاسم کوہ بر اور ابراہیم ترخان نے اپنے چند مستجر ملازم میری خدمت میں بھیجے اور اخلاص ظاہر کیا۔

یار ایلاق سے سمرقند جانا اور تاکلم آنا۔ یار بیلاق کے صہلت سے ہم قلعہ اسفندک میں آئے۔ اس وقت شیبانی خان خواجہ دیدار کی نواح میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ تین چار ہزار ازبک تھے اور اسی قدر وہ فوج جمع ہو گئی تھی جو مختلف مقلات کی تھی۔ خان وفا مرزا ۳۳۵ کو اس نے سمرقند کا داروغہ کر دیا تھا جو پانچ سے چھ سو آدمیوں کے ساتھ سمرقند پر قبضہ کئے ہوئے تھا۔ حمزہ سلطان اور مددی سلطان اپنی اپنی فوجیں لئے ہوئے سمرقند کے قریب قوروغ بدنہ میں پڑے ہوئے تھے۔ میرے پاس اچھے برے کل دو سو چالیس آدمی تھے۔ سب سرداروں اور افسروں سے مشورت لی گئی۔ آخر یہ بات قرار پائی کہ شیبانی خان نے ابھی سمرقند لیا ہے۔ ابھی تک شر والوں کو اس سے اور اس کو شر والوں سے دلچسپی نہیں ہوئی ہے۔ اس موقع پر اگر ہم کچھ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ اگر شر پر میڑھیاں لگا کر چپ چپاتے ہم چڑھ جائیں اور اس پر قبضہ کر لیں تو سمرقند والے چونکہ ہم ہی میں سے ہیں سوائے ہماری مدد کے اور کیا کر سکتے ہیں۔ ازبکوں کے لئے ہم سے لڑنے سے تو رہے۔ سمرقند ہاتھ آجانے کے بعد جو

خدا کو منظور ہو گا وہ ہو گا یہ صلاح کر کے ظہر کی نماز کے بعد یاریبلاقی سے چل کھڑے ہوئے۔ اول شب میں اکثر راتہ چلتے رہے اور آدمی رات کو پورت خل میں جا پہنچے یہ سن کر شر والے ہشیار ہیں اس رات شر کے قریب نہ گئے۔ پورت خل ہی سے اٹے پھر آئے۔ صبح ہو گئی تھی کہ خواجہ رہلا سے نیچے کی طرف دریائے کوہک سے پار ہو پھر یاریبلاق میں آگئے۔ ایک دن اسفندک کے قلعہ میں مصاحبوں میں سے دوست ناصر۔ نویان کوکلتاش۔ قاسم کوکلتاش۔ خان قلی۔ کریم داد۔ شیخ درویش۔ خسرو کوکلتاش۔ اور میرم ناصر وغیرہ سب حاضر تھے اور میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ادھر ادھر کی باتیں ہو رہی تھیں۔ میں نے کہا آؤ حکم تو لگائیں کہ خدا کے فضل سے ہم سمرقند کو کب تک لے لیں گے۔ بعض نے کہا بہار کے موسم میں لے لیں گے (اس وقت تیرہ ۳۳۸ کا مینہ تھا) کسی نے کہا پتہ بھر میں۔ بعض نے کہا چالیس دن میں بعض نے کہا بیس دن میں۔ نویان کوکلتاش نے کہا کہ ہم چودہ دن میں لے لیں گے۔ خدا نے اس کا کہا پورا کیا۔ چودہ ہی دن میں ہم نے سمرقند کو فتح کر لیا۔

خواب دیکھنا۔ ان ہی دنوں میں میں نے ایک عجیب خواب دیکھا کہ حضرت خواجہ عبداللہؒ آئے ہیں میں ان کے استقبال کے لئے اٹھا ہوں۔ خواجہ آکر بیٹھ گئے ہیں خواجہ کے سامنے دسترخوان بچھلایا۔ شاید پر تکلف نہ ہونے کے سبب سے حضرت کے دل میں کچھ خیال آیا ہو۔ ملا بابا میری طرف دیکھ کر اشارہ کرتا ہے۔ میں بھی اشارہ سے جواب دیتا ہوں کہ میرا قصور نہیں ہے۔ دسترخوان بچھانے والے کا قصور ہے۔ خواجہ سمجھ گئے اور یہ عذر قبول کر کے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں پہنچانے کے واسطے ساتھ ہوا۔ اسی مکان کے دالان میں میرے سیدھے بازو کو یا اٹے بازو کو پکڑ کر اس طرح اٹھاتے ہیں کہ میرا ایک پاؤں زمین سے اونچا ہو گیا۔ اور ترکی میں فرماتے ہیں شیخ مصلحت لیسروی اس کے چند روز ہی بعد میں نے سمرقند فتح کر لیا۔

سمرقند پر یورش اور اس کا فتح ہونا۔ دو ایک دن کے بعد قلعہ اسفندک سے قلعہ دسمند میں آنا ہوا۔ اگرچہ ایک دفعہ نواح سمرقند میں پہنچ گئے تھے اور دشمنوں کو چونکا کر کے واپس آگئے تھے مگر پھر خدا پر بھروسہ کیا اور وہی خیال پیش نظر رکھ کر دسمند سے ظہر کی نماز کے بعد سمرقند پر ہم نے ہلا کر دیا۔ خواجہ ابو الکلام بھی میرے ساتھ تھا۔ آدمی رات گئے ہم خیادان۔ ۳۳۸ میں پل مغاک پر پہنچے۔ میں نے ستر اسی

عمرہ آدمی معہ میڑھیوں کے آگے روانہ کئے تاکہ غار عاشقوں کے سامنے سے میڑھیاں لگا کر چڑھ جائیں جو لوگ دروازہ فیروزہ میں ہیں ان سے دروازہ چھین لیں اور ہمارے پاس آدمی بھیجیں۔ یہ لوگ گئے اور غار عاشقوں کے سامنے سے میڑھیاں لگا کر اس طرح چڑھ گئے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی۔ پھر دروازہ فیروزہ میں آئے جہاں فاضل ترخان تھا۔ یہ فاضل ترخان ترخان ترخان سرداروں میں سے نہیں تھا بلکہ ترکستان کے ترخانوں میں سے تھا۔ ترکستان میں شیبانی خاں کی خدمت کر کے ذی رجب ہو گیا تھا۔ یہ لوگ فاضل ترخان پر ٹوٹ پڑے اس کو معہ اس کے کئی نوکروں کے قتل کر ڈالا۔ دروازے کے قتل کو تیر سے توڑ ڈالا اور دروازہ کھول دیا ان کے وہاں پہنچتے ہی میں بھی دروازہ فیروزہ سے اندر داخل ہو گیا۔ ابوالقاسم کوہ برخود تو اس موقع پر نہ آیا تھا مگر اپنے چھوٹے بھائی احمد قاسم کو اپنے تئیں چالیس آدمیوں کے ساتھ اس نے بھیج دیا تھا۔ ابراہیم ترخان کا کوئی آدمی نہ تھا۔ ہاں شہر میں گھس جانے اور خانقاہ میں ٹھہرنے کے بعد احمد ترخان نامی اس کا چھوٹا بھائی کچھ آدمی ساتھ لئے ہوئے آیا۔

شہر والے ابھی سوتے تھے۔ البتہ دوکان دار اپنی دوکانوں پر سے ہمیں دیکھ کر اور پہچان کر دعائیں دینے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد تمام شہر والوں کو خبر ہو گئی۔ ہمارے ۳۳۹ ساتھ اور شہر والوں کو عجب طرح کی خوشی اور مسرت تھی۔ لوگوں نے ازبکوں کو گلی کوچوں میں پتھروں اور لکڑیوں سے اس طرح مار ڈالا جس طرح دیوانے کتوں کو مار ڈالتے ہیں۔ تخمیناً چار سو پانچ سو ازبک اسی طرح مارے گئے۔ شہر کا حاکم جان وفائی ایرکین خواجہ یحییٰ کے مکان میں تھا۔ وہ شیبانی خاں کے پاس بھاگ کر چلا گیا۔ میں دروازہ میں گھستے ہی مدرسہ اور خانقاہ کی طرف آیا تھا اور خانقاہ کی محراب میں ٹھہرا تھا۔ صبح ہونے تک چاروں طرف شور و غل رہا۔ بعض اکابر شہر اور دوکان دار جن کو معلوم ہو گیا خوشی خوشی مبارکبویں دیتے ہوئے آئے۔ کھانے وغیرہ میں جو حاضر تھا وہ لائے اور دعائیں دینے لگے۔ صبح کو معلوم ہوا کہ ازبکوں نے دروازہ آہنی پر قبضہ کر لیا ہے اور وہاں وہ جم کر لڑ رہے ہیں۔ میں فی الفور سوار ہو کر دروازہ آہنی کی طرف روانہ ہوا۔ میرے ساتھ کوئی پندرہ بیس آدمی ہوں گے مگر نئے فتح شدہ شہر کے لفٹے جو ازبکوں کو کونے کونے ڈھونڈتے پھرتے تھے میرے پہنچنے سے پہلے ان کو آہنی دروازہ سے باہر نکال چکے تھے۔ شیبانی خاں نے جو یہ خبر سنی تو گھبرا کر سورج نکلنے ہی سو ڈیڑھ سو آدمیوں کو ساتھ لے کر دروازہ آہنی پر آموجود ہوا۔ قابو میں آئی گیا تھا۔ لیکن میرے

ساتھ بہت تھوڑے سے آدمی تھے۔ جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا۔ شیبانی خاں نے دیکھا کہ کچھ کام نہیں چلے گا۔ دم بھرنہ ٹھہرا اور الٹا پھر گیا۔

شہر کے باہر قیام کرنا نہ۔ یہاں سے پلٹ کر میں بستان سرائے میں آن اتر۔ شہر کے اکابر اشراف اور بڑے بڑے لوگ آئے۔ مجھ سے ملے اور سب نے مجھے مبارکباد دی۔ تقریباً ایک سے چالیس برس تک سمرقند ہمارے خاندان کا دارالسلطنت رہا ہے۔ یہ اجنبی لیبر خدا جانے کہاں سے آگیا تھا اور مالک بن بیضا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کیا ہوا ملک پھر عثمت کیا اور ہمارا لٹا کھٹا شہر پھر ہمارے قبضہ میں آگیا۔ سلطان حسین مرزا نے بھی ہری کو اسی طرح غفلت دے کر فتح کیا تھا جس طرح میں نے اب سمرقند کو لیا ہے مگر اندازہ شناس اور اہل انصاف پر روشن ہے کہ اس کام میں اور اس کام میں بڑا فرق ہے۔ اس کا لینا اور تھا اور اس کا لینا اور ہے۔ اول تو یہ کہ سلطان حسین مرزا بہت طاقتور، نہایت تجربہ کار اور بڑی عمر کا پادشاہ تھا۔ دوسرے یہ کہ اس کا مقابل یادگار محمد مرزا سترو اٹھارہ برس کا نا آزمودہ کار لڑکا تھا۔ تیسرے یہ کہ دشمن کے ہاں سے میر علی۔ ۳۴۰ میرا خور نے جو ساری باتوں سے واقف تھا مرزا کے پاس آدمی بھیجے اور عین غفلت میں اس کو بلایا۔ چوتھے یہ کہ مرزا کا مقابل قلعہ میں نہ تھا۔ باغ زاخان۔ ۳۴۱ میں تھا۔ جس وقت سلطان حسین مرزا نے ہرات لیا ہے اس وقت یادگار محمد مرزا اور اس کے ساتھی شراب خواری کے ایسے عادی تھے کہ اس رات کو بھی یادگار محمد مرزا کی دروازہ پر جو تین سپاہی دار تھے وہ بھی مرزا کی طرح نشہ میں چور تھے۔ پانچویں اسی غفلت کی حالت میں جس کا ذکر ہوا ہے حملہ آور نے پہلی ہی بار میں فتح پائی۔

میں سمرقند لینے کے زمانہ میں کل انیس برس کا تھا۔ نہ اس قدر معاملات سے واقف تھا۔ نہ صاحب تجربہ تھا۔ دوسرے یہ کہ میرا مقابل شیبانی خاں جیسا ترقی یافتہ گرگ بارہاں دیدہ اور گھٹاک آدمی تھا۔ تیسرے یہ کہ سمرقند میں سے کسی نے مجھ سے ساز و باز نہ کی تھی۔ مانا کہ شہر والے دل سے میرے ساتھ تھے مگر شیبانی خاں کے ڈر سے کوئی کان نہ ہلا سکتا تھا۔ چوتھے یہ کہ میرا دشمن قلعہ میں تھا۔ میں نے قلعہ بھی لیا اور دشمن کو بھی بھگایا۔ پانچویں یہ کہ پہلی بار جو سمرقند پر حملہ کرنے کے لئے آیا تو الٹا دشمن کو چوکنہ کر گیا۔ باوجود اس کے اب دوسری دفعہ آیا اور خدا کے حکم سے شہر کو فتح کر لیا۔ اس کہنے سے میری غرض کسی کی حقارت کرنی نہیں ہے۔ یہ ایک واقعہ بات

تھی جو بیان کی گئی اور اس لکھنے سے اپنی شجی کرنی میرا مقصود نہیں ہے۔ جو بچ قادیان لکھ دیا۔ شعراء نے اس کی بہت سی تاریخیں لکھی تھیں۔ ان میں سے ایک بیت یاد رہ گئی ہے۔

باز گفتہ خرد کہ تاریخ
فتح بابر ۳۳۲ ہجری است بدای

شلو دار وغیرہ علاقہ جلت کے لوگوں کا طرف دار ہوتا ہے۔ سمرقند کی فتح کے بعد تو مان شلو دار۔ تو مان سند اور تو اور ماموں کے قلعوں کے لوگ آگے پیچھے میرے پاس آنے شروع ہوئے۔ بعض قلعوں میں سے تو ازبکوں کو مار کر نکل دیا۔ اور ہمارے طرف دار ہو گئے۔ بعض نے اپنے قلعہ داروں کو قید کر کے ہماری خاطر قلعوں کو مستحکم کر لیا۔ اسی زمانہ میں شیبانی خلیفہ ۳۳۳ کے اور ازبکوں کے اہل و عیال مع اسباب ترکستان سے آگئے۔ شیبانی خلیفہ خواجہ دیدار اور علی آبدی کی نواح میں پڑا ہوا قلعہ اب جو قلعہ والوں کا قلعوں کو حوالے کر دینا اور لوگوں کا اس طرح میری طرف رجوع ہونا اس نے دیکھا تو وہ بخارا کی طرف چلا گیا۔ عنایت الہی سے تین چار مہینے میں سند اور میان ۳۳۴ کا قلعہ میرے قبضے میں آگئے۔ باقی ترخان بھی موقع دیکھ کر قرشی کے قلعہ میں آگیا۔ قرشی اور ۳۳۵ خراز دونوں ازبکوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ قراکول ۳۳۶ کو بھی ابو الحسن مرزا کی فوج نے مرو سے آکر دبا لیا۔ اس وقت میں اقبل مندی کے ساتھ کامیاب ہو رہا تھا۔

اہل و عیال وغیرہ کو سمرقند میں بلانا۔ لڑکی پیدا ہونی ہے۔ میرے چلے آنے کے بعد اندجلن سے میری ۳۳۷ مائیں۔ اہل و عیال مع اسباب وغیرہ بڑی وقت اور مصیبت سے اور اذیت میں آگئے تھے۔ میں نے آدمی بھیج کر سب کو سمرقند میں بلا لیا۔ انہی دنوں میں سلطان احمد مرزا کی بیٹی عائشہ سلطان بیگم (جو میری پہلی بیوی تھی) کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا نام فخر النساء بیگم رکھا۔ میری پہلوئی کی اولاد یہی تھی۔ اس وقت میری عمر انیس برس کی تھی۔ چلہ ہی کے اندر یہ لڑکی مر گئی۔

سرحدی امراء سے مدد چاہنی ہے۔ سمرقند کی فتح کے بعد سرحد اور گرد و نواح کے بادشاہوں، سرداروں اور امیروں کے پاس مدد طلب کرنے کے لئے متواتر میرے اہلچلی

اور ہر کارے گئے اور آئے۔ بعض نے تو بلوچوں تجربہ کار ہونے کے آنکھ چرائی اور بعض نے اس ڈر سے کہ ہمارے خاندان کے ساتھ ان سے بے ادبیاں اور رنجشیں واقع ہو گئی تھیں جان کر کلنی دی۔ جنہوں نے کمک بھیجی وہ معتد بہ نہ تھی۔ چنانچہ ہر ایک کا حل اپنے اپنے موقع پر لکھا جائے گا۔ اس دوبارہ سمرقند لینے کے زمانہ میں علی شیر بیگ ۳۳۸ھ زندہ تھا۔ ایک دفعہ اس کا خط بھی آیا تھا جس کے جواب میں میں نے بھی اس کو خط لکھا تھا۔ اور خط کی پشت پر ترکی کا ایک شعر لکھ بھیجا تھا۔ اس کے جواب آنے تک یہاں معاملہ درہم برہم ہو گیا۔ شیبانی خاں نے جب سمرقند لیا ہے تو ملا بتائی کو نوکر رکھ لیا تھا۔ اس زمانہ سے وہ شیبانی خاں کے ساتھ رہتا تھا۔ پھر میں نے جو سمرقند فتح کیا تو چند روز بعد ملا سمرقند میں آگیا۔ قاسم بیگ نے اس سے بدظن ہو کر اس کو شہر سبز بھیج دیا۔ چونکہ وہ ایک قتل آدی تھا اور اس سے کوئی خطا بھی سرزد نہ ہوئی تھی۔ اس لئے چند روز بعد میں نے پھر اسے سمرقند میں بلا لیا۔ وہ ہمیشہ غزلیں اور قسیدے لکھا کرتا تھا۔ اس نے نوا ۳۳۹ھ کے مقام میں ایک غزل میرے نام پر لکھ کر پیش کی تھی۔ اسی زمانہ میں ایک رباعی کہہ کر گزاری۔ وہ رباعی یہ ہے۔ رباعی

نہ غلہ مرا کزو تو انم نوشید
نہ مصل ۳۵۰ غلہ تا نوا نم پوشید
آزا کہ نہ خوردن است نے پوشیدن
در علم و ہنر کجا تواند کوشید

میں ان دونوں میں ایک آدھ بیت کہا کرتا تھا۔ پوری غزل نہ کہتا تھا۔ میں نے یہ رباعی ترکی میں لکھی اور اس کو بھیجی۔ رباعی

ہر کام ترے دل کے موافق ہو گا
مل جائے گا سب کچھ ترا ایما سمجھا
چھپ جائے گا جسم اور بھر جائے گا گھر
کپڑا غلہ تجھے مل جائے گا اتنا

ملانے اس کے بعد رباعی کے پہلے مصرعہ کے قافیہ کو ردیف کر دیا اور دوسرے قافیہ میں ایک اور رباعی لکھ کر پیش کی۔ رباعی

ہو گا شہر و بحر ہمارا مرزا

مہمل ہی اگر ہمیں کچھ انعام ملا
اور اپنی طبیعت سے متمیز ہو گا
تو اس سے چلے گا کس طرح کام اپنا
اسی زمانہ میں خواجہ ابو البر فراقی شہر سبز سے آیا تھا اس نے کہا ”تم کو اسی
قافیہ میں کہنی چاہئے تھی۔“ وہ رباعی خواجہ ابو البر کہ نے لکھی۔

معاملات کا سنور کر بگڑنا۔ اس جاڑے میں میرے معاملات نہایت ترقی پر تھے اور
شیبانی خاں کے تنزل پر۔ مگر اس اثناء میں دو ایک واقعے بہت برے ہوئے۔ جن لوگوں
نے مرو سے آکر قراکول پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ اس کو نہ تمام سکے۔ قراکول پھر ازبکوں کے
ہاتھ آگیا۔ دیوسی کے قلعہ میں ابراہیم ترخان کا چھوٹا بھائی احمد ترخان تھا۔ شیبانی خاں
نے دیوسی کو آگیرا۔ جب تک کہ ہم لشکر جمع کریں اور مقابلہ کے قاتل ہوں شیبانی خاں
پہنچنے حملہ کر کے قلعہ چھین لیا۔ اور خوب قتل عام کیا۔ سمرقند لینے کے زمانہ میں میرے
ساتھ کل دو سو چالیس آدمی تھے۔ پانچ چھ مہینے میں فضل الہی سے اتنی فوج ہو گئی کہ
شیبانی خاں جیسے شخص سے سرہل کے مقام پر کیسی بھاری لڑائی ہوئی جیسا کہ آگے بیان
کیا جائے گا۔ گرد نواح والوں میں سے صرف خاں کے پاس سے ایوب بیگ چک اور
قشہ محمود بیگ چار سے پانچ سو آدمی ساتھ لئے ہوئے مدد کے لئے آگئے تھے۔ اور
جنگیر مرزا کی جانب سے تنبل کا چھوٹا بھائی دو سو آدمیوں کے ساتھ آگیا تھا۔ افسوس
ہے کہ سلطان حسین مرزا جیسے تجربہ کار بادشاہ کے پاس سے جن سے زیادہ شیبانی خاں
کو کوئی نہ جانتا تھا ایک آدمی نہ آیا۔ بدیع الزماں مرزا نے بھی خبر نہ لی۔ خسرو
شاہ نے اس ڈر سے کہ ہمارے خاندان کے ساتھ بہت برائیاں کی تھیں جیسا کہ اوپر
بیان ہوا اور مجھ سے ان کا دم بند ہوتا تھا کسی کو نہ بھجا۔

شیبانی خاں سے مقابلہ اور شکست کھا کر سمرقند چھوڑنا۔ شوال ۳۵۸ھ کے
مہینے میں شیبانی خاں نے نیرو آزمائی کے لئے میں باغ نو میں آیا۔ پانچ چھ دن لشکر جمع
کرنے اور سلمان جنگ تیار کرنے کے واسطے باغ نو میں ٹھہرنا پڑا۔ باغ نو سے میں سوار
ہوا۔ کوچ در کوچ چلا اور مقام پل سے گذر کر آن اترا۔ لشکر کے گرد خندق اور لکڑی
کے کٹھرے سے خوب احتیاط کر دی گئی۔ شیبانی خاں ادھر سے مقابلہ کے واسطے چلا۔ اور
نواح خواجہ گلوڑوں میں آنھرا۔ دونوں لشکروں میں تھینا ایک فرسنگ کا فاصلہ ہو گا۔

چار پانچ دن تک انہی مقاموں میں پڑے رہے۔ اور ہمارے آدمی ادھر سے اور دشمن کے آدمی ادھر سے نکلتے اور کسی قدر لڑتے بھڑتے رہتے تھے۔ ایک دن دشمن کی فوج بہت آگے بڑھ آئی۔ اس دن اچھی لڑائی ہوئی مگر کوئی غالب نہ آیا۔ ہماری طرف والوں میں سے ایک نشان بردار نے یہ بری حرکت کی کہ بھاگ نکلا اور خندق میں آگیا۔ کہتے ہیں کہ وہ نشان سیدی قرار ۳۵۲ بیک کا تھا۔ سیدی قرار بیک اگرچہ ڈینکيا تو بہت تھا مگر کموار کا ہنپا تھا۔ اسی موقع پر شیبانی خاں نے ایک رات کو شب خون مارنا چاہا۔ ہمارے لشکر کا گردا ولا کھڑے اور خندق سے مضبوط کر دیا گیا۔ دشمن کچھ نہ کر سکا۔ خندق کے کنارے پر سواروں نے غل شور مچایا اور تھوڑے سے تیر مار کر اگلے پھر گئے۔ اب میں نے لڑائی کے انتظام میں پوری توجہ اور کوشش کی۔ قنبر علی میرا مددگار تھا۔ باقی ترخان ہزار دو ہزار آدمیوں کے ساتھ پہلے کیش میں آیا پھر دو روز بعد ہم سے آن ملا۔ سید محمد ۳۵۳ دخلت مرزا پہلے ہی سے ہزار پانے آدمیوں کے ساتھ میرے خان دادا کی طرف سے میری مدد کے لئے مقام دیوں ۳۵۴ میں جو سولہ کوس پر ہے آگیا تھا۔ وہ بھی دوسرے دن ہم سے آ ملا۔ اس عمدہ موقع پر ذرا میں نے لڑنے میں جلدی کی۔

بہ تندی سبک دست بردن بہ تیغ
بدندان گزرو پشت دست و رنغ

میں نے لڑائی میں اس دن اس لئے جلدی کی کہ شکر یولد ۳۵۵ وز دونوں لشکروں کے بیچ میں تھے۔ اگر وہ دن گزر جاتا تو تیرہ چودہ دن تک وہ دشمن پر مبارک ہوتے۔ یہ لحاظ بالکل لغو تھے حقیقت میں بے موقع جلدی کر بیٹھا۔ صبح ہی مقابلہ کرنے کے لئے جنگی لباس پہن لیا۔ گھوڑوں پر سار ڈال، 'جز غار'، 'بر غار'، 'قول' اور 'ہراول' سے لشکر کو مرتب کر کے میدان کی طرف چلا۔ برا غار میں ابراہیم سارو، ابراہیم جانی، ابو القاسم کوہ بر اور بعض امراء تھے۔ جرا غار میں محمد مزید ترخان، ابراہیم ترخان اور امراء سمرقند یعنی سلطان حسین ارغون، قراہلاس، پیر احمد اور خواجہ حسین تھے۔ قول میں قاسم بیک اور بعض ملازمین خاص تھے۔ ہراول میں قنبر علی سلاخ، بندہ علی، خواجہ علی میرشلہ توپچین، سید قاسم ایٹک، آغا، خالدار (بندہ علی کا چھوٹا بھائی) قوچ بیک، حیدر قاسم ۳۵۶ بیک (قاسم بیک کا بیٹا) تھے اور جس قدر عمدہ اور اونچی سپاہی اور میرے

مصاب تھے وہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ اوہر سے ہم تیار ہو کر نکلے۔ اوہر سے دشمن بھی صفیں باندھ نمودار ہوا۔ اس کے براہِ غار میں محمود سلطان جلّیٰ بیک سلطان، تیمور سلطان اور جرائعہ میں حمزہ سلطان مددی سلطان اور بعض اور سلطان تھے۔

دونوں لشکروں کی مٹھ بھیڑ ہوتے ہی دشمن کے براہِ غار کا اوج ہمارے پائیں سے چکر کھا کر ہماری پشت پر چلا۔ میں نے بھی اپنا منہ اس کی طرف پھیر لیا۔ ہمارا ہراول جس میں تمام ہوشیار، تجربہ کار، کورسے اور اچھے اچھے جوان و سردار مقرر ہوئے تھے۔ دست راست پر رہ گیا۔ ہمارے ۳۵۷ آگے کوئی نہ رہا۔ باوجود اس کے ان لوگوں کو جو آگے بڑھے تھے ہم نے مارتے مارتے اور بھگاتے بھگاتے ان کے قول میں جا دھنایا۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ شیبلی خاں سے ان کے ہمراہیوں میں سے بعض بوڑھے سردار چلا اٹھے کہ شیبلی! بھاگنا چاہئے۔ اب ٹھہرنے کا موقع نہ رہا۔ مگر وہ استقلال کے ساتھ جما رہا۔ دشمن کے براہِ غار نے ہمارے براہِ غار کو ہزیمت دے کر پیچھے ہم پر حملہ کیا۔ چونکہ ہمارا ہراول سیدھے ہاتھ کی طرف رہ گیا تھا اس لئے ہمارا آکا کھل گیا تھا۔ پس آگے اور پیچھے سے غنیم کی فوج حملہ کر کے لگی تیر مارنے۔ مغلوں کا لشکر جو کمک کے لئے آیا تھا اس نے دشمن سے لڑنے کے بدلے اٹا ہمارے ہی لوگوں کو لوٹا اور گھوڑوں پر سے گرانا شروع کیا۔ ہمیشہ سے ان کجنت مغلوں کی عادت یہی ہے کہ اگر فتح پائیں تو جھٹ دشمنوں کو لوٹنے لگیں اور اگر شکست کھائیں تو اپنی ہی طرف والوں پر ہاتھ صاف کریں۔ دشمن کی فوج جو سامنے تھی اور جس نے کئی بار سخت حملے کئے تھے اس کو مار کر ہٹا دیا۔ پھر ۳۵۸ وہ سب سالوٹے ہو گئے۔ سہاگے سے بھی حملہ ہوا۔ اور جو دشمن کی فوج عقب میں آگئی تھی اس نے بھی پیچھے سے حملہ کر کے نشان پر تیر برسانے شروع کئے۔ غرض آگے اور پیچھے سے سب نے ہلا کر کے ہماری فوج کے پاؤں اکھڑ دیئے۔ لڑائی کے وقت ازبکوں میں ایک تو تو غنم ۳۵۹ بست بڑی ہے۔ ان کی کوئی لڑائی تو غنم بغیر نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ آگے پیچھے سردار و سپاہی سب تیر برساتے ہوئے جلوریز آتے ہیں اور جب شکست کھاتے ہیں تو اسی طرح جلوریز الٹے پھر جاتے ہیں، میرے ساتھ اس وقت دس پندرہ آدمی رہ گئے تھے۔ دریائے کوہک قریب تھا۔ میرے براہِ غار کا اوج دریا پر پہنچ گیا تھا۔ ہم بھی دریا کی طرف چل کھڑے ہوئے دریا پر پہنچتے ہی آدمی اور گھوڑے لباس و ساز سمیت دریا میں کود

پڑے۔ آدمے سے زیادہ دریا میں پلایا چلتا ہوا۔ اس کے بعد گمراہی تھی۔ ایک۔ ۳۶۰۔ تیر کے پر تکب تک مع لباس و ساز گھوڑے تیر کو پار ہو گئے۔ دریا سے نکلنے کے بعد گھوڑوں کے جنگی ساز کٹ ڈالے اور ان کو ڈھلایا۔ جب دریا سے شل کی طرف نکل گئے تو دشمن سے دور ہو گئے۔ مگر اکیلے دو اکیلے کو لوٹنے والے اور ننگا کرنے والے یہی کج نیت مغل تھے۔ ابراہیم خن کو اور بہت سے عمدہ سپاہیوں کو مغلوں ہی نے لوٹ لیا۔ گھوڑوں سے نیچے گرا دیا اور مار ڈالا۔

بعض سرداروں کا بھاگنا اور بعض کا ساتھ دینا تھا۔ دریائے کوہک کے شل کی طرف بڑھ کر قلعہ کی نواح میں دریا سے پار ہوا۔ دو غاروں کے درمیان میں شیخ زادہ دروازہ سے نکل میں ارک میں آگیا اس لڑائی میں ہمارے بڑے بڑے سردار، چیدہ چیدہ جوان اور بہت سے لوگ مارے گئے۔ ان میں ابراہیم ترخان، ابراہیم سار، ابراہیم جانی۔ یہ عجیب بات ہے کہ تینوں سردار ابراہیم نام کے ایک لڑائی میں تلف ہوئے۔ ابو القاسم کوہ (حیدر قاسم بیگ کا بڑا بیٹا) خدا بیروی نشان دار، خلیل (سلطان احمد تنبل کا چھوٹا بھائی جس کا ذکر کئی دفعہ ہو چکا ہے) اس لڑائی میں کام آئے۔ ان کے علاوہ اور بہت لوگ ادھر ادھر بھاگ گئے۔ بھاگے ہوؤں میں سے محمد مزید ترخان۔ ۳۶۱۔ خسرو شاہ کے پاس حصار اور قندز چلا گیا۔ قنبر علی سلاخ مغل نے بھی جس کو میں نے اپنی مہربانی اور پرورش سے بڑا سردار بنا دیا تھا باوجود ان رعایتوں کے ایسے نازک وقت میں میرا ساتھ نہ دیا۔ آتے ہی سمرقند سے اپنے گھر بار کو لے کر خسرو شاہ کے پاس چل دیا۔ بعض سردار اور سپاہی جیسے کریم داد، خدا داد، ترکمان، جاتکہ کو کلاتش۔ ۳۶۲۔ اور ملا بابا ساغر جی۔ ۳۶۳۔ اور اٹیہ چلے گئے۔ ملا بابا اس زمانہ میں میرا نوکر نہ تھا بطور مہمان کے تھا۔ البتہ شیرم طفائی وغیرہ مع اپنے ہمراہیوں کے میرے ساتھ سمرقند میں آئے۔ مشورہ کر کے ہم سب نے اپنا مرنا جینا قلعہ سمرقند ہی میں ٹھکان لیا۔ اور قلعہ کو مضبوط کرنے میں ہم مصروف ہو گئے۔ ان لوگوں نے تو یہ کیا اور میری والدہ صاحبہ اور بہنوں نے یہ کیا کہ قلعہ میں آتے ہی اپنا مل اسباب اور نوکر چاکر تو اور اٹیہ میں بھیج دیئے اور آپ جریہ تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ قلعہ میں رہ گئیں۔ کچھ اکبے ہی نہیں بلکہ ہمیشہ کڑی سنے اور سختی جھیلنے کے وقتوں میں ان صاحبوں نے ایسا ہی ہلکا پن اور دوئی برتی ہے۔

سمرقند میں محصور ہو کر لڑنا اور شکست کھا کر سمرقند چھوڑنا:- دوسرے دن خواجہ ابو الکلام، قاسم بیگ اور تمام مقرب سرداروں کو جو لائق صلاح تھے جمع کر کے مشورت کی۔ بعد مشورے کے یہ بات ٹھہری کہ قلعہ کا انتظام کیجئے اور مرنا ہو تو جینا ہو تو یہیں رہئے۔ میں اور قاسم بیگ معہ فوج خاص کے کمک کے واسطے مقرر ہوئے۔ اسی واسطے ہم شہر کے بچوں بچ مدرسہ الخ بیگ مرزا کے دروازہ کی بڑی محراب میں۔ ۳۶۳ سفید خیمہ نصب کر کے ہو بیٹھے۔ دوسرے سرداروں اور سپاہیوں کے لئے شہر کے دروازوں پر اور شہر کے گرد فصیل پر مورچے تقسیم کر دیئے گئے۔ دو تین دن بعد شیبانی خان آیا اور شہر سے کسی قدر دور آن اتر۔ شہر کے لفنگے اور ادباش گلی گلی اور کوچہ کوچہ سے علیحدہ علیحدہ جتھے بنا کر لفنگانہ نعرے مارتے ہوئے مدرسہ کے دروازے پر آئے اور جوش و خروش کے ساتھ لڑنے کے لئے آگے بڑھے شیبانی خان لڑنے کے لئے سوار تو ہو گیا تھا مگر قلعہ کے قریب بھی نہ آسکا۔ چند روز اسی طرح گزرے۔ شہر کے ادباش اور لفنگے جنہوں نے کبھی تیر و تلواریں نہ کھلیا تھا۔ حملہ کا زور اور لڑائی کا ہنگامہ نہ دیکھا تھا۔ اس طریقہ سے دلیر ہو گئے۔ اور دور دور تک پیش قدمی کرنے لگے۔ اگر آزمودہ کار لوگوں نے ان کو ان بیہودہ پیش قدمیوں سے روکا تو لگے ان پر طعن کرنے۔

ایک دن شیبانی خان نے آہنی دروازہ کی طرف حملہ کیا۔ شہر کے لفنگوں کا ہواؤ تو کھل ہی گیا تھا ہمیشہ کی طرح دلیری سے دور تک مقابلہ کر کے چلے گئے۔ ان کے پیچھے میں نے سواروں کی ایک کھڑی ان کی بازگشت کے لئے روانہ کی۔ ملازمین خاص، مقربین اور کوکلتاشوں میں سے نوایان کوکلتاش، قل نظر طغائی اور مزید وغیرہم اشتہر گروں۔ ۳۶۵ کی طرف نکل آئے تھے۔ ادھر سے دو تین ازبکوں نے ان کی طرف گھوڑے ڈالے۔ قل نظر سے بڑھیز ہو گئی۔ جس قدر ازبک تھے پیدل ہو کر حملہ آور ہوئے۔ شہر کے لفنگوں کے پاؤں انہوں نے اکھیر دیئے اور ہٹاتے ہٹاتے دروازہ آہنی میں ان کو دھکیل دیا۔ قوچ بیگ اور میر شاہ قوچمیں خواجہ خضر کی پیدلوں سے میدان صاف کرنے کے بعد خواجہ خضر کی مسجد کی طرف دشمن کے سواران کے مقابلہ میں آئے۔ قوچ بیگ نے حملہ کر کے ان ازبکوں کے جو آگے بڑھ آئے تھے مارے تلواریں کے کٹڑے اڑا دیئے اور ایسا نمایاں کام کیا جس کو سب لوگ کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ بھگوڑوں کو

اپنے بھائی کی پڑوسی تھی۔ کیا تیر مارنا اور کس کا لڑنا۔ میں دروازے کے اوپر سے تیر برسا رہا تھا اور میرے ساتھی بھی تیروں کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ ان اوپر کے تیروں کی بھرمار دشمنوں کو خواجہ خضر کی مسجد سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ وہ وہیں سے الٹے پھر گئے۔ ہمارا قلعہ تھا کہ محاصرہ کے زمانہ میں روز رات کو قلعہ کی فصیل پر ہم ٹکبلی کے لئے پہرہ دیا کرتے تھے۔ کبھی میں ۳۶۸ کبھی قاسم بیگ اور کبھی کوئی سردار یا کوئی مقرئین میں سے گشت کیا کرتا تھا۔ دروازہ فیروزہ سے دروازہ شیخ زادہ تک فصیل کے اوپر ہم گھوڑے پر پھیر سکتے تھے اور اور جگہ پیدل ہو جاتے تھے۔ ایک ہی پھیرے میں شام سے صبح ہو جاتی تھی۔ ایک دن شبیلی خاں نے دروازہ آہنی اور دروازہ شیخ زادہ کے بیچ میں حملہ کیا۔ میں کمک پر تھا۔ یہاں لڑائی پڑتی ہی ادھر آمو جو ہوا۔ دروازہ گلورستان ۳۶۷ اور دروازہ سوزنگران کا کچھ دھیان نہ رکھا۔ اسی دن دروازہ شیخ زادہ کے اوپر سے میں نے ایک چپکتے ہوئے سفید گھوڑے کو ایسا ٹاک کر تیر مارا کہ تیر لگتے ہی وہ مر گیا۔

اس عرصہ میں دشمنوں نے اس قدر زبردست حملہ کیا کہ شتر گردن کے قریب سیدھے فصیل کے نیچے آئے۔ ہم یہاں لڑائی میں مشغول ہو کر دوسری طرف سے غافل ہو گئے۔ شبیلی خاں نے پچیس چھبیس سیڑھیاں ایسی چوڑی کہ جن پر دو تین آدمی ساتھ ہی چڑھ جائیں تیار کر کے سلت سو آٹھ سو چپدہ جوانوں کو ان سیڑھیوں کے ہمراہ دروازہ آہنگران اور دروازہ سوزنگران کی درمیانی فصیل کے سامنے پوشیدہ مقرر کر دیا اور خود دروازہ آہنگران ۳۶۸ اور دروازہ شیخ زادہ کے بیچ میں دھلوا کیا۔ ہم سب تو اس طرف لڑائی میں مصروف رہے۔ اس طرف کے مورچے غیر محفوظ ہوتے ہی چھپے ہوئے لوگ جھٹ پٹ کہیں گاہ سے نکل دروازہ ہائے مذکورہ کی درمیانی فصیل پر محمد مزید ترخان کی حویلی کے رومو سیڑھیاں لگا کر ایک دفعہ ہی چڑھ آئے۔ یہاں فوج بیگ اور محمد قلی قوچیں مع اپنی اپنی فوجوں کے اور ایک اور گروہ کے متعین تھے۔ یہ فوج محمد مزید ترخان کی حویلی میں پڑی ہوئی تھی۔ دروازہ سوزنگران میں قزاق لاس کا مورچہ تھا۔ دروازہ گلورستان میں شیرم طغائی اور اس کے بھائیوں اور قتلخ خواجہ کوکلاش کا مورچہ تھا۔ چونکہ لڑائی دوسری طرف تھی۔ اس لئے ان مورچوں کے تمام پاسبان بے فکر ہو کر اپنے اپنے کاموں کے لئے تتر بتر ہو گئے تھے کوئی اپنے گھر چلا گیا تھا

اور کوئی بازار چلا گیا تھا۔ صرف مورچوں کے سردار دو دو تین تین اور ایک اور شخص نے بڑی جرات و بہادری کی۔ دشمن کے سپاہی کچھ تو فسیل پر آگئے تھے اور کچھ چڑھ رہے تھے کہ یہ چاروں سردار (جن کا ذکر ہوا) جھپٹ کر وہاں جا پہنچے۔ لڑتے لڑتے اور مارتے مارتے دشمنوں کو دیوار کے نیچے اتار دیا۔ اور نوک دم بھگا دیا۔

توج بیگ نے سب سے بڑھ کر عمدہ کام کئے۔ اس کا قابل قدر اور نمایاں ایک کام یہ تھا کہ اس محاصرہ کے زمانہ میں دو دفعہ اس نے داد مردانگی دی تھی۔ قرار لاس دروازہ سوزنگران کے مورچہ پر اکیلا رہ گیا تھا۔ وہ بھی خوب جما رہا۔ متعلق خواجہ کو کلتاش اور قل نظر مرزا دروازہ گڈرستن والے مورچہ میں تھے۔ یہ بھی تھوڑے ہی سے آدمیوں کے ساتھ یہاں خوب ڈٹے رہے اور تعاقب کر کے اچھی طرح لڑتے رہے۔ ۳۶۹ پھر ایک دفعہ قاسم بیگ حملہ کرنے کے لئے تھوڑی سی فوج کے ساتھ دروازہ سوزن گران سے باہر نکل آیا۔ مقام خواجہ کشمیر تک ازبکوں کا پیچھا کر کے کئی ازبکوں کو گرایا اور ان کے سر کاٹ لیا۔ اب غلہ کاٹنے کا وقت آگیا تھا لیکن شر میں کوئی نئے اناج کا ایک دانہ نہ لیا۔ اور محاصرہ کی مدت نے طول کھینچا۔ لوگ بھوکے مرنے لگے۔ یہ نوبت پہنچی کہ غریب غریبکتوں اور گدھوں کے گوشت کھانے لگے۔ گھوڑوں کے لئے دانہ گھاس جو کا نام نہ رہا تو گھوڑوں کو درختوں کے پتے کھلانے لگے۔ اس موقع پر تجربہ ہوا کہ سب پتوں میں شمتوت اور قریاغاج ۳۷۰ کے پتے گھوڑوں کو زیادہ موافق آتے ہیں۔ بہت لوگوں نے خشک لکڑیوں کی جھل پانی میں بھگو کر گھوڑوں کو کھلائی۔ تین چار مہینے تک شیبانی خاں شر کے پاس نہ پھٹکا۔ دور ہی دور سے شر کے گرد ادھر ادھر جاتے بدلتا رہا۔

ایک دن کوئی آدمی رات گئے جب کہ لوگ عین غفلت میں تھے دروازہ فیروزہ کی جانب آیا اور نقارے بجا کر حملہ کرنے کا غل مچانے لگا۔ میں اس وقت مدرسہ میں تھا۔ بہت ہی تردد اور خوف پیدا ہوا۔ اس کے بعد اس نے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ ہر رات آتا۔ نقارے بجاتا۔ حملہ غل مچاتا اور ایک بل پھل ڈال دیتا۔ ہر چند ۳۷۱ میں نے چاروں طرف اپنی اور آدمی بھیجے مگر کسی نے بھی مدد نہ کی۔ بھلا جس وقت میں طاقت ور تھا اور شکست و نقصان کا نام نہ تھا جب اس وقت کسی نے بات نہ پوچھی تو اس برے وقت میں کوئی کیوں خبر لیتا۔ ان صاحبوں کی امید پر قلعہ میں ٹھہرنا بیوقوفی

تھی۔ اگلوں کا قول ہے کہ قلعہ بچانے کے لئے ایک تو سر کی حاجت ہے دوسرے دو ہاتھوں کی۔ تیسرے دو پاؤں کی۔ سر سردار ہے۔ دونوں ہاتھ دو کھمبے ہوتی ہیں جو دو طرف سے آتی ہیں۔ دونوں پاؤں پانی اور خوراک کا وہ ذخیرہ ہیں جو شہر میں ہو۔ جو ہمارے اطراف و جوانب میں تھے ہم نے ان سے مدد چاہی مگر جن سے مجھے کمک کی امید تھی اور وہ میرے گرد و نواح میں تھے ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے خیال میں تھا۔ سلطان حسین مرزا جیسے جوانمرد۔ صاحب تجربہ بادشاہ نے میری مدد نہ کی اور نہ میرا دل بڑھانے کے لئے کوئی اپیل بھیجا۔ بلکہ شیبانی خان کے پاس کمال الدین حسین گزر گئی کو محاصرہ کے زمانہ میں اپیل بنا کر بھیجا۔ تنبل اندجان سے بشکنت کی نواح تک آیا۔ احمد بیگ وغیرہ خان کو تنبل کے مقابلہ میں لائے۔ لک لکان اور چار باغ ترک کی نواح میں دونوں کی مدد بھیڑ ہوئی اور بے لڑے بھڑے دونوں پلٹ گئے۔ سلطان محمود خان سپاہی نہ تھا۔ فن سپاہ گری سے بالکل عاری تھا۔ جب تنبل کا اور خان کا یہاں مقابلہ ہوا ہے تو خان کی بزدلی کا حال کھل گیا۔ احمد بیگ تھا تو اجڈ مگر دولت خواہ اور ہلوار تھا۔ اپنے اسی اجڈ پن کے ساتھ کہہ بیٹھا کہ یہ تنبل چیز ہی کیا ہے۔ جس سے اتنا ڈرتے ہو گھبراتے ہو۔ اگر تم کو اسے دیکھ کر خوف آتا ہے تو اپنی آنکھیں بند کر کے اس کے سامنے آ جاؤ۔

۹۰۷-۳۷۲ کے واقعات

سمرقند چھوڑ کر تاشکند جانا۔ محاصرہ کی مدت نے طول کھینچا۔ نہ کہیں سے رسد آئی۔ نہ کسی نے مدد بھیجی۔ آخر کار فوج اور رعیت کے دل ٹوٹ گئے۔ ایک ایک دو دو نے شہر چھوڑ چھوڑ کر بھاننا شروع کیا۔ شیبلی خاں محصورین کے دق ہونے کو سمجھ گیا اور مار ۳۷۳ عیسوی میں آن اتر۔ میں بھی شیبلی خاں کے رو برو کوئے پایاں۔ ۳۷۴ میں ملک محمد مرزا کے مکانوں میں آگیا۔ انہی دنوں میں اوزون حسن۔ ۳۷۵ جو جہانگیر مرزا کی بغاوت میں سرغنہ اور سمرقند سے میرے نکلنے کا باعث تھا اور جس نے بعد میں بہت کچھ فتنے اور فساد برپا کئے تھے (جن کا بیان ہو چکا ہے) دس پندرہ آدمیوں کو لئے ہوئے شہر میں آیا۔ اب شہر والوں اور سپاہیوں کی عسرت اور تکلیف بے انتہا ہو گئی تھی۔ میرے مصاحب اور معتبر لوگ فیصل کوڈ کر بھاگنے لگے۔ چنانچہ امراء میں سے ویس شیخ اور ویس بابری کوڈ کر بھاگ نکلے۔ میں سب طرف کی ملک سے ہاپس ہو گیا۔ کہیں سے رسد بھی نہ آئی۔ اسی موقع پر شیبلی خاں نے صلح کی گفتگو شروع کی۔ اگر کسی طرف سے کوئی امید ہوتی یا کھانے کو پاس ہو تا تو صلح کی گفتگو کون سنتا مجبوراً ایک ۵۰ طرح کی صلح کر لی۔ آدمی رات آئی ہو گی جو اپنی والدہ خانم کو ساتھ لے کر شیخ زاہد دروازہ سے نکل کھڑا ہوا۔ دو عورتیں اور بھی ساتھ نکلیں۔ ایک بیہکا ضیفہ۔ ۳۷۶۔ دوسری منکلیک۔ ۳۷۷ کو ککاش۔ میری بڑی بہن خازادہ بیگم اسی محلہ میں رہ گئیں اور شیبلی خاں کے ہاتھ آئیں۔ اندھیری رات تھی۔ صفحہ کی بڑی بڑی نسوں میں پھنس کر ہم راستہ بھول گئے۔ آخر بڑی مشکل سے صبح ہوتے خواجہ دیدار سے نکلے اور سنتوں کے وقت پشتہ قاروبغ پر جا پہنچے۔ پشتہ قاروبغ کے شہل سے چل کر موضوع خذک ۸۰ کے نیچے نیچے ہوتے ہوئے ایلان اوتی کی طرف جانے کے لئے ہم روانہ ہوئے۔

راستے میں قنبر علی اور قاسم بیک کے ساتھ گھوڑے دوڑائے گئے۔ میرا گھوڑا آگے نکل گیا۔ میں نے ٹیڑھے ہو کر اور مڑ کر دیکھا کہ ان کے گھوڑے کتنے پیچھے رہ گئے ہیں۔ گھوڑے کا تنک ڈھیلا ہو گیا تھا۔ زین الٹ گیا۔ میں سر کے بل زمین پر گر پڑا۔ اگرچہ میں اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ لیکن شام تک میری

عقل بے ٹھکانے رہی۔ یہ عالم اور واقعات گزشتہ آنکھوں کے سامنے اور دل میں خواب و خیال کی طرح آتے تھے اور مٹ جاتے تھے۔ عصر کا وقت ہو چکا تھا کہ ہم ایمان آؤی میں جا اترے ایک گھوڑا ذبح کیا اور گوشت کے ٹکے کر کے کباب لگائے۔ تھوڑی دیر گھوڑوں کو آرام دیا۔ پھر ہم سوار ہو گئے۔ صبح ہونے سے پہلے موضع خلیلہ میں ہم آئے۔ خلیلہ سے درخ ۳۷۸ میں پہنچے۔ اس ۳۷۹ زلزلہ میں وہاں حافظ محمد بیگ دولدائی کا بیٹا اور طاہر دولدائی تھے۔ نہایت فریہ گوشت اور میدہ کی روٹیاں وہاں خوب سستی تھیں۔ بیٹھے خروڑے اور عمدہ انگور ڈھیروں تھے۔ ایسی نامیوسری کے بعد یہ ارزانی اور ایسی آفت کے بعد یہ امن نصیب ہوا۔

وہ	ساری	مصیبت	گمنی	اور	تنگی
ملا	خوب	آرام	اور	گوشت	روٹی
موت	کا	خوف	اٹھ	گیا	دل
بھوک	آگ	ہو	گمنی	کافور	

اپنی عمر بھر میں ہم کو نہ کبھی ایسا لطف آیا اور نہ کبھی امن و ارزانی کی اتنی قدر ہوئی تھی۔ سچ ہے کہ عسرت کے بعد عشرت کی بڑی لذت آتی ہے۔ اور محنت کے بعد فراغت کی بہت قدر ہوتی ہے۔ ساری عمر میں پانچ چار دفعہ اسی طرح تکلیف کے بعد راحت اور محنت کے بعد فراغت میسر ہوئی ہے۔ لیکن یہ پہلا ہی موقع تھا کہ دشمن کے ہاتھ سے اور بھوک کی بلا سے رہائی پا کر امن اور ارزانی کی راحت اور خوشی نصیب ہوئی ہے۔ غرض درخ میں تین چار دن تک استراحت کی۔ اس کے بعد اٹیہ جانے کا قصد ہوا۔

ساغر ج جاناٹ۔ مقام ساغر ج۔ ۳۸۰ راستہ سے تھوڑی دور ہٹا ہوا ہے۔ چونکہ میں ایک مدت تک وہاں رہا تھا اس لئے چلتے چلتے وہاں کی بھی سیر کر لی۔ وہ آتون جو بہت مدت سے میری والدہ خانم کے پاس رہتی تھی اور اس ہڑپوم میں گھوڑوں کی کمی کے سبب سے مجبوراً سمرقند میں رہ گئی تھی ناگاہ قلعہ ساغر ج میں نظر آئی۔ اس سے بات چیت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ سمرقند سے یہاں تک بیچاری پیدل آئی تھی۔ میری چھوٹی خالہ خوب نگار۔ ۳۸۱ خانم کا انتقال ہو گیا تھا۔ اور اٹیہ میں میرے پاس اور خانم کے پاس یہ ساؤنی آئی۔ وادی جان بھی اند جان میں فوت ہو گئی تھیں۔ یہیں ان کی بھی

خبر آئی۔ اہل جان۔ ۳۸۲ میرے تانا جان۔ ۳۸۳ کے مرنے کے بعد اپنی ماؤں۔ ۳۸۴ اور چھوٹے بھائی بہنوں یعنی شاہ بیگم، سلطان محمود خان، سلطان نگار خانم۔ ۳۸۵ اور دولت سلطان۔ ۳۸۶ بیگم سے نہ ملی تھیں اور ان سے تیرہ چودہ برس تک بچھڑی رہیں۔ انہی عزیزوں اور قریبوں سے ملنے کے لئے وہ تانکنند کی طرف روانہ ہوئیں۔

محمد حسین مرزا سے صلاح کر کے میں نے موضع دہکت میں جو توابعات اور اٹیہ سے ہے قشلاق کرنے کی ٹھیرائی۔ اسباب وغیرہ سمیت میں دہکت میں آیا اور اسباب کو وہیں چھوڑ کر چند روز بعد میں بھی شاہ بیگم اور اپنے خان دادا وغیرہم سے ملنے کے لئے تانکنند پہنچا۔ شاہ بیگم اور خان دادا سے ملا۔ تھوڑے دن وہیں رہا۔ والدہ صاحبہ کی سگی بہن مر نگار۔ ۳۸۷ خانم بھی جو سب میں بڑی تھیں سرقد سے چلی آئیں۔ میری والدہ بیمار ہو گئیں اور ایسی بیمار ہو گئیں کہ بچنے کی امید نہ تھی۔ حضرت خواجگان۔ ۳۸۸ خواجہ بھی سرقد سے نکل کر فرکت میں آگئے تھے۔ میں فرکت گیا اور خواجہ سے ملا۔ میری استدعا تھی کہ خان دادا براہ مریلی و شفقت کچھ ملک اور علاقہ مجھے دیں۔ انہوں نے مجھے اور اٹیہ عنایت کیا۔ مگر محمد حسین مرزا نے حوالہ نہ کیا۔ معلوم نہیں کہ اس نے خود ہی نہیں دیا یا حضرت کا ایمان نہ تھا۔ بہر حال تھوڑے دن بعد میں مقام دہکت۔ ۳۸۹ میں آگیا۔

دہکت کا بیان :- دہکت اور اٹیہ کے پہاڑی مواضع میں سے ہے۔ یہ موضع ایک اونچے پہاڑ کے نیچے واقع ہے۔ اس پہاڑ سے نکلنے ہی ملک مسیا آجاتا ہے۔ اس ملک کے باشندے گوتا جیک ہیں۔ ۳۹۰ مگر ترکوں کی طرح بھیڑوں اور گھوڑیوں کے ریوڑ کے ریوڑ رکھتے ہیں۔ دہکت میں جس قدر بھیڑیں ہیں ان کا تخمینہ چالیس ہزار کا کیا جاتا ہے۔ یہاں کسانوں کے مکانوں میں ٹھہرتا ہوا۔ میں وہاں کے ایک چودھری کے ہاں اتر۔ یہ شخص تقریباً ستر اسی برس کا آدمی تھا۔ اس کی ماں بھی اب تک زندہ تھی۔ یہ عورت بڑی عمر رسیدہ تھی۔ کوئی ایک سو کیاہ برس کی ہو گی۔ امیر تیمور جب ہندوستان میں آئے ہیں تو اس کے عزیزوں میں سے ایک شخص ان کے لشکر میں تھا۔ یہ بات بڑھیا کو یاد تھی۔ کبھی کبھی وہ کہانی کے طور پر بیان کیا کرتی تھی۔ اس دہکت میں اسی عورت کے اپنے پیٹ کے بچے پوتا پوتی، پردتا پردتی اور سردتا سردتی سب مل کر چھیانوے آدمی اس وقت زندہ تھے اور مرے ہوئے سمیت دو سو آدمی بیان کئے

جاتے تھے۔ اس کا ایک پروتا اس وقت چپٹیں چھبیں برس کا جوان تھا جس کی ڈاڑھی سیاہ تھی۔

جب میں دہکت میں تھا تو دہکت کے پہاڑوں میں ہمیشہ پیدل سیر کیا کرتا تھا۔ بیشتر ننگے پاؤں پھرتا تھا۔ ننگے پاؤں پھرتے پھرتے پاؤں ایسے سخت ہو گئے تھے کہ پہاڑ اور پتھر ملی زمین میں فرق نہ معلوم ہوتا تھا۔ اسی سیر کی اثناء میں ایک دن عصر اور مغرب کے بیچ میں ہم نے دیکھا کہ ایک گھنڈی پر ایک شخص گائے لئے چلا جاتا ہے۔ میں نے پوچھا یہ راستہ کدھر جاتا ہے؟ اس نے کہا۔ گائے کی طرف دیکھو اور اس پر سے نظر نہ ہٹاؤ۔ تم کو خود معلوم ہو جائے گا کہ یہ راستہ کدھر لگتا ہے۔ خواجہ اسد نے ہنسی سے کہا ”اگر گائے خود راستہ بھول جائے تو ہم کیا کریں؟“ اسی جاڑے میں بہت سے سپاہیوں نے جو میرے ساتھ مار دھاڑ میں نہ پھر سکتے تھے اندجان جانے رخصت مانگی۔ قاسم بیگ نے باصرار عرض کیا کہ یہ لوگ جاتے ہیں۔ کوئی لباس خاص جمائگیر مرزا کے لئے ضرور بھیجے۔ میں نے اپنی ٹوپوں میں سے ایک قاقم کی ٹوپی مرزا کو بھیجی۔ قاسم بیگ نے پھر بہ تکرار عرض کیا کہ تنبل کو بھی کچھ بھیج دیجئے تو کیا مضائقہ ہے۔ اگرچہ میرا دل نہ چاہتا تھا مگر قاسم بیگ کے بضد ہونے سے نویان ۳۹۱ کو کلتاش سے ایک بڑی تلوار جو اس نے اپنے سرقد میں بنوائی تھی لے کر تنبل کو بھیج دی۔ خدا کی قدرت ہے کہ یہی تلوار آخر میرے سر پر پڑی۔ چنانچہ سل آئندہ کے واقعات میں لکھا جائے گا۔

کئی دن بعد میری نئی امان اسن دولت بیگم جو اس بھکڑ میں سرقد رہ گئی تھیں اپنے متعلقوں اپنے اسباب اور چند گنگوں اور بھوکوں سمیت میرے پاس آگئیں۔ اسی جاڑے میں شیبانی خاں دریائے غنجد کی برف کھوندتا ہوا شاہریہ اور شکنت کے علاقہ میں آیا۔ اور اس کو تاراج کرنے لگا۔ اس خبر کو سنتے ہی میں نے اپنے ساتھیوں کی کمی پر ذرا خیال نہ کیا۔ اور میں فوراً سوار ہو کر غنجد کے ان پابلی دیسات کی طرف روانہ ہو گیا۔ جو مقام ہشک کے سامنے واقع ہیں۔ غضب کا جاڑا نویان کو کلتاش اس وقت حضرت کے ہمراہ تھا۔؟؟ پڑ رہا تھا۔ اس نواح میں ہلور ویش ۳۹۲ کی ہوا تھمتی ہی نہیں اور بھکڑ کی چلتی رہتی ہے۔ آج کل ایسی ٹھنڈی تھی کہ ان دو تین دن میں ہمارے دو تین آدمی جاڑے کی شدت سے مر گئے۔ مجھے وہاں نہانے کی احتیاج ہوئی۔ ایک نمر میں

جس کے کناروں پر تمام برف جمی ہوئی تھی مگر برف میں پانی کے بہاؤ کے سبب سے برف نہ تھی اتر کر نہلیا۔ سولہ غوطے لگائے۔ پانی کی سردی بدن میں بیٹھ گئی۔ دوسرے دن خاص بدر کے سامنے برف پر سے دریائے خجند کے پار ہوئے۔ اور دوسرے دن شکنت میں پہنچے۔ لیکن شیبانی خاں نواہ شاہر خیز کو لوٹ مار کر چل دیا تھا۔ ان دنوں میں ملا حیدر کا بیٹا عبدالنن بشکنت۔ ۳۴۴ کا حاکم تھا۔ جس زمانہ میں سمرقند میں تھا اس زمانہ میں عبدالنن کا ایک چھوٹا بھائی مومن نام ناکارہ اور پریشان میرے پاس سمرقند میں آیا تھا۔ میں نے کسی قدر اس کی پرورش کی تھی۔ معلوم نہیں کہ لویان کو کلتاش نے سمرقند میں اس کے ساتھ کیا بدسلوکی کی تھی جس کھل وہ دل میں رکھتا تھا۔

لویان کو کلتاش کا مرنا۔ ازبکوں کی لیری فوج کے چلے جانے کی خبر سننے کے بعد میں نے خان کے پاس آدمی بھیجا اور شکنت سے کوچ کر کے موضع آہنگران میں تین چار دن تک توقف کیا۔ ملا حیدر کے چھوٹے بیٹے مومن نے سمرقند میں ملاقات ہو جانے کی وجہ سے لویان کو کلتاش اور احمد قاسم وغیرہ کی دعوت کی۔ میں تو شکنت سے چلا گیا اور سب شکنت میں ٹھہر گئے۔ یہ جلسہ ایک کھڈ پر ہوا تھا۔ میں موضع شام سیرک میں جو آہنگران کے تالاب میں سے ہے جا اتر۔ دوسرے دن خبر آئی کہ لویان کو کلتاش نشہ میں کھڈ پر سے گر کر مر گیا۔ حق نظر کو جو اس کا سگا ماموں تھا بہت سے آدمیوں کے ہمراہ وہاں بھیجا۔ یہ لوگ موقع واردات پر گئے اور تحقیقات کے بعد لویان کو شکنت میں دفن کر کے واپس آئے۔ ان لوگوں نے اس مقام سے جہاں یہ جلسہ تھا ایک تیر کے فاصلہ پر ایک گہرے کھڈ کے اندر لویان کی لاش کو پڑا ہو دیکھا بعض کو گلن ہوا کہ مومن نے لویان سے سمرقند والے کینہ کا بدلہ لیا ہے۔ مگر کسی کو پورا تحقیق نہ ہوا۔ مجھ کو اس واقعہ کا بہت ہی رنج ہوا۔ اتنا رنج کسی کے مرنے کا نہیں ہوا تھا۔ آٹھ دن تک میں برابر روتا رہا۔ اس کے مرنے کی تاریخ ”فوت شد لویان“ ہاتھ آئی۔ تھوڑے دن بعد پلٹ کر میں دہکت میں آگیا۔

مسیحا کی طرف جانا۔ بہار کے موسم میں خبر آئی کہ شیبانی خاں اور اجیبہ پر چڑھ آیا ہے۔ چونکہ دہکت پست زمین تھا۔ اس لئے آب برون اور المنی سے گزر کر ہم کوستان مسیا میں چلے آئے۔ آب برون ایک قریہ ہے جو مسیا کی انتہا پر واقع ہے۔ اس آب برون سے نیچے کی جانب ایک چشمہ ہے۔ اس چشمہ پر ایک قبر ہے۔ چشمہ کی

بلال کی طرف مسیحا کا علاقہ ہے اور نشیبی جانب بلخرک اس چشمہ کے کنارے پر جو پتھر تھا اس پر میں نے یہ اشعار کندہ کرا دیئے۔ مثنوی

شنیدم کہ جمشید فرخ سرشت
بر چشمہ شد سبکے نوشت
بریں چشمہ چوں مابے دم زوند
برقند تا چشم برہم زوند
مگر قہم عالم بہ مروی دزور
ولیکن نبردیم باخود بہ مور

اس کو مستن میں پتھروں پر اشعار اور کتبے کندہ کرنے کی بہت رسم ہے۔ ان ہی دنوں میں جب کہ میں مسیحا میں تھا۔ ملا ججوی۔ ۳۹۳ شاعر نے حصار سے آکر ملازمت حاصل کی۔

شیلانی خاں اور اتیبہ کی نواح میں آیا اور لوٹ مار کر کے چل دیا۔ جن دنوں میں وہ اور اتیبہ کی نواح میں تھا۔ میں نے اپنے لشکر کی کمی اور بے سلائی پر کچھ خیال نہ کیا۔ گھربار کو مسیحا میں چھوڑا۔ اور خود آب برون اور المنی سے نکل پہاڑوں پر سے ہوتا ہوا دہکت کی نواح میں آگیا۔ ارادہ تھا کہ صبح جھپٹے کے وقت اکٹھے ہو کر جو بس چلے جو بن پڑے ان میں کمی نہ کیجئے۔ مگر چونکہ شیلانی خاں جلدی سے چل دیا تھا اس لئے ہم بھی اسی پہاڑی راستہ سے مسیحا میں آگئے۔ دل میں آیا کہ یوں پہاڑوں میں ٹکرانا بے سود ہے۔ نہ گھر و نہ ملک، نہ چین نہ آرام، اس سے بہتر یہ ہے کہ خان کے پاس تا تکند چلے چلیں۔ قاسم بیگ وہاں چلنے پر راضی نہ ہوا۔ غالباً اس کو اس لئے وہاں چلنے میں اندیشہ ہوا کہ قرا بولاق میں لوٹ مار کے انتظام کے خیال سے اس نے تین چار مغلوں کو قتل کر دیا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ ہر چند میں نے اصرار کیا مگر اس نے نہ مانا۔ وہ تو اپنے بھائیوں اور ہمراہیوں سمیت مجھ سے علیحدہ ہو کر حصار چلا گیا۔ اور میں آب برون کے پہاڑ۔ ۳۹۵ سے نکل کھان کے پاس تا تکند کی طرف روانہ ہوا۔

اسی زمانہ میں تنبل لشکر جمع کر کے مرغزار آہنگہ اں پر چڑھ آیا۔ اس وقت تنبل کے اہل لشکر میں سے محمد دغلت (جو محمد حساری مشہور تھا) سلطان حسین دغلت

(جو اس کا چھوٹا بھائی تھا) اور قنبر علی سلار نے بلا اتفاق تنبل کے خلاف میں سازش کی۔ مگر تنبل پر یہ راز فاش ہوتے ہی یہ لوگ وہیں ٹھہر نہ سکے۔ اور بھاگ کر خان کے پاس آگئے۔ بقرعید ہمیں شاہرنہ میں ہوئی۔ ہم یہیں ذرا نہ ٹھہرے اور سیدھے تانگند میں خان کے پاس چلے آئے۔ میں نے یہ ربائی معمولی قافیہ میں کہی تھی۔ مگر مجھے اس کے قافیہ کی صحت میں کسی قدر شک تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں مصطلات شعر سے میں اچھی طرح واقف نہ تھا۔ خان تھا تو طبیعت دار آدمی اور شعر بھی کہہ لیتا تھا۔ مگر اس کی غزل جیسی چاہئے ویسی نہ ہوتی تھی۔ میں نے ربائی خان کو سنائی اور اپنا تردد بھی عرض کیا۔ اس نے کوئی ایسا شافی جواب نہ دیا جس سے دل کو تسلی ہو جاتی معلوم ہوتا ہے کہ خان بھی کلام کی حسن و فح سے کم واقف تھا۔ وہ ربائی یہ ہے۔

آفت زدہ کو پوچھتا ہے کب کوئی
آوارہ وطن کو خاک حاصل ہو خوشی
اس بے وطنی سے کیوں نہ ہو مجھ کو الم
غربت میں تو سعد ما بھی خوش ہو نہ کبھی

آخر میں معلوم ہوا کہ ترکی زبان میں توال سے اور عین قف اور کف سے قافیہ کے موقع پر آپس میں بدل جاتے ہیں۔

تنبل اور اتہیہ میں آیا۔ چند روز کے بعد تنبل اور اتہیہ پر چڑھ آیا یہ سنتے ہی خان نے بھی تانگند سے فوج کشی کی۔ شکنت اور سام سیرک کے بیچ میں فوج کے دائیں بائیں صفیں ہالہ کی صورت میں قائم کیں اور مغلوں نے اپنے قاعدہ کے موافق یوں نشان باندھے۔ خان گھوڑے سے نیچے اتر کھڑا ہوا۔ نشان ۳۹۶ کولا کر خان کے آگے کھڑا کیا۔ ایک مغل گائے کے ہاتھ کی ہڈی کو ایک سفید لمبے سوتی کپڑے سے باندھ کر اور اپنے ہاتھ میں پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرے نے تین سفید لمبے کپڑے نشان کو قطاس کے نیچے باندھ کر نشان کی لکڑی کے نیچے سے نکالے۔ کپڑوں میں سے ایک کپڑے کا کونا خان اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر کھڑا ہو گیا۔ ان ہی کپڑوں میں سے دوسرے کپڑے کا کنارہ جو اسی طرح ایک نشان میں باندھا گیا تھا میں اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر کھڑا ہو گیا۔ تیسرے کپڑے کا کنارہ سلطان محمد خانیہ ۳۹۷ یوں ہی دبا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر جس مغل نے ان کپڑوں کو باندھا تھا گائے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر مغلی

زبان میں کچھ تقریر کی اور اٹائے تقریر میں اکثر نشان کی طرف دیکھتا رہا۔ اور اشارے کرتا رہا۔ خان نے اور سب کھڑے ہونے والوں نے نشان کی طرف غبر انشائی کی۔ ایک دفعہ ہی ساری ترہیاں اور نقارے بجنے لگے جتنے سپاہی صف بستہ کھڑے تھے دفعتاً لڑائی کے نعرے مارنے لگے۔ تین بار یہ رسم ادا کی۔ پھر سب سوار ہو گئے اور نعرے مارتے ہوئے گھوڑے اڑانے لگے۔

چنگیز خان نے جو قاعدے مقرر کئے تھے وہ اب تک مغلوں میں جاری ہیں پھر برا بخار والا برا بخار میں اور قول والا قول میں ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر جو باپ دادا کے وقت سے مقرر تھی جا کھڑا ہوا۔ معمول ہے کہ جو لوگ بہت عزت دار اور بھروسے کے ہوتے ہیں وہ برا بخار اور جرا بخار کے اوج یعنی فوج کے کناروں پر کھڑے ہوتے ہیں برا بخار والوں میں سے قوم چراس اور بیگ چک باہم اس بات پر جھگڑ پڑے کہ اوج میں کون رہے۔ اس وقت چراس کا سردار رقتد محمود تھا جو بڑا بہادر تھا۔ اور قوم بیگ چک (جو قوموں میں ایک نامی قوم ہے) کا سردار ایوب یعقوب تھا۔ دونوں قومیں اوج کے لئے ایسی جھگڑیں کہ تلوار کھینچ گئیں۔ آخر ظاہر یہ مصالحت ہو گئی کہ ایک ان میں سے جراک ۳۹۸ میں اعلیٰ جگہ اور دوسری لڑائی میں صف بندی کے وقت اوج میں کھڑی ہو۔ دوسرے دن سام سیرک کی نواح میں لشکر نے جرا کا ڈال کر شکار کھلیا۔ پھر آگے چلے اور چار باغ براق میں آکر اترے۔ اسی منزل میں آج میں نے پہلے پہل ایک ساری غزل لکھی۔ اس غزل کا مطلع یہ ہے۔

روح سا ہم کو نہ دنیا میں وفادار ملا

راز داں کوئی بھروسے کا نہیں دل کے سوا

اس غزل کے سات شعر ہوئے۔ پھر جو غزل لکھی اسی ترتیب سے لکھی۔ یہاں سے کوچ بہ کوچ دریائے خمد کے کنارہ پر پہنچے۔ ایک دن سیر کرنے گئے اور دریا کے پار جا کے آتش پکائی۔ سرداروں اور سپاہیوں کو خوب چلے اڑوائے۔ آج ہی میرے کمر بند کا طلائی حلقہ چوری ہو گیا۔ دوسرے دن خان قلی ۳۹۹ بیان قلی اور محمد ویس بھاگ کر تنبل کے پاس چلے گئے۔ سب کو گمان ہوا کہ وہ حرکت انہی سے صادر ہوتی تھی۔ مگر تحقیق نہیں ہوا۔ احمد قاسم کوہ بر بھی اجازت لے کر اور اٹیہ چلا گیا۔ اس جانے کے بعد پھر وہ نہ آیا اور تنبل کے پاس چلا گیا۔

۹۰۸ھ مطابق ۷ جولائی ۱۵۰۲ء کے واقعات

مصیبت پڑنی :- خان کی یہ یورش بہت ہی بے فائدہ تھی۔؟؟ قلعہ لیا نہ دشمن کو زیر کیا گئے اور چلے آئے۔ میں جتنے دن تانگند میں رہا اتنے دن میں نے بے حد تنگی اور مصیبت اٹھائی۔ نہ ملک قبضہ میں تھا۔ نہ پھر اس کے ملنے کی امید تھی۔ نوکر چاکر اکثر چلے گئے تھے۔ جو کچھ پاس رہ گئے تھے وہ مفلسی کے سبب سے میرے ساتھ ساتھ بھر نہ سکتے تھے۔ جب میں ماموں جان کے دربار میں حاضر ہوتا تھا تو کبھی ایک آدمی اور کبھی دو آدمی ساتھ ہوتے تھے۔ بڑی بات یہ تھی کہ اس موقع پر کوئی غیر نہ تھا۔ سب اپنے جگر ہی تھے۔ ماموں جان کو آداب کیا اور شاہ بیگم کے پاس چلا آیا۔ اپنے گھر کی طرح آزادی کے ساتھ ننگے سر ننگے پاؤں چلا آیا تھا۔ آخر ایسی سرگردانی اور اس بے گھرے ہونے سے میں تنگ آ گیا۔ اور زندگی سے بیزار ہو گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسی سختی کے جینے سے جدھر سینک سائے اوھر چلا جاؤں۔ اور ایسا چھپ جاؤں کہ کسی کی نظر نہ پڑے۔ لوگوں کے سامنے ایسی ذلت و بدحالی میں رہنے سے بہتر ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اتنی دور نکل جاؤں جہاں مجھے کوئی نہ پہچانے۔ یہ سوچ کر خطا ۳۰۰۔ جانے کا ارادہ مصمم کر لیا۔ مجھے بچپن سے ملک خطا کی سیر کا شوق تھا مگر سلطنت اور تعلقات کے سبب سے نہ جاسکتا تھا۔ اب سلطنت جاتی رہی۔ والدہ ان کی مل اور بھائی سب ایک جا ہو گئے ہیں۔ جو سیر کرنے کے مواقع تھے وہ جاتے رہے اور سارے اندیشے رفع ہو گئے۔ میں نے خواجہ ابو الکارم کی معرفت سب سے یہ بات کسی کہ شیبانی خان جیسا دشمن پیدا ہو گیا ہے۔ مغلوں کو اور ترکوں کو اس سے یکساں مضرت پہنچے گی۔ ابھی تک اس نے ان قوموں کو پورے طور سے زیر نہیں کیا ہے۔ اور اس کی طاقت نہیں بڑھی ہے۔ اس وقت میں اس کا تدارک کرنا واجب ہے۔ چنانچہ بزرگوں کا قول ہے۔

امروز	بکس	چوی	تواں	کشت
آتش	چو	بلند	جہاں	سوخت
گزار	کہ	زہ	کماں	را
دشمن	چو	ہ	تواں	دوخت

چوبیس پچیس برس سے کچمک خلی یعنی چھوٹے ماموں اور بڑے ماموں میں بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی اور میں نے بھی چھوٹے ماموں کو نہیں دیکھا تھا۔ اچھا ہے کہ میں بھی چھوٹے ماموں سے ملوں اور دونوں میں باعث ملاقات بھی ہوں۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اس بہانہ سے یہاں سے چلا جاؤں۔ اب بالکل دل میں ٹھن لی کہ مغلستان اور طرغان چلے۔ پھر ۳۰۰ کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ میں نے اس منصوبہ سے کسی کو آگاہ نہیں کیا تھا اور نہ یہ کسی پر ظاہر کر سکتا تھا۔ اس لئے اپنی والدہ سے بھی اس راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔ اور نہ ان لوگوں سے جو میرے ساتھی تھے اور طرح طرح کی امیدوں سے میرے ساتھ مصیبتیں جھیلتے پھرتے تھے۔ خواجہ ابو الکلام نے جب یہ باتیں شہ بیگم اور بڑے خلی دادا سے کہیں تو پہلے ان کی مرضی پائی گئی۔ پھر سمجھے کہ شاید مواصلت نہ کرنے سے مکرر رخصت چلی ہے۔ اس وجہ سے انہوں نے رخصت دینے میں ذرا تاہل کیا۔ اتفاقاً ان ہی دنوں میں چھوٹے خلی دادا کے پاس سے ایک آدمی آیا اور صحیح خبر لایا کہ چھوٹے خلی آتے ہیں۔ میرا منصوبہ یونہی رہ گیا۔ اتنے میں ایک اور آدمی آیا اور اس نے بیان کیا کہ خلی موصوف قریب آگئے ہیں۔ شہ بیگم چھوٹے خلی دادا کی چھوٹی بہنیں سلطان نگار خانم و دولت نگار خانم سلطان محمد خانیکہ اور مرزا خلی سب مل کر ماموں کچمک خلی کی پیشوائی کرنے کو گئے۔ تائبند اور سیرام کے درمیان میں بغا ایک گھاؤں ہے۔ اور اور کئی گھاؤں ہیں جن میں ابراہیم اتا اور اسحاق اتا کی قبریں ہیں۔ ہم ان وصال تک گئے ہم یہ نہ جانتے تھے کہ کچمک خلی اسی وقت آجائیں گے۔ ہم انجلی سے سیر کرنے کے لئے سوار ہو گئے تھے۔ دفعہ " خلی سے آمنا سامنا ہو گیا۔ میں آگے بڑھا۔ جوں ہی میں گھوڑے پر سے اترا دوئی کچمک خلی دادا مجھے پہچان گئے۔ بہت ہی گھبرائے۔ شاید یہ خیال دل میں ہو گا کہ کسی جگہ میں اتر کر بیٹھوں اور یہ پورے ادب قلمدہ کے ساتھ مجھ سے ملے۔ میں نے یہ کیا کہ جھٹ پٹ ان کے پاس پہنچ گھوڑے پر سے کود پڑا۔ اور گو کسی رسم کے ادا کرنے کا موقع نہ تھا مگر گھوڑے سے اترتے ہی میں گھٹنوں کے بل جھکا اور بغل گیر ہوا۔ وہ بہت ہی سہلے اور جھینپے۔ فوراً سلطان سعید خلی اور بابا خلی سلطان سے کہا کہ گھوڑوں پر سے اترو اور جھک کر ان سے ملو۔ خلی کے بچوں کے بچوں میں سے یہی دونوں ہمراہ آئے تھے۔ دونوں تیرہ چودہ برس کے ہوں گے۔ ان دونوں سے ملنے کے

بعد سب سوار ہو کر شاہ بیگم کے پاس آئے۔ ماموں کچھک خاں شاہ بیگم سے اور سب بیگموں سے ملے۔ بغل گیر ہوئے۔ بیٹھے اور اپنی اپنی رام کہانیاں آدمی رات تک کہتے سنتے رہے۔ دوسرے دن چھوٹے ماموں نے مغلوں کی رسم کے موافق خلعت۔ اپنے ہتھیار اور اپنے خاصے کا گھوڑا معہ زین مجھے عنایت کیا۔ خلعت میں یہ چیزیں تھیں۔ مغلی ٹوپی مقبول۔ ۴۰۲ء دار چکن کے کام کی اطلس خطائی کی الخالق اور پرانی وضع کی قور خطائی۔ ۴۰۳ء جس میں پتھر کی ایک تختی اور ایک تھیلی لگی ہوئی تھی۔ تھیلی کے گرد تین چار چیزیں انگوٹھیوں کی وضع کی جن کو عورتیں عطر دان اور بوئے کی طرح گلوں میں لٹکاتی ہیں لٹکی ہوئی تھیں۔ اسی طرح الٹی طرف بھی اسی ترکیب کی تین چار چیزیں لٹکی ہوئی تھیں۔ وہاں سے سب تاجکند کی طرف روانہ ہوئے۔ بڑے ماموں بھی تاجکند سے تین چار فرسنگ پیشواؤں کے لئے آئے اور ایک مقام پر شامیانہ کھڑا کر کے ٹھہرے۔ چھوٹے خان سامنے سے آئے جب قریب آگئے تو بڑے خان کے لئے ہاتھ کی طرف سے خان کے پیچھے پھر کر آگے آئے اور اترے۔ آداب نگاہ پر پہنچے تو نو دفعہ جھکے۔ ۴۰۴ء پھر آکر بغل گیر ہوئے۔ بڑے خان بھی چھوٹے خان کے پاس آتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور چٹ گئے۔ بہت دیر تک لپٹے کھڑے رہے۔ الگ ہونے کے بعد بھی چھوٹے خان کے سارے ہمراہی بڑی طمطراق سے مغلوں کی رسم کے موافق آراستہ تھے۔ مغلی ٹوپیاں سروں پر تھیں۔ چکن کے کام کی خطائی اطلس کی الخاقین پہنے ہوئے تھے۔ مغلوں کی رسم کے موافق ترکش لگائے ہوئے سبز ساغری زین کےسے ہوئے گھوڑوں پر سوار تھے۔ چھوٹے خان تھوڑے آدمی ساتھ لائے تھے۔ یہ سب ہزار سے زیادہ اور دو ہزار سے کم ہوں گے۔ ہمارے چھوٹے ماموں ایک خاص ڈھنگ کے آدمی تھے۔ تلوار کے دھنی تھے۔ بڑے قوی، مضبوط اور جواں مرد تھے۔ سارے ہتھیاروں میں تلواروں پر غش تھے اور ان پر بھروسہ رکھتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ شش۔ ۴۰۵ء پر، پیازی، کبستن، تمبر زین۔ ۴۰۶ء اور تمبریشہ اگر لگے تو ایک جگہ زخم دے اور تلوار لگے تو سر سے پاؤں تک کام کر جائے۔ اپنے بھروسے کی تیز تلوار کو کبھی اپنے سے علیحدہ نہ کرتے تھے۔ وہ تلوار ان کی کمر میں لگی رہتی تھی۔ یا ان کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ چونکہ ملک کے کنارہ اور گوشہ میں انہوں نے پردریش پائی تھی اس لئے کسی قدر درشت گو اور گنوار آدمی تھے۔ جب میں چھوٹے ماموں کے ساتھ واپس آیا ہوں تو اسی

آرائش اور ہیئت سے تھاجس کا بیان اوپر ہوا ہے۔ خواجہ ابو الکلام بڑے خان دادا کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے مجھے نہ پہچانا۔ پوچھنے لگا کہ یہ کون سے سلطان ہیں میں نے بات کی تو وہ پہچان گیا۔

دونوں خان کا آخشی پر چڑھائی کرنا اور بابر کو آگے روانہ کرنا تھا۔ تاشقند آتے ہی انہوں نے سلطان احمد تنبل پر فوج کشی کر دی۔ کندزلیک ۳۰۷ھ اور المانی کے راستہ سے روانہ ہوئے۔ بلکہ آہنگران میں پہنچتے ہی چھوٹے خان کو اور مجھ کو آگے روانہ ۳۰۸ھ کر دیا۔ ایان ۳۰۹ھ کے پہاڑ کو طے کر کے نواح زیرقان اور کرسان میں دونوں خان پھر آئے۔ نواح کرسان ۳۱۰ھ میں ایک دن لشکر کا جائزہ لیا۔ تیس ہزار سوار کا تخمینہ ہوا۔ جو دیہات ہمارے سامنے تھے ان میں سے خبر آئی کہ تنبل بھی اپنی فوج کو جمع کر کے آخشی میں آگیا ہے۔ دونوں خانوں نے مشورہ کیا اور یہ بات قرار دی کہ لشکر میں سے کچھ فوج میرے ساتھ کر دی جائے۔ میں دریائے غنجد سے عبور کر کے دوش اور اورکند کی طرف بڑھوں اور اس کے پیچھے ۳۱۱ھ جا پہنچوں۔ یہی بات قرار پاگئی۔ ایوب بیگ چک کو معہ اس کی قوم کے۔ جان حسن ۳۱۲ھ تارین کو معہ اس کے تارینوں کے۔ ۳۱۳ھ محمد حصاری و غلت، سلطان حسین و غلت اور سلطان احمد مرزا و غلت کو معہ اس کے و غلتوں کے میرے ہمراہ کیا۔ قنبر علی ساریق ۳۱۴ھ پاش مرزا انبارچی ۳۱۵ھ کو بھی اس لشکر کا سردار مقرر کر کے ہمارے ساتھ کر دیا۔ ہم مقام کرسان ۳۱۶ھ میں دونوں صاحبوں سے رخصت ہوئے۔ نواح پیکان ۳۱۷ھ میں سیڑھی کے ذریعہ سے دریائے غنجد کو عبور کیا۔ پھر رباط خوقان سے چل کر ہم نے مقام قبا کو فتح کیا۔ اور رباط الایلوک ۳۱۸ھ کے راستہ سے اوش پر چڑھائی کر دی۔ صبح کے وقت اوش والے بالکل غافل تھے کہ ہم وہاں جا پہنچے۔ وہاں والوں سے کچھ نہ بن پڑا۔ اوش ہمارے حوالے کر دیا۔

اہل ملک بالطبع میری طرف مائل تھے۔ مگر تنبل کے خوف سے اور مجھ سے دور ہونے کے باعث سے کچھ نہ کر سکتے تھے۔ جونہی میں اوش میں آیا ویسے ہی اندجان کے مشرق اور جنوب کے پہاڑوں اور میدانوں سے تمام قویں امنڈ آئیں اور کند ۳۱۹ھ جو اگلے زمانہ میں فرغانہ کا دارالسلطنت تھا اس کا قلعہ بہت عمدہ ہے اور سرحد پر واقع ہے۔ وہاں والوں نے بھی میری اطاعت اختیار کر کے ایک آدمی بھیجا اور اظہار اطاعت

کیا۔ چند روز بعد مرغینان نے بھی اپنے حاکم کو مار کر نکل دیا اور مجھ سے مل گئے۔ دریائے خند سے اندجان کی جانب جتنے قصبے تھے سوائے اندجان کے سب کے باشندے میرے مطیع ہو گئے۔ اس وقت اگرچہ اتنے قلعے میرے قبضہ میں آ گئے تھے اور ایسا قلعہ و فسلو ملک میں پناہ ہو گیا تھا مگر ننبیل کے مغز کا کیرا نہ جھڑا۔ آئشی اور کرسان ۳۲۰ کے بیچ میں اپنے لشکر کے سوار اور پیادوں سمیت بڑے خان اور چھوٹے خان کے مقابلہ میں آ موجود ہوا۔ خندق اور شلخ بند سے اپنے لشکر کی حفاظت کر کے ہو بیٹھ۔ کئی دفعہ جانبین میں ہلکی ہلکی لڑائی ہوئی مگر کوئی غالب اور مغلوب ہوتا ہوا معلوم نہ ہوا۔ چونکہ اطراف اندجان کے اہل ملک اکثر میرے تابع ہو گئے تھے اس لئے اندجان والے بھی دل سے میرے خواستگار تھے مگر موقع نہ پاتے تھے۔

اندجان کی فتح کی کوشش کی جاتی ہے۔ میرے دل میں آئی کہ کسی دن رات کو اندجان کے قریب جاییے اور کوئی آدمی بھیج کر وہیں کے امراء و شیوخ سے کچھ باتیں کیجئے۔ کیا عجب ہے کہ وہ ہمیں کسی طرف سے بلا لیں یہ خیال کر کے میں اوش سے سوار ہوا اور آدمی رات آگئی ہو گی کہ اندجان سے ایک کوس کے فاصلہ پر چل کر دُختران ۳۲۱ کے سامنے آ کر ٹھہرا۔ قنبر علی بیگ اور کئی سرداروں کو آگے بھیجا اور سمجھا دیا کہ شہر میں خفیہ آدمی بھیجو اور شیوخ و امراء سے باتیں کر لو۔ ہم ان سرداروں کے آنے کے انتظار میں اسی طرح گھوڑوں پر سوار رہے۔ ہم میں سے کوئی اونگھ رہا تھا کسی کی آنکھ لگ گئی تھی۔ شاید تین پہر رات گزری ہو گی کہ ایک دفعہ ہی غل غپاڑے کے ساتھ ٹبل جنگ کی آواز آئی۔ ہمارے ساتھی نیند میں تو تھے ہی۔ نہ انہوں نے دشمنوں کی کسی بیشی پر خیال کیا اور نہ ایک نے دوسرے کی خبر لی۔ دفعتاً سب کے سب بھاگ نکلے۔ مجھے بھی اتنی فرصت نہ ملی کہ ان لوگوں کو اکٹھا کروں۔ مگر میں باغیوں کی طرف چلا۔ میرا شہ قوجین، بلا شیراز اور دوست ناصر میرے ساتھ چلے۔ ہم چاروں کے علاوہ سارے بھاگ گئے۔ ہم تھوڑی دور آگے چلے تھے کہ وہ لوگ تیر مارے ہوئے اور غل پھاتے ہوئے ہم پر آ پڑے۔ ایک سوار جو قشتہ گھوڑے پر تھا میرے قریب آ گیا۔ میں نے ایک تیر مارا۔ تیر گھوڑے کے لگا گھوڑا فوراً مر گیا وہ لوگ ذرا ٹھہر گئے۔ یہ تینوں آدمی جو میرے ہمراہ تھے کہنے لگے کہ اندھیری رات ہے دشمنوں کی تعداد معلوم نہیں اور لشکر سارا بھاگ گیا۔ ہم چار سے کتنے آدمی مارے

جائیں گے۔ یہاں سے چل دیجئے۔ پہلے بھاگے ہوؤں کو سینٹے اور پھر لڑیے۔
ہم دوڑے اور اپنے لوگوں میں پہنچے۔ ہر چند چابک تک مارے اور ٹھہرانا چاہا مگر
کوئی نہ ٹھہرا۔ آخر ہم ہی چاروں اُلٹے پھرے اور تیر مارنے لگے، ادھر والے ذرا ٹھہر
گئے۔ جب دو ایک دفعہ ہم کو انہوں نے دیکھا کہ تین چار آدمیوں سے زیادہ نہیں تو پھر
وہ ہمارے تعاقب میں اور گرانے میں مشغول ہوئے۔ اسی طرح تین چار دفعہ اپنے
لوگوں کو میں نے ٹھہرانا چاہا جب کوئی نہ رکا تو ناچار ان ہی تینوں کے ساتھ پلٹ کر ایسے
تیر مارے کہ دشمنوں کا منہ پھیر دیا۔ دشمن تین کوس برابر پشتہ قراون - ۴۲۲ اور
پشاموں کے سامنے تک ہم لوگوں کا تعاقب کرتے رہے۔ جب ہم پشتہ کے پاس پہنچے تو
میشر - ۴۲۳ اور محمد علی ملے۔ میں نے کہا کہ یہ گنتی کے آدمی ہیں۔ آؤ ہم ان سے
کپٹ لیں۔ جب ہم نے ان کی طرف گھوڑے دوڑائے تو وہ ٹھہر گئے۔ اس کے بعد
ہمارے جو لوگ بھاگ گئے تھے اور متفرق ہو گئے ادھر ادھر سے جمع ہو کر آنے لگے۔
اس حکدڑ میں بعض اچھے اچھے سپاہیوں نے پیچھے مڑ کر نہ دیکھا اور سیدھے اوش پہنچے۔
یہ بات یوں ہوئی کہ ایوب بیگ چک کے تو مان میں سے کچھ مغل ہم سے جدا
ہو کر لوٹ مار کرنے اور اندجلن کی لواح میں آئے تھے۔ ہمارے لشکر کا جو غل سنا تو
دبکے ہوئے آگے آئے اور پلہل میں غلطی ہو گئی۔ یہ پلہل دو قسم پر ہے۔ ایک تو قوی
ہوتی ہے مثلاً "بعض قوم میں لفظ "دروانہ" بعض میں لفظ "توقبائی" اور بعض قوم میں
لفظ "لولو" مقرر کر لئے ہیں۔ دوسری یہ کہ تمام لشکر میں لڑائی کے وقت دو لفظ پلہل
کے قرار پا جاتے ہیں تاکہ معرکہ جنگ میں جس وقت دو آدمی آپ کے ملیں اس وقت
کوئی ایک لفظ مقرر کئے اور دوسرا جواب میں دوسرا لفظ معبود کئے۔ اس سے مدعا یہ
ہے کہ اپنے اور دشمن کے آدمی میں شناخت ہو جائے۔ اور یگانہ دیکھنے میں تمیز رہے۔
اس یورش میں پلہل کے الفاظ "تاشقند اور "سیرام" تھے۔ یعنی اگر ایک "تاشقند" کے
تو دوسرا "سیرام" اور اگر ایک "سیرام" کے تو دوسرا "تاشقند" اس موقع پر خواجہ محمد
علی سب سے آگے تھم مغل تاشقند تاشقند کہتے ہوئے آئے۔ خواجہ محمد علی جو تاجیک
تھا گھبرا کر جواب میں "تاشقند" "تاشقند" کہنے لگا۔ مغل اس خلاف جواب سے باغی
تصور کر کے شور و غل مچانے لگے اور لہل جنگ بجا کر تیر برسانے لگے۔ اسی غلط
شور و غل سے ایک دفعہ ہی ہم تتر بتر ہو گئے۔ میرا منصوبہ پورا نہ ہوا۔ پھر میں اوش ہی

میں واپس آگیا۔

اند جان پر چڑھائی :- جب ہم سے شروالے، میدانی اور کوہستانی رجوع ہو گئے تو تنبل اور اس کے ہمراہی بیدل اور عاجز ہو گئے۔ اس کے پانچ چھ دن بعد اس کا لشکر پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف بھاگنے لگا۔ جو لوگ اس کے پاس سے بھاگ آئے تھے وہ بیان کرنے لگے کہ تنبل میں کچھ دم نہیں رہا ہے۔ اب تین چار دن میں کھل جائے گا کہ وہ تباہ ہو گیا۔ اس خبر کے سنتے ہی میں اند جان جانے کے لئے تیار ہوا۔ اند جان میں تنبل کا چھوٹا بھائی سلطان محمد گل بیگ - ۴۲۴ تھا۔ ہم تو قنوق - ۴۲۵ کے راستہ سے چلے۔ اند جان - ۴۲۶ کے جنوب کی طرف سے مقام جاکن - ۴۲۷ سے فوج کی ایک ٹکڑی ظہر کے وقت روانہ کی اور میں خود اس کے پیچھے پیچھے چل کر پشتہ عیش کے دامن میں جو جاکن کی طرف ہے آیا۔ قراولوں نے خبر دی کہ سلطان محمد گل بیگ اپنے سب آدمیوں کے ساتھ بلغات اور محلات کے باہر پشتہ عیش کے دامن میں نکل آیا ہے۔ ہماری فوج کی وہ ٹکڑی جو آگے روانہ ہوئی تھی ابھی جمع نہ ہونے پائی تھی۔ میں نے اس کے جمع ہونے کا انتظار نہ کیا اور میں فوراً دشمن کی طرف قدم بڑھائے ہوئے روانہ ہو گیا۔ گل بیگ - ۴۲۸ کے ساتھ پانچ سو آدمیوں سے زیادہ ہوں گے اگرچہ میری فوج زیادہ تھی مگر اہل لشکر متفرق ہو رہے تھے۔ مقابلہ کے وقت شاید اتنی ہی فوج میرے پاس بھی ہو۔ ترتیب اور صف بندی کا کچھ خیال نہ کیا۔ باگیں اٹھائے ہوئے میں غنیم کے سر پر جادو کھماکے ہمارے پہنچنے ہی ان کے پاؤں اکٹھر گئے اور تلوار کے دو دو ہاتھ بھی نہ ہونے پائے کہ وہ بھاگ نکلے۔

ہمارے لوگ دروازہ جاکن تک دشمنوں کو مارتے اور گراتے ہوئے گئے۔ جب ہم دشمن کو شکست دیتے ہوئے آبلوی کے قریب محلہ خواجہ کہتہ میں پہنچے تو شام ہو گئی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ بہت جلد میں دروازہ پر پہنچ جاؤں بوڑھے اور تجربہ کار امراء میں سے ناصر بیگ (دوست بیگ کے باپ) اور قنبر علی بیگ وغیرہ نے عرض کیا کہ شام ہو گئی ہے۔ اندھیرے میں شر کے پاس پہنچنا عقل کے خلاف ہے۔ مناسب یہ ہے کہ کسی قدر ہٹ کر ٹھہر جائیں۔ صبح کو سوائے اس کے کہ یہ لوگ شر ہم کو دے دیں اور کیا کر سکتے ہیں؟ ان تجربہ کار امراء کے کہنے میں آکر ہم وہاں سے پلٹ آئے اگر اس وقت شر کے دروازہ پر ہم جا پھنس تو بے شک دشمن ہمارے ہاتھ آجائے۔

جوئے جاگن سے ہٹنا۔ عشاء کا وقت تھا جو جاگن کی ندی سے اتر کر پہلا قورون ۴۲۷ھ گھڑوں کے پاس خیمہ زن ہوئے۔ اگرچہ تنبل ۴۳۰ھ کی بربادی کی خبر اندجان میں پہنچ گئی مگر تجربہ کاری کی وجہ سے ہم چوک گئے۔ جوئے خاگن جیسے مضبوط مقام کو تو درست کر کے نہ ٹھہرے۔ دریا سے اتر کر رہا قورون گھڑوں ۴۳۱ھ کے پاس چٹیل میدان میں جا اترے روند نہیں۔ چوکی پہرہ نہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ بے خبر ہو کر سو رہے۔ صبح ہونے ہی کو تھی اور ہمارے لوگ میٹھی نیند میں پڑے ایڈر رہے تھے کہ اتنے میں قنبر علی دوڑتا ہوا اور چلاتا ہوا آیا کہ غنیم آگیا ہے اٹھو! اٹھو! وہ یہ کہتا ہوا بلا توقف چلا گیا۔ میرا قلعہ تھا کہ امن کے زمانہ میں بھی میں ہمیشہ کپڑے پہنے ہوئے سویا کرتا تھا۔ میں جلدی سے اٹھتے ہی تلوار و ترکش لگا سوار ہو گیا۔ نشان بردار کو نشان درست کرنے کی بھی فرصت نہ ہوئی۔ وہ یوں ہی نشان کی لکڑی ہاتھ میں لئے ہوئے سوار ہو گیا۔ جس طرف سے کہ دشمن چلا آتا تھا اسی جانب سے ہم چلے۔ اولہ دہلہ میں دس ہند رہ ہی آدمی میرے ہمراہ تھے۔ ایک تیر کے پر تائب پر ہم آئے ہوں گے کہ غنیم کے اگلے دستہ فوج سے لڑ بیٹھ ہو گئی۔ اس وقت میرے ساتھ کوئی دس آدمی ہوں گے۔ ہم ان پر جھپٹے تیر مارتے ہوئے اور جو آگئے تھے ان پر حملہ کر کے ان کو پسپا کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ ان کے پیچھے کوئی ایک تیر کے فاصلہ تک ہم پہنچے ہوں گے کہ غنیم کے قول سے جا بھڑے۔

سلطان احمد تنبل تخمیناً سو آدمیوں کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ تنبل معہ ایک آدمی کے صف لشکر کے سامنے کھڑا ہوا حکم دے رہا تھا۔ ”ان کو مارو۔ ان کو مارو“ مگر اس کی فوج کچھ ایسی حالت میں کھڑی ہوئی تھی کہ گویا اس شش و پنج میں ہے کہ بھاگ جائیں یا نہ بھاگیں۔ اس وقت میرے ساتھ صرف تین آدمی رہ گئے تھے۔ ایک دوست ناصر دوسرا مرزا قلی کوکلتاش اور تیسرا کریم داد خدا داد ترکمن۔ ایک تیر جو اس وقت میری چنگی میں تھا میں نے تنبل کے خود پر مارا۔ پھر میں نے ترکش پر ہاتھ ڈالا۔ میرے خان دادا نے ایک تیر غار مار سبز لکڑی کا مجھ کو دیا تھا۔ وہی ہاتھ میں آیا۔ اس کو مارتے ہوئے میرا جی دکھ میں نے اس کو پھر ترکش میں ڈال دیا۔ اس ٹکالنے اور ڈالنے میں اتنی دیر گئی جتنی دیر میں وہ تیر مارے جائیں۔ دوسرا تیر چلہ میں رکھ کر میں آگے چلا۔ یہ نینوں ہمراہی بھی بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ میرے سامنے جو دو آدمی آئے ان میں ایک

تنبیل تھا۔ وہ بھی آگے بڑھا۔ بیچ میں ایک شاہراہ تھی۔ میں شاہراہ کے اس جانب سے اور وہ اس طرف سے آیا۔ ہمیں ہم دونوں کا مقابلہ یوں ہوا کہ میرا سیدھا ہاتھ دشمن کی طرف اور تنبیل کا سیدھا ہاتھ میری طرف ہو گیا۔ تنبیل کے پاس گھوڑے کی زرہ کے علاوہ سارا سلاخ جنگ تھا۔ میرے پاس تلوار اور تیر کمان کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں نے کمان کو کان تک کھینچ کر ایک تیر جو میرے ہاتھ میں تھا تنبیل کو مارا۔ اس وقت ایک تیر شبیبہ میری سیدھی ران میں لگا اور وار پار ہو گیا۔ میرے سر پر لوہے کی ٹوپی تھی۔ تنبیل نے جھپٹ کر تلوار کا ایک ایسا ہاتھ اس پر مارا کہ میرا سر سن ہو گیا اگرچہ ٹوپی کا تو ایک تار نہ کٹا مگر میرا سراجھی طرح زخمی ہو گیا میں نے تلوار صاف نہ کی تھی وہ کسی قدر زنگ آلود ہو گئی تھی اس کے نکالنے کی مصلحت نہ ملی۔ بہت سے دشمنوں میں میں اکیلا گھر گیا۔ اب ٹھہرنے کا موقع نہ تھا۔ میں نے گھوڑے کی باگ الٹی پھیر دی۔ ایک اور تلوار کا ہاتھ میرے تیروں پر پڑا۔ میں سات آٹھ قدم الٹا پھرا ہوں گا کہ پیدل سپاہیوں میں سے تین آدمی آئے اور میرے ساتھ ہو گئے۔

میرے بعد تنبیل نے دوست ناصر کے بھی تلوار ماری۔ ایک تیر کے پر تب تک لوگ میرے پیچھے پیچھے آئے۔ الف چاکن۔ ۴۳۲ شہ ایک بڑی اور گہری ندی ہے ہر بجائے سے ندی پایاب تھی۔ ندی کے پار ہوتے ہی دوست ناصر کا گھوڑا جو تھک گیا تھا گر پڑا۔ ہم نے ٹھہر کر اسے پھر سوار کیا۔ اور قزاقوں۔ ۴۳۳ و فراغینہ کے بیچ میں جو ٹیلے ہیں ان کو یکے بعد دیگرے طے کرتے ہوئے غیر راستہ سے اوش کی طرف ہم چلے۔ جس وقت ہم ان ٹیلوں سے نکل رہے تھے اس وقت مزید طفائی آکر ہمارے ہمراہ ہو گیا۔ ان کے بھی سیدھے پاؤں میں ران کے نیچے کی طرف تیر لگا تھا۔ اگرچہ وہ وار پار نہ ہوا تھا۔ لیکن اوش تک وہ بڑی تکلیف سے پہنچا۔ اس لڑائی میں ہمارے اچھے اچھے آدمیوں کو دشمنوں نے گرفتار کر لیا۔ ناصر بیک، محمد علی، مبشر، خواجہ محمد علی، خسرو کو کلتاش اور نعمان چہرہ ہمیں کام آئے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے بڑے سپاہی مارے گئے۔

دونوں ماموؤں سے اندجان کے قریب ملنا۔ دونوں خان تنبیل کا تعاقب کرتے ہوئے اندجان کے نواح میں اترے۔ خان کلاں شکار گاہ کے کنارہ پر میری غلی اسن دولت بیگم کے باغ میں، جس کو قوش تنگیریان۔ ۴۳۴ کہتے ہیں خیمہ زن ہوا۔

خان خورد لنگر بابا توکل۔ ۳۳۵ کے قریب اتر۔ میں دو دن کے بعد اوس سے آیا۔ خان کلاں سے قوش حکمیراں میں ملاقات کی۔ خان سے ملنے ہی مجھے معلوم ہوا کہ جو مقامات میرے قبضہ میں تھے وہ خان خورد کو دے دیئے گئے ہیں۔ مجھ سے یہ عذر کیا کہ شیبانی خان جیسے دشمن نے سمرقند جیسے شہر کو چھین لیا ہے اور وہ روز بروز مقتدر ہوتا جاتا ہے۔ اسی مصلحت سے ہم خان خورد کو اتنی دور سے لائے ہیں چونکہ خان خورد کے قبضہ میں یہاں کوئی جگہ نہیں ہے اور اس کا ملک دور ہے اس لئے غنجد کے جنوب میں جتنا ملک اندجلان تک ہے خان خورد کو دینا چاہئے تھا ماکہ وہ یہاں اپنی چھاؤنی ڈال دے۔ دریائے غنجد کے شل سے آخشی تک کے ملک کو مجھے دینے کا وعدہ کیا اور یہ اقرار کیا کہ اس ملک پر پورا قبضہ ہو جائے تو سمرقند کا علاقہ فتح کر کے تمہیں دے دیں گے۔ پھر سارا فرغانہ خان خورد کا ہو جائے گا۔ غالباً یہ ساری باتیں میرے دھوکا دینے کی تھیں۔ کام نکلنے کے بعد یہ وعدہ پورا ہوتا معلوم نہ ہوتا تھا۔ میں کیا کر سکتا تھا۔ خواہی نحوای راضی ہو گیا۔

خان کلاں کے پاس سے اٹھ کر میں خان خورد سے ملنے گیا۔ راستہ میں قنبر علی بیگ جو سلاخ مشہور ہے میرے پاس آکر کہنے لگا کہ آپ نے دیکھا! ان لوگوں نے ابھی سے ہمارا ملک ہتھیا لیا ہے۔ ان سے آپ کا کوئی کام نہیں نکلنے کا۔ اس وقت اوش، مرغینان، اور کند وغیرہ اور قومیں آپ کے تحت میں ہیں۔ ابھی اوش چلے چکے۔ تمام قلعوں کا انتظام کیجئے۔ سلطان احمد تنبل کے پاس آؤ بیجئے۔ اس سے مل جائیے۔ مغلوں کو مار کر نکل دیجئے اور ملک کو دونوں بھائی مل کر بانٹ لیجئے میں نے کہا کہ خان میرے سگے اور اپنے ہیں۔ مجھ کو ان کے ساتھ ایسا کرنا ہرگز روا نہیں ہے۔ مجھ کو تنبل پر حکومت کرنے سے ان کی اطاعت کرنی بہتر ہے۔ اس نے دیکھا کہ میری بات کارگر نہ ہوئی۔ اس کہنے سے پشیمان ہوا اور الٹا پھر گیا۔ میں جا کر اپنے ماموں چھوٹے خان سے ملا پہلی دفعہ جو میں ان سے ملا تھا تو اچانک چلا گیا تھا۔ ان کو گھوڑے پر سے اترنے کا موقع نہ ملا تھا۔ اس سبب سے اس ملاقات میں میری پوری تعظیم نہ ہوئی تھی۔ اب کی بار جو ہی میں قریب پہنچا، خان اپنے خیمہ کی رسیوں کے باہر تک دوڑ کر نکل آیا۔ میرے پاؤں میں تیر کا جو زخم تھا تو عصا ٹیکتا ہوا بڑی دقت سے میں چلتا تھا۔ خان دوڑ کر مجھ سے بغل گیر ہوئے اور یہ کہتے ہوئے ”بھئی تم بڑے بہادر ہو“

میرا بازو پکڑ کر خیمہ میں لے گئے۔ چھوٹا سا خیمہ استلوہ تھا۔ چونکہ دور اور سخت ملک میں ہوش سنبھلا تھا اس لئے خیمہ اور نشست گاہ بے تکلف اور سپاہیوں کی سی تھی۔ خربوزے، انگور اور اسطبل کا اسبب غرض سارا کرکری خانہ اسی خیمہ میں پھیلا ہوا تھا جس میں خود بیٹھے تھے۔

خان کے جراح کا علاج :- میں خان خورد کے پاس سے اٹھ کر اپنے لشکر میں آیا۔ ۳۳۶ھ خان نے میرے زخم کے معالجہ کے لئے اپنے جراح آجیکہ بخشی نامی کو بھیجا۔ مغل جراح کو بھی بخشی ۳۳۷ھ کہتے ہیں۔ یہ شخص بڑا کارگر جراح تھا۔ جس کا بھیجا نکل جاتا تھا اس کو بھی دبا دیتا تھا۔ رگوں میں کیسا ہی زخم آئے بہت آسانی سے اس کا علاج کرتا تھا۔ بعض زخموں پر مرہم کی طرح دوا لگاتا تھا اور بعض موقع پر دوا کھلاتا تھا۔ میری ران کے زخم پر میووں کے چھلکے جو خشک کئے ہوئے تھے باندھے اور زخم میں مٹی رکھی جیسے پتے ہوتے ہیں۔ ۳۳۸ھ ایسی دوا بھی ایک مرتبہ کھلائی۔ اس کا بیان تھا کہ ایک دفعہ ایک شخص کا پاؤں ٹوٹ گیا تھا۔ مٹی کی برابر ہڈی چورا چورا ہو گئی تھی۔ میں نے وہاں کا گوشت چیر کر ہڈی کی ساری کڑچیں نکالیں اور اس کی جگہ ایک پس ہوئی دوا بھر دی۔ وہ دوا ہڈی کی جگہ مثل ہڈی کے ہو گئی اور ٹانگ کو آرام ہو گیا۔ اپنے ایسے عجیب و غریب علاجوں کے جن سے ہمارے ملک کے جراح بالکل عاقل ہیں بہت سے تذکرے کرتا رہا۔ تین چار دن کے بعد قنبر علی ان باتوں کے کہنے سے جو مجھ سے کسی تھیں خوف زدہ ہو کر بھاگا اور اندجان پہنچا۔

نوکند اور کاشان پر چڑھائی :- چند روز کے بعد خانوں نے مشورہ کیا اور ایوب بیگ چک کو مع اس کے توہان کے۔ حسین ۳۳۹ھ نارین ۳۴۰ھ کو مع توہان نارین کے اور ساریق باش مرزا کو سردار لشکر کر کے میرے ہمراہ کیا اور مجھے آخشی کیا۔ یہ لشکر ہزار دو ہزار آدمی کا تھا۔ آخشی میں تنبل کا چھوٹا بھائی شیخ پزید تھا اور کاشان میں شہباز قارلوق ۳۴۱ھ تھا۔ مگر ان دونوں میں شہباز قلعہ نوکند کے سامنے آن پڑا تھا۔ ہم آٹا کے سامنے سے چپکے سے دریائے غنجد کو عبور کر کے نوکند کی طرف شہباز پر حملہ کرنے کے لئے تیز تر روانہ ہوئے صبح ہونے سے پہلے ہم نوکند میں پہنچ گئے تھے۔ اس وقت امراء نے عرض کیا گمان غالب ہے کہ شہباز ہمارے قصد سے واقف ہو گیا ہے۔ مناسب ہے کہ لشکر کی صفیں آراستہ کر کے آہستگی کے ساتھ ہم آگے بڑھیں۔

اس مشورہ کے بموجب ہم بہت آہستہ آہستہ روانہ ہوئے۔ شہباز حقیقت میں غافل تھا۔ جس وقت ہم اس کے نزدیک پہنچے ہیں اس وقت وہ ہوشیار ہوا اور باہر سے بھاگ کر قلعہ میں چلا گیا۔ اکثر اسی طرح ہوا ہے کہ غنیم کو ہوشیار خیال کر کے تسلل کیا ہے اور موقع ہاتھ سے جاتا رہا۔ تجربہ اسی کا نام ہے۔ چاہئے کہ قابو پانے کے وقت کوشش فرو گذاشت نہ کی جائے۔ ورنہ پچھتا پڑتا ہے اور پھر پچھتانے سے کیا ہوتا ہے۔ صبح کو قلعہ کے گرد کچھ لڑائی ہوئی۔ لیکن میں جم کر نہ لڑا۔ لوٹ مار کرنے کے لئے نوکند کو چھوڑ پھاڑوں کی طرف ہشتکاران کے قریب ہم چلے گئے۔ شہباز قارلوق موقع اور وقت غنیمت سمجھ کر نوکند سے بھاگ کر کاشان چلا گیا۔ ہم جو پلٹ کر آئے تو نوکند میں ٹھہرے۔ ان دونوں میں ہمارے لشکر نے ادھر ادھر کئی بار لوٹ مار کی۔ ایک بار آخشی کو تاراج کر ڈالا۔ دوسری دفعہ کاشان والوں کو جالوٹا۔ شہباز اور اوزون حسن کا متسنے بیٹا میرم دونوں مقابلہ کے لئے نکلے۔ لڑے اور انہوں نے شکست کھائی۔ میرم وہیں مارا گیا۔

قلعہ پاپ کو چھیننا :- آخشی کے قلعوں میں سے قلعہ پاپ ۴۴۲ ایک جنگی قلعہ ہے۔ قلعہ والوں نے اس کو مضبوط کر کے میرے پاس آدمی بھیجا۔ میں نے سید قاسم کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ وہاں بھیجا۔ آخشی کے اوپر کی جانب جو گاؤں ہیں ان کے سامنے دریا ۴۴۳ سے اتر کر یہ لوگ قلعہ پاپ میں پہنچے۔ تھوڑے دن کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔ اس وقت ابراہیم چاقوق طغانی، احمد قاسم کوہ بر، قاسم ۴۴۴ خنک ارغون اور شیخ یزید آخشی میں تھے۔ ننبیل نے ان سرداروں کو کوئی دو سو چیدہ سپاہیوں کے ساتھ ایک رات عین غفلت میں قلعہ پاپ کی طرف بھیجا۔ سید قاسم نے کچھ احتیاط نہ کی تھی۔ غافل پڑا سو تا تھا وہ لوگ قلعہ کے پاس پہنچے۔ سیڑھیاں لگا کر چڑھے۔ دروازہ لے لیا اور پل تختہ لگا کر سترستی عمدہ آدمی اندر گھس آئے۔ اتنے میں سید قاسم کو خبر ہوئی۔ وہ نیند ہی میں شب خوابی کپڑے پہنے ہوئے دوڑا۔ پانچ چھ آدمیوں کے ساتھ تیر مارنے شروع کئے۔ مارتے مارتے دشمنوں کو باہر نکال دیا۔ کئی کے سر کاٹ لئے اور میرے پاس بھیجے۔ اگرچہ اس کو ایسا غافل سو رہا نہ چاہئے تھا۔ مگر ساتھ ہی اس کے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ ایسے ہلور اور اوپچی سپاہیوں کو مار کے نکال دینا بڑی جوانمردی کی بت تھی۔

آخشی میں جانا۔ اس عرصہ میں دونوں خان شہر اندجان کے محاصرہ میں مشغول رہے۔ شہر والے ان کو شہر کے پاس نہ پھٹکنے دیتے تھے۔ شہر میں سے سواروں کی ٹکڑیاں اکثر باہر آتی تھیں اور خیف سی لڑائی ہو جاتی تھی۔ آخشی سے شیخ یزید نے دوات خواہی کا اظہار کر کے آدمی بھیجا اور مجھ کو کوشش کے ساتھ بلایا۔ اس بلانے سے اس کی غرض یہ تھی کہ کسی نہ کسی بہانہ سے مجھے دونوں خان سے الگ کر دے۔ میرے الگ ہو جانے کے بعد دونوں خان پھر یہاں نہ ٹھہر سکتے تھے۔ یہ بلانا اس کے بڑے بھائی ننبیل کی صلاح سے تھا۔ دونوں خان سے میرا الگ ہونا اور ان سے متفق ہو جانا ناممکن تھا۔ میں نے دونوں خان سے اس بلانے کی اطاعت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ جاؤ اور جس طرح ہو سکے یزید کو پکڑ لو۔ مگر ایسا کمزور فریب کرنا خصوصاً اس شخص کے ساتھ جس سے عہد کیا ہو میرا طریقہ نہ تھا۔ بھلا مجھ سے ایسی بد عہدی کیونکر ہو سکتی۔ البتہ یہ میرے بھی دل میں آیا کہ بہر طور آخشی میں جا پہنچوں۔ تاکہ شیخ یزید ننبیل سے ٹوٹ کر میرے ساتھ ہو جائے اور شاید کوئی ایسی صورت نکل آئے جو میری سلطنت کے لئے مفید ہو۔ میں نے بھی ایک آدمی بھیجا۔ اس نے عہد و پیمان کر کے مجھے آخشی میں بلایا۔ میں حسب الطلب گیا۔ شیخ میری پیشوائی کے لئے آیا۔ میرے چھوٹے بھائی ناصر مرزا کو بھی ساتھ لایا اور ہم کو آخشی میں لے گیا۔ قلعہ سنگین میں میرے باپ کے محل میں سے ایک کمرہ میرے ٹھہرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ میں وہاں جا اتر۔

دونوں خان کا اندجان سے بھاگنا۔ ننبیل نے شیبانی خان سے رجوع کی تھی۔ اپنے بڑے بھائی بیگ تلیب کو بھیج کر اور اظہار اطاعت کر کے اس کو اپنی مدد کے لئے بلایا تھا۔ ان ہی دنوں میں شیبانی خان نے لکھا کہ میں آتا ہوں۔ شیبانی خان کے آنے کی خبر سننے ہی دونوں خان گھبرا گئے۔ ان کے پاؤں اکڑ گئے۔ اور دونوں نے اندجان کا محاصرہ چھوڑ دیا۔ خان خورد خود تو عدل اور دین داری میں مشغور تھے لیکن ان مغلوں نے جن کو انہوں نے اوش کو مرغینان وغیرہ شہروں میں (جو میرے قبضہ میں آ گئے تھے) تعینات کیا تھا خلاف امید ظلم اور زیادتیاں کی تھیں۔ اس سبب سے جون ہی دونوں خان اندجان سے بڑے اوش و مرغینان وغیرہ والوں نے بلوہ کر کے مغلوں کو جو قلعوں میں تھے لوٹا، پکڑا، مارا اور نکل دیا۔ دونوں خان دیہی کے وہیں تو دریائے غنجد سے نہ اترے۔ مرغینان اور کند بلوام کے راستہ سے پلٹ کر مقام غنجد سے دریا کے پار

ہوئے۔ تنبل ان کے پیچھے پیچھے مرینان تک پہنچا۔ میں اس وقت بہت متردد تھا۔ نہ تو ٹھہرنے میں یہاں والوں پر اعتماد تھا نہ بلاوجہ بھاگنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔

جہانگیر مرزا کا آٹا۔ شیخ بایزید کی گرفتاری۔ تنبل سے مقابلہ :- ایک دن صبح ہی جہانگیر مرزا تنبل سے الگ ہو کر مرینان سے بھاگ کر میرے پاس چلے آئے۔ جس وقت مرزا آئے ہیں تو میں حمام میں تھا۔ میں اسی وقت ان سے ملا۔ اس وقت شیخ بایزید کے بھی چکے چھوٹے ہوئے تھے۔ حیران تھا کہ کیا کبوں۔ مرزا نے اور ابراہیم بیک نے صلاح دی کہ شیخ بایزید کو گرفتار کر لینا اور قلعہ پر قبضہ کر لینا چاہئے۔ حقیقت میں موقع یہی تھا مگر میں نے کہا کہ میں نے عہد کر لیا ہے۔ میں عہد شکنی نہیں کر سکتا۔ شیخ بایزید قلعہ میں چلا گیا۔ پل پر کسی کو معین کرنا لازم تھا۔ مگر ہم نے ایک آدمی بھی وہاں نہ مقرر کیا۔ یہ ساری غلطیاں نا تجربہ کاریوں کا نتیجہ تھیں۔ سویرا ہی تھا جو تنبل دو تین ہزار مسلح سپاہیوں کو ہمراہ لئے ہوئے پل پر سے اتر کر قلعہ میں آ گیا۔ اول تو اصل میں میرے پاس جمعیت ہی کم تھی۔ اس پر جب میں آغوشی میں آیا تو کچھ لوگ قلعوں پر، کچھ اضلاع کی حکومت پر اور کچھ تحصیل کے لئے ہر طرف بھیج دیئے تھے۔ میرے پاس آغوشی میں سو آدمیوں سے کسی قدر زیادہ رہ گئے ہوں گے۔ اسی قلیل فوج کو لئے ہوئے جو میرے پاس تھی سوار ہو کر میں ہر گلی کوچہ کے سرے پر آدمی معین کر رہا تھا۔ اور سلمان جنگ کے درست کرنے میں مصروف تھا کہ اتنے میں تنبل کے پاس سے شیخ بایزید، قنبر علی اور محمد دوست صلح کرنے کے لئے دوڑے ہوئے آئے۔ جن لوگوں کو جہاں لڑائی کے لئے مقرر کیا تھا وہیں ان کو ٹھہرا کر میں مشورہ کرنے اپنے باپ کے مقبرہ میں آیا۔ میں نے جہانگیر مرزا کو بھی بلا لیا۔ محمد دوست تو چلا گیا۔ شیخ بایزید اور قنبر علی میرے ہمراہ رہ گئے۔

ہم مقبرہ کے جنوبی دالان میں بیٹھے ہوئے مشورہ کر رہے تھے کہ جہانگیر مرزا اور ابراہیم چاچوق نے ان کے گرفتار کرنے کا منصوبہ کیا۔ جہانگیر مرزا نے میرے کان میں کہا کہ ان کو پکڑ لینا چاہئے۔ میں نے کہا کہ جلدی نہ کرو۔ اب پکڑنے کا وقت نہیں رہا۔ توقف کرو۔ شاید سیدھی آنکھوں کوئی ایسی بات نکل آئے جو مفید ہو۔ کیونکہ یہ بہت ہیں اور ہم تھوڑے ہیں۔ اس پر یہ باوصف کثرت قلعہ میں اور باوجود قلت ہم شر میں۔ شیخ بایزید اور قنبر علی تو مشورہ کرنے میں مصروف تھے۔ جہانگیر مرزا نے ابراہیم

۴۳۵۔ بیک کی طرف دیکھ کر اس کلم سے منع کرنے کا اشارہ کیا۔ نہ معلوم کہ وہ الٹا سمجھایا دیدہ دانستہ ایسا کر بیٹھا۔ بہر حال اس نے شیخ بایزید کو پکڑ لیا۔ جو سپاہی وہاں موجود تھے سب نے پٹ پٹا کر ان دونوں کا سر تا برتا کر لیا۔ صلح اور مصلحت سب دھری رہ گئی۔ ان دونوں کو پہرہ میں سپرد کیا اور ہم لڑنے کے لئے سوار ہوئے۔ شہر کی ایک سمت میں نے جہانگیر مرزا کے سپرد کیا۔ مرزا کے پاس فوج کم تھی۔ میں نے کچھ اپنے آدمی ان کی کمک کے لئے متعین کئے۔ سب سے پہلے میں مرزا کی طرف گیا۔ جگہ جگہ ناکہ بندی کرتا ہوا پھر میں دوسری طرف ۴۳۶۔ آیا۔ شہر کے بیچ میں ایک کھلا ہوا اور صاف میدان تھا۔ وہاں بھی سپاہیوں کا ایک غول معین کر دیا تھا۔ دشمن کے ہمت سے پیادوں اور سواروں نے حملہ کر کے ہمارے ان آدمیوں کو وہاں سے ہٹا دیا اور ایک تنگ گلی میں دھنسا دیا۔ اسی وقت میں وہاں جا پہنچا۔ پہنچے ہی میں نے گھوڑا ڈنڈیا۔ دشمن کی فوج مقابلہ نہ کر سکی اور بھاگ نکل۔ میں سب کو گلی سے بھاگ کر میدان میں لا رہا تھا اور تلواریں مار رہا تھا کہ کسی نے میرے گھوڑے کے پاؤں میں تیر مارا۔ میرا گھوڑا چمک کر اچھلا اور میں دشمنوں میں زمین پر آ رہا۔ میں جمعٹ اٹھ کھڑا ہوا اور میں نے بھی ایک تیر مارا۔ صاحب ۴۳۷۔ قدم کے پاس ایک مرل سا گھوڑا تھا وہ اس پر سے اتر پڑا۔ اس کو میرے آگے پیش کیا۔ میں اس پر سوار ہو گیا۔ اور وہاں کچھ آدمی معین کر کے دوسرے کوچہ کی طرف چلا گیا۔

سلطان محمد دین نے میرے گھوڑا کا جو برا حل دیکھا تو خود اتر ا اور اپنا گھوڑا مجھے دے دیا میں اس پر سوار ہو گیا۔ اس وقت قنبر علی بیک (قاسم بیک کا بیٹا) زخم خوردہ جہانگیر مرزا کے پاس سے آیا اور کہنے لگا بہت دیر ہوئی کہ جہانگیر مرزا پر دشمنوں نے بڑا سخت حملہ کیا۔ ان کے پاؤں اکھڑ دیئے۔ آخر وہ نکل بھاگے۔ یہ سنتے ہی میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اسی حل میں سید قاسم بھی جو قلعہ پاپ میں تھا آ گیا۔ اس وقت اس کا چلا آنا بڑا ہی بے موقع ہوا۔ ایسا مضبوط قلعہ اگر اس وقت قبضہ میں رہتا تو بہت مفید ہوتا۔ میں نے ابراہیم سے کہا کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ وہ کسی قدر زخمی تھا۔ نہ معلوم اس زخم کے سبب سے یا اس کا دل ہی چھوٹ گیا تھا کئی جواب نہ دے سکا۔ ایک خیال آیا کہ پل پر سے اتریں اور پھر اس کو توڑ کا اندجان چل دیجئے۔ بابا شیر زاد کے کہنے سے دروازہ کی طرف ہم چلے۔ خواجہ میر میراں نے بھی اس وقت بہلوانہ

باتیں کیں۔ جب ہم کوچہ میں آئے تو سید قاسم اور دوست ناصر بلی ۲۲۸۸ خیر سے لڑنے لگے جس سے ہم بھی رک گئے۔ خوب لڑے۔ میں ابراہیم بیگ اور مرزا قلی کو ککاش ان کے آگے تھے۔ دروازہ کے سامنے پہنچتے ہی میں نے دیکھا کہ شیخ بایزید کپڑوں پر فرجی پہنے ہوئے تین چار سواروں کے ساتھ دروازہ میں سے آ رہا ہے۔ جو تیر میری شست میں تھا میں نے اس کو کھینچا مارا وہ اس کی گردن کو زخمی کرتا ہوا نکل گیا۔ میرا نشانہ پورا بیٹھا۔ وہ دروازہ میں آتے ہی اس کوچہ کی طرف جو سیدھے ہاتھ کی طرف تھا گھبرا کر بھاگ ہم نے بھی اس کا پیچھا کیا۔ صبح کو جب شیخ بایزید اور اس کے ہمراہیوں کو میری مرضی کے خلاف گرفتار کیا تھا تو جہانگیر مرزا کے آدمیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ مرزا کے آدمی بھاگتے وقت شیخ بایزید کو بھی اپنے ساتھ لے نکلے۔ ایک بار ان کا ارادہ ہوا کہ اس کو مار ڈالیں۔ مگر خوش قسمتی سے چھوڑ دیا۔ مارا نہیں۔ یہ ان سے رہائی پا کر دروازہ کی طرف آیا اور دروازہ میں گھستے ہی میرے روہو ہوا۔ مرزا قلی کو ککاش نے ایک پیادہ کے پیازی کا ہاتھ دیا۔ مرزا قلی کے نکل جانے کے بعد دوسرے پیادہ نے ابراہیم بیگ کی طرف تیر کا نشانہ باندھا۔ ابراہیم بیگ ”ہاے ہاے“ کہہ کر غل مچاتا ہوا اور اسے ڈراتا ہوا آگے بڑھا۔ وہی تھا کہ اتنے فاصلہ سے جتنا دالان اور ڈیوڑھی میں ہوتا ہے اسی نے ایک تیر میرے مارا جو میری بغل میں لگا۔ میں قلماتی زرہ پہنے ہوئے تھے۔ اس کے دو پترے چمک کر کٹ گئے۔ وہ تو تیر مار کر بھاگا اور میں نے اس کے پیچھے سے ایک تیر مارا۔ اتفاقاً اسی وقت ایک پیادہ فسیل پر بھاگا جاتا تھا۔ میرے اس تیر نے اس کی ٹوپی کو کنگورہ میں چپکا دیا۔ ٹوپی تو یونہی کنگورے میں چپکی ہوئی لفٹتی رہی اور وہ گہڑی اپنے ہاتھ پر لپیٹتا ہوا بھاگ گیا۔ اسی گلی میں جس میں شیخ بایزید گیا تھا ایک اور سوار میرے پہلو میں سے جا رہا تھا۔ میں نے اس کی کپٹی میں تلواری کی نوک سے ایک ہولی ماری وہ ٹیڑھا ہو گیا۔ گھوڑے پر سے گرنے ہی کو تھا کہ گلی دیوار کے سارے سے سنبھل گیا اور بڑی مشکل سے بھاگ کر بچ گیا۔ جتنے پیادے اور سوار دروازہ میں تھے ان کو منتشر کر کے دروازہ ان سے لے لیا گیا۔ اب تدبیر کا کام نہ رہا تھا۔ اس لئے کہ دشمن کے دو تین ہزار آدمی ہتھیار بند قلعہ میں تھے۔ ہماری یہ کیفیت کہ ہم سو انتہا دو سو آدمی قلعہ سے باہر شرمیں۔ اس کے علاوہ جہانگیر مرزا کو بجائے ہوئے اتنی دیر ہو چکی تھی جتنی دیر میں دودھ جوش ہوتا ہے۔ میرے آدمی مرزا

کے ہمراہ باہر چلے گئے۔ بائیں ہمہ نا تجربہ کاری سے دروازہ پر ہم ٹھہرے رہے۔ اور جمانگیر مرزا کے پاس اس واسطے آوی بھیجا کہ اگر مرزا قریب ہو تو چلا آئے تاکہ ایک دفعہ پھر ہم حملہ کریں لیکن اس کا موقعہ نہیں رہا تھا۔ ابراہیم بیگ نے یا تو اس سبب سے کہ اس کا گھوڑا تھک چکا تھا یا اس وجہ سے کہ وہ زخمی تھا مجھ سے کہا کہ میرا گھوڑا بیکار ہے۔ محمد علی بمشر کا ایک نوکر سلیمان نامی تھا۔ فی الفور بغیر اس کے کہ کوئی کہے وہ اپنے گھوڑے پر سے کود پڑا اور اپنا گھوڑا ابراہیم بیگ کو اس نے دے دیا۔ بے شک اس نے بڑی مروت کا کام کیا۔

جس وقت کہ ہم اس دروازہ میں کھڑے تھے اس وقت کچمک علی (جو اب کول کا اشتدار ۱۳۹۰ء ہے) نے بڑی بہلوری کی۔ ان دنوں میں وہ سلطان محمد ولیس کا ملازم تھا۔ اسی طرح ایک دفعہ اور بھی اس ۱۳۵۰ء نے عمدہ کام کیا تھا۔ جمانگیر مرزا کے پاس جو آوی گیا تھا اس کے آتے تک ہم کو دروازہ میں ٹھہرنا پڑا۔ وہ آیا اور اس نے کہا کہ جمانگیر مرزا کو گئے ہوئے دیر ہوئی۔ اب کھڑے رہنے سے کیا فائدہ تھا۔ ہم بھی چل کھڑے ہوئے۔ بے شک جتنا ٹھہرے تھے وہ بھی بیکار تھا۔ میرے ساتھ ہیں تمیں آوی رہ گئے ہوں گے۔ ہمارے چلتے ہی دشمن کے بہت سے آوی ہمارے تعاقب میں دوئے۔ ہم پل پختہ سے نکلے ہی تھے کہ غنیم کے آوی شہر سے پل پختہ کی طرف آن پہنچے۔ قاسم بیگ کے بیٹے بندہ علی بیگ (حمزہ بیگ کے نانا نے ابراہیم بیگ سے چلا کر کہا کہ ہمیشہ شیخیاں بگھارا کرتا تھا ذرا تو ٹھہر۔ ہمارے تیرے نکواری کے دو دو ہاتھ ہ جائیں۔ ابراہیم بیگ میرے پہلو میں تھا اس نے جواب دیا کہ آ۔ روکتا کون ہے؟ ارے یہ خوف! اس شکست کے وقت پر دباتا ہے۔ یہ کیا دبانے کا محل ہے۔ دیر لگانے اور ٹھہرنے کا موقع نہ تھا ہم باگیں اٹھائے ہوئے چلے گئے۔ دشمن کے آوی ہمارے پیچھے پیچھے لپکتے ہوئے اور ہمارے لوگوں کو گراتے ہوئے چلے آتے تھے۔ گنبد چمن ایک مقام ہے آخشی سے ایک شرعی فاصلہ پر۔ وہاں سے ہم نکلے ہی تھے کہ اتنے میں ابراہیم بیگ نے مدد کے لئے چلا کر مجھے آواز دی۔ میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ شیخ یزید کے ایک غلام نے ابراہیم بیگ کو آلیا ہے۔ میں نے فوراً "باگ موڑی۔ جان قلی ۱۳۵۰ء بیان قلی میرے پہلو میں تھا۔ کہنے لگا۔ یہ کیا وقت پلٹنے کا ہے؟ یہ کہہ کر میرے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور زیادہ قدم بڑھا دیا۔

مقام سنگ تک دشمن ہمارے اکثر آدمیوں کو گراتے رہے۔ سنگ آخشی سے دو شرعی کے فاصلہ پر ہو گا۔ جب ۴۵۲ھ، ہم سنگ سے نکل گئے تو دشمن کا کوئی آدمی پیچھے نظر نہ آیا۔ ہم دریائے سنگ سے نکل گئے تو دشمن کا کوئی آدمی پیچھے نظر نہ آیا۔ ہم دریائے سنگ کے اوپر کی جانب بڑھے چلے گئے۔ اس وقت ہم آٹھ آدمی رہ گئے تھے۔ دوست ناصر ۱۔ قنبر ۲۔ علی اسم بیک، جلن قلی ۳۔ بیان قلی، مرزا قلی ۴۔ کوکلتاش، شاہم ۵۔ ناصر، عبدالقدوس ۶۔ سیدی قرا، خواجہ ۷۔ حسینی اور آٹھواں میں۔ لوگوں کی گزرگاہ سے دور کھنڈوں میں ایک بیٹا دریا کے اوپر جاتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اسی تنہائی کے راستہ سے دریا کے اوپر ہم چلے اور دریا کو سیدھے ہاتھ کی طرف چھوڑ کر ایک اور خشکی ۴۵۰ھ کے راستہ پر آ گئے۔ عصر کے قریب ہم کھنڈوں میں سے میدان میں نکل آئے۔ میدان میں دور سے ایک سیاہی نمودار ہوئی۔ مہراہیوں کو ایک آڑ کی جگہ ٹھہرا کر میں خود پیدل ہوا۔ ایک ٹیلے پر چڑھا۔ اور تجسس کرنے لگا۔ اتنے میں بہت سے سوار ہمارے پیچھے کی طرف سے پشت پر دوڑ کر چڑھ آئے۔ میں یہ تحقیق نہ کر سکا کہ وہ کم ہیں یا زیادہ۔ ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے چل دیے۔ جو سوار پیچھا کئے ہوئے آتے تھے وہ کل بیس یا پچیس کے قریب ہوں گے۔ اور ہم آٹھ آدمی تھے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا اگر ہم اول سے یہ جان جاتے کہ وہ اتنے ہیں تو ہم خوب ان کی خبر لیتے۔ ہم نے خیال کیا کہ ان کی مدد کے لئے کوئی دستہ فوج تعاقب میں ضرور ہو گا۔ اس وجہ سے ہم بھاگے چلے گئے۔ سچ یہ ہے کہ بھاگے ہوئے بہت ہی کیوں نہ ہوں اور پیچھا کرنے والے تھوڑے سے مگر بھگوڑے مقابلہ نہیں کر سکتے چانچہ مشہور ہے کہ ۔

صف مغلوب را ہوئے . سند است

جلن قلی ۴۵۳ھ نے کہا کہ یہ ترکیب اچھی نہیں ہے۔ اس طرح تو دشمن ہم سب کو پکڑ لیں گے۔ آپ اور مرزا قلی کوکلتاش سب میں سے دو عمدہ گھوڑے چن لیں اور قوس ۳ بنا کر باگیں اٹھائے چلے جائیں۔ شاید اس ترکیب سے آپ نکل جائیں۔ اس نے ٹھیک بت کسی تھی۔ اس لئے کہ جب لڑائی نہ ہوئی تو یہی سسی۔ نکل جانا ممکن تھا مگر اس وقت اپنے ساتھیوں میں سے ایک کا بھی پیدل چھوڑ دینا مجھے گوارا نہ ہوا۔ مگر آخر کار خود ایک ایک کر کے سب رہ گئے۔ یہ گھوڑا جس پر میں سوار تھا لگا مستی کرنے۔ جلن قلی گھوڑے پر سے اتر پڑا اور اس نے اپنا گھوڑا مجھے دے دیا۔ میں اپنے

گھوڑے پر سے کو پڑا اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ جن قلی میرے گھوڑے پر ہو بیٹھا۔ اسی حالت میں شام ناصر، عبدالقدوس سیدی قراکو جو پیچھے رہ گئے تھے دشمنوں نے گھوڑوں پر سے گرا دیا۔ جن قلی بھی پیچھے رہ گیا۔ اس کی مدد اور حمایت کرنے کا وقت نہ تھا۔ جہاں تک گھوڑوں کی طاقت دیکھی وہاں تک دوڑائے چلے گئے۔ جس کا گھوڑا بیکار ہوتا گیا وہ رہتا گیا۔ دوست ایک کا گھوڑا بھی تھک کر گر گیا۔ اور جس گھوڑے پر میں سوار تھا وہ بھی سستی کرنے لگا۔ قنبر علی نے اپنا گھوڑا دیا۔ میں اس پر سوار ہو گیا۔ قنبر علی میرے گھوڑے پر چڑھ بیٹھا اور پیچھے رہ گیا۔

خواجہ حسینی لنگڑا تھا۔ وہ پشتوں کی طرف بھاگ گیا۔ اب صرف میں اور مرزا قلی کو کھٹاش رہ گئے۔ ہمارے گھوڑوں میں قوس بنا کر اڑانے کا دم نہ رہا تھا۔ مگر ہم پوتیا کئے ہوئے چلے گئے۔ مرزا قلی کا گھوڑا بھی ٹکی کرنے لگا۔ میں نے اس سے کہا کہ تجھ کو اکیلا چھوڑ کر کہیں جاؤں؟ جلد آ۔ ہمارا تیرا ایک ہی جگہ مرنا بیٹا بہتر ہے۔ میں بار بار مرزا قلی کو دیکھنا چاہتا تھا اور آگے بڑھتا جاتا تھا آخر مرزا قلی نے کہا کہ میرا گھوڑا تھک چکا ہے۔ اگر آپ میرا ساتھ کریں تو رہ جائیں گے اور پکڑے جائیں گے۔ آپ جائے۔ شاید آپ نکل جائیں۔ اس وقت میری عجیب حالت ہو گئی۔ مرزا قلی بھی پیچھے رہ گیا اور میں اکیلا ہو گیا۔ دشمنوں میں سے دو آدمی نظر آئے۔ ایک ہلکا سیرای تھا دوسرا بندہ علی۔ دونوں میرے پاس آ گئے۔ میرا گھوڑا تھک گیا تھا۔ پہاڑ بھی کوئی کوس بھر کے فاصلہ پر ہو گا۔ میں ایک چھوٹی سی ٹیکری پر پہنچا۔ مجھے خیال آیا کہ گھوڑا بیکار ہو چکا ہے اور پہاڑ ذرا دور ہے! کہیں جاؤں؟ کوئی ہیں تیرے ترکش میں رہ گئے تھے۔ اتر کر اسی ٹیکری پر بیٹھ جاؤں اور جب تک تیر ہیں مارتا رہوں؟ پر دل میں آیا کہ شاید پہاڑ تک جا پہنچوں اور پہاڑ کے قریب پہنچنے کے بعد کچھ تیر اپنے کمر بند میں گھس کر پہاڑ پر چڑھ جاؤں۔ مجھے اپنی تیز روی پر بھی بہت اعتماد تھا۔ میں اس دھن میں آگے بڑھا۔

میرے گھوڑے میں دوڑنے کا دم نہ رہا تھا۔ دونوں پیچھا کرنے والے ایک تیر کی زد پر آن پہنچے۔ میں نے بھی اپنے تیر بچائے اور نہ مارے۔ وہ بھی بچتے رہے اور زیادہ میرے قریب نہ آئے لیکن اسی طرح پیچھے لگے ہوئے چلے آئے۔ مغرب کے وقت میں پہاڑ کے پاس پہنچا۔ ایک دفعہ ہی انہوں نے لاکار کر کہا کہ یوں بھاگ کر کہیں جاتے ہو؟

ناصر مرزا تو ان کے پاس گرفتار ہی تھا۔ جہانگیر مرزا کو بھی پکڑ لائے ہیں۔ ان کی ان باتوں سے میرے بدن پر روئنے کھڑے ہو گئے۔ خوف کی وجہ یہ تھی کہ اگر ہم سب پکڑے گئے تو بڑے اندیشہ کا مقام ہے۔ میں نے کچھ جواب نہ دیا اور سیدھا پہاڑ کی طرف ہو لیا۔ تھوڑی دور آگے چلے تھے کہ پھر انہوں نے کچھ باتیں کرنی شروع کیں۔ اب کی بار اول کی نسبت کسی قدر نرمی سے بولے اور گھوڑوں سے اتر کر باتیں کرنے لگے۔ میں نے ان کی ایک نہ سنی۔ آگے بڑھا چلا گیا۔ اب میں درے کے اوپر چڑھا چلا جاتا ہوں۔ عشاء کے وقت تک چلتا ہی رہا۔ آخر پہاڑ کی ایک بڑی چٹان کے پاس جو خاصی ایک مکان کے برابر تھی پہنچا۔ میں اس کے پیچھے کی جانب گیا اور ایسے ڈھلوان پشتوں کی چڑھائی کے راستہ پر پہنچا جہاں گھوڑے کا قدم نہ ٹک سکتا تھا وہ لوگ بھی گھوڑوں پر سے اتر پڑے اور اب نہایت ادب اور نرمی سے باتیں کرنے لگے۔

کہنے لگے۔ رات اندھیری ہے۔ رستہ ہے نہیں۔ یوں کہاں تک ٹکراتے پھرو گے؟ دونوں نے قسم کھائی کہ آپ کو سلطان احمد بیگ بلوٹہ کرنا چاہتا ہے میں نے کہا مجھے یقین نہیں آتا۔ میرا وہاں جانا ممکن نہیں ہے۔ اگر تم کو کوئی بڑی خدمت کرنی منظور ہے تو خدمت کرنا کا ایسا موقع جو اب ہے برسوں میں بھی میسر نہیں ہوتا۔ مجھے ایک ایسا راستہ بتا دو جس سے میں دونوں خانوں کے پاس پہنچ جاؤں۔ تمہاری خواہش سے بڑھ کر تمہارے ساتھ میں سلوک کروں گا۔ یہ نہیں کرتے تو جدھر سے آئے ہو ادھر چلے جاؤ۔ جو کچھ قسمت میں ہو گا وہ ہو رہے گا یہ بھی ایک عمدہ خدمت ہے۔ وہ کہنے لگے کاش ہم نہ آتے۔ جب ہم آ گئے ہیں تو ایسے برے وقت میں آپ کو چھوڑ کر ہم کس طرح پلٹ جائیں۔ اگر آپ وہاں نہیں چلتے تو جہاں جی چاہے چلے۔ ہم آپ کے ساتھ حاضر ہیں۔ میں نے کہا کہ عہد کرو۔ انہوں نے حلف اور قسم کے ساتھ عہد کیا۔ مجھے ذرا اطمینان ہوا۔ میں نے ان سے کہا کہ اسی گھاٹی کے قریب ایک چوڑا راستہ لوگوں نے مجھے بتایا تھا۔ اسی راستہ سے چلو۔ اگرچہ انہوں نے عہد کر لیا تھا مگر مجھے ان پر پورا بھروسہ نہ تھا۔ اس لئے میں نے انہیں آگے رکھ لیا اور آپ پیچھے ہو لیا۔ کوئی دو کوس چلے تھے کہ بڑے دریا پر پہنچے۔ میں نے کہا کہ جس کشادہ گھاٹی کے راستہ کا میں نے ذکر کیا تھا یہ وہی نہ ہو۔ انہوں نے بلاستبلو کہا کہ وہ راستہ ابھی بہت دور ہے مگر اصل میں وہ راستہ یہی تھا۔

انہوں نے مجھے جھانسا دیا تھا۔ آدمی رات تک چلے اور پھر ایک ندی پر پہنچے۔ اس وقت انہوں نے کہا کہ ہم بھول گئے۔ بے شک دری کشلوہ ۴۵۵ھ کا راستہ پیچھے رہ گیا۔ میں نے کہا پھر اب کیا کرنا چاہئے؟ کہنے لگے کہ یہاں سے تھوڑی دور آگے غوا کی سڑک ہے۔ وہی سڑک فرکت کو بھی جاتی تھی۔ اسی راستہ پر ہم ہو لئے۔ چلتے چلتے پچھلے پہرے دریائے کرین ۴۵۶ھ پر جو غوا، بہتا ہوا آتا ہے پہنچے۔ بلا سرائی نے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو۔ میں غوا کا راستہ دیکھ کر آتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آیا اور کہنے لگا کہ میدان میں کئی آدمی اسی راستہ سے چلے آتے ہیں۔ ادھر سے چلنا نہیں ہو سکتا۔ یہ سن کر میں گھبرایا اس لئے کہ ملک کے تو مجھ میں ہوں۔ صبح قریب ہے اور منزل مقصود دور ہے میں نے کہا کہ کوئی جگہ بتاؤ جہاں دن کو چھپ رہیں۔ جب رات ہو گئی تو گھوڑوں کے لئے کچھ لے دے کر دریائے غنجد سے پار ہو کر دریا کے اس جانب غنجد چلے جائیں گے۔ کہنے لگے یہاں ایک پشتہ ہے وہاں ہم چھپ سکتے ہیں۔ بندہ علی کرنان کا درواغہ تھا۔ کہنے لگا کہ ہم اور ہمارے گھوڑے اب بھوکے نہیں رہ سکتے۔ میں کرنان جانا چاہتا ہوں جو کچھ ملتا ہے وہ لانا ہوں ہم نے ادھر سے کرنان کی طرف رخ کیا کرنان سے کوس بھر کے فاصلہ پر ہم ٹھہر گئے۔

بندہ علی گیا اور اس کو بہت دیر لگی۔ صبح ہوتی چلی آتی تھی اور اس موک کا پتہ نہ تھا۔ اب میں بہت ہی گھبرایا۔ دن نکل آیا تھا کہ بندہ علی دوڑ آیا۔ گھوڑوں کے لئے تو چھ نہ لیا مگر تین روٹیاں لایا۔ ہم تینوں نے ایک ایک روٹی بغل میں ماری اور جلدی سے اس پشتہ کے پاس پہنچے گئے جہاں ہم نے چھپنا چاہا تھا۔ گھوڑوں کو تو نیچے اس جگہ باندھ دیا جہاں پانی کے بہاؤ نے گڑھے ڈال دیئے تھے اور ترائی تھی اور ہم خود اوپر چڑھ کر ہر ایک ایک طرف جا بیٹھا۔ اور پہرہ دینے لگا۔ دوپہر کے قریب ہم نے دیکھا کہ احمد قوشی ۴۵۷ھ چار سواروں کے ساتھ غوا سے آغشی کی جانب جا رہا ہے۔ ایک خیال آیا کہ اس کو بلائیے اور وعدہ وعید کر کے اس سے گھوڑے لیجئے کیونکہ ہمارے گھوڑے بالکل بے دم ہو گئے تھے۔ ایک شبانہ روز سے تو وہ دوڑ دھوپ میں تھے۔ اس پر ان کو دانہ گھاس بھی میسر نہ ہوا تھا۔ مگر پھر دل نے نہ مانا اور ان لوگوں پر پورا بھروسہ نہ ہوا۔ ہم نے آپس میں صلاح کی کہ یہ لوگ رات کو کرنان میں ٹھہرنے والے ہیں۔ رات کو ان کے گھوڑے چرا لائیں تاکہ یہاں سے کسی دوسری جگہ جا پہنچیں۔ دوپہر کو اتنی دور

پر جہاں تک نظر پہنچتی ہے یہ معلوم ہوا کہ گھوڑے پر کوئی چیز چمک رہی ہے۔ ہم کچھ نہ پہچان سکے۔ کہ یہ کیا چیز ہے۔ اصل میں وہ محمد باقر بیگ تھا جو آغشی میں ہمارے ساتھ تھا۔ آغشی سے بھاگتے وقت جس کا جدھر سینک سلیا وہ ادھر چلا گیا۔ محمد باقر بیگ اس طرف آنکلا تھا۔ اور اپنے آپ کو چھپائے پھرتا تھا۔

بندہ علی اور بلہا سیراجی نے کہا کہ دو دن سے گھوڑے بھوکے ہیں۔ سبزہ زار میں چل کر گھوڑوں کو گھاس چرنے کے لئے چھوڑ دینا چاہئے۔ ہم وہاں سے سوار ہوئے۔ سبزہ زار میں آٹھ گھنٹے اور گھوڑوں کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ عصر کا وقت تھا کہ جس پشت پر ہم چھپتے تھے اس پر ایک سوار جاتا ہوا نظر آیا۔ میں پہچان گیا کہ قلندر بروی ہے (جو غوا کے بڑے آدمیوں میں سے تھا) مہراہیوں سے کہا قلندر بروی کو بلا لو۔ انہوں نے بلا لیا۔ ہم اس سے ملے۔ حالات دریافت کرنے کے بعد میں نے اس کے ساتھ عنایت و وعید کر کے گھاس کاٹنے کی درانتی، کھاڑی، دریا سے پار ہونے کا سلسلہ، گھوڑوں کے لئے دانہ، اپنے لئے کھانا اور نیز ممکن ہو تو ایک گھوڑا لانے کے لئے بھیج دیا اور میعاد لگائی کہ عشاء کے وقت تک یہ سب چیزیں یہیں لے آئے۔ مغرب کے بعد ہم نے دیکھا کہ ایک سوار کرنل سے غوا کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس سے پوچھا کون ہے؟ اس نے ہمیں جواب دیا۔ وہ محمد باقر بیگ ہی تھا۔ کل جہاں چھپا تھا وہاں سے نکل کر دوسری جگہ چھپنے جاتا تھا۔ اب اس نے ایسی آواز بدلی کہ اگرچہ مدتوں میرے پاس رہا ہے مگر میں ذرا نہ پہچان سکا۔ اگر اس کو پہچان لیتا اور اپنے ساتھ لے لیتا تو بہتر تھا۔ اس کے چلے جانے سے بڑا اندیشہ پیدا ہوا۔ قاری بروی غوائی سے جتنی دیر وہاں ٹھہرنے کا وعدہ کیا تھا اتنی دیر ہم نہ ٹھہر سکے۔

بندہ علی نے کہا کہ کرنل کے گرد چھپنے کے قاتل بلغ بست سے ہیں۔ وہاں کسی کو ہمارا اگن بھی نہ ہو گا۔ وہاں چل کر قلندر بروی کے پاس کسی کو بھیج دیا جائے گا۔ وہ وہیں چلا آئے گا۔ اس خیال سے سوار ہو کر ہم کرنل کی نواح میں آئے۔ جاڑے کا موسم تھا۔ سردی خوب پڑی تھی۔ ایک پرانی دہنے کی پوستیں جس کے اندر واہیات سا اونٹنی استر بھی لگا ہوا تھا کہیں سے میرے لئے لے آئے۔ میں نے وہ پہن لی۔ کسی سے ایک پیالہ آتش مدان کا جو ارزن ۴۵۸ کے آٹے کی ہوتی ہے۔ لے آئے۔ میں نے اسی کو پی لیا۔ بڑی تسکین ہوئی۔ میں نے بندہ علی سے پوچھا کہ قلندر بروی کے پاس تو

نے کسی کو بھیجا؟ اس نے کہا ہاں بھیجا ہے۔ حقیقت میں ان کبعت نمک حرام گزاروں نے اتفاق کر کے قلعہ بروی کو آغوشی میں تنبل کے پاس بھیجا تھا۔ میں ایک ایسے مکان میں جس کی چار دیواری تھی چلا آیا اور آگ لگا کر ایک لمحہ بھر سو رہا۔

۹۱۰ ہجری کے واقعات

اندجن چھوڑ کر کلل جانا۔ ماہِ محرم میں خراسان جانے کے لئے ملکِ فرغانہ سے نکل کر ایلاق الماک میں جو ملک حصار کے ایلاقوں میں سے ہے میں آیا۔ اسی پرآؤ میں تیسواں سال مجھے شروع تھا کہ میں نے ڈاڑھی منڈوائی۔ جو لوگ ایک امید پر میرے ساتھ پھرتے تھے وہ چھوٹے بڑے سب مل کر دو سو سے زیادہ اور تین سو سے کم تھے۔ ان میں اکثر پیدل تھے۔ بہت سوں کے پاس صرف لالچیاں تھیں۔ کوئی ننگے پاؤں تھا اور کسی کے پاؤں میں موزے تھے۔ مفلسی اس درجہ کی تھی کہ ہمارے فظِ دو خیمے تھے۔ میرا خیمہ میری والدہ کے لئے لگا دیتے تھے۔ میرے لئے ہر پرآؤ پر ایک چھو لدا ری کھڑی کر دیتے تھے۔ میں اس میں ہو بیٹھا تھا۔ اگرچہ خراسان جانے کا ارادہ ہو گیا تھا مگر پھر بھی یہاں والوں سے اور خسرو شہ کے نوکروں سے ایک امید تھی۔ روزِ مردہ کوئی نہ کوئی آتا تھا اور اہل ملک اور قبیلوں کی طرف سے ایسی گفتگو کرتا تھا جس سے ڈھارس بندھ جاتی تھی۔ ان ہی دنوں میں ملا بابا ساغرچی جسے خسرو شہ کے پاس بھیجا تھا آیا۔ اس نے خسرو شہ کی طرف سے کوئی ہدیہ ایسی نہ بیان کی جس سے تسلی ہوتی۔ مگر ہاں اقوام کی طرف سے پیغام لایا۔ مقام الماک سے تین چار منزل چل کر مقامِ خواجہ عدا میں جو حصار کی نواہ میں سے ہے اترتا ہوا اسی منزل میں محب علی تورچی خسرو شہ کے پاس سے آیا۔ خسرو شہ اگرچہ سخاوت اور مروت میں مشہور تھا لیکن دو مرتبہ اس کے ملک میں سے ہم کو گزرنے کا اتفاق ہوا۔ جیسی آدمیت کہ وہ اپنی آدمی سے کرتا تھا۔ ہمارے ساتھ نہ کی۔ بہر حال چونکہ اہل ملک اور قبیلوں سے ناامیدی نہ تھی اس لئے ایک ایک دن ہر منزل میں مقام ہوتا تھا۔

شیرم طغائی جس سے بڑا سردار ان دنوں میں میرے ہاں کوئی نہ تھا۔ خراسان جانا نہ چاہتا تھا اور مجھ سے الگ ہو نہ کا اس کو خیال تھا۔ جس وقت کہ پل پر میں نے شکست کھائی ہے اس وقت بھی اس نے اپنے گھریار کو الگ کر دیا تھا اور آپ تنہا ہو کر قلعہ بچانے کے لئے رہ گیا تھا۔ بے مروت آدمی تھا۔ کئی دفعہ اس نے یہی حرکت کی

تھی۔ ہم مقام قبلہ میں جب پہنچے تو خسرو شہ کے چھوٹے بھائی چغتایانی نے جو شہر صفا اور تہذہ پر قابض تھا۔ خطیب قرشی کو بھیجا۔ اور دوستی ظاہر کر کے ہماری ہرمانی اختیار کی۔ میں نے یہ تدبیر سوچی کہ یوں تو کام نہ چلا اور ملک توران تقدیر سے ہاتھ نہ آیا۔ اب شہ اسماعیل صفوی سے مدد لینی چاہئے۔ ایوان کے راستہ سے دریائے آمو کے پار ہو چغتایانی سے ملاقات کی۔ بلی چغتایانی تہذہ سے آیا۔ بلی کے گھردالوں اور اسباب کو دریا سے اترا کر اس کو اپنے ہمراہ لیا اور کھمرو بائیان کی طرف ہم روانہ ہوئے۔ یہاں ان دنوں میں بلی کا بیٹا احمد قاسم جو خسرو شہ کا بھانجا تھا حاکم تھا۔ ارادہ ہوا کہ اجر نام قلعہ میں جو کھمرو کے مضامین سے ہے اہل و عیال کو رکھ کر اور وہاں کا انتظام کر کے پھر جو مصلحت ہوگی اور مناسب ہو گا وہ کریں گے۔ جب مقام ایک میں ہم پہنچے تو یار علی بلال (جس نے ابتداء میں میرے پاس خوب کارگزاری کی تھی اور ان بھگدڑوں میں مجھ سے الگ ہو کر خسرو شہ کے پاس رہنا اختیار کر لیا تھا) کچھ آدمیوں سمیت بھاگ کر آیا۔ خسرو شہ کے پاس جو مغل تھے ان کی طرف سے اس نے دولت خواہانہ باتیں عرض کیں۔ درہ اندان میں پہنچتے ہی عہد علی بیگ جس کو قنبر علی سلخ بھی کہتے ہیں آن ملا۔ تین چار منزلیں چل کر کھمرو پہنچے۔ اور قلعہ اجر میں قیام کیا۔ یہیں جہانگیر مرزا کا نکاح سلطان محمود خل کی بیٹی سے جو خزانہ بیگم کے پیٹ سے تھی اور مرزاؤں کی حیات میں جہانگیر مرزا کی معیت ہو گئی تھی کر دیا۔ اسی اثناء میں بلی بیگ نے کئی بار میرے گوش گزار کرایا کہ ایک ملک میں دو بلو شاہوں کا اور ایک لشکر میں دو سرداروں کا رہنا تفرقہ دہرائی کا باعث اور فتنہ و پریشانی کا سبب ہوتا ہے۔ سعدی کا قول ہے۔ ”وہ درویش در گلکھے چہند دو پادشاہ در اقلکھے نہ گنبد۔“

نیم نانے گر خورد مرد خدا نے
بذل در دیشاں کند نیسے دگر
ہفت اللیم ارگیرو بلو شاہ
ہم چنان در بند اقلکھے دگر

یہ امید ہے کہ آج کل میں خسرو شہ کی فوج اور حشم و خدم کی فوج اور حشم و خدم حضور کے تابع ہو جائیں گے۔ ان میں فتنہ پرداز لوگ بہت ہیں۔ جسے ایوب بیگ کے بیٹے اور لوگ۔ جنہوں نے مرزاؤں میں جھگڑے ڈلوائے ہیں۔ اس وقت جہانگیر

مرزا کو خوشی خوشی خراسان کی طرف رخصت کر دینا مناسب ہے۔ کل کو ندامت اور پشیمانی نہ ہوگی۔

میری یہ عادت نہ تھی کہ اپنے بھائی اور عزیز کو میرے ساتھ بے ادبیاں کریں۔ میں ان کو تکلیف پہنچاؤں۔ مانا کہ جہانگیر مرزا میں اور مجھ میں ملک اور آدمیوں کی وجہ سے مدتوں تک سخت نقاض رہا لیکن اب وہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر میرے ساتھ چلا آیا۔ میرا سا ہے۔ عزیز ہے۔ تاجدار ہے۔ اور اس وقت اس سے ایسی حرکت بھی ظاہر نہیں ہوئی جو باعث کدورت ہو۔ باقی بیگ نے بہتیرا عرض کیا مگر میں نے نہ مانا۔ بے شک آخر وہی ہوا جو باقی بیگ نے کہا تھا۔ وہی مفید یوسف ایوب اور بملول ایوب میرے پاس سے بھاگے۔ جہانگیر مرزا کے پاس گئے۔ جھگڑے مچائے اور جہانگیر مرزا کو مجھ سے علیحدہ کر کے خراسان لے گئے ہیں۔ ان ہی دنوں میں سلطان حسین مرزا کے پاس سے بڑے بڑے لہجے چوڑے مضمون کے خطوط بدیع الزماں مرزا کے پاس۔ میرے پاس۔ خسرو شاہ کے پاس اور ذوالنون بیگ کے پاس آئے۔ وہ خط میرے پاس اب تک موجود ہے۔ مضمون یہ تھا کہ سلطان احمد مرزا، سلطان محمود مرزا اور سلطان علی مرزا نے جس وقت اتفاق کر کے مجھ پر چڑھائی کی ہے اس وقت میں نے دریائے مرغاب کے کنارہ کا بندوبست کر لیا تھا۔ مرزا قریب آئے اور کچھ نہ کر سکے۔ اٹنے پھر گئے۔ اب جواز بک متوجہ ہے تو میں مرغاب کے کنارے کا بندوبست کرتا ہوں۔ بدیع الزماں مرزا بلخ اور سیرخان کے قلعوں کا انتظام اپنے معتبر آدمیوں سے کر کے خود مقام کرزوان، درہ رنگ اور اس جانب کے پہاڑوں کا بندوبست کر لیں۔ چونکہ اس نواح میں میرے آنے کی خبر ان کو ہو گئی تھی اس لئے مجھے لکھا تھا کہ تم کھمرو، اجرا اور اس طرف کی پہاڑ کی تلبیسی کا بندوبست کر لو۔ خسرو شاہ حصار اور قدز کے قلعوں میں تو اپنے معتبر آدمی مقرر کرے اور خود مع اپنے چھوٹے بھائی ولی کے بدخشش اور ختلان کے پہاڑوں کا انتظام کرے۔ اس ترکیب سے ازبک بے نسل مرام الٹا پھر جائے گا۔ سلطان حسین مرزا کے یہ خطوط باعث ناامیدی ہوئے۔ کیونکہ تیموریہ خاندان میں آج عمر میں لشکر میں اور ملک میں اس سے بڑا اور بہادر دوسرا بلو شاہ نہیں ہے۔ امید یہ تھی کہ متواتر اپنی اور نامہ بر آکر ماکیدا حکم پہنچائیں گے کہ ترند، کلف اور کرکی کے گھاٹوں پر پل باندھنے کے اسباب اور کشتیاں تیار رکھو۔ گھاٹوں کی خوب احتیاط کرو۔ ان باتوں سے

ان لوگوں کی ہمت بندھ جاتی جو اس مدت میں ازبکوں کے ہاتھوں سے شکستہ دل ہو گئے تھے۔ جبکہ سلطان حسین مرزا جیسا شخص جو امیر تیمور کا جانشین ہو اور اتنا بڑا پادشاہ ہو وہ نصیم پر فوج کشی نہ کرے بلکہ اس کے بدلے اپنے مقلات کا انتظام کرے تو لوگوں کو کیا امید رہے کہ ہمارے پاس جس قدر لوگ ہیں وہ بھی اور ان کے گھوڑے بھی ننگے۔ بھوکے اور مرلے۔ خیر میں نے یہ کیا کہ بلی چغتائی اس کے بیٹے احمد قاسم اور ہمراہیوں کے گھریار اور اسباب کو اجر میں چھوڑا۔ اسی لشکر کو لے کر نکل کھڑا ہوا۔

خروشاہ کے مغلوں نے متواتر آدمی بھیجے کہ ہم نے آپ کی اطاعت اختیار کر لی ہے۔ ہمارے تمام قبائل انگمکش اور قلعوں میں آگئے ہیں۔ آپ بہت جلد ہمارے پاس آجائیں۔ خروشاہ کے اکثر ملازم تہہ ہو کر آپ کے مطیع ہوتے جاتے ہیں۔ انہی دنوں میں خبر آئی کہ شیبانی غل نے اندجان لے لیا۔ حصار اور قندز پر فوج کشی کی ہے۔ خروشاہ قندز سے بھاگ گیا۔ وہ ساری فوج کے ساتھ کلل جاتا ہے۔ قندز سے خروشاہ کے نکلنے ہی ملا محمد ترکستانی نے جو خروشاہ کا معتبر ملازم تھا قندز کا بندوبست کر لیا ہے۔ جس وقت ہم شہر کے راستہ سے سرخاب چلے اس وقت مغلوں کے تین چار ہزار خانہ دار جن کو خروشاہ سے تعلق تھا اور جو حصار اور قندز میں تھے مع اپنے اسباب وغیرہ کے آئے اور ہمارے ساتھ ہو گئے۔ قنبر علی جس کا ذکر اکثر ہوا ہے بڑا بے ہودہ تھا۔ اس کے اطوار باقی بیگ کو پسند نہ آئے۔ باقی بیگ کی خاطر سے اس کو علیحدہ کر دیا۔ اس کا بیٹا عبدالشکور اسی زمانہ سے پھر جہانگیر مرزا کا نوکر ہو گیا۔ خروشاہ مغلوں کا ہمارے ساتھ ہو جانا سن کر گھبرا گیا۔ مجبور ہو کر اپنے داماد یعقوب بیگ کو اپنی جگہ کے بھیجا اور ہماری اطاعت ظاہر کی۔ درخواست کی کہ اگر معاہدہ ہو جائے تو میں حاضر خدمت ہوتا ہوں۔ بلی چغتائی میری سرکار میں مختار تھا۔ اگرچہ میری خیر خواہی کا دم بھرتا تھا مگر اپنے بھائی کا بھی پاس کر گیا۔ اس لئے تجویز کی کہ اس کی جان کو بھی امان دی جائے اور جتنا مال وہ لینا چاہے مزاحمت نہ ہو۔ یہی معاہدہ ہو گیا۔

اجازت دینے کے بعد یعقوب اور ہم لوگ دریائے سرخ سے کوچ کر کے وہاں اترے جہاں ہریائے اندراب اور دریائے سرخ آپس میں ملتے ہیں۔ دوسرے دن کہ ماہ ربیع الاول کا اوسط تھا دریائے اندراب سے میں نے جریہ عبور کیا اور نواح دوشی میں ایک بڑے چنار کے درخت کے نیچے میں بیٹھا ادھر سے خروشاہ بڑے طمطراق سے

آیا اور دستور کے موافق دور سے اتر پڑا۔ سامنے آتے ہی تین دفعہ زانو مارا اور چلے۔
 وقت بھی تین ہی دفعہ زانو مارا۔ مزاج پر سی اور پیش کش حاضر کرنے کے وقت ہر بار
 زانو مارتا رہا۔ جمائگیر مرزا اور مرزا خان کے ساتھ بھی یہی برتنو کیلہ بڑھا بوبک (جو
 مردک مدقوں اپنے تئیں لئے رہا اور سوائے اس کے کہ اپنے نام کا خطبہ نہ پڑھوایا۔
 سلطنت کے سارے لوازم رکھتا تھا، بختیس چھیس دفعہ برابر زانو مارے، آگے بڑھنے اور
 پیچھے ہٹنے میں خوب تھکا تھکا قریب تھا کہ گر پڑے۔ کئی برس کی امیری اور سلطنت ساری
 ناک کے راستہ نکل گئی نئے اور پیش کشوں کے لینے کے بعد میں نے حکم دیا کہ بیٹھو۔
 کوئی گھڑی بھر بیٹھا۔ ادھر ادھر کی گپیں شمس ہوتی رہیں۔ بلوچو نامرد اور نمک حرام
 ہونے کے باتیں بھی اس کی لغو اور بے مزہ تھیں۔ حل تو یہ کہ اس کے اعتباری اور
 اعتدلی نوکوں کی ٹولیاں کی ٹولیاں اس کی آنکھوں کے سامنے پاس آگئیں۔ اور یہاں
 تک نوبت پہنچ گئی کہ مردود یا تو بلوشہ بنا پھرتا تھا یا اس قدر ذلیل و خوار ہو گیا۔ اس پر
 بھی عجب عجب طرح کی باتیں اس کے منہ سے نکلتیں۔ ایک تو یہ کہ میں نے اس کے
 آدمیوں کے جدا ہونے سے اس کی دل داری کی۔ اس کے جواب میں کہنے لگا کہ یہ
 لوگ چار مرتبہ اسی طرح میرے پاس سے چلے گئے ہیں اور پھر آگئے ہیں۔

دوسری بات یہ ہوئی کہ میں نے اس کے چھوٹے بھائی ولی کو پوچھا کہ وہ کب
 آئے گا۔ اور دریائے آمو کے کون سے گھاٹ سے اترے گا۔ کہنے لگا کہ جہاں سے
 اترے گا موقع دیکھے گا خود چلا آئے گا کیونکہ دریا کی طغیانی سے گھاٹ پلٹ جاتے ہیں
 اور یہ مثل مشہور ہے۔ ”آں گزر را آب برد“ خدائے تعالیٰ نے اس کی بربادی کی قیادت
 ہی کے منہ سے نکلائی۔ رو ایک گھڑی کے بعد میں سوار ہوا اور اپنے لشکر میں آیا۔
 میں وہ ٹھہرا ہوا تھا وہاں وہ چلا گیا۔ اسی دن سے چھوٹے بڑے، اچھے برے امراء اور
 درمعد مل و اسباب کے اس سے الگ ہو کر میرے پاس آئے گئے۔ دوسرے دن
 نہر کی نماز کے وقت تک ایک چڑیا اس کے پاس نہ رہی۔ قل اللہم مالک الملک
 توتی الملک من تشاء وتنزع الملک من تشاء تعز من تشاء وتذل من
 تشاء بیدک الخیر انک علی کل شئی قدير۔ خدا کیا تصور ہے؟ اس نے ایسے
 بڑے شخص کو جو بیس تیس ہزار آدمی کا آقا تھا قلعہ (جس کو بند آہنی بھی کہتے ہیں)
 سے بندوش (جو ملک سلطان محمود مرزا کے تحت و تصرف میں تھا) تک کے ملک کا

مالک تھا۔ جس کے ایک تحصیل دار حسن برلاس نام (جو بوڑھا مردک اطلاق باب واج سے زبردستی تحصیل کیا کرتا تھا) نے مجھ کو دھکے دے کر نکالا تھا۔ ڈیڑھ دنوں میں ہم جیسے دو ڈھائی سو مظلوں اور محتجوں کے سامنے ایسا ذلیل اور بے بس کر دیا کہ نہ اس کو کسی آدمی پر اختیار رہا اور نہ اپنی جان و مل پر۔

جس دن میں خسرو شاہ سے مل کر آیا ہوں اسی رات مرزا خان میرے پاس آیا اور اس نے اپنے بھائی کے خون کا دعویٰ کیا ہم میں کئی آدمی ایسے ہی مدعی تھے۔ فی الواقع شرعاً اور عرفاً بھی لازم تھا کہ ایسا مجرم اپنے کئے کی سزا پائے مگر چونکہ عہد ہو گیا تھا۔ خسرو شاہ کو آزاد کر دیا اور حکم دیا کہ جس قدرے جاسکتے اپنے اسباب لے جائے۔ اونٹوں اور فچروں کی چار قطاریں سولے اور چاندی کے اسباب اور جواہر سے بھری ہوئی اس کے پاس تھیں۔ ان سب کو وہ لے گیا۔ شیرم لطائف کو اس کے ساتھ کر دیا۔ اور حکم دیا کہ خسرو شاہ کو غوری دہلہ کے راستے سے خراسان کی طرف پہنچا دے۔ اور خود کھم جو جا کر ہمارے گھر بار کو لے آئے۔ اس کے بعد اس مقام سے کلٹل کی طرف کوچ کیا۔ مقام خواجہ زید میں آکر ٹھہرے۔ آج ہی انہوں نے چاہتوخی نے آکر دوشی کی نواح کو لوٹنا شروع کیا۔ سید قاسم ایٹک آقا اور محمد قاسم کوہ بر وغیرہ ان کے مقابلہ کے لئے بیجے گئے۔ ان لوگوں نے جا کر ان کی خوب خبر لی۔ کئی آدمیوں کے سر کاٹ لائے۔ اسی مقام پر خسرو شاہ کے اسلمہ خانہ کا تقسیم کیا۔ سات سے آٹھ سو جوشن اور گرز بنے۔ خسرو شاہ کے اسباب میں سے یہی ہل رہ گیا تھا یہی ہاتھ لگا اور اسباب نہ تھا۔

خواجہ زید سے تین چار آدمی چل کر غور بزر میں ہم پہنچے۔ جس وقت ہم شہر اسیر میں آکر اترے اس وقت ہم کو خبر لگی کہ شیر کہ ارغون (جو مقیم ارغون کے امرائے ذی اقتدار میں سے تھا) دریائے باران کے کنارہ پر لشکر لئے ہوئے پڑا ہے۔ مگر اس کو ہمارا حال معلوم نہیں ہے۔ جو کوئی جھکیہ سے عبدالرزاق مرزا کے پاس (یہ مرزان دنوں میں کلٹل سے بھاگ کر نواح لغمان میں افغانوں کے ایک سردار کے پاس چلا گیا تھا) جاتا ہے اس کو نہیں جانے دیتا۔ اس خبر کے سنتے ہی دو نمازوں کے درمیان میں ہم سے وہاں سے کوچ کر دیا۔ رات بھر چلتے رہے ہویان کے گھاٹ سے اترے۔ پہاڑ پہنچے تو جنوب کی طرف نشیب میں ایک چمکتا ہوا ستارہ دکھائی دیا۔ میں نے

کہا کہ یہ سہیل تو نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ سہیل ہے۔ میں نے بھی سہیل نہ دیکھا تھا۔ باقی چغنائیلی نے یہ شعر پڑھا۔

تو سہیلی تاکجا تہلی و کے طلع شوی
چشم تو برہر کہ می اتند نشان دولت است

آفتاب ایک نیزہ پر آیا ہو گا کہ ہم درہ سبغہ میں آن اترے۔ کچھ فوج قراولی کے لئے آگے بھیجی گئی تھی۔ قزلباغ کے نیچے ابکری کے نواح میں پہنچتے ہی اس نے شیرکہ پر حملہ کر دیا اور تھوڑی بہت جنگ کے بعد اس کو گرفتار کر لیا۔ شیرکہ ستر اسی آدمیوں کے ساتھ ہماری خدمت میں حاضر ہوا۔ خسرو شاہ جب اپنے اہل والوس کو چھوڑ کر قندز سے کاہل جانے کے لئے نکل کھڑا ہوا تھا تو اس کی فوج اور اہل والوس کی پانچ چھ جماعتیں تھیں۔ بدخشیوں کی ایک جماعت تھی۔ ایک جماعت سیدم علی دربان کی تھی جو ہزارہ وغیرہ میں تھا۔ یہ سب اسی مقام پر آکر ایک ساتھ ہو گئے۔ ایک اور جماعت یوسف ایوب اور بملول کی بیسیں ہمارے پاس آئی۔ کچھ لوگ ختلان سے خسرو شاہ کے چھوٹے بھائی ولی کے ساتھ ہوئے۔ ایلا الجن و قاشل کا ایک گروہ اور چند قبیلے قندز میں ٹھہرے تاکہ کوئل سے نکل جائیں۔ کچھ قبائل پیچھے مقام سراب میں رہ گئے۔ اتنے میں ولی پیچھے سے آیا۔ بعض فرقوں نے اس کا راستہ روکا۔ اور مقابلہ کیا۔ ولی کو شکست ہوئی۔ ولی شکست کھا کر ازبک کے پاس پہنچے۔ شیبانی خاں کے حکم سے سمرقند کے بازار میں ولی قتل کر دیا گیا۔ جو لوگ بچے وہ لئے کھٹے پکڑے ہوئے قبیلوں کے ساتھ اسی منزل میں ہمارے پاس آئے۔ سید یوسف بیگ اغلاچی بھی انہی کے ساتھ حاضر ہوا۔ اراقرانی میں جو قزلباغ کے کنارہ پر ہے اتر۔ خسرو شاہ کے لوگ ظلم و زیادتی کرنے کے عادی تھے۔ ہر وقت بندگان خدا پر ظلم کرنے لگا۔ آخر سید علی دربان کے ایک عمہ ملازم کو اس جرم میں کہ اس نے کسی کی گھٹی کی ہڈیا چھین لی تھی محل کے دروازہ پر پکڑوا بلوایا اور حکم دیا کہ اس کو لکڑیاں مارو۔ نو لکڑیوں میں اس کا دم نکل گیا۔ اس سزا دینے سے سب کانپ گئے۔ اسی منزل میں کاہل چلنے اور نہ چلنے کی صلاح کی۔

سید یوسف بیگ وغیرہ کی رائے ہوئی کہ جائزے کا موسم قریب ہے۔ اب تو لمغن چلنا چاہئے وہاں پہنچ کر جو مناسب ہو گا وہ کریں گے۔ باقی چغنائیلی وغیرہ کی رائے

ہوئی کہ کلہل چلنا مصلحت ہے۔ آخر کلہل چلنا قرار پایا۔ یہاں سے کوچ کیا اور مقام قوروق میں اترے۔ اس منزل میں میری والدہ مع ہمراہیوں کے جو کھمو میں رہ گئی تھیں بڑی معیتوں سے آئیں۔ ان کے واقعات کی تفصیل یہ ہے کہ شیرم طغانی کو خسرو شاہ کے خراسان پہنچانے کے لئے ساتھ بھیجا تھا اور کہہ دیا تھا کہ خسرو شاہ کو خراسان کی طرف روانہ کر کے ہمارے لوگوں کو لے آئے۔ جس وقت یہ سب درہ کے منہ پر پہنچے اس وقت شیرم بے اختیار ہو گیا۔ اور خسرو شاہ اس کے ساتھ تھا۔ میرو اور احمد قاسم (خسرو شاہ کا بھانجا) کھمو میں تھے۔ خسرو شاہ نے احمد قاسم کو کھلا بھیجا کہ وہاں جو لوگ ہیں ان کا سر تا برتا کر لو۔ باقی چغتائی کے بہت سے مغل ملازم کھمو میں ہمارے گھر والوں کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے خفیہ شیرم سے کھلا بھیجا کہ خسرو شاہ اور احمد قاسم کو گرفتار کر لیا جائے۔ خسرو شاہ اور احمد قاسم کو یہ حل معلوم ہو گیا درہ اجر کے قریب جو راستہ ہے دونوں وہاں سے بھاگ کر خراسان کی طرف روانہ ہو گئے۔ مغلوں کی غرض اس سازش سے یہ تھی کہ ان سے الگ ہو جائیں۔ جو لوگ ہمارے گھر والوں کے ساتھ تھے وہ خسرو شاہ کی طرف سے بے فکر ہو گئے اور درہ اجر سے باہر نکل آئے۔ جس وقت یہ لوگ کھمو میں پہنچے۔ سائی قاپچی والے باغی ہو گئے۔ انہوں نے راستہ گھیر لیا۔ باقی بیک کے اکثر اہل والوں وغیرہ کو لوٹ لیا۔ بایزید کا چھوٹا بیٹا کم سن تھا۔ اس کو پکڑ لیا۔ وہ تین چار برس بعد کلہل میں آیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے گھر والے لئے کئے تعلق کو قتل کے راستے سے جہاں سے میں آیا تھا قوروق میں ہمارے پاس پہنچے۔

ہم نے یہاں سے کوچ کیا۔ بیچ میں ایک منزل کر کے مرغزار چلاک میں ٹھہرے اور مشورہ کیا۔ کلہل کا محاصرہ کر لینے کی تجویز قرار پائی۔ یہاں سے چلے۔ میں اپنے ہمراہیوں سمیت جو قول میں تھے حید تقی کے بلغ اور قل بایزید بکاول کے مقبرہ کے درمیان میں اترنا۔ جاگیر مرزا برنغار کو لئے ہوئے ہمارے بڑے چار بلغ کے پاس ٹھہرا۔ ناصر مرزا برنغار سمیت اس مرغزار میں مقیم ہوا جو کورخانہ قتل قدم کے پیچھے ہے۔ مقیم (حاکم کلہل) کے پاس ہمارا آدمی گیا اور باتیں کیں۔ کبھی وہ عذر کرتا تھا اور کبھی نرم نرم باتیں کرنے لگتا تھا۔ اس کو ایک خیال تھا اور اسی سبب سے وہ ٹال رہا تھا۔ بات یہ تھی کہ جب ہم نے شیر کہ کو گرفتار کیا ہے تو اس نے اپنے باپ اور بڑے بھائیوں

کے پاس آدمی دوڑے۔ اپنے بڑے بھائی سے اس کو امید تھی۔ ایک دن میں نے علم دیا کہ قول 'برخار اور جرنار کی تمام فوج ہتھیار اور سلاخ سے درست ہو کر شہر کے بہت قریب جئے اور اندر والوں کو ذرا دھمکائے۔ جہانگیر مرزا برخار کو لئے ہوئے کوچہ بلغ کی طرف بڑھتا۔ قول کے آگے کی طرف دریا تھا۔ میں قول کو لے کر کور خانہ قلاق قدم کی طرف سے ایک ٹیلہ پر جو پشت سے اونچا ہے آچل۔ ایرادل والے قتل قدم کے پل پر جھٹ کر چلے گئے۔ اس موقع پر سپاہیوں نے یہ دلیری کی کہ دروازہ چم گراں تک جا پہنچے۔ کچھ لوگ مقابلہ کے لئے آئے تھے۔ وہ بھاگ نکلے اور قلعہ میں جا گئے۔ ارک کے نیچے ایک بلند مقام کے قریب بہت سے اہل کلل سیر کرنے نکل آئے تھے۔ مقابلہ والے جو بھاگے تو بہت گڑاڑی اور بلندی پر سے لوگ گر پڑے۔ پل اور دروازہ کے بیچ میں زمین کھود کر حریف نے ایک گلی بنا دی تھی اور اس کو خس پوش کر دیا تھا۔ سلطان علی چلیق اور کچھ سپاہی حملہ کرتے وقت اس میں گر پڑے۔ برخار کے دو ایک جوانوں نے جو کوچہ بلغ کی طرف سے آئے تھے۔ دو دو ہاتھ کھوار کے بھی کئے۔ چونکہ لڑائی کا حکم نہ تھا اس لئے اتنا ہی کر کے الٹے پھر آئے۔

فتح کلل :- قلعہ والے بہت ہی ڈرے اور لگے دل چرانے۔ مقیم نے امراء کو بیچ میں ڈالا اور شہر کے حوالہ کر کے اطاعت قبول کرنے کی درخواست کی۔ باقی بیک چغتائی کے توسط سے اس نے ملازمت حاصل کی۔ میں نے بھی اس پر بہت عنایت و مہربانی کی اور اس کا اطمینان کیا۔ یہ بہت قرار پائی کہ کل اپنے آدمیوں اور مال اسباب کو شہر سے نکلے اور شہر حوالہ کر دے۔ خسرو شاہ کے لوگ لوٹ مار کے خوگر تھے۔ اس واسطے میں نے مقیم کے مال و اسباب کی حفاظت کے لئے جہانگیر مرزا اور ناصر مرزا، فیض کو متعین کیا۔ تاکہ مقیم کو اور اس کے متعلقوں کو مع اسباب کلل سے بحفاظت نکل دیں۔ مقیم کے قیام کرنے کے لئے پندرہ کا مقام مقرر کیا۔ دوسرے دن دونوں مرزا اور امراء شہر کے دروازہ پر گئے۔ وہاں خلعت کا بہت ہجوم دیکھا۔ مجھے کھلا بھیجا کہ آپ آئیے۔ آپ کے سوائے کوئی ان کو نہیں روک سکتا۔ آخر میں خود پہنچا۔ چار پانچ آدمیوں کو تیرہ دن سے مارا۔ دو ایک کو قتل کروایا۔ شور و غل دب گیا۔ مقیم اپنے متعلقوں سمیت صحیح سلامت چلا آیا اور پندرہ جا اترا۔ ربیع الاول کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے کلل و غزن اور اس کے توابعات کو بے لڑے بھڑے مسخر کرا دیا۔

ملک کلل کا بیان :- کلل کا علاقہ اظہم چارم میں سے ہے اور ملک کے وسط میں واقع ہے۔ اس کے مشرق میں بلخات، پشاور، کاشغر اور ہندوکش کے بعض علاقے ہیں۔ مغرب میں کوہستان ہے جس میں کرنو اور نور ہے۔ شمال میں قندز اور اندراب کا ملک ہے۔ جو ہندوکش پہاڑوں کے بیچ میں ہے۔ جنوب میں فرقل، نغر، بنو اور افغانستان ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے اور لمبوتر ہے۔ اس کا طول مشرق سے مغرب کی طرف ہے۔ ارد گرد پہاڑ ہیں۔

اس کا قلعہ پہاڑ سے ملا ہوا ہے۔ قلعہ کے مغرب و جنوب کے بیچ میں ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے چونکہ اس پہاڑی کی چوٹی پر شاہ کلل نے ایک مکان بنایا تھا اس لئے اس پہاڑی کا نام شاہ کلل مشہور ہو گیا۔ یہ پہاڑی خشکی اور یورین سے شروع ہوتی ہے۔ اور خشکی وہ یعقوب تک تمام ہو جاتی ہے۔ اس کا گرداوار ایک میل کا ہو گا۔ اس پہاڑ کے سارے دامنہ میں بلخات ہیں۔ میرے چچا الف بیک مرزا کے زمانہ میں دلتی آتکھ نے اسی پہاڑ کے دامن میں ایک نیر نکلی تھی۔ دامنہ کے سارے بلخات میں یہ نیر پھرتی ہے نیر کی انتہا پر ایک مقام ہے۔ اس کا نام کلکتہ ہے۔ سنہن مقام ہے۔ یہاں آکر ہم نے بہت سی لطف اٹھایا۔ افوہ مذاق خواجہ حافظ شیراز کا ایک شعر تصرف کر کے یہاں پڑھا گیا۔

اے خوش آن وقت کہ بے پاؤ سر آیاے چند

ساکن کلکتہ بودیم بہ بد نامے چند

قلعہ کے جنوب میں اور شر کلل کے مشرق میں ایک بڑا تالاب ہے۔ جس کا دور ایک میل شرعی کا ہو گا۔ شر کی جانب تین چھوٹے چشمے اور ہیں۔ ان میں سے دو کلکتہ کی نواح میں ہیں ایک چشمہ پر خواجہ شمس نام ایک مزار ہے۔ دوسرے چشمہ پر خواجہ خضریٰ قدم گلہ ہے۔ یہ دونوں مقام کابلہوں کی سیرگاہیں ہیں۔ ایک چشمہ مقام خواجہ عبدالصمد کے سامنے ہے۔ اس کو خواجہ وثنائی کہتے ہیں۔ شر کا بل سے ایک بینی گلہ نکلی ہے جس کو عقابین کہتے ہیں۔ اس سے علیحدہ ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ ارک کلل اسی پہاڑی پر ہے۔ قلعہ ارک کے شمال میں ہے۔ یہ ارک نہایت بلند ہے اور ہوا دار مقام ہے۔ اسی بڑے تالاب کے گرد تین مرغزار ہیں۔ ایک کو سیہ سنگ۔ دوسرے کو سوئک تورغان اور تیسرے کو چالاک کہتے ہیں۔ یہ سب نیچے کی جانب ہیں۔

سربز ہو کر یہ مرغزار بہت ہی اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں بہار کے موسم میں بلا شل ہمیشہ چلتی رہتی ہے اس کو بلو پراں کہتے ہیں۔ ارک میں شل کی طرف گھڑکیوں دار مکان بہت ہی عمدہ بنے ہوئے ہیں۔ ملا محمد طالب معنائی نے کابل کی تعریف میں یہ شعر بدیع الزمان مرزا کے زبانی لکھا تھا۔

بخور درارک کابل سے بگرواں کا سہ پہ پہ در پہ
کہ ہم کوہ است و ہم دریاؤ ہم شہر است و ہم صحرا

کابل کی تجارت :- اہل عرب جس طرح سوائے ملک عرب کے سب کو عجم کہا کرتے ہیں اسی طرح ہندوستانی ہندوستان کے علاوہ ملکوں کو خراسان کہتے ہیں۔ ہندوستان اور خراسان کے بیچ میں دو بند ہیں۔ ایک کابل دوسرا قندھار۔ فرغانہ۔ ترکستان۔ سمرقند۔ بخارا۔ بلخ۔ حصار اور بدخشاں سے کابل میں قافلے آتے ہیں۔ خراسان سے قندھار میں آتے ہیں۔ یہ ملک گویا خراسان اور ہندوستان میں ایک واسطہ ہے۔ تجارت کی عمدہ منڈی ہے۔ اگر سوداگر روم اور خطا جائیں تو اتنا ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جتنا یہاں اٹھاتے ہیں۔ سال بہ سال آٹھ ہزار گھوڑے کابل میں آتے ہیں۔ ہندوستان سے غلام، سفید کپڑا، قد، مصری، شکر اور عقاقیر وغیرہ اسباب لاتے ہیں۔ بہت سے سوداگر ایسے ہیں کہ تنگے اور چوگنے نفع سے بھی خوش نہیں ہوتے۔ کابل میں خراسان، عراق، روم اور چین کا اسباب مل جاتا ہے۔ اور ہندوستان کا تو یہ بندر ہی ہے۔ گرم سیر اور سرد سیر ملک دونوں یہاں سے قریب ہیں۔ کابل سے ایک دن کے راستہ پر وہ ملک ہے جہاں ہمیشہ برف رہتی ہے۔ شاید کوئی ایسی گرمی کا موسم آ جاتا ہو جس میں وہاں برف نہ رہتی ہو۔ کابل سے قریب علاقوں میں گرم سیر اور سرد سیر میوؤں کی کثرت سے پیداوار ہے۔

کابل کی آب و ہوا :- کابل کی ہوا بڑی لطیف ہے۔ ایسی ہوا دار جگہ دوسری معلوم نہیں ہوتی۔ گرمی کی راتوں میں بغیر پوسٹین پنے نیند نہیں آتی۔ جاڑے میں برف کثرت سے پڑتی ہے مگر اس کی ٹھنڈ بہت نہیں ہوتی۔ سمرقند اور تہریز ہوا کی عمدگی میں مشہور ہیں۔ لیکن ان کی سردی ستم کی ہوتی ہے۔

میوے :- کابل اور اس کے مضافات میں سرد سیر میوؤں میں سے انگور، انار۔

سیب۔ زرد آلو۔ بی۔ امروہ۔ شفتالو۔ آلو بالو۔ پلام اور چار مغزمنوں پیدا ہوتے ہیں۔ آلو بالو کے درخت میں نے منگوا کر بوائے ہیں۔ نملیت عمدہ آلو بالو ان میں لگے۔ وہ اب تک خوب پھل رہے تھے۔ گرم سیرمیوے جیسے نارنج۔ ترنج۔ الموک۔ گنہ لفلت سے لاتے ہیں۔ نیکر کی زراعت میں نے کرائی ہے۔ چلغوزہ بخزا سے آتا ہے اور بہ افراط آتا ہے۔ نواح کلل میں بھی اچھا ہوتا ہے۔ اس ملک میں شہد بہت پیدا ہوتا ہے۔ مکر غزنی کے پہاڑوں کے سوا اور کہیں سے نہیں آتا۔ بی اور آلو بھی عمدہ ہوتا ہے۔ کھیرا بھی نادر ہوتا ہے۔ ایک قسم کا انگور ہوتا ہے۔ اس کو آب انگور کہتے ہیں۔ وہ نملیت لذیذ ہوتا ہے۔ اس کی شراب بہت تیز ہوتی ہے خواجہ خان سعید پہاڑ کے دامن کی شراب تیزی میں مشہور ہے۔ ہم قواب تقلیداً یہ تعریف کر رہے ہیں۔

لذت سے مست وارد ہوشیاراں راجہ خط

زراعت ۱۰۔ کلل کے علاقہ میں زراعت اچھی نہیں ہوتی۔ اس کی عمدہ زراعت چوتھائی اور پانچواں حصہ ہے۔ یہاں خربوزہ بھی اچھا نہیں ہوتا۔ اگر خراسانی تخم بویا جائے تو کسی قدر برا نہیں ہوتا۔

مرغزار ۱۱۔ کلل کے اطراف میں چار عمدہ مرغزار ہیں۔ مشرق اور شمال کے گوشہ میں مرغزار سموک قورغل ہے۔ کلل سے کوئی دو کوس ہو گل۔ اچھا سبزہ زار ہے۔ اس کی گھاس گھوڑوں کو بہت موافق ہے۔ کھیاں وہاں کم ہوتی ہیں۔ مغرب اور شمال کے بیچ میں مرغزار چلاک ہے۔ یہ مرغزار کلل سے کوس بھر ہو گل۔ بڑا مرغزار ہے۔ یہاں کی کھیاں بہار کے موسم میں گھوڑوں کو بہت ستاتی ہیں۔ مغرب میں مرغزار دیورتن ہے۔ یہ دو مرغزار ہیں۔ ایک کو مرغزار پلنبہ کہتے ہیں اور دوسرے کو قوی۔ اگر یہ حساب رکھا جائے تو پانچ مرغزار ہو جائیں گے۔ یہ دونوں مرغزار کلل سے ایک کوس شرقی پر ہیں اور مختصر سے مرغزار ہیں۔ وہاں کی گھاس گھوڑوں کو بہت موافق ہے کھیاں ان میں نہیں ہوتیں۔ کلل کے مرغزاروں میں ان جیسے مرغزار نہیں ہیں۔ مشرق میں ایک مرغزار ہے۔ اس کو سیاہ سیاہ سنگ کہتے ہیں۔ دروازہ چم گران کے اور اس مرغزار کے بیچ میں قلع قدم کا کورخانہ ہے۔ چونکہ موسم بہار میں یہاں کھیاں کثرت سے ہوتی ہیں۔ اس لئے اس کی حفاظت کم کی جاتی ہے۔ اس کے متصل مرغزار کمری بھی ہے۔ اس اعتبار سے کلل کے گرد چھ مرغزار ہوئے۔ مگر مشہور چار ہی ہیں۔

نواح کے پہاڑ اور راستے نہ کلل ایک مضبوط مقام ہے۔ اس ملک میں غنیم کا جلدی سے چلا آنا ذرا مشکل ہے۔ کلل۔ بدخشاں۔ بلخ اور قندز کے بیچ میں کوہ ہندوکش ہے۔ اس پہاڑ سے سات راستے جلتے ہیں۔ تین راستے بلخ شیر سے ہیں۔ سب سے بلند پہاڑ خواک ہے۔ اس سے کم کوہ طول ہے۔ اس سے نچا کوہ ہازلوک ہے سب میں عمدہ طول ہے۔ مگر کسی قدر اس کا راستہ لمبا ہے۔ عجب نہیں کہ اسی سے اس کا نام طویل ہو گیا ہو۔ سب سے سیدھا ہزارک ہے۔ ان دونوں میں ہو کر مقام سراب میں اترتے ہیں چونکہ موضع بارندی میں یہ پہاڑ تمام ہو جاتا ہے اس لئے سراب کے لوگ اس کو کوتل بارندی کہتے ہیں۔ ایک راستہ پروان کا ہے۔ کوہ کلاں اور پروان کے بیچ میں سات پہاڑ اور ہیں۔ ان کو ہفت و بیچ کہتے ہیں۔ اندراب سے دو راستے جلتے ہیں۔ اور کوہ کلاں کے نیچے دونوں ایک ہو کر ہفت و بیچ کے راستہ سے پروان میں آ جاتے ہیں۔ یہ بڑا کٹھن راستہ ہے۔ اور تین راستے خورمند میں ہیں۔ پروان کے راستہ کے نزدیک پہاڑ کا راستہ ایک مرغزار تک ہے۔ جو مقام دلیان اور غنغان میں اتر کر آتا ہے۔ ایک راستہ شیر تو پہاڑ کا ہے۔ گرمی کے موسم میں اس پہاڑ سے اتر کر ہامیان اور سلیمان کے راستہ سے جاتے ہیں اور جاڑوں میں آب درہ کے راستہ سے جاتے ہیں۔ جاڑوں میں چارباغ مینے تک سب راہیں بند ہوتی ہیں۔ شیر تو کے راستہ سے اس پہاڑ پر ہوتے ہوئے درہ آب کے راستہ میں چلتے ہیں جو راستہ خراسان کا ہے وہ قندھار سے آتا ہے یہ ہموار سڑک ہے۔ یہاں کوئی پہاڑ نہیں ہے۔

ہندوستان کی طرف کے چار راستے ہیں۔ ایک راستہ لغمان سے ہے۔ اس میں خیبر کے پہاڑوں کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے ہیں۔ دوسرا راستہ بگلش کا ہے۔ تیسرا راستہ لغز کا ہے۔ چوتھا راستہ فرل سے ہے۔ ان راستوں میں بھی تھوڑی بہت پہاڑیاں ہیں۔ دریائے سندھ کے تین گھاٹوں سے اتر کر ان راستوں میں آتے ہیں۔ جو لوگ نیلاب کے گھاٹ سے اترتے ہیں وہ لغمان کے راستہ سے آتے ہیں۔ جاڑے میں دریائے کابل دریائے سندھ اور دریائے سوات کے مقام اتصال کے بلائی گھاٹ سے اترنا پڑتا ہے۔ میں جو ہندوستان آیا ہوں تو اکثر ان دریاؤں کے گھاٹوں سے اترتا ہوں۔ اس دفعہ جو میں نے آکر سلطان ابراہیم کو شکست دی اور ہندوستان فتح کیا تو نیلاب کے گھاٹ سے کشتی کے ذریعہ سے اترتا ہوں۔ یہاں کے علاوہ کسی مقام پر دریائے سندھ سے بغیر

کشتی کے پار نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ بن کوٹ کے گھاٹ سے بمکش میں آتے ہیں اور جو بارہ کے گھاٹ سے اترتے ہیں وہ فرل کے راستہ سے غزنی میں آتے ہیں۔ اگر دشت کے راستہ سے چلتے ہیں تو قدحار جا پہنچتے ہیں۔

قومیں :- کل کے علاقہ میں مختلف قومیں بہت ہیں۔ میدانوں اور گھاٹیوں میں اتراک اور اعراب وغیرہ قومیں بہتی ہیں۔ شہر میں اور بعض دیہات میں تاجیک ہیں۔ بعض دیہات اور مغلّت میں پشتوری، پراچہ، تاجیک، ترک اور افغان آباد ہیں۔ غزنی کے پہاڑوں میں ہزارہ اور لوکذرتی ہیں۔ ہزارہ میں بعض قومیں مغل بولتی ہیں۔ جو کہ کوہستان بلین مشرق و شمال ہے وہ ملک کافرستان ہے۔ جیسے کتور اور کیرک۔ جنوب میں افغانستان ہے۔

زبانیں :- اس ملک میں عربی، فارسی، ترکی، مغل، ہندی، افغانی، پشتو، پراچی، کیری، کتوری اور لغلی وغیرہم گیارہ بارہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ شاید کسی ملک میں اس قدر قومیں آباد ہوں اور اتنی متفاخر زبانیں بولی جاتی ہوں۔

اضلاع :- یہ ملک چودہ توپانوں پر منقسم ہے۔ (سمرقند اور بخارا میں اور اس کے نواح میں توپان اس حصہ ملک کو کہتے ہیں جو ایک بڑے علاقہ کے تحت میں ہو۔ اندجان، کاشغر، چین اور ہندوستان میں اس کو پرگنہ کہتے ہیں) اگرچہ دیبجور، پشاور اور مشغر کے علاقے نے پہلے کلّ کے تحت میں تھے۔ مگر آج کل بعض ان میں سے افغانوں نے ویران کر دیئے ہیں۔ اور بعض افغانوں کے تصرف میں ہیں۔ اب وہ ایسے ہیں کہ ان کو ملک نہیں کہہ سکتے۔ کلّ کا شرقی علامہ لمغانات ہے۔ اس میں پانچ توپان اور دو بلوک ہیں۔ لمغان ۲۵۹ کا بڑا توپان ٹیکنار ہے۔ (بعض تاریخوں میں اس کو ٹیکر ہار بھی لکھا ہے) اس کا صدر مقام آدینہ پور ہے۔

آدینہ پور :- جو کلّ سے تیرہ فرسنگ کے راستہ پر ہے، کلّ اور ٹیکنار میں بڑا سخت راستہ ہے۔ تین چار جگہ چھوٹے چھوٹے پہاڑ ہیں۔ دو تین جگہ تنگ گھاٹیاں ہیں۔ غلی اور افغانوں کے سارے ڈاکو اسی میں لوٹ مار کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں یہ مغلّت بالکل ویران تھے۔ تودوق سائی اور قرانو کے انتہا میں نے آبادی کرائی۔ اس سبب سے راستہ میں امن ہو گیا۔ گرم سیر اور سرد سیر ملک کے بیچ میں ایک پہاڑ حاکل

ہے۔ جس کو بادام چشمہ کہتے ہیں۔ اس پہاڑ میں کلل کی جانب برف پڑتی ہے اور قوروق و لسان کی طرف برف نہیں پڑتی۔ اس پہاڑ سے نکلنے ہی دوسرا عالم نظر آتا ہے۔ ندیاں اور طریق کی۔ بلغ اور وضع کے۔ جانور کچھ اور صورت کے۔ آدمیوں کی رسم و راہ دوسری۔ تیکنار میں نو ندیاں بہتی ہیں۔ وہاں چاول اور گیہوں عمدہ پیدا ہوتا ہے۔ نارنج، ترنج اور انار کثرت سے ہوتا ہے۔ قلعہ آدینہ پور کے پاس جنوب کی طرف ایک بلندی پر ۹۳۳ھ میں میں نے ایک بلغ لگایا۔ اس کا نام بلغ وفا رکھا۔ یہ بلغ ندی کے کنارے پر ہے۔ ندی بلغ اور قلعہ کے بیچ میں بہتی ہے۔ جس سل میں نے پہاڑ خان کو شکست دی ہے اور لاہور و دہلیں پور کو فتح کیا ہے اس سل کیلے کے درخت یہاں لا کر بوائے۔ سب درخت لگ گئے۔ اس سے پہلے سل میں گنا بھی بویا گیا تھا۔ عمدہ گنا ہوا تھا۔ ان گنوں میں سے کچھ بدخشاں اور بخارا بھیجے گئے تھے۔ اس کی زمین اونچی ہے۔ آب رواں قریب ہے۔ اس کی ہوا جاڑوں میں معتدل ہوتی ہے۔ بلغ کے اندر ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہے۔ سارے بلغ میں اسی پشتہ پر سے پانی جاتا ہے۔ جو چار چمن اس بلغ میں ہے وہ اسی ٹیلہ پر ہے۔ بلغ کے جنوبی و مغربی حصہ کے بیچ میں ایک وہ درودہ حوض ہے۔ اس کے گرد چاروں طرف نارنج اور انار کے درخت ہیں۔ حوض کے گرد چھوٹی چھوٹی تین نہریں ہیں۔ اصل بلغ یہی مقام ہے۔ جس وقت نارنج پک کر زرد ہوتے ہیں اس وقت نہایت عمدہ نظارہ ہوتا ہے۔ یہ بلغ اچھا تیار ہوا ہے۔ تیکنار اور بنگش کے بیچ میں جنوب کی طرف کوہ سفید ہے۔ اس پہاڑ میں سوار نہیں چل سکتا۔ نہ اس سے کوئی ندی جاری ہے۔ یہاں برف بھی ہمیشہ رہتی ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ اسی سبب سے اس کا نام کوہ سفید رکھ دیا ہو۔ یہاں سے نیچے کے مقاموں میں کبھی برف نہیں پڑتی۔ بلغ اور پہاڑوں میں اتنا فاصلہ ہے کہ بیچ میں ایک لشکر اتر سکے۔ اس پہاڑ کے دامن میں عمدہ اور ہوادار مقامات بہت ہیں۔ اس کا پانی ایسا سرد ہے کہ برف کی حاجت نہیں ہوتی۔ آدینہ پور کے جنوب میں دریائے سرخ ہے۔ قلعہ بلندی پر ہے اور ندی کی طرف چالیس پچاس گز تک پہاڑ چلا گیا ہے۔ اس کے شمال میں ایک پہاڑی ہے یہ قلعہ بہت مضبوط ہے۔ یہی پہاڑ تیکنار اور لغمان کے بیچ میں ہے۔ جب کلل میں برف پڑتی ہے تو اس پہاڑ کی چوٹی پر بھی برف پڑتی ہے۔ لغمان والے اس پہاڑ پر برف پڑنے سے جان جاتے ہیں کہ کلل میں برف پڑ رہی ہے۔ جہاں سے کہ کلل سے

ان لغات میں آتے ہیں۔ اگر قوروق سائی میں آئیں تو ایک اور راستہ کو قتل دیری سے اور بولان سے ہوتا ہوا لغات کی طرف نکلتا ہے۔ دوسرا راستہ قوروق سائی سے آخر میں قراتو۔ اولوق پور۔ آب باران اور کو قتل بلوچ سے ہوتا ہوا لغات کو جاتا ہے اور اگر نجراد سے آئیں تو بدرد اور قرنا بکریق سے ہوتے ہوئے کو قتل بلوچ میں نکل آتے ہیں۔ اگرچہ لغات کے پانچ تو مانوں میں سے ایک ٹیکنار بھی ہے۔ لیکن لغات ہی تین تو مان سمجھے جاتے ہیں۔ جن میں سے۔

ایک تو مان ملیسک ہے :- جس کا شمالی حصہ ہندوکش سے ملا ہوا ہے۔ اس میں بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔ اور سب برف سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ یہ سارا پہاڑ کافرستان کا ہے۔ کافرستان کے بہت قریب ملیسک کے علاقہ میں سے مقام میل ہے۔ ملیسک کی ندی میل سے ہی نکلتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے باپ مہترام کی قبر تو مان ملیسک ہی میں ہے۔ (بعض تاریخوں میں مہترام کو ملک ملکان لکھا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ وہاں والے بعض موقع پر کاف کو غین بولتے ہیں۔ شاید اسی سبب سے اس ملک کو لغات کہتے ہوں۔

دوسرا تو مان الزکار ہے :- کافرستان کے قریب الزکار کے علاقہ میں سے مقام کورا ہے۔ الزکار کی ندی یہیں سے نکلتی ہے۔ یہ دونوں ندیاں ملیسک اور الزکار سے ہوتی ہوئی باہم مل جاتی ہیں اور مل کر تو مان مند اور سے پرلے سرے پر آب باران میں جا ملتی ہیں۔ جو دو بلوک اوپر بیان ہوئے ہیں ان میں سے ایک درہ نور ہے۔ یہ تنگ مقام ہے۔ اس زمانہ میں درہ بنی گلہ کے اوپر ہے۔ اس کے دونوں طرف ندی ہے۔ اس کا پایہ اتنا ہے کہ راستہ چل سکتے ہیں۔ تاریخ، ترنج اور گرم سیر میوے یہاں بہت ہوتے ہیں۔ کہیں کہیں کھجور کے درخت بھی ہیں۔ ندی کے کناروں پر جو پہاڑ کی چوٹی کے دونوں طرف ہیں درخت ہی درخت ہیں۔ الموک کے درخت کثرت سے ہیں۔ اس میوہ کو ترکوں کی بعض قومیں قراش کہتی ہیں۔ یہ میوہ جتنا درہ نور میں ہوتا ہے اتنا اور کہیں نہیں ہوتا۔ یہاں انگور بھی پیدا ہوتا ہے۔ سارے انگور درخت پر لگتے ہیں۔ لغات میں درہ نور کی شراب مشہور ہے۔ وہ دو قسم کی ہوتی ہے ایک توارہ تاشی اور دوسری کو سوہان تاشی کہتے ہیں۔ توارہ تاشی زرد ہوتی ہے اور سوہان تاشی سرخ خوش رنگ ہوتی ہے۔ توارہ تاشی میں نشہ زیادہ ہے لیکن جیسی شرت ہے ویسی نہیں ہے۔ ان پہاڑوں

کے دروں کی چوٹیوں پر بندر کثرت سے ہوتے ہیں یہاں والے پہلے سوہالا کرتے تھے۔ میرے زمانہ میں کوئی نہیں پاتا۔

ایک اور تومان کنیر :- نورکل اور کر ہے۔ یہ تومان لغانات سے کسی قدر الگ ہے۔ ملک کی سرحد پر کافرستان میں واقع ہے۔ اگرچہ اور تمانوں سے چھوٹا نہیں ہے۔ لیکن اس کی آمدنی جو کم ہے تو اوروں سے اس کو چھوٹا جانتے ہیں۔ دریائے چغلنی سرائے مشرق و شمال کے بیچ میں سے کافرستان میں بہتا ہوا اور اس ملک سے گزرتا ہوا بلوک کلمہ میں دریائے باران سے جا ملتا ہے اور مشرق کی طرف چلا جاتا ہے۔ نورکل اس دریا کے مغرب میں ہے اور کونز مشرق میں۔ میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں جہلو کیا ہے اور مقام کنز سے ایک کوس شرعی اوپر جا کر انتقال فرمایا ہے۔ حضرت کے مرید جنازہ یہاں سے ختلان لے گئے ہیں اور جہلو انتقال ہوا ہے اب وہاں ایک مزار بنا ہوا ہے۔ ۹۳۰ھ میں جب میں نے چغلنی سرائے کو فتح کیا ہے تو اس مقام کی زیارت بھی کی ہے۔ یہاں نارنج۔ ترنج۔ کرنج کثرت سے ہوتے ہیں۔ کافرستان سے یہاں شراب لاتے ہیں۔ جو بہت تیز ہوتی ہے۔ یہاں کے لوگ ایک عجیب بات بیان کرتے ہیں جو بالکل غلط معلوم ہوتی ہے۔ مگر متواتر سننے میں آئی ہے۔ استومان کی انتہا میں جو مقام ہے اس کو تمہ کندی کہتے ہیں۔ اس کے آخر میں درہ تور اور اتر کا علاقہ ہے۔ اس تمہ کندی سے اوپر کنیر، نورکل، بجور، سوات وغیرہ کے پہاڑ ہیں۔ ان سب میں یہ رسم ہے کہ جو عورت مرنے سے اس کو ایک تختہ پر ڈال دیتے ہیں اور چاروں طرف سے تختہ کو پکڑ کر اٹھاتے ہیں۔ اگر پارسا ہوتی ہے تو ان اٹھانے والوں میں خود بخود اس درجہ کی حرکت پیدا ہوتی ہے کہ اگر سنبھلے نہ رہیں تو مرہ تختہ پر سے گر پڑے اور جو عورت پارسا نہیں ہوتی تو حرکت بھی پیدا نہیں ہوتی۔ یہ بات کچھ بیس والوں نے بیان نہیں کی بلکہ بجور وغیرہ کے مہم پہاڑیوں نے متفق اللفظ بیان کی۔ حیدر علی بجوری جو حاکم بجور تھا اور جس نے اس ملک کا اچھا انتظام کیا تھا جب اس کی ماں مری ہے تو وہ نہ رویا۔ نہ اس نے عزاداری کی رسم اوکی۔ نہ سیاہ لباس پہنا۔ لہگوں سے کہا کہ اس کو تختہ پر ڈال دو۔ اگر حرکت نہ پیدا ہو تو میں لاش چلوا دوں گا۔ تختہ پر ڈالتے ہی حرکت معنود لاش میں پیدا ہو گئی۔ یہ سن کر اس نے ماتمی کپڑے بھی پہنے اور عزاداری بھی کی۔

دوسرا بلوک چغلان سرائے ہے :- یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ کافرستان کے

سرے پر واقع ہے۔ کافرستان جو قریب ہے تو یہاں کے لوگ گو مسلمان ہیں مگر کافروں کی بہت رسمیں برتتے ہیں۔ ایک بڑی ندی جس کو دریائے چغان سرائے کہتے ہیں۔ چغان سرائے کے مشرق و شمال سے (جو بجز کے پیچھے ہے) آتی ہے۔ مغرب کی جانب سے کافرستان کے مقام پنج میں سے بہتا ہوا ایک اور چھوٹا دریا اس میں مل جاتا ہے چغان سرائے میں زرد رنگ کی شراب بہت تیز ہوتی ہے۔ لیکن درہ نور کی شرابوں سے اس کو کچھ نسبت نہیں ہے۔ چغان سرائے میں انگور وغیرہ نہیں ہوتے۔ دریائے کافرستان کے بلائی حصہ سے پنج میں لائے جاتے ہیں۔ جب میں نے چغان سرائے کو فتح کیا ہے تو پنج کے کافروں نے یہاں والوں کی بہت کمک کی تھی۔ کافروں میں شراب کا رواج اس قدر ہے کہ ہر شخص کے گلے میں شراب کی چھاگل لگی رہتی ہے پانی کی جگہ شراب ہی کا استعمال کیا جاتا ہے۔ کلمہ گو کوئی علیحدہ جگہ نہیں ہے۔ میکنار ہی کے توابع میں سے ہے۔ مگر اس کو بھی بلوک کہتے ہیں۔

ایک توہان بخراد ہے :- کابل کے مشرق و شمال کی جانب کومستان میں واقع ہے۔ اس کے پیچھے تمام کافرستان کا پہاڑ ہے۔ یہ ایک اچھے گوشہ کا مقام ہے۔ اس میں انگور وغیرہ میوے افراط سے ہوتے ہیں۔ شراب بھی کثرت سے ہوتی ہے۔ یہاں کی شراب جو شیدہ ہوتی ہے۔ یہاں جاڑے میں جانوروں کو بہت اڑاتے ہیں۔ یہاں کے لوگ شراب خور، بے نماز، بیوقوف اور کافروں میں ہیں۔ پہاڑوں میں انار، چلغوزہ، چوب بلوط اور بنجک کی کثرت ہے۔ ان کے درخت نشینی مقامات میں ہوتے ہیں۔ بخراد سے بلائی مقاموں میں اصلاً نہیں ہوتے۔ یہ درخت گویا ہندوستان کے درختوں میں سے ہے۔ ان ساری پہاڑیوں میں چلغوزہ کی لکڑی چراغ کا کام دیتی ہے۔ یہ لکڑی شمع کی طرح روشن رہتی ہے اور اچھی معلوم ہوتی ہے۔ بخراد کے پہاڑوں میں روبہ پراں ہوتی ہے۔ یہ ایک جانور ہے گھری سے بہت بڑا اس کے دونوں ہاتھوں رانوں کے بیچ میں ایک پردہ ہوتا ہے۔ چنگوڑ کے پر کا سا اس کا رنگ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک درخت سے دوسرے درخت پر نیچے کی جانب گز بھر کے قریب یہ جانور اڑ جاتا ہے۔ میں نے اس کا اڑنا نہیں دیکھا۔ ہاں یہ دیکھا کہ یہ ایک درخت سے وہ لپٹی ہوئی تھی۔ اچھلی اور پرندہ کی طرح بازو کھول کر جھٹ سے نیچے آگئی۔ اس کوستان میں یوحہ جانور ہوتا ہے۔ اس کو بوقلمون کہتے ہیں۔ سر سے دم تک پانچ چھ طرح کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔

بوتر کی گردن جیسا براق اور کبک دری کے برابر قد و قامت میں ہوتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ ہندوستان کی کبک دری یہی ہو۔ وہاں والوں نے بیان کیا کہ جاڑے کے موسم میں یہ جانور دامن کوہ میں اڑتا پھرتا ہے۔ اگر اس کو اڑاؤ اور یہ انگوروں کے تختہ پر سے اڑ جائے تو پھر نہیں اڑ سکتا۔ وہیں اس کو پکڑ لیتے ہیں۔ بخزاں میں ایک چوہا ہوتا ہے۔ اس کا نام موش مشکیں ہے۔ اس میں سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔ یہ چوہا میرے دیکھنے میں نہیں آیا۔

ایک تو مان پنج شیر ہے :- مقام پنج شیر سراہ واقع ہے۔ کافرستان یسل سے بہت قریب ہے۔ ڈاکوؤں کی آمد و رفت پنج شیر ہی میں سے ہے کفار کے قریب ہونے سے لوگ ادھر کم آتے ہیں۔ اب کے جو میں نے ہندوستان کو فتح کیا تو کافروں نے پنج شیر میں آکر لوگوں کو بہت ستایا اور قتل کیا۔

ایک تو مان غور بند ہے :- (اس ملک میں بند کو قتل کو کہتے ہیں) غور کی طرف اسی پہاڑ میں سے جاتے ہیں۔ شاید اسی سبب سے غور بند مشہور ہو گیا ہو۔ درہ کے سرے پر ہزار ہا مکان ہیں۔ اس تو مان میں چند گاؤں ہیں۔ یسل کی آمدنی بہت ہی کم ہے۔ کہتے ہیں کہ غور بند کے پہاڑوں میں چاندی اور لاجورد کی کلن ہے۔ پہاڑ کے دامن میں دس گاؤں آباد ہیں۔ اوپر کی طرف مٹہ۔ کچھ اور پروان ہیں۔ نیچے کی جانب بارہ تیرہ گلوں ہیں۔ سارے دیہات میں میوہ پیدا ہوتا ہے۔ ان ہی دیہات میں شراب بنتی ہے۔ اس زمانہ میں خواجہ سعید خان کی شرا میں سب سے زیادہ تیز ہوتی ہیں۔ چونکہ یہ تمام دیہات دامن میں اور پہاڑ کے اندر اور اوپر واقع ہیں اس لئے محاصل اس طرح ادا کرتے ہیں کہ کبھی دیا اور کبھی نہ دیا۔ ان دیہات کے آخر کی طرف پہاڑ کے دامن میں پہاڑ اور دریائے باران کے مابین دو قطعے ہوا دار جنگل کے واقع ہیں۔ ایک کو کہہ تاربان کہتے ہیں۔ دوسرے کو دشت شیخ۔ گرمی کے موسم میں کاجنکین مالہ بہت عمدہ ہوتا ہے۔ ازراک وغیرہ کے قبیلے یسل آتے ہیں۔ اس دامن میں کئی طرح کا لالہ پیدا ہوتا ہے۔ میں نے ایک بار گنتی کروائی بتیس تینتیس طرح کا لالہ گنتے میں آیا۔ ایک قسم کا لالہ ہوتا ہے کہ اس میں کسی قدر گلاب کی خوشبو آتی ہے۔ میں نے اس کو لالہ گلبو کا خطاب دیا۔ دشت شیخ کے ایک قطعہ میں یہ لالہ ہوتا ہے۔ دوسری جگہ نہیں ہوتا۔ اسی دامن میں پروان سے نیچے کی جانب لالہ صد برگ ہوتا ہے۔ وہ بھی اس قطعہ میں ہوتا

ہے جو غور بند کے تنگ مقاموں سے نکلنے کے بعد واقع ہے۔ ان دونوں جنگلوں کے بیچ میں ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ میں ایک توپ پڑی ہوئی ہے۔ پہاڑ کی چوٹی سے نیچے تک۔ اس کو خواجہ دیک روایا کہتے ہیں۔ گرمیوں میں اس توپ میں سے نقارہ اور ڈھول کی آواز آتی ہے۔ ان کے علاوہ اور دیہات بھی کابل کے علاقہ میں ہیں۔

کابل کے جنوب مغرب میں ایک بڑا پہاڑ برف سے ڈھکا ہوا ہے۔ اس پہاڑ پر ایک سال کی برف دوسرے سال تک رہتی ہے۔ کوئی برس ایسا نہ ہوتا ہو گا کہ جس میں اس سال کی برف اگلے سال تک نہ رہتی ہو۔ کابل کے برف خانوں میں اگر برف ہو چکتی ہے تو اسی پہاڑ سے لائی جاتی ہے اور پانی ٹھنڈا کر کے پیا جاتا ہے۔ یہ پہاڑ کابل سے ایک میل شرعی کے فاصلہ پر ہے۔ کوہ بامیان اور یہ پہاڑ دونوں بڑے پہاڑ ہیں۔ دریائے ہیرمند، سندھ دو عالمہ قدر اور شلخ اسی پہاڑ سے نکلتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ایک دن میں ان چاروں دریاؤں سے پانی پی سکتے ہیں۔ یہاں کے دیہات اکثر پہاڑ کے دامن میں ہیں۔ یہاں انگوں بلکہ ہر قسم کا میوہ ڈھیروں پیدا ہوتا ہے۔ ان مواضع میں استلاف اور اشترغج کے برابر کوئی موضع نہیں ہے۔ الغ بیگ مرزا ان دونوں موضوعوں کو خراسان فرمایا کرتے تھے۔ غمان ان دونوں کے قریب ہے۔ مگر اس کی آب و ہوا کو ان سے کچھ نسبت نہیں ہے۔ جس پہاڑ پر برف ہوتی ہے وہ کوہ غمان ہے۔ استلاف جیسا مقام تو کہیں نہ ہو گا۔ ان مواضع کے بیچ میں ایک بڑی ندی ہے جس کے دونوں طرف سرسبز اور پر فضا باغات ہیں۔ اس کا پانی ایسا ٹھنڈا ہے کہ برف کی حاجت نہیں ہوتی۔ پانی صاف بہت ہے۔

اس مقام پر ایک بڑا باغ ہے۔ جس کو الغ بیگ مرزا نے تو زبردستی چھین لیا تھا۔ مگر میں نے اس کے مالکوں کو قیمت دے کر وہ باغ لے لیا۔ باغ کے باہر چنار کے بڑے بڑے درخت ہیں۔ ان کے سایہ کے نیچے سبزہ زار اور صاف مقامات ہیں۔ باغ میں ایک نہر ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ اس نہر کے کنارہ پر چنار وغیرہ کے بہت درخت ہیں۔ پہلے یہ نہر ٹیڑھی بکڑی تھی۔ میں نے اس کو درست کروایا۔ اب بہت ہی عمدہ ہو گئی ہے اس موضع کے بہت آخر میں جنگل سے کوئی ڈیڑھ کوس بلندی کی طرف پہاڑ کے دامن میں ایک چشمہ ہے۔ اس کو خواجہ سلیمان کہتے ہیں۔ اس چشمہ کے اطراف میں کئی قسم کے درخت لگے ہوئے ہیں۔ چشمہ کے قریب خیار کے درخت بہت ہیں ان کا

سایہ بڑا عمدہ ہے۔ پشتہ کے اوپر جو پلایان کوہ ہے وہیں بلوط کے درخت بہت ہیں۔ ان دو قلعوں کے سوا پہاڑ کی مغربی سمت میں بلوط کے درخت مطلق نہیں ہوتے۔ چشمہ کے سامنے جو دشت کی جانب ہے ارغواں زار ہے۔ اس ملک میں یہی ایک ارغواں زار ہے۔ اور کہیں نہیں ہے۔ مشہور ہے کہ یہ تین قسم کے درخت تین بزرگوں کی کرامت سے پیدا ہوئے ہیں۔ اسی سبب سے ان کو سیاران کہتے ہیں۔ اس چشمہ کی گرد اولے کی تیز ٹھٹھٹھلکا کر میں نے اس کو وہ درودہ بنوا دیا۔ اس کی چاروں حدیں سیدھی اور درست ہو گئی ہیں۔ گل ارغواں کھلنے کے زمانہ میں اس مقام پر وہ کیفیت ہوتی ہے کہ دنیا بھر میں کہیں نہ ہوتی ہوگی۔ یہاں زرد ارغواں بھی ہوتا ہے۔ اور پہاڑ کے دامن میں سرخ ارغواں کے پھول بھی کھلتے ہیں۔ اس چشمہ کے مغرب و جنوب کے بیچ میں ایک درہ سے پانی کا ایک جھرا جاری ہے۔ میں نے حکم دیا کہ یہاں سے ایک نہر نکالی جائے۔ یہاں سے یہ نہر پشتہ کے اوپر سیاران کے جنوب و مغرب کی طرف بنائی گئی ہے۔ پشتہ کے اوپر ایک گول چبوترہ بھی میں نے بنوایا۔ اس کی تاریخ کا مادہ ”جوئے خوش“ ہاتھ آیا۔

ایک تو مان لو کر ہے :- اس کا بڑا قصبہ مقام چرخ ہے۔ حضرت مولانا یعقوب چرخ فی قدس سرہ العزیز یہیں کے رہنے والے تھے۔ ملا عثمان بھی چرخ ہیں۔ مقام سبلوند لو کہی کے مواضع میں سے ہے۔ خواجہ احمد اور خواجہ یونس اسی سبلوند کے رہنے والے تھے۔ چرخ میں باغات بہت ہیں۔ لہوکر کے آور مقلات میں باغ نہیں ہیں۔ یہاں کے باشندے اور غانشال ہیں (کٹل میں اوعن شل ہی بولتے ہیں۔ غالباً یہ لفظ افغان شعار ہو جس کو اوعن شل کہنے لگے)

ایک ملک غزنی ہے :- بعض اس کو تو مان کہتے ہیں۔ سہنگین۔ سلطان محمود اور اس کی ولاد کا دارالسلطنت غزنی تھا۔ بعض اس کو غزنین بھی کہتے ہیں۔ سلطان شہاب الدین غوری کا پایہ تخت بھی یہی تھا۔ اس سلطان شہاب الدین کو طبقات ناصری وغیرہ تاریخوں میں معز الدین لکھا ہے) یہ ملک القیم سوم میں سے ہے۔ زابلستان اسی ملک میں ہے۔ بعض نے قدھار کو زابلستان ہی میں داخل رکھا ہے۔ یہ مقام کٹل سے مغرب کی طرف چودہ فرسنگ کے راستہ پر ہے۔ اگر اس راستہ سے صبح سویرے ہی چلیں تو لہرو عصر کے مابین یا عصر کے وقت کٹل میں پہنچ جاتے ہیں۔ آدینہ پور کا

راستہ تیرہ فرسنگ کا ہے۔ مگر ایسا برا راستہ ہے کہ ہرگز ایک دن میں طے نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ اس کی ندی میں چار پانچ جھروک کے برابر پانی ہو گا۔ شہر غزنی اور پانچ چار اور مقلات اسی پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ تین چار موضوعوں میں کاریز سے سیرابی ہوتی ہے۔ کابل کے انگور سے غزنی کا انگور اچھا ہوتا ہے۔ غزنی کے خربوزے بھی کابل کے خربوزوں سے عمدہ ہیں۔ سیب بھی اچھے ہوتے ہیں۔ ان سیبوں کو ہندوستان لے جاتے ہیں۔ زراعت یہاں مشکل سے ہوتی ہے۔ جتنی زمین ہوتے اور جوتے ہیں اس میں ہر سال نئی مٹی ڈالتے ہیں۔ لیکن کابل کی زراعت سے یہاں کی زراعت کی آمدنی زیادہ ہے۔ روین بوئی جاتی ہے اور اس کو ہندوستان لے جاتے ہیں۔ اہل غزنی کی آمدنی کا عمدہ اور بڑا ذریعہ روین ہے۔ یہاں کے دیہاتی افغان اور ہزارہ قوم کے لوگ ہیں۔ کابل کی نسبت غزنی میں اکثر ارزانی رہتی ہے۔ مخلوق حنفی مذہب، نیک اعتقاد اور مسلمان ہے۔ ایسے لوگ ان میں بہت ہیں جو تین تین مہینے تک روزے رکھتے ہیں۔ ان کی عورتیں بڑی پردہ دار اور گوشہ نشین ہیں۔ ماما عبدالرحمن غزنی کے بڑے بزرگ شخص ہوئے ہیں۔ دانش مند آدمی تھے۔ ہمیشہ تعلیم و تعلم میں مصروف رہے تھے۔ پرہیزگار اور متدین تھے۔ جس سل ناصر مرزا کا انتقال ہوا ہے اسی سل ان کا بھی انتقال ہوا ہے۔ سلطان محمود کی قبر بھی یہیں ہے۔ جہاں سلطان کی قبر ہے اس کو روضہ کہتے ہیں۔ غزنی میں روضہ ہی کا عمدہ انگور ہوتا ہے۔ سلطان محمود کی اولاد میں سے سلطان مسعود اور سلطان ابراہیم کی قبریں بھی غزنی ہی میں ہیں۔ ان کے علاوہ اور مزارات متبرکہ غزنی میں بہت ہیں۔

جس سل میں نے کابل لیا ہے تو اسی سل افغانستان میں کست اور بنوں دشت کو لوٹا مارتا مقام دکی سے ہوتا ہوا ایٹادہ کے کنارہ کنارہ میں غزنی میں آیا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ غزنی میں ایک مزار ہے کہ اگر اس پر درود پڑھو تو وہ چلنے لگتا ہے۔ میں نے جا کر اس کو دیکھا۔ قبر بھٹی ہوئی معلوم ہوئی۔ آخر کھل گیا کہ وہاں کے مجاروں کی چلائی ہے۔ قبر کے اوپر ایک چلہ بنایا ہے جس وقت وہ چلہ پر جاتے ہیں چلہ چلنے لگتا ہے۔ چلہ کے چلنے سے قبر بھی ہلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ جنبش ایسی ہے جیسے کشتی میں بیٹھے والوں کو کنارہ چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے مجاوروں کو وہاں سے الگ کھڑا کر دیا۔ پھر ہتیرا درود پڑھا مگر قبر کو حرکت نہ ہوئی۔ میں نے حکم دیا کہ چلہ قبر پر سے اکھیڑا جاوے۔

اور گنبد بنا دو۔ مجلوں کو دھمکا دیا اور منع کر دیا کہ ایسی حرکت نہ کیا کرو۔ غزنی چھوٹا سا شہر ہے۔ تعجب آتا ہے کہ جن بلو شاہوں کے تحت میں ہندوستان اور خراسان رہا ہے۔ انہوں نے ایسی چھوٹی سی جگہ کو اپنا دارالسلطنت کیوں بنایا۔ سلطان محمود غازی کے وقت میں یہاں تین چار بند تھے۔ دریائے غزنی کا ایک بڑا بند دریا سے تین فرسنگ شمال مغرب کی جانب سلطان مرحوم کا بنایا ہوا ہے۔ اس کی بلندی تھینا چالیس پچاس گز اور لمبائی تقریباً تین سو گز ہوگی۔ دریا کو یہاں جمع کر کے حاجت کے موافق کھیتوں میں پانی دیا جاتا ہے۔ علاء الدین جہاں سوز جب اس ملک پر قابض ہوا تو اس نے اس بند کو ویران کر دیا۔ سلطان کی اولاد کی قبریں جلا دیں۔ شہر غزنی کو اجاڑ دیا۔ رعیت کو دھڑی دھڑی کر کے لوٹ اور قتل کیا۔ غرضیکہ ویران کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی تھی۔ جب ہی سے یہ بند ویران پڑا تھا۔ جس سال میں نے ہندوستان فتح کیا اسی سال اس بند کے بنانے کے لئے خواجہ کلاں کو بہت سا روپیہ دے کر بھیجا۔ عملیت الٹی سے امید ہے کہ پھر یہ بند تیار ہو جائے۔ دو سرا بند خن ہے۔ غزنی کے مشرق کی طرف۔ شہر سے کوئی دو تین فرسنگ کے فاصلہ پر ہو گا۔ مدت سے یہ بھی ایسا خراب پڑا ہے کہ بننے کے قابل نہیں رہا۔ تیسرا بند مرفہ ہے۔ یہ بند درست ہے۔ کتبوں میں لکھا ہے کہ غزنی میں ایک چشمہ ہے۔ اگر اس میں نجاست ڈال دی تو اسی وقت طوفان آ جاتا ہے۔ اور برف برسنے لگتی ہے۔ ایک تاریخ میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جب ہندوستان کے راجہ نے سبکتگین کے زمانہ میں غزنی کو جا گھیرا تو سبکتگین نے حکم دیا کہ اس چشمہ میں نجاست ڈال دو تاکہ طوفان آ جائے اور برف گرنے لگے۔ اسی ترکیب سے غبنم نے محاصرہ چھوڑ دیا۔ میں نے بہت دھنڈوایا مگر اس چشمہ کا کہیں پتہ نہ ملا۔ غزنی اور خوارزم کی سردی جہاں میں ایسی ہی مشہور ہے جیسی عراقین، آذربائیجان، سلطانیہ اور تیمریز کی۔

ایک تو مان کوہ ہے :- یہ تو مان کاٹل کے جنوب میں اور غزنی کے جنوب و مشرق کے مابین میں ہے۔ اس میں اور کاٹل میں بارہ تیرہ فرسنگ کا فاصلہ ہے۔ اور غزنی سے آٹھ سات فرسنگ کا۔ اس میں آٹھ گاؤں ہیں۔ یہاں کا صدر مقام کرویز ہے۔ کرویز میں اکثر تمزنلے اور چو منزلے مکان ہیں۔ کرویز کچھ مستحکم مقام نہیں ہے۔ یہاں کے لوگ ناصر مرزا سے باغی ہو گئے تھے۔ اس کو بہت تنگ کیا۔ اس تو مان کے جنوب میں

پھاڑ ہے۔ جس کو کوہ ترکھن کہتے ہیں۔ پہاڑ کے دامن میں ایک اونچی جگہ ایک چشمہ ہے۔ شیخ محمد سلطان کی قبر یہیں ہے۔ یہاں کے باشندے اوعن ہیں۔ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ یہاں باغات نہیں ہیں۔

ایک توپان فرل ہے۔ جو چھوٹا سا توپان ہے۔ اس میں سیب اچھا ہوتا ہے۔ ملکن اور ہندوستان میں یہیں سے سیب لے جاتے ہیں۔ افغانوں کی سلطنت کے زمانہ میں جو شیخ زادے ملک ہندوستان میں چڑھے بڑھے ہیں وہ شیخ محمد سلیمان کی اولاد میں سے فرل ہی کے رہنے والے ہیں۔

ایک توپان بگلش ہے :- اس میں افغان ہی افغان بستے ہیں اور سب ڈاکو ہیں۔ چونکہ یہ لوگ خیر اپنی۔ توک بانی۔ بوری اور لندر کی طرح ایک کنارہ پر آباد ہیں۔ اس سبب سے پورا محاصل ادا نہیں کرتے۔ مجھ کو جو فتح قدحار۔ بلخ۔ بدخشاں اور ہندوستان کے بڑے بڑے کام پیش آ گئے تو ملک بگلش کے انتظام کرانے کی ذرا فرصت نہ ملی۔ خدائے تعالیٰ تھوڑا سا اطمینان عنایت کرے تو اس ملک کا انتظام کروں۔ اور وہاں کے ڈاکوؤں کی خبر لوں۔ کلل کے بلوکوں میں سے ایک بلوک الاسائی ہے۔ جو بخزاد سے دو میل شرعی کے راستہ پر ہے۔ بخزاد سے مشرق کی طرف سیدھا راستہ آتا ہے۔ جب مقام کورہ پر پہنچتا ہے تو الاسائی میں سے ہوتا ہوا ایک چھوٹے سے پہاڑ میں سے نکل جاتا ہے۔ اس جانب گرم سیر اور سرد سیر ملک میں یہی کورہ کا پہاڑ فاصلہ ہے۔ اس پہاڑ میں سرے ہی پر جانوروں کی گذرگاہ ہے۔ بخزاد کی نواح کے رہنے والے چھپ کر بہت جانور پکڑتے ہیں۔ پہاڑ سے نکلنے کے مقاموں میں جگہ جگہ پناہ کی جگہ بنا رکھی ہے۔ جانور پکڑنے والے ان پناہ گاہوں میں پوشیدہ بیٹھتے ہیں اور پانچ چھ گز کے فاصلہ سے ایک طرف جل بچھا دیتے ہیں۔ ایک جانب جال کو کنکروں کے نیچے چھپا دیتے ہیں۔ دوسری جانب آدھے جال میں تین چار گز کی لکڑی باندھ دیتے ہیں۔ لکڑی کا ایک سرا اس شخص کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو پتھر کی آڑ میں بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ یہ شخص پتھر کی ان دڑاڑوں میں سے جن کو بنا لیا ہے۔ تاکتا رہتا ہے۔ جو نئی جانور جال کے قریب آیا اور اس نے لکڑی دھر گھسیٹی۔ جانور فوراً جال میں پھنس جاتا ہے۔ اس ترکیب سے بہت جانور پکڑ لیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بعض دفعہ اتنے جانور پکڑتے ہیں کہ ذبح کرنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ اس ملک میں آلہ سائی کے انار کی بہت شہرت ہے۔ گو وہ کچھ عمدہ

نہیں ہوتا مگر یہاں تو اس سے اتار نہیں ہے۔ یہاں کے اتاروں کو تمام ہندوستان میں لے جاتے ہیں۔ اس ملک کا انگور بھی برا نہیں ہوتا۔ بخراؤ کی شرابوں سے الہ سائی کی شراب بہت تیز اور خوش رنگ ہوتی ہے۔ ایک بلوک بدرائے جو آلہ سائی کے پہلو میں ہے۔ اس میں میوہ پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں کے پہاڑی کافر ہیں۔ غلہ کی کاشت کرتے ہیں، جس طرح خراسان اور سمرقند میں جنگلی قومیں اتراک اور ایلق ہیں۔ اسی طرح اس ملک میں ہزارہ اور افغان کی قومیں ہیں۔ ہزارہ قوم میں بڑی قوم ہزارہ مسعودی ہے اور افغانوں میں مہمند ہے۔

کابل کی آمدنی :- ملک کابل کی (مع لغمان و صحرانشین کے) جمع بندی آٹھ لاکھ شاہریہ تشخیص ہوئی ہے۔

اطراف کے پہاڑ اور اس کی نبات :- کابل کے مشرقی اور مغربی پہاڑ یکساں ہیں۔ اندر آب خوست اور بدخشاں کے سارے پہاڑ سرسبز ہیں۔ اور ان میں جیشے بہت ہیں۔ پہاڑوں میں رمنوں میں اور ٹیلوں پر برابر گھاس پیدا ہوتی ہے۔ اکثر ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے۔ جس کو یوتک کہتے ہیں۔ یہ گھاس گھوڑوں کو بہت موافق ہے۔ اندجان کے علاقہ میں اس گھاس کو بوتک اوتی کہتے ہیں۔ ہم کو اس کی وجہ تسبیہ معلوم نہ تھی۔ اس ملک میں معلوم ہوئی۔ چونکہ اس گھاس میں بوت نکلتا ہے اس لئے اس کو بوتہ کہتے ہیں۔ یہاں بھی حصار، ختلان، سمرقند، فرغانہ اور مغلستان کی طرح ایلق ہیں۔ اگرچہ فرغانہ اور مغلستان کے ایلقوں سے ان علاقوں کو کوئی نسبت نہیں ہے۔ مگر اسی طرح سے پہاڑ اور ایلق ہیں۔ بخراؤ کوستان، لغمان، سوات اور بچور میں اتار۔ چلغوزہ، زیتون، بلوط اور جنگک کثرت سے ہوتا ہے۔ وہاں کی گھاس اس پہاڑ کی گھاس کے برابر نہیں ہے۔ وہاں گھاس ہوتی تو بہت ہے اور اونچی بھی ہوتی ہے مگر کس کام کے۔ گھوڑوں اور بکریوں کو ذرا موافق نہیں ہوتی۔ یہاں کے پہاڑ وہاں کے پہاڑوں سے اونے ہوتے ہیں۔ اور حقیر نظر آتے ہیں مگر بڑے مضبوط پہاڑ ہیں۔ ان کے پتے صاف۔ درہموار ہیں۔ سارے پتے اور پہاڑ پتھر لے ہیں۔ گھوڑا کہیں نہیں چل سکتا۔ ان پہاڑوں میں ہندوستان کے جانور جیسے طوطا، مینا، مور، بوجا، بندر، نیل گائے اور کوتہ بہت ہوتے ہیں۔ ان جانوروں کے علاوہ اور قسم کے چرند و پرند ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں سے بھی نہیں گئے۔

کابل کے مغرب کے پہاڑ میں درہ زندان۔ صوف۔ کزروان اور غرجستان ہے۔ یہ سارے پہاڑ ایک روش کے ہیں۔ یہاں گھاس کے رنے میدانوں میں ہوتے ہیں۔ ان پہاڑوں کی طرح پہاڑ اور پشتہ میں گھاس پیدا نہیں ہوتی۔ وکی سبزہ زار بھی ان میں نہیں ہے۔ یہاں کی گھاس گھوڑوں اور بکریوں کو موافق ہے۔ ان پہاڑوں کی چوٹیاں ہموار اور گھوڑے دوڑانے کے قابل ہیں۔ یہیں کھیتیں بھی ہوتی ہیں۔ ان پہاڑوں میں ہرن بھی بست ہوتے ہیں۔ دریاؤں کے بننے کی جگہ مضبوط دروں میں سے ہے۔ اکثر مقلات ایک ہی طرح کے ہیں۔ ہر جگہ سے نیچے نہیں اتر سکتے۔ یہ عجب تماشہ ہے کہ سارے پہاڑوں میں تو پہاڑوں کی چوٹیاں مضبوط ہوتی ہیں اور یہاں پشتہ مضبوط ہیں۔ غور۔ کرتو اور ہزارہ کے بھی پہاڑ اسی طرز کے ہیں۔ میدان وغیرہ میں گھاس ڈھیروں ہوتی ہے۔ یہاں درخت کم ہیں۔ جنگل کی لکڑی اچھی نہیں ہوتی۔ گھاس گھوڑوں اور بکریوں کو سزاوار ہے۔ ہرن کی کثرت ہے۔ ان پہاڑوں کے مضبوط مقام ان کے پشتے ہیں۔ یہ پہاڑ ویسے پہاڑ نہیں ہیں۔ ان کے علاوہ خواجہ اسماعیل دوست۔ دکی اور افغانستان کے پہاڑ ہیں۔ یہ بھی سب ایک ڈھنگ کے ہیں۔ سب نیچے نیچے ہیں۔ ان میں گھاس کم ہوتی ہے۔ اور پانی ناقص۔ درخت کا نام نہیں۔ بد نما اور بیکار پہاڑ ہیں۔ یہ پہاڑ دہلی والوں کے لیے بست مناسب ہیں۔ چنانچہ یہ مثل مشہور ہے۔ ”لوما غونچہ قوس لاس۔“ دنیا میں ایسا بے ہودہ پہاڑ کم ہو گا۔ کابل میں سردی تو شدت کی ہوتی ہے اور برف خوب پڑتی ہے۔

ایندھن :- مگر ایندھن بھی اتنا قریب ہے کہ ایک دن میں آ جاتا ہے۔ دہلی کا ایندھن جبجگ بلوط۔ بلاچہ اور قر بعد کی لکڑی کا ہوتا ہے۔ ان سب میں جبجگ بست عمدہ ہے اس کی لکڑی دھر دھر جلتی ہے۔ اس کے دھوئیں میں خوشبو ہوتی ہے۔ چنگاریاں دیر تک سلگتی رہتی ہیں۔ اس کی لکڑی گیلی بھی جل جاتی ہے۔ بلوط بھی اچھا ایندھن ہے۔ جلنے میں دھواں بست ہوتا ہے۔ مگر بھڑک جاتا ہے۔ اس کا کوئلہ پائیدار ہوتا ہے۔ دھوئیں میں خوشبو ہوتی ہے۔ بلوط کے درخت میں ایک عجیب خاصیت ہے۔ اگر اس کی ہری ٹنٹی کو جلائیں تو سر سے پاؤں تک دھردھڑ جلنے لگتی ہے اور پتھر کی آواز دیتی ہے اور ایک دفعہ ہی جل جاتی ہے اس درخت کا جلنا بڑا تماشہ معلوم ہوتا ہے۔ بلاچہ کی سب سے زیادہ کثرت ہے۔ اس کے جلانے کا رواج بست ہے۔ اس

کے کونسلہ کی آگ نہیں ٹھہرتی۔ قرقند کی لکڑی پر چھوٹے چھوٹے کانٹے ہوتے ہیں۔ وہ نیلی سوکھی برابر جلتی ہے۔ غزنی میں اسی کا ایندھن ہوتا ہے۔

خاص نواح شہر کابل کے پہاڑیہ۔ کابل کا شہر جن پہاڑوں میں واقع ہے وہ پہاڑ تور اور پلچہ کے پہاڑوں جیسے ہیں۔ ان پہاڑوں میں بہت مقاموں پر صاف اور چمیل میدان ہیں۔ ان ہی میں اکثر گاؤں آباد ہیں۔ یہاں ہرن کا شکار کم ہے۔

جانور :- تیر کے مہینے اور بہار کے موسم میں تشنایا اور ایلاق معین کرتے ہیں۔ ان کے راستوں میں لال ہرنوں کی ڈاروں کی ڈاریں ہوتی ہیں۔ شوقین لوگ پلے ہوئے شکاری کتوں کو لے جاتے ہیں اور ڈاروں کو گھیر کر شکار کھیلتے ہیں۔ سرخاب اور خاص کابل کی نواح میں گور خر بھی ہوتا ہے۔ سفید ہرن بالکل نہیں ہوتا۔ غزنی میں سفید ہرن کثرت سے ہوتے ہیں۔ سفید ہرن جیسا غزنی میں فریہ ہوتا ہے ویسا کہیں کم ہوتا ہو گا۔ بہار کے موسم میں کابل نہایت عمدہ شکار گاہ ہے۔ پرند جانوروں کی ٹھکی دریائے باران کے کنارہ پر ہے۔ اس لئے کہ مشرق کی طرف بھی تمام پہاڑ ہیں اور مغرب کی طرف بھی۔ اسی دریائے باران کے کنارے کے سامنے ایک بڑا پہاڑ ہے۔ جس کو ہندوکش کہتے ہیں۔ سوائے اس کے اور کوئی پہاڑ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسی طرف سے جانوروں کا گزر ہوتا ہے۔ اگر ہوا ہوتی ہے یا ہندوکش پر کچھ ابر ہوتا ہے تو جانور نہیں اڑ سکتے۔ سب کے سب دریائے باران کے میدان میں پڑے رہتے ہیں۔ اس موقع پر یہاں والے بے شمار جانور پکڑتے ہیں۔ دریائے باران کے کنارہ پر جاڑے کے آخر میں مرغایاں بہت آتی ہیں۔ جو خوب موٹی تازی ہوتی ہیں پھر کلنگ اور قرقرے وغیرہ بڑے بڑے جانور بے حد آ جاتے ہیں۔

دریائے باران کے کنارہ پر پرندوں اور مچھلیوں کے شکار کھیلنے کی ترکیب :- دریائے باران کے کنارہ پر کلنگوں کے لئے طناب ڈالتے ہیں اور طناب سے بے شمار کلنگ پکڑ لیتے ہیں۔ بگلوں، قرقروں اور حواسلوں کو بھی اسی طرح پکڑتے ہیں۔ ایسے جانور غیر مکرر ہوتے ہیں۔ اس طناب سے پکڑنے کی ترکیب یہ ہے کہ پہلے ایک مہین رسی جو گزر بھر کی ہوتی ہے تانتے ہیں۔ رسی کے ایک سرے پر ایک گز اور دوسرے سرے کی طرف رسہ روکی جس کو کسی شلخ سے بناتے ہیں خوب مضبوط باندھ

دیتے ہیں۔ ایک لکڑی باشت بھر میں اور کلائی کے برابر موٹی لیتے ہیں۔ اس لکڑی پر اس رسی کو گز کی طرف سے آخر تک لپیٹتے ہیں۔ رسی کے تمام ہونے کے بعد بیلدر دکی کو جکڑ کر باندھتے ہیں۔ پھر اس لکڑی کو لپیٹی ہوئی؟ سے نکال دیتے ہیں۔ رسی اسی طرح لپیٹی ہوئی کھوکھلی رہ جاتی ہے۔ بیلدر دکی کو ہاتھ میں پکڑ کر جو جانور سامنے سے اڑتے ہوئے آتے ہیں ان کی طرف گز کو پھینکتے ہیں۔ اگر جانور کی گردن پر وہ گرہ پڑ گیا تو جانور اس میں لپٹ کر پھنس جاتا ہے۔ دریائے باران کے کنارے لوگ اسی طرح جانور پکڑتے ہیں۔ مگروں جانوروں کا پکڑنا بڑی محنت کا کام ہے۔ اس لئے کہ برسات کی اندھیری راتوں میں یہ شکار کھیلا جاتا ہے۔ ان راتوں میں یہ جانور درندوں کے ڈر سے صبح تک بے قرار رہتے ہیں۔ برابر اڑتے پھرتے ہیں۔ اور زمین سے لگے ہوئے اڑتے ہیں۔

اندھیری راتوں میں اس کے اڑنے کا راستہ بتتے ہوئے پانی پر سے ہوتا ہے۔ چونکہ اندھیرے میں پانی چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے اس لئے ڈر کے مارے صبح تک ادھر ادھر پھرتے رہتے ہیں۔ اسی موقع پر جال بچھائے جاتے ہیں۔ میں نے بھی ایک مرتبہ ایک رات جال ڈلویا تھا۔ وہ نوٹ گیا۔ جانور بھی ہاتھ نہ آئے۔ صبح کو ٹوٹی ہوئی رسیوں سمیت جا بجا جانور ملے اور لوگ انہیں لے آئے۔ دریائے باران کے شکاری اسی طرح بگلے بھی بہت سے پکڑ لیتے ہیں۔ بگلوں ہی کے پر کلغیوں میں لگتے ہیں۔ عراق اور خراسان میں کلبل سے جو اسباب جاتا ہے۔ اس میں ایک یہ کلفی بھی ہوتی ہے ایک گر وہ غلاموں کا ہے جو شکاری ہے۔ اس کا پیشہ یہی ہے۔ ان لوگوں کے دو تین سو گھر ہوں گے امیر تیمور کی اولاد میں سے کوئی شہزادہ ان غلاموں کو لایا تھا۔ یہ لوگ گڑھے وغیرہ کھود کر ان پر جال بچھاتے ہیں اور اس ترکیب سے ہر قسم کا جانور پکڑتے ہیں۔ ان کے علاوہ اس مقام کے تقریباً سارے ہی باشندے ہر طریق سے جانور پکڑتے ہیں۔

دریائے باران سے مچھلیاں پکڑنے کی ترکیبیں :- اسی موسم میں دریائے باران میں مچھلی بھی آتی ہے۔ ایک تو جال ڈال کر دوسرے بچ باندھ کر بہت مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ ایک اس ترکیب سے پکڑتے ہیں کہ جاڑے کے موسم میں قولان قویر دغی ایک قسم کی گھاس پیدا ہوتی ہے۔ جب وہ بڑھ جاتی ہے اور اس میں پھول لگ کر بیج آ جاتا ہے تو اس گھاس کے دس بارہ گٹھے اور کوک شیباق کے بیس تیس گٹھے دریا پر لاتے

ہیں۔ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں۔ اور پانی میں ڈال دیتے ہیں۔ جو نمی ان کو پانی میں ڈالتے ہیں ویسے ہی خود بھی پانی میں اتر پڑتے ہیں۔ اور مست مچھلیوں کو پکڑنا شروع کرتے ہیں۔ اور کہیں خشیب میں جہاں مناسب ہوتا ہے چنچ باندھ دیتے ہیں۔ چنچ باندھنا اس کو کہتے ہیں کہ انگلی کے برابر ٹل کے نیچے لے کر ان کو میخ کی طرح بننے ہیں۔ اس میخ کو وہاں رکھتے ہیں جہاں اوپر سے پانی گرا ہے اور اس جگہ گڑھا ہو جاتا ہے۔ اس کے گرد پتھر چن دیتے ہیں۔ اس میخ پر سے پانی گرتا ہے اور آواز کرتا ہوا نیچے آتا ہے۔ نیچے آتے ہی اوپر چڑھ جاتا ہے۔ جو مچھلیاں نیچے آتی ہیں وہ میخ کے اوپر رہ جاتی ہیں اور مست مچھلیوں کو گھیر گھیر کر اس میخ کی طرف لاتے ہیں۔ اس ترکیب سے ہزاروں مچھلیاں پکڑ لیتے ہیں۔ دریائے گل بہار، دریائے پروان اور دریائے استلاف میں سے اس طرح بہت مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔ لمغانات میں جب جاڑا ہوتا ہے تو اور ہی طرح سے مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ وہ ترکیب یہ ہے کہ جس مقام پر پانی اوپر سے نیچے کی طرف گرتا ہے اس کے برابر جگہ جگہ گڑھے کر کے چولوں کے پایوں کی طرح پتھر ان گڑھوں پر رکھ دیتے ہیں۔ ان پر اور پتھر چن دیتے ہیں۔ نیچے کی طرف جو پانی میں ہوتی ہے ایک دروازہ سا بنا دیتے ہیں۔ اور پتھر اس طرح چنتے ہیں کہ جو چیز اس کے اندر آ جائے وہ بغیر اسی دروازہ کے کسی اور جگہ سے نکل ہی نہ سکے۔ ان پٹے ہوئے پتھروں کے اوپر سے پانی بہتا ہوا جاتا ہے۔ گویا اس طرح وہ مچھلیوں کے لئے ایک گھر بنا دیتے ہیں۔ جب جاڑے کے موسم میں مچھلیوں کی حاجت ہوتی ہے تو ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے کو کھولا اور چالیس پچاس مچھلیاں ایک بار ہی لے آئے۔

ایک ایسا جال بھی بچھاتے ہیں کہ کسی خاص جگہ گڑھا کھود دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ سب طرف پرال سے باندھ دیتے ہیں۔ اور اس کے پانی پر پتھر رکھ دیتے ہیں۔ اسکے دروازہ پر میخ جیسی ایک چیز بن کر اور اس کے دونوں سرے ایک جگہ جمع کر کے باندھ دیتے ہیں۔ اور اس کے بیچ میں ایک دوسری چیز میخ ہی جیسا بن کر مضبوط کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کا منہ میخ کے برابر ہوتا ہے اور اس کی درازی انگلی میخ سے آدمی ہوتی ہے۔ اس کا اندرونی منہ تنگ کر دیتے ہیں۔ اس اندرونی میخ کے بیرونی منہ سے مچھلی اندر آ جاتی ہے۔ بڑی میخ کے اندرون کو ایسا کر دیتے ہیں کہ مچھلی باہر نہ نکل سکے۔ درونی میخ کے نیچے کے درونی منہ کو ایسا کر دیتے ہیں کہ اس کے اوپر کے

منہ سے جو مچھلی آئے اندر کے منہ سے ایک ایک چلی جائے۔ درونی منہ کی لکڑیوں کے سروں کو ایک جگہ کر دیتے ہیں۔ مچھلی اس منہ سے ہوتی ہوئی بڑی ہتھ میں آ جاتی ہے۔ نکلنے کے منہ کو تو مضبوط ہی کر دیتے ہیں پھر مچھلی باہر نکل نہیں سکتی۔ اگر پلٹے بھی تو ان مچھلیوں کے سبب سے جو درونی ہتھ خوردہ میں لگادی ہیں نہیں نکل سکتی۔ جن مچھلیوں کا بیان کیا ہے ان کو جب مای خانہ کے منہ پر لگاتے ہیں تو مای خانہ کے سر کو کھول دیتے ہیں۔ اس کا گردا دلا تو چالوں کی پرال سے مضبوط کر دیتے ہیں۔ بس جتنی مچھلیاں پکڑنی منظور ہوتی ہیں اسی گڑھے میں پکڑ لیتے ہیں۔ اگر کوئی مچھلی بھاگتی بھی ہے تو چونکہ دروازہ ایک ہے اس لئے ہتھ میں ہی آ جاتی ہے۔ وہیں اس کو پکڑ لیتے ہیں مچھلی پکڑنے کا ایسا طریق کہیں نہیں دیکھا۔

جب میں کابل فتح کر چکا تو چند روز بعد مقیم نے قندھار جانے کی اجازت لی۔ چونکہ عہدہ بیان ہو گیا تھا اس لئے سب آدمیوں اور مل متاع سمیت صبح سلامت اس کے باپ اور بھائی کے پاس جانے کی رخصت دے دی۔ ان کو چلتا کرنے کے بعد کابل انہی امراء پر جو مہمان تھے تقسیم کر دیا۔ یہ لوگ میرے ساتھ تکلیفوں اور مصیبتوں میں مارے مارے پھرتے تھے۔ ان میں سے کسی کو گاؤں کسی کو زمین وغیرہ دی گئی۔ ملک کسی کو نہیں دیا۔ کچھ اسی وقت نہیں بلکہ جس وقت خدا نے مجھ کو دولت عنایت کی۔ میں نے مہمانوں اور اجنبی امراء وغیرہ کو بایریوں اور اندجانیوں سے بہتر سمجھا۔ مگر باوجود اس کے غضب یہ ہے کہ ہمیشہ لوگ مجھ پر طعن کرتے رہے کہ سوائے بایریوں اور اندجانیوں کے کسی کے ساتھ سلوک نہیں کیا جاتا۔ خیر ترکی مثل مشہور ہے۔ دشمن کیا کچھ نہیں کہتا اور خواب میں کیا کیا نظر نہیں آتا۔

دروازہ شہر راتواں بست

نواں دہن مخالفان بست

چونکہ حصار، سمرقند اور قندز وغیرہ سے قومیں اور قبیلے بہت سے آ گئے تھے۔ اس لئے یہی مناسب سمجھا کہ کابل تو چھوٹی سی جگہ ہے جہاں تلوار کا کام ہے۔ قلم کا کام نہیں ہے۔ سب آدمیوں کو پرورش نہیں کیا جاسکتا۔ ان لوگوں کے اہل و عیال کو کچھ غلہ دیا جائے اور اطراف میں لشکر کشی کی جائے۔ یہ بات ٹھہرا کر قاتل اور غزنی کے علاقوں سے تیس ہزار خردار غلہ تحصیل کیا۔ چونکہ کابل کی آمدنی اور پیداوار کو بے

سمجھے یہ تحصیل کی اس لئے ملک میں خرابی پیدا ہو گئی۔ اسی موقع پر میں نے حصہ باری اختراع کیا۔ معلوم ہوا کہ ہزارہ سلطان مسعودی کے پاس گھوڑے اور بکریاں بہت ہیں۔ وہاں تحصیل داروں کو بھیجا گیا۔ چند روز کے بعد تحصیل داروں کے پاس سے خبریں آئیں کہ ہزارہ قوم محصول نہیں دیتی اور سرکشی کرتی ہے۔ اس سے پہلے کئی بار غزنی اور کدوڑ کا راستہ بھی انہوں نے لوٹا تھا۔ ان وجوہات سے سلطان مسعودی کے ہزارہ پر چڑھاکی کرنے کا ارادہ کیا۔ اور میدان کے راستہ سے راتوں رات کو تل رخ ہوتا ہوا نماز کے وقت ہزارہ کی نواح کو جا مارا۔ خاطر خواہ لوٹ مار کے بعد وہاں سے تنگ سوراخ کے راستہ سے الٹا پھر آیا اور جمائگیر مرزا کو غزنی روانہ کیا۔

ہندوستان کی جانب پہلا حملہ :- جب میں کلٹل میں آگیا تو دریا خاں کا بیٹا یار حسین بمیرہ سے میرے پاس حاضر ہوا۔ چند روز بعد میرا ارادہ فوج کشی کا ہوا۔ جو لوگ ملک کے حالات سے واقف تھے ان سے اطراف و جوانب کا حال دریافت کیا۔ بعض نے تو دشت کی طرف چلنے کی صلاح دی۔ کسی نے بگیش کی طرف چلنا مناسب سمجھا۔ بعض نے ہندوستان کی صلاح دی۔ آخر ہندوستان پر یورش کرنے کی ٹھہری۔ شعبان کے مہینہ میں جبکہ آفتاب برج دلو میں تھا کلٹل سے ہندوستان کا رخ کیا۔ بلوام چشمہ اور جگد لک کے راستہ سے چھ منزلیں کر کے آدین پور میں جا پہنچے۔ گرم ملک اور نواح ہندوستان کو کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ یہاں پہنچتے ہی دوسرا عالم نظر آیا۔ چوپائے اور قطع کے۔ پرندے دوسری وضع کے۔ قوموں اور قبیلوں کی رسمیں اور کچھ۔ ایک حیرت پیدا ہو گئی اور حقیقت میں حیرت کی جگہ ہے۔ ناصر مرزا جو پہلے سے اپنی جاگیر میں آگئے تھے آدین پور میں آکر انہوں نے ملازمت حاصل کی۔ ان کا گھربار اور لشکر وہیں سے قشلاق کے لئے لمغانات میں آگیا تھا۔ ناصر مرزا کا لشکر اور جتنا ہمارا لشکر پیچھے رہ گیا تھا اس کے لئے دو تین دن اس نواح میں ٹھہرنا پڑا۔ پھر سب کو ساتھ لے شلای ندی کے انتہا کی طرف مقام قوس گنبد میں ہم اترے۔ ناصر مرزا نے یہ کہہ کر کہ میں اپنے آدمیوں کو اپنی جاگیر میں سے کچھ دے دوں اور دو تین دن بعد چلا آؤں قوس گنبد سے رخصت چاہی اور وہیں رہ گیا۔

میں قوس گنبد سے کوچ کر کے چشمہ گرم پر خیمہ زن ہوا ہی تھا کہ بجئی ناہی کو جو قوم کاکیلانی میں بڑا آدمی تھا اور ایک قافلہ کے ساتھ آیا تھا میرے پاس لائے۔ راستہ

وغیرہ دریافت کرنے کی مصلحت سے میں نے اس کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ خیبر سے دو تین کوچ کے بعد جام میں اترتا ہوا۔ کورک تیری کی بہت تعریف سنی تھی۔ یہ مقام ہندوؤں اور جوگیوں کا مندر ہے۔ وہ لوگ دور دور سے آکر اس مقام کی تیرتھ کرتے ہیں۔ سر اور ڈاڑھی منڈاتے ہیں۔ جام میں اترتے ہی میں بکرام کی سیر کے لئے سوار ہوا۔ نواح بکرام کی سیر کی۔ یہاں ایک بہت بڑا درخت دیکھنے میں آیا۔ ملک سعید بکرامی رہبر تھا۔ میں نے اس سے کورک تیری کا حال دریافت کیا۔ چپکا ہو رہا۔ جب میں پلٹ کر لشکر کے قریب آیا تو اس نے خواجہ محمد امین سے کہا کہ کورک تیری بکرام کے پاس ہی تھی۔ میں نے اس واسطے ذکر نہیں کیا کہ وہاں گڑھے بہت ہیں۔ وہ جگہ بڑی تنگ ہے اور خوفناک مقام ہے۔ خواجہ نے مجھ سے چغلی کھائی اور اسی وقت یہ حال بیان کر دیا۔ دن ہو چکا تھا اور راستہ بھی دور تھا۔ میں اس وقت نہ جاسکا۔ ہمیں مشورہ کیا کہ دریائے سندھ سے عبور کریں یا اور طرف سے چلیں۔ باقی چغنائی نے عرض کیا کہ دریا سے عبور کرنا نہ چاہئے۔ ہمیں کے مقامات میں سے کسی جگہ ٹھہر کر کھت ایک جگہ ہے وہاں چلنا چاہئے۔ وہاں کے لوگ مال دار اور آسودہ ہیں۔ وہ کئی کالہیوں کو بھی لایا۔ انہوں نے اسی کا موافق بیان کیا۔ ہم نے اس کا نام بھی نہ سنا تھا مگر جب ایک بڑے اور مقتدر آدمی نے صلاح دی اور اس نے اپنے دعوے کے ثبوت میں گواہ بھی گزرائے تو دریا سے عبور کرنے کا اور ہندوستان چلنے کا قصد فتح کر دیا۔

جام سے کوچ کر کے دریائے باران سے پار ہو محمد شیخ دامانی کے قریب آ ٹھہرے۔ ان دنوں میں پشاور میں کالینی افغان تھے۔ ہمارے لشکر کے خوف سے وہ پہاڑ کے دامن میں جا چھے۔ اس قوم کا سردار خسرو کالینی تھا۔ ہمیں اس نے آکر ملازمت حاصل کی۔ راستہ وغیرہ دریافت کرنے کے لئے اس کو بجی کے ہمراہ کر دیا۔ آدمی رات گئے اس منزل سے چلے۔ آفتاب نکلنے تک محمد شیخ سے نکل چاشت کے وقت کھت کو جلا رہا۔ گائیں اور بھینسیں بہت ہاتھ آئیں۔ بہت سے پٹھان بھی گرفتار ہوئے۔ جن کو قید رکھنا تھا ان کو الگ کر لیا اور باقیوں کو چھوڑ دیا۔ ان کے گھروں میں غلہ ڈھیروں تھا۔ فوج کے ایک دستہ نے دریائے سندھ کے کنارہ کو جا مارا۔ ایک رات وہ دیں رہا۔ دوسرے دن ہمارے ساتھ آ ملا۔ باقی چغنائی نے جتنا کہا تھا اتنا اہل لشکر کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ باقی اس سے بہت ہی شرمندہ ہوا۔ کھت میں دو شبانہ روز رہے۔ متفرق فوج کو

اٹھا کیا گیا اور صلاح کی کہ اب کدھر چلیں۔ یہ بت قرار پائی کہ بنوں اور بگلش کی نواح کو لوٹتے ہوئے نغزیا فرل کے راستہ سے پلٹ جانا چاہئے۔ دریا خاں کے بیٹے یار حسین نے جس نے کلل میں حاضر ہو کر ملازمت کی تھی استدعا کی کہ دلازا کہ۔ یوسف زئی اور کاکیلنی قوموں کے نام فرماں لکھے جائیں کہ وہ لوگ میرے فرماں بردار رہیں۔ میں دریائے سندھ کے اس جانب حضور کی تلوار چمکاتا ہوں۔ میں نے اس کے موافق حکم دے دیا اور کھت سے اس کو رخصت کر دیا۔

کھت سے ہنگویا کے راستہ سے بگلش کے اوپر کی طرف ہم چلے۔ کھت اور ہنگویا کے بیچ میں ایک درہ ہے جس کے دونوں جانب پہاڑ ہیں۔ راستہ درہ میں سے ہے۔ کوچ کرنے کے بعد درہ میں آتے ہی کھت اور اس نواح کے سارے افغان اکٹھے ہو کر پہاڑوں پر جو درہ کے دونوں طرف ہیں آ موجود ہوئے۔ لگے سواروں کو مارنے اور غل مچانے۔ ملک ابوسعید بکرامی جس کو ان افغانوں کا حل خوب معلوم تھا اس یورش میں رہبر تھا۔ اس نے عرض کیا کہ یہاں سے آگے بڑھ کر سیدھی طرف ایک پہاڑ ہے۔ اگر افغان یہاں سے اس پہاڑ پر آجائیں تو چونکہ وہ پہاڑ الگ نہیں ہیں اس لئے ہر طرف سے گھیر کر ان کو ہم پکڑ سکتے ہیں۔ خدا کی قدرت۔ افغان ہم سے لڑتے ہوئے اسی پہاڑی پر آ گئے۔ کچھ فوج کو حکم دیا گیا کہ ابھی اس گردنے کو جو دو پہاڑوں کے بیچ میں ہے اپنے قبضہ میں کر لو اور کچھ فوج کو حکم دیا کہ ادھر اور ادھر سے ہر شخص حملہ کرے اور ان افغانوں کو ان کے کمدار کی سزا دے۔ جو نئی ہمارے آدمیوں نے حملہ کیا ویسے ہی ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔ ایک وقت میں سو ڈیڑھ سو افغانوں کو گھیر لیا۔ بہت سوں کے تو سر کاٹ لئے اور بعض کو زندہ گرفتار کر لیا۔ افغانوں کا قاعدہ ہے کہ جب ہارتے ہیں تو غنیم کے آگے تنکا منہ میں لیتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم تمہارے آگے مثل تنکے کے ہیں۔ یہ رسم یہیں دیکھی۔ ہمارے سامنے بھی افغانوں نے عاجز ہو کر تنکے منہ میں لے لئے۔ جو زندہ گرفتار ہوئے تھے ان کے لئے حکم دیا گیا کہ سب کو قتل کر دو اور ان کے سروں سے اس منزل میں مینار چن دو۔ دوسرے دن صبح کو یہاں سے کوچ کیا اور ہنگویا کی نواح میں آن اترے۔ اس نواح کے سب افغانوں نے ایک پہاڑی پر سن کر ہٹا لیا تھا۔ (سن کر کا لفظ کابل میں آ کر سنا ہے۔ یہ لوگ پہاڑ پر جس جگہ کو مضبوط کر لیتے ہیں اس کو سن کہتے

ہیں) من کر کے پاس پہنچے ہی افغانوں کو ہم نے مار لیا۔ سو دو سو مترووں کے سرکٹ دیئے۔ ان سروں سے یہاں بھی مینار کھڑی کروادی۔ ہٹکو سے چلے اور ایک منزل کے بعد بگلش کے نیچے کی جانب بلا تنبل نام ایک جگہ ہے۔ وہاں اترے۔ یہاں ہمارے لشکر ان افغانوں کے لوٹنے اور مارنے کے لئے جو گردونواح میں ہیں چلے گئے۔ بعض اہل لشکر ایک ہی من کھکے جلد واپس آ گئے۔ یہاں سے جو چلے تو کدھب راستہ پر ہو لئے۔ بچ میں ایک منزل کی۔ دوسرے دن نیچے کی طرف بہت جلد اترے۔

تھک اور دور و دراز راستہ سے نکل بنوں میں پہنچے۔ سپاہیوں، اونٹوں اور گھوڑوں نے پہاڑ کی بلندی اور راستہ کی تنگی میں بے حد تکلیف اٹھائی۔ جو مویشی لوٹتے تھے وہ اکثر رہ گئے۔ شاہراہ سیدھے ہاتھ کی جانب دو کوس پر رہ گئی تھی۔ یہ راستہ سواروں کا نہ تھا۔ گڈریئے مویشی کے ریوڑوں کو اس راستہ سے لے جایا کرتے ہیں۔ اسی سبب سے یہ راستہ گو سفند بسیار کے نام سے مشہور ہے۔ (افغانی زبان میں راستہ کو بسیار کہتے ہیں) رہبر ملک ابوسعید بکرامی تھا۔ اکثر اہل لشکر نے اس بے راہ روی کو ملک ابوسعید بکرامی کی کارروائی خیال کی۔ پہاڑ سے نکلتے ہی بگلش اور بنوں دکھائی دیئے۔ یہ مقام صاف میدان ہے۔ اس کے شمال میں بگلش اور بنوں کا پہاڑ ہے۔ بگلش کی ندی بنوں سے ہوتی ہوئی آتی ہے۔ بنوں کا علاقہ اسی دریا سے سیراب ہوتا ہے۔ اس کے جنوب میں چوہارہ اور دریائے سندھ ہے۔ مشرق میں دیکوٹ ہے۔ مغرب میں دشت ہے۔ جس کو داروناک بھی کہتے ہیں۔ کرانی، کیوٹی، سور، عیسیٰ خیل اور نیازی قوموں کے افغان اس ملک میں کھیٹ کیا کرتے ہیں۔ بنوں میں آتے ہی سنا کہ جو قومیں میدان میں رہتی تھیں انہوں نے پہاڑوں میں من کر بنا لئے ہیں اور وہیں رہتی ہیں۔ جہانگیر مرزا کو افسر کر کے بھیجا گیا۔ یہ لوگ من کر کیوی کی طرف گئے اور طرفۃ العین میں اس کو جالیا۔ وہاں قتل عام کیا۔ بہت سے سرکٹ لائے۔ اور بہت سا اسباب سپاہیوں کے ہاتھ لگا۔ بنوں میں بھی کھ مینار چنوا دی گئی۔ اس سکر کے فتح کرنے کے بعد کیوی قوم کا سربر آوردہ شلوی خاں داسوں میں جٹا پکڑ کر حاضر ہوا۔ قیدی اس کے حوالے کر دیئے گئے۔

کہتے ہیں چڑھائی کرنے کے وقت یہ بات ٹھہری کہ بگلش اور بنوں کی نواح کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد نغزیا قریل کی راہ سے واپس جایا جائے گا۔ جب بنوں کو

لے چکے تو واقف کار لوگوں نے عرض کی کہ دشت قریب ہے۔ وہاں کے لوگ آسودہ ہیں۔ جگہ اچھی ہے۔ دشت پر حملہ کرے اور اسی راستہ سے چلنے کی صلاح ٹھہر گئی۔ صبح ہی وہاں سے کوچ کیا۔ اسی دریا کے کنارہ پر عیسیٰ خیل کے موضع میں اترے عیسیٰ خیل کے لوگ ہماری خبر سن کر جو بارہ کے پہاڑوں میں بھاگ گئے تھے۔ اس موضع سے کوچ کیا اور جو بارہ کے پہاڑ کے دامن میں جا اترے۔ فوج کا ایک دستہ پہاڑ میں گیا اور عیسیٰ خیل پر افغانوں نے شب خون مارنا چاہا۔ اس یورش میں احتیاط جو بہت کی جاتی تھی تو دشمن نہ کر سکے۔ اتنی احتیاط کی جاتی تھی کہ برانغار، جرانغار، قول اور ہراول جہاں اترتا تھا ہر شخص مسلح اور پیادہ ہو کر لشکر کے گرد خیموں سے ایک تیر کے فاصلہ پر رات کو پھرا کرتا تھا ہر رات کو اسی طرح سارے لشکر والوں کو باہر رہنا پڑتا تھا۔ سپاہیوں میں سے تین چار کو شعلیں دے کر رات بھر باری باری سے لشکر کے گرد پھرایا جاتا تھا۔ میں بھی گشت لگاتا تھا یہ حکم تھا کہ جو نہ نکلے اس کی ناک کٹ کر لشکر میں تشہیر کر دو۔ برانغار، میں جاتگیر مرزا، باقی چغتایائی، شیرم طغانی، سید حسین اکبر وغیرہ تھے۔ برانغار، میں مرزا خان، عبدالرزاق اور قاسم بیگ وغیرہ تھے۔ قول میں کوئی بڑا امیر نہ تھا۔ سب صاحب ہی تھے۔ ہراول میں سید ایفک آقا، بابا اوغلی اور اللہ بردی تھا۔ لشکر کے چھ حصے کر دیئے تھے۔ ہر حصہ ایک رات دن تک محکمہ بنی کرتا تھا۔

اس دامن سے مغرب کی طرف چلے چونکہ دشت میں کوئی دریا ایسا نظر نہ آیا جس میں پانی ہو اس لئے اس خشک تالاب کے کنارہ پر اترے۔ لشکر والوں نے ترائی کو کھود کھود کر اپنے گھوڑوں اور مویشی کے لئے پانی نکالا۔ یہ ایسا مقام ہے کہ گز یا ڈیڑھ گز کھودنے سے پانی نکل آتا ہے۔ اسی ترائی پر منحصر نہیں ہے۔ ہندوستان کی تمام ندیوں کے کناروں کا یہی حال ہے کہ گز بھر یا ڈیڑھ گز کھودا اور پانی نکل آیا۔ ہندوستان میں یہ عجیب بات ہے کہ سوائے دریا کے پانی نہیں جاری رہتا اور اس کی ندیوں کے کناروں پر اسی طرح پانی نزدیک نکل آتا ہے۔ اس خشک ندی سے صبح ہی کوچ کیا۔ ظہر کے وقت دشت کے ایک موضع میں صرف جریدہ سوار پہنچے۔ کچھ فوج وہاں سے لوٹنے کے لئے گئی۔ اسباب مویشی اور سوداگروں کے گھوڑے لوٹ لائی۔ اس کو صبح تک اور صبح سے دوسری شام تک لشکر کی بھیڑ بار برداری کے اونٹ اور پیدل سپاہی سب آگئے۔ آج جو یہاں قیام کیا تو فوج کا ایک دستہ دشت کے دیہات میں گیا اور بہت سی بکریاں

وغیرہ لوٹ کر لایا۔ افغان سوداگروں کو مار کر بہت سا کپڑا ودا ئیں، قند، مصری اور کھانے کا اسباب بھی لایا۔ افغانی سوداگروں میں خواجہ خضر نوحانی ایک مشہور اور بڑا سوداگر تھا۔ سیدی مغل نے اس کو مارا اور وہ اس کا سر کاٹ لایا۔ شیرم مغلانی فوج کے پیچھے گیا۔ ایک افغان سے اس کی لمبھ بھیڑ ہو گئی۔ اس نے ایک تلوار ماری جس سے اس کی کھل کی انگلی کٹ گئی۔ دوسرے دن وہاں سے کوچ کر دیا۔

دشت میں مقام تیرک کے نزدیک اترتا ہوا۔ وہاں سے چلے اور دریائے کوتل کے کنارے پر ٹھہرے۔ دشت سے مغربی جانب دو سڑکیں جاتی ہیں۔ ایک سنگ سوراخ والی ہے جو تیرک سے قرمل کو آتی ہے۔ دوسری دریائے کوتل کے کنارے کنارے تیرک کو چھوڑتی ہوئی قرمل کو ہی آجاتی ہے۔ بعض نے کوتل والے راستہ ہی کو اچھ سمجھا۔ جس دن سے ہم دشت میں آئے کئی بار متواتر بارش ہوئی۔ دریائے کوتل خوب چڑھ گیا۔ چنانچہ بڑی مشکل سے گھاٹ کی تلاش کی، اور ہم مار اترے۔ جو لوگ راستہ سے واقف تھے انہوں نے عرض کی کہ کوتل کے راستہ میں اسی ندی سے کئی جگہ اترنا پڑے گا۔ سچ یہ ہے کہ اگر ایسا ہی چڑھاؤ ہے تو بڑی مشکل ہے۔ اس راستہ میں بھی تردد پیدا ہوا۔ ابھی کوئی بات قرار نہیں پائی تھی کہ دوسرے دن کوچ کا تقارہ بجا دیا۔ میرا خیال تھا کہ سرسواری اس بات کو ٹھہرا لیں گے کہ کون سے راستہ سے چلن چاہئے۔ عید الفطر کا دن تھا۔ میں غسل کرنے لگا۔ جمائگیر مرزا اور امراء آپس میں گفتگو کرنے لگے بعض کہنے لگے کہ کوہ غزنی جس کو کوہ متر سلیمان بھی کہتے ہیں دشت اور دوی کے درمیان میں واقع ہے۔ اس کی بنی گاہ سے جا سکتے ہیں۔ اگرچہ دو ایک منزل کی زیادتی ہے مگر راستہ سیدھا ہے۔ سب کی یہی رائے ہوئی۔ بنی گاہ کی طرف ہونے لگے۔ میرے نہانے سے فارغ ہونے تک اہل لشکر بنی گاہ کے برابر پہنچ گئے۔ اکثر دریائے کوتل سے پار بھی ہو گئے تھے۔ راستہ سے واقفیت نہ تھی اس کی دوری اور نزدیکی کو بے جانے بوجھے بیوقوفوں کی باتوں میں آکر ہم اس راستہ میں چلے آئے۔ عید کی نماز دریائے کوتل پر پڑھی۔ اس سال نوروز عید کے قریب ہی ہوا۔ صرف ایک دن کا فرق رہا۔

دریائے کوتل کو چھوڑ جنوب کی طرف پہاڑ کے دامن میں چلے۔ کوئی دو کوس چلے ہوں گے کہ تھوڑے سے افغان جن کے سر پر قضا کھیل رہی تھی دامن کوہ میں جو

پشتہ تھا اس پر نمودار ہوئے۔ ہم نے ان کی طرف گھوڑے ڈالے بہت سے تو بھاگ گئے اور کچھ تلوانی سے چھوٹی پہاڑیوں پر جو دامن اور کمر کوہ میں تھیں ڈٹ گئے۔ ایک افغان ایک ٹیکری پر کھڑا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوسری طرف نہ میدان تھا نہ جانے کا راستہ تھا، سلطان علی چنق اوہر پلک اور اس سے گتہ کر اسے پکڑ لیا۔ قتل قدم ایک افغان سے بھڑا۔ دونوں لپٹ گئے۔ اور لپٹے ہوئے دس بارہ گز پر جا پڑے۔ آخر قتل قدم نے اس کا سر کل لیا۔ ایک پہاڑی پر کس بیگ کی ایک افغان سے مڈھ بھڑ ہو گئی۔ دونوں لپٹے ہوئے پہاڑ پر سے آدھے پہاڑ تک لڑھکتے ہوئے آئے۔ کس بیگ نے بھی اس کا سر کل لیا۔ ان افغانوں میں سے بہت سے گرفتار ہوئے۔ سب کو چھوڑ دیا گیا۔ دشت سے کوچ کیا اور کوہ سلیمان کے دامن کو پکڑ کر جنوب کی طرف چلے۔ تین منزل کے بعد ایک چھوٹے سے قصبہ میں جو دریائے سندھ کے کنارہ کے بیلہ میں ہی اور ملکن سے متعلق ہے پہنچے۔ وہاں والے کشتیوں میں بیٹھ کر دریا کے پار ہو گئے۔ کچھ تیر کر بھی نکل گئے۔

اس گاؤں کے سامنے ایک ٹاپو تھا جو لوگ بھگدڑ میں پیچھے رہ گئے تھے وہ اس ٹاپو میں نظر آئے۔ اہل لشکر اکثر معہ گھوڑے اور ہتھیار دریا میں کود پڑے۔ کچھ تو تیر کر پار ہو گئے اور کچھ آدمی ڈوب گئے۔ میرے آدمیوں میں سے ایک قل احمد ارداق، ایک مہتر قراش اور جہانگیر مرزا کے آدمیوں میں سے ایک قاتی ماس ترکمن ڈوب گیا۔ اس ٹاپو میں سے کچھ کپڑا اور اسباب فوج کے ہاتھ لگا۔ اس نواح کے سارے رہنے والے کشتیوں میں بیٹھ دریائے سندھ سے اس طرف چل دیئے۔ جو لوگ اس ٹاپو کے سامنے سے نکلے تھے اس بھر دے پر کہ دریا کا پاٹ بڑا ہے ٹکواریں ہاتھ میں لے کنارہ کھڑے ہو گئے تھے ان میں سے قل بازید بکول اکیلا گھوڑے کی تنگی پیٹھ پر سوار ان کے مقابلہ کے لئے دریا میں کود پڑا۔ ٹاپو کے اوہر کا دریا دو حصے تھا اور اوہر کا ایک حصہ۔ قل بازید اپنے گھوڑے کو تیرا کر ان کے مقابلہ میں ٹاپو سے الگ تیر کے فاصلہ پر جا پہنچا۔ پانی خنک زین تک ہو گا۔ تھوڑی دیر یہ ٹھہرا۔ غالباً اس نے اپنا اسباب رست کیا۔ اس کے پیچھے کوئی ملک کو نہ پہنچا اور ملک کے پہنچنے کا اس کو احوال بھی نہ ملا۔ وہیں سے جھپٹ کر وہ ان لوگوں کے سر پر جا دھمکا۔ دو تین ہی تیر مارے ہوں گے۔ وہ لوگ بھاگ نکلے۔ سچ یہ ہے کہ اکیلے آدمی بے ملک کے دریائے سندھ جیسے دریا

سے تیر کر جو غنیم کو بھاگ دیا اور اس کی جگہ پر قبضہ کر لیا تو بڑا مردانہ کلام کیا۔ دشمنوں کے بھاگنے کے بعد لشکر والے جا پہنچے۔ ان کا کہنا، مویشی اور اسباب لوٹ لائے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی اس کی خدمتہ کور بھلوری کے جلدو میں جو اس سے کئی بار ظاہر ہوئی تھی اس پر عنایت کی گئی تھی اور بطور ہچی گری سے اپنے خالصہ کی بکھولی کے مرتبہ پر میں نے اسے پہنچا دیا تھا۔ مگر اس کارگزاری سے مجھے اس کا پورا خیال ہو گیا اور میں نے اس پر پوری عنایت کی۔ چنانچہ آگے اس کا بیان آئے گا۔ فی الواقع وہ قتل رعایت و پرورش ہی تھا۔

یہاں نے کوچ کیا۔ دریائے سندھ کے کنارے کنارے دریا کے آخر کی طرف روانہ ہوئے لشکر والوں نے متواتر حملوں میں اپنے گھوڑے تھکا دیئے۔ وہاں کامل بھی کچھ مل نہ تھا۔ نری گائیں تھیں۔ دشت میں تو کہیں سے بکریاں اور کہیں سے کپڑا وغیرہ اہل لشکر کے ہاتھ آیا بھی تھا۔ مگر دشت سے نکل کر سوائے گھوڑوں کے اور کچھ تھا ہی نہیں۔ دریائے سندھ کے کنارہ کے سفر میں یہ حال ہوا کہ تین تین سو چار چار سو گائیں ایک ایک سپاہی کے پاس ہو گئیں۔ مگر جیسی لائے تھے زیادتی کے سبب سے وہی ہی چھوڑ دینی پڑیں۔ تین منزل تک اسی دریا کے کنارے پر چلنا ہوا۔ تین منزل کے بعد مزار پیر گاؤں کے سامنے دریائے سندھ سے علیحدہ ہوئے۔ مزار پیر گاؤں میں اترے۔ چونکہ بعض سپاہیوں نے وہاں کے مجاوروں کو ستایا تھا اس لئے میں نے ان میں سے ایک کو یہ سزا دی کہ کلڑے کلڑے کرا دیا۔ ہندوستان میں یہ مزار بہت محترم ہے۔ اس پہاڑ کے دامن میں ہے جو کوہ سلیمان سے ملا ہوا ہے۔ یہاں سے کوچ کیا اور پہاڑ کے اوپر اترے۔ یہاں سے چل کر ایک گاؤں میں جو ملک دو کے علاقہ میں ہے فروکش ہوئے۔ اس منزل سے چلنے کے وقت شاہ بیگ کا ملازم فاضل کو کلتاش نام جو مقام اسوی کا داروغہ تھا۔ بیس سپاہیوں کے ساتھ قراولی کے لئے آیا تھا۔ اس کو ہٹا لائے۔ اس وقت تک اس سے بگاڑ نہ تھا۔ ہتھیار اور گھوڑوں سمیت اس کو چھوڑ دیا گیا۔ بیچ میں ایک منزل کر کے چوپانی کے قریب جو دوکی کے علاقہ میں ہے آن اترے۔ دریائے سندھ کے اس طرف اگرچہ دریا کے کنارے پاس بے آرام اور لڑتے رہتے رہے مگر گھوڑوں کے لئے دانہ گھاس کی کمی نہ تھی۔ گھوڑے بھوکے نہ رہے۔

دریائے سندھ سے پیر گاؤں کی طرف آئے تو سبز گھاس نہ ملی اور جہاں ۱۱ تین

منزلوں میں خویہ زار تھا وہاں دانہ مطلق میسر نہ ہوا۔ نہ منزلوں سے گھوڑے تھکنے لگے۔ چوپانی سے چل کر جو منزل کی تو بار برداری کے جانور نہ ہونے سے میرا خیمہ وہیں رہ گیا۔ اسی منزل میں رات کو بارش ایسی ہوئی کہ جھولدار یوں میں سناں تک پانی چڑھ گیا۔ کنبلوں کو بچھا بچھا کر ان پر بیٹھے ساری رات یونہی تکلیف سے گزر کر صبح ہوئی۔ دو ایک منزل کے بعد جہانگیر مرزا نے میری کلن میں کہا کہ مجھے کچھ علیحدہ عرض کرنا ہے۔ میں علیحدہ ہو گیا۔ کہنے لگا کہ باقی چغلی نے آکر مجھ سے کہا ہے کہ بادشاہ کو تہ سات آٹھ آدمیوں کے ساتھ دریائے سندھ کے پار چلتا کر دیتے ہیں اور تم کو تخت پر بٹھا دیتے ہیں۔ میں نے کہا اور کون کون اس مشورہ میں شریک تھا؟ اس نے کہا اس وقت تو مجھ سے باقی بیک ہی نے کہا ہے اوروں کا حال مجھے معلوم نہیں۔ میں نے کہا کہ اوروں کو بھی تحقیق کرو۔ غالباً "سید حسین اکبر" علی سلطان چہرہ اور بعض خرد شای امراء وغیرہ ہوں گے سچ یہ ہے کہ اس وقت جہانگیر مرزا نے بڑی اپناہت برتی، جہانگیر مرزا نے یہ کام ویسا ہی کیا جیسا میں نے کھمو میں کیا تھا۔ وہ بھی اسی کبخت مردود کا اغوا اور فساد تھا۔

جب ہم اس منزل سے چلے اور دوسری منزل میں اترے تو لشکر والوں میں سے ان لوگوں کو جن کے گھوڑے کام کے تھے جہانگیر مرزا کے ساتھ کیا۔ اور ان افغانوں پر جو اس نواح میں رہتے تھے حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اسی منزل سے لشکریوں کے گھوڑے تھکنے لگے۔ بعض دن دو سو تین سو گھوڑے بیکار ہو گئے۔ اچھے اچھے سپاہی پیدل رہ گئے۔ محمد او غلامی جو میری اردلی کا ایک اچھا سردار تھا اس کے سارے گھوڑے بیکار ہو گئے۔ وہ پیدل ہی آیا۔ غزنی تک گھوڑوں کا یہی حال رہا۔ تین منزل کے بعد جہانگیر مرزا افغانوں کے ایک گروہ کو لوٹ کر کچھ بکریاں لایا۔ دو ایک منزل کے بعد ایک ٹھہرے ہوئے دریا کے پاس پہنچے عجیب دریا دکھائی دیا۔ دریا کے اس طرف کا جنگل نظر نہ آتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ پانی آسمان سے ملا ہوا ہے۔ اوھر کے پہاڑ اور پٹے ایسے دکھائی دیتے تھے جیسے سراب کے پہاڑ اور پٹے معلق نظر آتے ہیں۔

واوی کہ داد، میدان زرمست اور رود غزنی کا جو پانی مرغزار قرا باغ سے ہوتا ہوا آتا ہے اور موسم بہار کی بارش کی سیلوں پانی جو زراعت سے بچ رہتا ہے وہ یہاں آکر جمع ہو جاتا ہے کوئی کوس بھر دریا کی طرف چلے تھے کہ ایک اور عجیب تماشہ دکھائی

دیا۔ یعنی اس دریا اور آسمان کے بیچ میں ہر وقت ایک سرخ سی چیز دکھائی دیتی ہے اور پھر غائب ہو جاتی ہے۔ قریب پہنچنے تک یہی نظارہ رہا۔ پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ بانٹلان قازیں ہیں۔ دس بیس ہزار سے زیادہ ہوں گی۔ اڑنے اور پھڑ پھڑانے کے وقت ان کے لال لال پر کبھی دکھائی دیتے اور کبھی چھپ جاتے ہیں۔ نہ صرف یہی جانور بلکہ ہر قسم کے جانور بے شمار اس دریا کے کنارے پر تھے۔ ان کے انڈے ڈھیروں جا بجا کنارہ پر پڑے ہوئے تھے۔ کچھ افغان ان جانوروں کے انڈے اٹھانے آئے تھے۔ ہم کو دیکھ کر بھاگے اور دریا میں کود پڑے۔ ہمارے آدمی کوس آدھ کوس ان کے پیچھے دوڑ کر چند افغانوں کو گرفتار کر لائے۔ غرضیکہ جتنا راستہ پانی میں طے کیا اتنے راستہ میں برابر گھوڑوں کے تنگ تک پانی تھا۔ غالباً ”ہموار زمین ہونے سے دریا گمراہ تھا۔

دشت کدوا کی ندی کے کنارہ پر جو ٹھہرے ہوئے دریا میں آکر ملتی ہے ہمارے ڈیرے پڑے یہ ندی خشک ندی ہے۔ اس میں بالکل پانی کا نام نہیں ہوتا۔ بس کئی بار اس طرف سے گزرا ہوں۔ کبھی میں نے اس ندی میں پانی جاری نہیں دیکھا۔ لیکن اس دفعہ موسم بہار کی بارش کا یہاں اتنا پانی تھا کہ گھٹا اصلاً معلوم نہ ہوتا تھا۔ اس ندی کا اگرچہ پاٹ بہت بڑا نہیں ہے مگر یہ عمیق بہت ہے۔ تمام گھوڑوں اور اونٹوں کو تیرا کر پار اتارا۔ اور باقی سارے سلمان کو رسیوں سے باندھ کر کھینچا۔ یہاں سے اترے تو کہندہ پانی کے راستہ سے ہوتے ہوئے اور سروے کے بند سے گزرتے ہوئے غزنی میں ہم آئے۔ جہانگیر مرزا نے دو ایک روز مہمان رکھا۔ کئی بار آتش کھلائی۔ بہت کچھ پیش کش کیا۔ اس سال اکثر دریا چڑھاؤ پر تھے۔ چنانچہ وہ یعقوب کے دریا کا کوئی گھٹ نظر نہ آتا تھا۔ میں نے جو کشتی کول میں تیار کروائی تھی بکراہی کے سامنے دریائے وہ یعقوب میں ڈلوادی۔ اہل لشکر اسی کشتی میں بیٹھ کر واپس اترے۔ اسی سبب سے سبلو ندی کے پہاڑ سے ہوتے ہوئے کرویہ میں آئے اور بکراہی سے کشتی میں بیٹھ کر دریا سے پار ہوئے۔ ذی الحجہ کا مہینہ تھا جو ہم کابل میں آگئے۔

یوسف بیگ ہمارے آنے سے چند روز پہلے وردقونج میں جلا ہو کر مر چکا تھا۔ ناصر مرزا اپنے نوکر چاکر اور اپنی جاگیر کی خبر لینے کے لئے دو تین روز بعد حاضر ہونے کا وعدہ کر کے قوس گنبد سے رخصت ہو گیا تھا۔ جب ہم سے جدا ہوا تو درہ نور کے لوگوں کے کسی قدر سرکشی کرنے سے اپنی ساری فوج اس نے درہ نور کی طرف بھیج

دی۔ درہ نور کا قلعہ مضبوط تھا۔ بنی گلہ کوہ میں تھا۔ اور زمین شلی زار تھی۔ جیسا کہ اول ذکر ہو چکا ہے۔ بس جو لشکر مرزا نے بھیجا تھا اس کے سردار مسی فضلی نے لشکر کی احتیاط نہ کی۔ بنی گلہ کے ایک تنگ مقام پر فوج کو منتشر کر کے بھیج دیا۔ درہ نور والوں نے نکل کر فوراً اس منتشر فوج کو ایسا دھپکا کہ پھر وہ نہ ٹھہر سکی اور بھاگ ہی نکلے۔ ان کے بہت لوگوں کو قتل کر کے گھوڑے اور ہتھیار انہوں نے لے لئے۔ جس لشکر کا سردار فضلی ہو اس کا حل ایسا ہی ہونا چاہئے۔ یا تو اس وجہ سے یا یہ کہ ناصر مرزا کے دل میں بدی آگئی۔ ہمارے پیچھے وہ نہ آیا اور رہ گیا۔ ایوب کے بیٹے یوسف اور ہسلول جو شرارت، فتنہ پروازی، غرور اور تکبر میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے ان میں یوسف کو الزکار اور ہسلول کو ملیشک دے دیا گیا تھا۔ یہ دونوں بھی اپنے علاقوں کا انتظام کر کے ناصر مرزا کے ساتھ آنے والے تھے۔ ناصر مرزا جو نہ آیا تو یہ بھی نہ آئے۔

اس جاڑے میں ایک مرتبہ ترکمانی کے افغانوں پر یورش کے لئے گیا۔ جتنے گروہ اور قبیلے اوپر کی طرف ٹیکن ہار اور لمخانات سے آئے تھے ان کو ان کے دیہات کی طرف روانہ کیا اور میں خود آب باراں کے کنارہ پر آگیا۔ جس زمانہ میں ناصر مرزا دریائے باران کی نواح میں تھا اس زمانہ میں اس کو معلوم ہوا کہ بدخشیوں نے ازبکوں کو قتل کر ڈالا اور سب ناصر مرزا کی طرف متفق ہو گئے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ شیبانی خاں نے قدر قنبر علی کو دے دیا اور آپ خوارزم چلا گیا۔ قنبر علی نے محمد مخدومی کے بیٹے محمود کو بدخشیوں کی استمات کے لئے بدخشن بھیجا۔ مبارک شلہ نے جو شلہاں بدخشن کی اولاد سے تھا بغلوت کی اور مخدومی کے بیٹے کا مدد چند ازبکوں کے سرکٹ لیا۔ قلعہ نصیر کو جو پہلے بے شق شور مشہور تھا ایک مضبوط قلعہ بنا کر درست کر لیا اور اس کا نام قلعہ ظفر رکھا۔ ایک شخص محمد قورچی خسرو شلہ کے قورچیوں میں سے تھا وہ غلیکین کا حاکم تھا۔ اس نے روستق صدر میں شیبانی خاں کو تھوڑے سے ازبکوں سمیت قتل کر دیا اور غلیکین کا انتظام کر لیا۔ ایک اور باغی نے جو امرائے شلہاں بدخشن میں سے تھا راغ میں بغلوت اختیار کی جس غیر ترکمان خسرو شلہ کے بھائی دلی کا نوکر تھا۔ وہ اس تباہی میں علیحدہ ہوا۔ اور تھوڑے سے بھاگے ہوئے سپاہیوں وغیرہ کو لے ایک جانب کو بھاگ گیا۔ ناصر مرزا نے یہ خبریں سن کر بدخشن کی ہوس میں چند بے عقل اور کوتاہ اندیشوں کے اغوا سے ان

قوموں کو جو ادھر سے آئی تھیں اسی جانب مع ان کے گھریار کے چلتا کیا۔ اور خود شیر نو اور درء آب کے راستہ سے اس طرف روانہ ہوا۔ خسرو شہ اور احمد قاسم جواہر سے بھاگ کے خراسان کی جانب جاتے تھے اثنائے راہ میں بدیع الزمان مرزا اور ذوالنون بیک سے ملے۔ یہ سب ہری میں سلطان حسین ہزائے پاس پہنچے۔ یہ لوگ مرزا سے مدتوں باغی رہے ہیں۔ طرح طرح کی بے ادبیاں ان سے ظاہر ہوئی ہیں۔ مرزا کے دل پر ان کی طرف سے کیسے داغ ہوں گے مگر سب میرے سبب سے اس ذلت و خواری کے ساتھ جا کر مرزا سے ملے۔ کیا میں نے خسرو شہ کو اس کے آدمیوں سے جدا کر کے ایسا عاجز نہیں کیا؟ کیا میں نے ذوالنون کے بیٹے متیم سے کلل نہیں چھینا؟ چاہئے تھا کہ یہ لوگ مرزا کو منہ نہ دکھاتے۔ بدیع الزمان مرزا تو ان کی مٹھی میں تھا۔ ان کے خلاف کوئی بات نہ کر سکتا تھا۔ خیر سلطان حسین مرزا نے ان سب پر احسان کیا۔ ان کی برائیاں ذرا ان کے منہ پر نہ رکھیں اور ان کو انعام دیئے۔

خسرو شہ نے تھوڑے دن کے بعد اپنے ملک کی طرف جانے کی رخصت چاہی اور کہا کہ اگر میں جاؤں گا تو سارا ملک لے لوں گا۔ چونکہ اس کا یہ خیال لغو تھا اس لئے مرزا ہٹا رہا۔ اس نے مکرر رخصت چاہی۔ جب اس نے بہت اصرار کیا تو محمد بندق نے کیا مزے کا جواب دیا ہے۔ اس نے کہا کہ تمیں ہزار فوج اور سارے ملک پر قابض ہونے کے زمانہ میں تو نے کیا تیر مارا ہے جو اب چار سو پانچ سو آدمیوں سے اس ملک کو جس پر ازبکوں کا قبضہ ہے لے سکے گا۔ غرض ہر چند نصیحت کی۔ اور معقول باتیں کہیں لیکن اس کی قضا آگئی تھی۔ اس نے ایک نہ سنی۔ جانے ہی پر اڑ گیا۔ آخر مرزا نے اجازت دے دی۔ تین سو چار سو آدمیوں کے ہاتھ سیدھا دہانہ کی سرحد میں آگھا۔ اس موقع پر ناصر مرزا ادھر سے بدخشاں جاتا تھا۔ خسرو شہ ناصر مرزا سے دہانہ کی نواح میں ملا۔ بدخشاں کے سردار نے ناصر مرزا کو تنہا بلایا تھا۔ وہ خسرو شہ کا آئے نہ چاہتے تھے۔ ناصر مرزا نے بہت لوثیاں لیں۔ مگر خسرو شہ سمجھ گیا اور کو مستن کی طرف جانے پر راضی نہ ہوا۔ خسرو شہ کے دل میں تھا کہ ناصر مرزا کو کسی ترکیب سے مار کر ملک پر قابض ہو جاؤں۔ آخر حل کھل گیا۔ انٹکس کی نواح میں دونوں سانوں نے بہتر آملہ جنگ ہوئے اور الگ ہو گئے۔ ناصر مرزا تو بدخشاں کی طرف چلا گیا اور خسرو شہ نے لنک اور لوکی قوموں میں سے کچھ لوگ جمع کر لئے۔ وہ اچھے برے ہزار آدمیوں کے

ساتھ قندز لینے کے خیال سے دو ایک فرسنگ کے فاصلہ سے خواجہ چارطلق میں آن
اترا۔

شیبانی خاں نے اندجان سے سلطان احمد تنبل کو گرفتار کر لیا اور جوں ہی یہ حصار
کی طرف چلا۔ ویسے ہی اس ملک کے امراء بے لڑے بھڑے بھاگ نکلے۔ شیبانی خاں
حصار میں آیا۔ یہاں شیرم چہرہ کچھ فوج لئے ہوئے موجود تھا۔ گو ان کے امراء بھاگ
گئے تھے مگر شیرم وغیرہ نے قلعہ حصار کا انتظام کر لیا۔ شیبانی خاں نے حصار کا محاصرہ حمزہ
سلطان اور مہدی سلطان کے ذمہ کیا۔ اور آپ قندز کی طرف آیا۔ قندز کو اپنی بھائی
محمود سلطان کے سپرد کر کے خود نے بلا توقف خوارزم کی جانب حسین صوفی پر چڑھائی
کی۔ ابھی یہ سرفرد نہ پہنچا تھا کہ اس کا بھائی محمود سلطان قندز میں مر گیا۔ قندز قنبر
علی نے سپرد کیا۔ خسرو شاہ کی چڑھائی کے وقت قنبر علی قندز میں تھا۔ قنبر علی نے
حمزہ سلطان وغیرہ کے پاس جو حصار کی طرف رہ گئے تھے پے در پے آدی بھیجے۔ اور ان
کو بلایا۔ حمزہ سلطان دریائے آمویہ کے کنارہ پر آٹھرا۔ اور اپنا لشکر مع اپنے بیٹوں اور
امراء کے قندز بھیج دیا۔ اس فوج کے آتے ہی خسرو شاہ مقابلہ نہ کر سکا اور نہ تنبل
حرامزادہ بھاگ سکا۔ حمزہ سلطان کی فوج نے ان کو گھیر لیا۔ خسرو شاہ کے بھانجے احمد قاسم
اور شیرم چہرہ وغیرہ کو قندز میں پکڑ لائے۔ خسرو شاہ کا سر کاٹ کر شیبانی خاں کے پاس
نوازا۔ اس میں بھیج دیا۔ جب خسرو شاہ قندز گیا تھا تو وہاں پہنچتے ہی یہاں اس کے نوکروں
چاکروں کے اطوار جیسا اس نے کہا تھا بدل گئے۔ اکثر لوگ خواجہ ریواج وغیرہ کی طرف
چلے گئے۔ میرے پاس اسی کے ملازم زیادہ تھے۔ ان میں سے اچھے اچھے مغل سردار
موت گئے۔ کیونکہ ان سب میں ایک ہو چکا تھا۔ خسرو شاہ کے قتل کی سنتے ہی سب
پست و بالا ہو گئے جیسے آگ پر پانی پڑ گیا۔

۹۱۱ھ کے واقعات

والدہ کا انتقال :- محرم کے مہینے میں میری والدہ فتنلق نگار خانم بیمار ہو گئیں۔ نصہ
کھلائی۔ لیکن اچھی نہ کھلی۔ ایک خراسانی طبیب تھا۔ اس کو سید طبیب کہتے تھے۔
خراسانی طریقہ سے اس نے ہندوانہ دیا۔ قضا ہی آگئی تھی۔ چھ دن کے بعد پیر کے دن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اس پر گری۔ لیکن خدا نے اس کو بھی بل بل بچا دیا۔ حیب کے مکان اکثر گر پڑے۔ اس دن تینتیس دفعہ بھونچل آیا اور مہینہ بھر تک ایک دو مرتبہ روز آتا رہا۔ قلعہ کی فصیل وغیرہ جو ٹوٹ گئی تھی اس کی مرمت کے لئے امراء اور فوج کو حکم دیا گیا۔ مہینہ میں دن میں ساری شکست و ریخت کی درستی سے لوگ فارغ ہو گئے طبیعت کی بدمزگی اور زلزلہ کے سبب سے قدحار جانے کا ارادہ ملتوی ہو گیا تھا۔ صحت پانے اور قلعہ کے درست ہو جانے کے بعد یہ قصہ پھر معمم ہو گیا۔

قلات کی فتح :- ابھی قدحار کا رخ نہ کیا تھا اور کوہ و صحرا میں فوج نہ بڑھی تھی کہ ایک پٹے کے نیچے اترے اور جہانگیر مرزا وغیرہ کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ قلات پر یورش کرنے کی ٹھہری۔ جہانگیر مرزا اور بلقی چغتائی نے اس یورش کے باب میں بہت اصرار کیا۔ مقام باری میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ شیر علی چہرہ اور کبک بلقی دیوانہ کچھ فوج سمیت بھاگنا چاہتے ہیں۔ فوراً ان کو قید کر لیا گیا۔ شیر علی چہرہ وہ شخص تھا کہ میرے پاس اور اوروں کے پاس اس ملک میں طرح طرح کے فتنے اور فساد اس نے بپا کئے تھے۔ اس کو قتل کر دیا گیا۔ اوروں کے گھوڑے اور ہتھیار لے کر چھوڑ دیا۔ قلات میں پہنچتے ہی بلوچو بے سلمانی کے حملہ کر دیا۔ خواجہ کلاں کا بڑا بھائی کبک بیک بڑا بہادر آدمی تھا۔ کئی مرتبہ میرے ساتھ رہ کر خوب لڑا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب میں لکھا گیا ہے۔ یہ بہادر قلات کی اس برج کے پاس جا پہنچا جو مغرب و جنوب میں ہے۔ قریب تھا کہ اندر گھس جائے۔ اس کی آنکھ میں ایک تیر لگا۔ قلات فتح ہونے کے دو ایک روز بعد اسی زخم سے وہ مر گیا۔ کبک بلقی دیوانہ جو شیر علی کے ساتھ گرفتار ہوا تھا اس جرم کے بدلے میں فصیل کے نیچے پہنچتے ہی دروازے میں گھتا ہوا پتھر کے زخم سے مارا گیا۔ دو ایک سپاہی اور کام آئے۔ عشاء کے وقت تک اسی طرح لڑائی ہوتی رہی۔ اس زور سے لڑائی ہوئی اور ہمارے جوانوں نے ایسا حملہ کیا کہ آخر قلعہ والوں نے پناہ مانگی اور قلعہ حوالہ کر دیا۔

زالنون ارغون نے قلات مقیم کو دے دیا تھا۔ مقیم کے ملازم فرخ ارغون اور قراہلوٹ چھلوانی میں تھے۔ اپنی تلواریں اور اپنے ترکش گلے میں ڈال کر حاضر ہوئے۔ ان کے قصور معاف کر دیئے گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ میری رائے میں ان لوگوں کے ساتھ سختی کرنی مناسب نہ تھی۔ کیونکہ ازبک جیسا دشمن پہلو میں تھا۔ ایسے نازک وقت

میں آپس والوں کے ساتھ برا برتو کرنے سے سننے والے اور دیکھنے والے کیا کہتے۔ چونکہ یہ پورش جہانگیر مرزا اور بلی بیگ کے اصرار سے ہوئی تھی اس لئے قلات مرزا کے سپرد کرنا چاہا۔ مرزا نے انکار کیا۔ بلی نے بھی کچھ مذہب جو ابدیا۔ ہماری یہ کشش اور کوشش بے فائدہ ہوئی۔ قلات سے جنوب کی طرف چل کر سوراخ ننگ۔ الا باغ اور اس نواح کے افغانوں کو لوٹ مار کر کلل میں ہم آگئے۔ کلل میں رات کو پہنچے تھے، میں قلعہ میں گیا۔ چار باغ میں طویلہ کے ڈیرے پڑ گئے۔ میرا گھوڑا، جیبہ اور خنجر چار باغ میں سے کوئی چالے گیا۔

بلی چغتایانی کا چلے جانا اور مارا جانا:- جب سے بلی چغتایانی دریائے آمو کے کنارہ سے میرے ساتھ ہوا تھا اس دن سے وہی میرے ہاں چڑھا بڑھا رہا۔ اس سے اعلیٰ درجہ کا کوئی دوسرا سردار نہ تھا۔ اگرچہ لیاقت اور انسانیت کی ایک بات بھی اس سے ظاہر نہ ہوئی تھی۔ بلکہ بہت سی بے ادبیاں اور برائیاں سرزد ہوئی تھیں۔ مگر جو چاہتا تھا کرتا تھا۔ جو کہتا تھا وہی ہوتا تھا۔ وہ بڑا خسیس، پلید، حامد، باطن، ننگ چشم اور کج خلق آدمی تھا۔ اس کی خست کا یہ حل تھا کہ جب تہذیب چھوڑ کر مع گھریا میرے ساتھ ہوا ہے تو تیس چالیس ہزار بکریاں اپنی ذات کی اس کے پاس تھیں۔ ہر منزل میں اس کے ریوڑ میرے سامنے سے نکلتے تھے۔ میرے سپاہی اور ملازم بھوکے مرتے تھے اور وہ ایک بکری نہ دیتا تھا۔ البتہ کھمو جاتے وقت پچاس بکریاں دی تھیں۔ ہر چند کہ مجھ کو پادشاہ جانتا تھا مگر میرے سامنے نقارہ بجاتا تھا۔ وہ کسی سے صاف نہ تھا۔ اور نہ کسی کو دیکھ سکتا تھا۔ کلل کی آمدنی چنگی کا محصول ہے۔ یہ محصول کلل کی داروختی اور ہزارہ کوشک وغیرہ کی حکومت سب اس کے پاس تھی اور تمام سرکار کا مختار تھا۔ مگر اتنی رعایتوں پر بھی راضی اور خوش نہ تھا اور بلا۔ لہذا اس کے خیالات بہت فاسد تھے۔ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ میں نے کبھی ان کا خیال نہیں کیا اور کوئی بات اس کے منہ پر نہیں رکھی۔ اس پر بھی ناز کرتا تھا اور چلا جانا چاہتا تھا۔ میں اس کے ناز اٹھاتا تھا اور عذر خواہیوں سے روکتا تھا۔ اب ایک دن پھر طلب گار رخصت ہوا۔ اس کا ناز اور اس کی رخصت طلبی حد سے گزر گئی تھی۔ میں بھی اس کے افضل اور اخلاق سے عاجز ہو گیا تھا۔ میں نے رخصت دے دی۔

رخصت طلب کرنے سے بہت پچھتایا، گھبرانے لگا۔ اب کیا ہوتا ہے۔ مجھے کھلا

بھیجا کہ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ جب تک تجھ سے خطا سرزد نہ ہوگی۔ ناراض نہ ہوں گا۔ میں نے ملا بابا کے ہاتھ گیارہ گناہ الگ الگ کھلا بھجوائے۔ قائل ہو گیا۔ گھربار سمیت ہندوستان کی طرف جانے کی رخصت اس کو دے دی۔ اس کے نوکروں میں سے کچھ لوگ خیبر تک پہنچا کر واپس آئے۔ وہ باقی کالیانی کے قافلہ کے ساتھ نیلاب سے چلا گیا۔ اس زمانہ میں محمد یار حسین (دریا خان کا بیٹا) بکلوٹ میں تھا۔ کھت سے میرا فرمان لے گیا تھا۔ اس کو سند بنا کر وہ زئی کے دیہات سے پٹھانوں کے ایک گروہ کو اور بہت سے جت اور گجرات والوں کو گھیر گھار کر اپنے ساتھ کر لیا تھا۔ لوٹ مار اور قزاقی اس کا پیشہ ہو گیا تھا۔ باقی کی خبر سنتے ہی اس نے راستہ روک لیا۔ باقی کو مع ہمراہیوں کے پکڑ لیا۔ باقی کو مار ڈالا اور اس کی جو رو کو لے لیا۔ میں نے باقی کے ساتھ کوئی برائی نہ کی تھی۔ اسی کی برائی اس کے آگے آئی۔ اور اس نے اپنے کئے کی سزا پائی۔

تو بد کنندہ خود را یہ روزگار سپار

کہ روزگار ترا چاکر یست کینہ گزار

اس جائے میں دو ایک بار برف پڑی۔ برف پڑنے کے زمانہ میں ہم چار بلغ

میں رہے۔

ہزارہ ترکمانوں پر چڑھائی :- میں جو کابل سے چلا گیا تھا تو میرے آتے تک ہزارہ ترکمانوں نے بہت سر اٹھایا تھا۔ اور راہ زیناں کی تھیں۔ اس کو سزا دینے کے لئے شہر میں آیا۔ الف بیک مرزا کی عمارتوں میں سے بستان سرا میں ٹھہرا۔ وہاں سے ماہ شعبان میں ہزار ترکمانوں پر چڑھائی کرنے کے لئے سوار ہوا۔ درہ خوش کے جنگل میں فوج روانہ کی۔ کچھ لوگوں کو لوٹا مارا۔ درہ خوش کے قریب کھوؤں میں کچھ ہزارہ لوگ چھپے ہوئے تھے۔ شیخ درویش کو کلتاش جو اکثر لڑائی جھگڑوں میں میرے ہمراہ رہا ہے ان دنوں میں تور بیک کے منصب پر تھا، کمن خوب کھینچتا تھا اور تیرا چھا لگاتا تھا۔ انہی کھوؤں کے منہ پر غافل چلا آیا۔ اندر سے ایک ہزارہ نے اس کی چھاتی میں تیر مارا۔ اسی دن وہ مر گیا۔ اکثر ہزارہ ترکمانوں نے درہ خوش میں قشلاق بنا لیا تھا۔ ہم ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ درہ خوش اس طرح کا درہ تھا کہ تقریباً آدھ کوس تک سکڑا تھا۔ راستہ کمر کوہ میں سے تھا۔ راستہ سے نیچے کی جانب پچاس ساٹھ گز کی گہرائی تھی اور اوپر کی طرف اسی قدر اونچائی۔ ایک سوار کا راستہ تھا۔ اس جنگ راہ میں اس دن وہ

نمازوں کے درمیان تک چلتے رہے۔ راستہ میں کوئی نہ ملا۔ ایک جگہ ہم نے منزل کی۔ ایک فریہ اونٹ ہزارہ لوگوں کا ہاتھ آگیا تھا۔ اس کو لائے اور ذبح کیا۔ تھوڑے سے گوشت کے کباب کئے۔ اور تھوڑا سا گوشت پکایا۔ اس مزے کا گوشت کبھی نہ کھایا تھا۔ بعض کو بکری کے گوشت میں اور اس میں کچھ فرق نہ معلوم دیتا تھا۔

دوسرے دن یہاں سے کوچ کیا۔ اس مقام کی طرف جہاں قوم ہزارہ نے قشلاق بنایا تھا روانہ ہوئے۔ کوئی پہر بھر چلے ہوں گے کہ سامنے سے ایک شخص نے آکر کہا کہ ہزارہ لوگوں نے دریا کے ایک گھاٹ پر مضبوط لکڑیاں باندھ کر راستہ بند کر دیا ہے، اور لڑنے کو آمادہ ہیں، یہ سنتے ہی ہم چلے۔ تھوڑی دور چل کر وہاں پہنچے جس جگہ ہزار لوگ موجود تھے۔ اس جاڑے میں برف اتنی اونچی پڑی تھی کہ راستے ڈھک گئے تھے۔ بغیر راستہ کے چلنا مشکل تھا۔ دریائے نکاب کے کناروں پر بالکل بے خم گئی تھی۔ اس وجہ سے ایسے دریا میں سے بغیر راستہ کے گزرتا محال تھا۔ ہزارہ لوگوں نے گھاٹ پر بہت سی لکڑیاں کاٹ کر ڈال دی تھیں اور خود مقام نکاب میں اور دریا کے کناروں پر سوار اور پیدل لڑائی کے لئے مستعد تھے۔ محمد علی مشربیک میرے ان امیروں میں سے تھا جن کو میں نے بتایا تھا۔ بڑا بہادر اور نہایت عمدہ سپاہی تھا۔ جہاں دشمنوں نے لکڑیاں ڈال رکھی تھیں اس طرف بڑھا۔ دشمنوں نے ان کی گردن میں تیر مارا۔ فوراً ہلاک ہو گیا۔ چونکہ ہم نے حملہ کرنے میں بہت جلدی کی تھی۔ اس لئے اکثر جیبہ پہنے ہوئے نہ تھے۔ دو ایک تیر میرے سر پر سے بھی گزرتے ہوئے گرے۔ احمد یوسف بیگ بار بار گھبرا کر چلتا تھا کہ یوں بنگے کیوں گھسے جاتے ہو۔ میں نے دو تین تیر آپ کے سر پر سے جاتے ہوئے دیکھے ہیں۔ میں نے کہا گھبراؤ نہیں۔ ایسے تیر بہت سے میرے سر پر سے گذر گئے ہیں۔ اسی حال میں قاسم بیگ قوچین نے اٹنے ہاتھ کی طرف دریا سے پار ہونے کا موقع دیکھا۔ اور وہ پار ہو گیا اس نے تو دریا میں گھوڑا ڈالا اور ہزارہ لوگوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ آخر سب بھاگ نکلے۔ جنہوں نے ان پر حملہ کیا تھا وہ پیچھے ہو لئے۔

قاسم بیگ کو میں نے اسی کام کے صلہ میں بنگش کا علاقہ عطا کیا تھا۔ حاتم قور بیگی نے بھی اس موقع پر کمی نہیں کی۔ اسی سبب سے شیخ درویش کو کلاتش کی جگہ قور بیگی کا عمدہ حاتم کو عنایت کیا۔ یک قلی بابا کو محمد علی مشربیک کا منصب اسی واسطے دیا کہ اس نے بھی نمایاں کوشش کی۔ سلطان علی چنانق بھاگتے ہوؤں کے پیچھے گیا تھا۔

برف کی زیادتی اور بلندی کے سبب راستے طے نہ کر سکا۔ میں بھی اس فوج کے ساتھ آیا۔ ہزارہ کے قشاقوں میں آئے۔ ان کی مویشی وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ خود میں نے چار سو پانچ سو بھیڑ بکریاں اور پچیس گھوڑے جمع کئے۔ سلطان علی وغیرہ دو تین آدمی میرے ساتھ تھے۔ اس یورش کا سپہ سالار میں تھا۔ ایسی سپہ سالاری میں نے دو دفعہ کی ہے۔ ایک نواب کے دوسری دفعہ جب کہ انہی ہزار ترکمانوں پر خراسان سے آکر یورش کی ہے۔ غرضیکہ دستہ فوج کو لے گیا اور بہت سی مویشی میں لوٹ لیا۔ ہزارہ کے بل بچے یا سادہ برف دار پشتوں پر جا کھڑے ہوئے۔ ہم نے کابل بھی کی اور شام بھی ہو گئی تھی۔ ہم واپس آئے اور ان کے گھروں میں اتر پڑے۔ اس جاڑے میں اتنی بلند برف پڑی تھی کہ یہاں سے باہر جانے میں گھوڑے کو خوگیر تک برف تھی۔ جو فوج گرداولی کے لئے نکلی تھی۔ برف کی بلندی کے سبب سے رات بھر گھوڑوں پر سواری۔ صبح کو یہاں سے پلٹے اور درہ خوش میں ہزارہ لوگوں کے قشاقوں میں رات بسر کی۔ وہاں سے جگد لک میں آئے۔

یارک طغائی وغیرہ ہمارے پیچھے آئے تھے۔ ان کو حکم دیا کہ جن ہزارہ لے شیخ درویش کو مارا ہے ان کو پکڑ لاؤ۔ وہ کبخت اجل رسیدہ ابھی تک کھوڑوں میں تھے۔ ہمارے لوگ گئے اور دھواں کر کے ستر اسی آدمیوں کو پکڑ لائے۔ ان میں سے بہتوں کو قتل کر دیا۔ اس یورش سے فارغ ہو۔ بخارا سے تحصیل کرنے کے لئے ای توغندی کی نواح میں دریائے باران کے اس جانب ہم آئے۔ جہانگیر مرزا غزنی سے آکر ای توغندی میں ملا۔ اسی اثناء میں تیرہویں تاریخ رمضان کی تھی کہ مجھ کو مرض قوبا سے سخت تکلیف ہوئی۔ چالیس دن تک یہ حال رہا کہ ایک کرڈ سے دوسری کرڈ لواتے تھے۔ بارے اللہ نے فضل کر دیا۔ بخارا کے دروں میں سے درہ لمغان میں جو خصوصاً بڑا مقام ہے۔ اس میں علی حسین آقا اور اس کا بھائی بڑے سرکش تھے۔ جہانگیر مرزا کو لشکر کا سپہ سالار کر کے اس طرف بھیجا۔ قاسم بیگ بھی ساتھ گیا۔ یہ لشکر ان کے سکر پر گیا اور سکر کو چھین لیا۔ ان میں سے بہت سوں کو قتل کر ڈالا۔ قوبا کی تکلیف کے سبب سے محافہ جیسی ایک سواری بنا کر اس میں مجھے ڈال دیا اور دریائے باران کے کنارہ سے بستان سرا میں لائے۔ اس جاڑے میں چند روز تک میں بستان سرا میں رہا۔ اس بیماری سے ابھی اچھا نہ ہوا تھا کہ کلہ پر سیدھی طرف والغولی نکل آیا۔ اس کو چیرا

لکویا اور مسلسل بھی لیا۔ تندرست ہو کر میں چار باغ میں آگیا۔ جہانگیر مرزا نے ملازمت حاصل کی۔

جہانگیر مرزا کی بغاوت :- ایوب یوسف اور بملول یوسف جہانگیر مرزا کے پاس جو گئے تو انہوں نے اس کو بغاوت پر آمادہ کرنا چاہا۔ اس کی بار جہانگیر مرزا وہ جہانگیر مرزا نہ تھا۔ چند روز کے بعد یسٹ سے چل کھڑا ہوا۔ اور بہت جلد غزنی میں جا پہنچا۔ باقی کے قلعہ کو جا چھینا۔ وہاں والوں کو قتل کیا اور قلعہ کو لوٹ لیا۔ جس قدر فوج تھی اس کو ہمراہ لے ہزارہ کے ملک میں سے ہوتا ہوا بامیان کی طرف روانہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھ سے یا میرے آدمیوں میں سے کوئی کلام اور کوئی برائی ایسی نہیں ہوئی تھی جس کے سبب سے ایسی کدورت اور بگاڑ پیدا ہو۔ آخر سننے میں آیا کہ اس جانے کا سبب یہ قرار دیا ہے کہ جب جہانگیر مرزا غزنی سے آیا ہے تو قاسم بیگ وغیرہ استقبال کے لئے گئے تھے۔ مرزا نے اپنا جانور پودنے پر بھیجا۔ جس وقت جانور نے پودنے پر پنج مارا اور زمین پر گر لیا تو مرزا چلایا کہ وہ پکڑ لیا۔ قاسم بیگ نے کہا کہ جب دشمن کو اس طرح عاجز کر لیا ہے تو کیوں چمورٹنے لگا۔ اب پکڑ لے گا۔ اتنا کہنا غضب ہو گیا۔ ایک تو یہ بات ہوئی۔ دوسرے اس سے بھی لغو اور بیسودہ دو ایک باتوں کو پکڑ لیا۔ پھر غزنی کا برا دھاڑا کیا اور ہزارہ میں سے ہوتا ہوا قوموں میں چلا گیا۔ ان دنوں میں قومیں ناصر مرزا سے علیحدہ ہو گئی تھیں مگر ازبک کے پاس نہ گئی تھیں۔ اشتراک کے نیچے اور اس نواح کے ایلاتوں میں پڑی ہوئی تھیں۔ انہی دنوں میں سلطان حسین مرزا نے شیبانی خاں کے استیصال کا پورا ارادہ کیا۔ اپنے سب بیٹوں کو بلایا۔ مجھے بھی سید سلطان علی خواب بین کے بیٹے سید افضل کو بھیج کر بلایا تھا مجھے خراسان جانا کئی سبب سے لازم تھا۔ ایک تو یہ کہ سلطان حسین مرزا جیسے بادشاہ نے جو امیر تیمور کا جانشین ہے اس وقت کہ شیبانی خاں جیسے دشمن کا قصد کیا ہے۔ اپنے بچوں اور امراء کو ادھر ادھر سے اکٹھا کر کے مجھے بھی بلاتا ہے۔ کوئی پاؤں سے جائے تو میں سر کے بل جاؤں۔ کوئی لکڑی لے کر جائے تو میں پتھر ہی لے کر جاؤں۔ دوسرے یہ کہ جہانگیر مرزا بگڑ کر چلا گیا ہے۔ یا تو اس کو منا لوں یا کچھ تدارک کروں۔

خوارزم میں شیبانی خاں کا حسین صوفی پر حملہ کرنا اور فتح پانا :- اسی سال شیبانی خاں نے خوارزم میں حسین صوفی کو جاگیر اور دس مہینے کے محاصرہ کے بعد پکڑ لیا۔ اس محاصرہ میں بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ خوارزمیوں نے پرلے سرے کی بہادری کی اور خوب جان لڑائی۔ ایسی تیر اندازی کی کہ بارہا دشمنوں کے سپروں وغیرہ کو چھید چھید دیا۔ دس مہینے تک مقابلہ کرتے رہے۔ کہیں سے ان کو مدد نہ پہنچی۔ کچھ تالافت اور بودوں نے از راہ بزدلی ازبک سے سازش کی اور اس کو قلعہ پر چڑھا لیا۔ حسین صوفی کو جو خبر ہوئی تو خود آموچو ہوا اور فسیل پر چڑھنے والوں کو مار کر اتار دیا وہیں اس کے سینہ میں تیر لگا اور وہ مارا گیا۔ جب لڑنے والا نہ رہا تو قلعہ لے لیا۔ حسین صوفی پر آفرین ہے کہ مردانگی کے ساتھ مشقت کرنے اور جان کھپا دینے میں اس نے کوئی بات باقی نہ رکھی۔ شیبانی خاں نے خوارزم کبک کو دے دیا اور آپ سرقند آیا۔

سلطان حسین مرزا کا مرنا :- ذی الحجہ کے مہینے میں کہ آخر سال تھا سلطان حسین مرزا نے جس وقت کہ وہ شیبانی خاں کے مقابلہ کے لئے لشکر جمع کر کے مقام بابا الہی میں آیا۔ اس وقت اس جہان فانی سے عالم بقا کی طرف انتقال کیا۔

سلطان حسین مرزا کا حال :- سلطان حسین مرزا ۸۴۲ھ میں مقام ہری میں پیدا ہوا۔ اس وقت شاہرخ مرزا کا عہد سلطنت تھا۔ اس کا نسب یہ ہے۔ سلطان حسین مرزا بن منصور مرزا بن بایستقر مرزا بن عمر شیخ مرزا بن امیر تیمور صاحبقران۔ (عمر شیخ مرزا اور بایستقر مرزا بلاشاہ نہیں ہوئے) ان کی ماں فیروزہ بیگم بھی امیر تیمور کی پوتی تھی۔ اس حساب سے سلطان حسین مرزا نشاۃ مرزا کا نواسہ ہوتا تھا۔ مرزا کی نھیال اور دو خیال دونوں تیموریہ خاندان سے تھیں۔ وہ نجیب العرفین اور خاندانی بادشاہ تھا۔ یہ دو بھائی اور دو بہنیں سگی تھیں ایک سلطان حسین مرزا۔ دوسرا بایستقر مرزا۔ تیسری کا بیگم اور چوتھی ایک اور لڑکی (جس کی شادی احمد خاں سے ہوئی تھی) بایستقر مرزا سلطان حسین مرزا سے بڑا تھا۔ اگرچہ اس کا نوکر تھا مگر دربار میں نہ آتا تھا۔ دربار کے علاوہ دونوں ایک مسند پر بیٹھتے تھے۔ سلطان حسین مرزا نے اس کو بلخ کا حاکم کر دیا تھا۔ کئی برس تک وہ بلخ کا حاکم رہا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ سلطان محمد مرزا، سلطان ویس مرزا اور سلطان اسکندر مرزا۔ آکا بیگم مرزا سے بڑی بہن تھی۔ میران شاہ مرزا کے پوتے سلطان احمد مرزا سے اس کی شادی ہوئی تھی۔ اس کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔

کیچک مرزا نام۔ ابتدا میں وہ اپنے ماموں کا ملازم ہوا۔ آخر میں نوکری ترک کر دی اور مطالعہ کتاب میں مشغول ہو گیا کہتے ہیں کہ وہ حکیم ہو گیا تھا۔ شاعر بھی تھا۔ یہ رباعی اس کی ہے۔ رباعی

عمرے بہ صلاح ی ستودم خود را
در شیوہ زہد ے نمودم خود را
چوں عشق آمد کدام زہد چہ صلاح
المننۃ للہ آزمودم خود را

اس رباعی میں ملاکی رباعی سے مضمون لڑ گیا ہے۔ آخر میں اس نے حج بھی کیا۔ بیرکہ بیگم جو مرزا کی چھوٹی بہن تھی اس کی شادی احمد خاں بن شیر خاں سے کر دی تھی۔ اس کے ہاں دو بیٹے ہوئے۔ ہری میں آکر دونوں مدت تک مرزا کی خدمت میں رہے ہیں۔

وضع و حلیہ :- مرزا کا حلیہ یہ ہے :- چھوٹی آنکھیں، شیر اندام یعنی کمر نہایت پتلی۔ بڑھاپے تک چہرہ کا رنگ سرخ و سپید تھا۔ لال اور سبز رنگ کے پشمینے کا لباس پہنتا تھا۔ ٹوپی سیاہ برے کے پوست کی ہوتی تھی۔ یا قلیاتی، کبھی عید بقر عید کو ہلکی سی دستار سر پہنچ کھلی ہوئی باندھ لیتا تھا اور اس میں کلفی لگا کر نماز کو جاتا تھا۔

اطوار و اخلاق :- اخلاق وغیرہ یہ تھے۔ ابتدائے سلطنت میں ایسا خیال تھا کہ دوازدہ امام کا خطبہ پڑھا گیا۔ بعض نے اس کو منع کیا۔ آخر اہل سنت والجماعت کے طریقہ پر سب کاروبار ہو گئے۔ وجع مفصل کے سبب سے نماز نہ پڑھ سکتا تھا۔ روزہ بھی نہ رکھتا تھا۔ باتوں اور خوش مزاج آدمی تھا۔ خلق ذرا بڑھا ہوا تھا۔ اس کی باتیں اس کے خلق ہی جیسی تھیں۔ معاملات میں شرع کا لحاظ بہت کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اپنے ایک بیٹے کو کسی شخص کے قتل کر دینے سے مقتول کے ورثاء کے سپرد کر کے دارالقضا میں بھیج دیا۔ بادشاہ ہونے کے بعد چھ سات برس تک تائب رہا۔ پھر شراب پینے لگا۔ اس نے تقریباً چالیس برس تک خراسان کی سلطنت کی کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ ظہر کی نماز کے بعد شراب نہ پیتا ہو۔ مگر سبوحی نہ پیتا تھا۔ اس کے سارے بیٹوں، سپاہیوں اور اہل شہر کا یہ حال ہو گیا تھا کہ عیش اور فسق کثرت سے کرتے تھے۔ وہ بڑا ہمار اور شخص تھا۔ بارہا خود لڑا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اولاد تیموریہ میں سے سلطان حسین مرزا کے برابر

کسی نے شمشیر زنی کی ہو۔ موزوں طبیعت تھا۔ دیوان بھی اس نے مرتب کیا تھا۔ ترکی زبان میں شعر کہا کرتا تھا۔ حسینی تخلص تھا۔ اس کے بعض اشعار برے نہیں ہیں البتہ مرزا کا سارا دیوان ایک ہی بحر میں ہے۔ اگرچہ معمر اور بڑا بلو شاہ تھا لیکن بچوں کی طرح تور ہتھار پالتا تھا۔ کبوتر بازی کرتا تھا اور مرغ لڑاتا تھا۔

لڑائیاں :- وہ کتنی لڑائیاں لڑا تھا۔ ان لڑائی جھگڑوں کے زمانہ میں جو دریائے گرگان کے کنارہ پر واقع ہوئے تھے دریا میں کود پڑا اور پار ہو گیا۔ ایک بار اس نے ازبک کی خوب خبر لی۔ ایک دفعہ سلطان ابو سعید مرزا نے محمد علی بخشی کو تین ہزار سوار کا سپہ سالار کر کے اس پر چڑھائی کرنے کو بھیجا۔ سلطان حسین مرزا نے ساتھ آدمیوں کے ساتھ آکر ان کو خوب مارا اور شکست دی۔ اس کا یہ کام بڑا نمایاں کام تھا۔ ایک بار استر آباد میں سلطان محمود مرزا سے مقابلہ کر کے اس کو زیر کیا۔ ایک اور دفعہ استر آباد ہی میں حسین ترکمان سہلیق کو شکست دی۔ بلو شاہ ہونے کے بعد مقام چنار میں یادگار مرزا کو زیر کیا۔ پھر مرغاب کے پل پر سے دفعہ ”عبور کیا اور باغ یاغلان میں یادگار مرزا کو جب کہ وہ شراب کے نشہ میں غین پڑا ہوا تھا آن پکڑا۔ اور اسی موقع پر خراسان پھین لیا۔ آند خود اور شیرخان کی نواح میں چکمان کے مقام پر سلطان محمود خل سے لڑ کر اس پر غالب آیا۔ جب ابابکر مرزا نے عراق سے آکر اور قرار نیلوق ترکمانوں کو ساتھ لا کر الف بیگ مرزا کو تھکنہ اور خمار میں شکست دے کر کابل کو چھین لیا اور پھر عراق کے خیال سے کابل کو چھوڑ براہ خیبر خوشاب اور ملتان کی راہ سے نکل سوق میں ہوتا ہوا کمان پر قبضہ کیا اور اس کو وہ نہ رکھ سکا تو وہاں سے خراسان میں آیا۔ خراسان میں سلطان حسین مرزا پر دفعہ ”آن پڑا۔ مرزا نے اس کو پکڑ لیا۔ ایک دفعہ پل پلراغ میں اپنے بیٹے بدیع الزمان مرزا کو شکست دی۔ ایک مرتبہ قندھار کو جاگیرا مکر فتح نہ کر سکا۔ الٹا پھر گیا۔

ایک بار حصار پر بھی چڑھائی کی تھی۔ اس کو بھی بے فتح کئے پلٹ گیا۔ ایک دفعہ ذالنون بیگ کے ملک پر چڑھ آیا تھا۔ صرف بست کے داروغہ کو شکست دی۔ اور کچھ نہ کیا۔ بست کو بھی چھوڑ کر چلا گیا۔ سلطان حسین مرزا جیسے جوان مرد بادشاہ نے ان دونوں لڑائیوں میں شاہانہ عزم کو پورا نہیں کیا اور واپس چلا گیا۔ اولاتک نشین میں اپنے بیٹے بدیع الزمان مرزا کو جو ذالنون بیگ کے بیٹے شجاع بیگ سے مقابلہ ہوا تھا

فلکست دی۔ اس لڑائی میں ایک عجیب اتفاق امر واقع ہوا۔ سلطان حسین مرزا لشکر سے الگ تھا۔ اس نے بہت سا لشکر اتر آباد میں بھیج دیا تھا۔ جس میں لڑائی ہوئی ہے اسی دن یہ لشکر بھی آگیا۔ ادھر مسعود مرزا حصار کو بایستقر مرزا کے ہاتھ چھنوا کر سلطان حسین مرزا کے پاس آیا تھا۔ اسی دن آپنچا۔

ممالک مقبوضہ :- اس کی حکومت خراسان میں تھی۔ جس کے مشرق میں بلخ۔ مغرب میں بلخام و دامغان۔ شمال میں خوارزم اور جنوب میں قندھار و سیستان ہے جب کہ ہری جیسا شہر ہاتھ آیا تو پھر سوائے عیش و عشرت کے اس کو کوئی کام نہ رہا۔ بلکہ اس کے متعلقوں میں کوئی ایسا نہ تھا جو عیش و عشرت نہ کرتا ہو۔ چونکہ ملک گیری اور فوج کشی کے دکھ سننے کا شوق نہ رہا اس لئے اس کے ملک اور فوج میں کمی ہوتی گئی۔ ترقی نہ ہوئی۔

اولاد :- اس کے ہاں چودہ بیٹے اور گیارہ بیٹیاں تھیں۔ سب میں بڑا بدلیع الزمان مرزا تھا۔ جس کی ماں سخر مرزا مروی کی بیٹی تھی۔ دوسرا شاہ غریب مرزا تھا۔ یہ مرزا اگرچہ بد صورت تھا مگر طبیعت کا اجلا تھا۔ گو جسم کا وہ حقیر تھا۔ پر اس کی باتیں دلچسپ تھیں۔ اس کا تخلص غریبی تھا۔ صاحب دیوان تھا۔ ترکی، فارسی، دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ اس کا شعر ہے۔

درگذر دیدم پری روئے شدم دیوانہ اش

چیت نام او کجا باشد نہ دانم خانہ اش

سلطان حسین مرزا نے کئی بار اس کو ہری کی حکومت دی تھی وہ باپ کے سامنے ہی مر گیا۔ اس کے ہاں کوئی آل اولاد نہ ہوئی۔ تیسرا مظفر حسین مرزا تھا سلطان حسین مرزا کا چاہتا بیٹا۔ یہ اگرچہ خوبصورت تھا لیکن اس کے اخلاق و افعال اچھے نہ تھے۔ اس چاہت ہی کے سبب تہ مرزا کے اکثر بیٹے باغی ہوتے رہتے تھے۔ ان دونوں کی ماں خدیجہ بیگم تھی۔ جو سلطان ابو سعید مرزا کی حرم تھی۔ (ابو سعید مرزا سے بھی اس کے ہاں ایک بیٹی آفاق بیگم نام پیدا ہوئی تھی) چوتھا ابو الحسن مرزا تھا۔

پانچواں کبیک مرزا اس کا اصلی نام محمد حسن مرزا تھا۔ یہ دونوں لطیف سلطان آغچہ کے پیٹ سے تھے۔ ابو تراب مرزا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ بہت رشید تھا۔ اپنے باپ کے اشداء مرض میں ان کے مرنے کی خبر سن کر اپنے چھوٹے بھائی محمد حسین مرزا کے

پاس عراق میں چلا گیا۔ وہاں ترک دنیا کر کے فقیر ہو گیا۔ پھر اس کی کچھ خبر معلوم نہیں ہوئی۔ اس کا ایک بیٹا تھا۔ مراب مرزا۔ جس زمانہ میں میں نے حمزہ سلطان اور مہدی سلطان وغیرہ کو گتتیس دے کر حصار چھین لیا ہے اس زمانہ میں وہ میرے پاس تھا۔ وہ ایک آنکھ سے کانا تھا۔ اور بہت بد صورت تھا۔ اس کے اخلاق بھی صورت ہی جیسے تھے۔ یہودیوں کے سبب سے میرے پاس نہ نہر سکا اور چلا گیا ان یہودیوں ہی کے طفیل استر آباد کی نواح میں نجم ثانی نے اس کو بڑے عذابوں سے قتل ڈالا۔ ساتواں محمد حسین مرزا تھا۔ اس کو اور شاہ اسماعیل صفوی کو عراق میں ایک ہی جگہ قید کیا تھا۔ اس کے بعد وہ کٹر شیعہ ہو گیا تھا۔ باوجود اس کے اس کے باپ بھائی سب سنی تھے۔ لیکن وہ ایسا کٹر شیعہ ہو گیا۔ اس حالت میں استر آباد میں وہ مر گیا۔ بہادر تو بہت مشہور تھا لیکن کوئی کام اس سے ایسا ظاہر نہیں ہوا جو لکھنے کے قابل ہوتا۔ شاعر بھی تھا۔ یہ شعر اسی کا ہے۔

آسودہ تو کردی زپے صید کہ غشتی
غرق عرقی در دل گمری کہ مزمشتی

آٹھواں فریدوں حسین مرزا تھا۔ وہ کمان بڑے زور سے کھینچتا تھا۔ تیرا چھالگاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کی کمان چالیس ٹانگ کی ہوتی تھی۔ بہادر تھا پر فح نصیب نہ تھا۔ جہاں لڑا وہیں ہٹا۔ رباط دور میں تیمور سلطان اور عبید سلطان سے یہ اور اس کا چھوٹا بھائی لڑا اور شکست کھائی۔ اس لڑائی میں فریدوں حسین مرزا نے خوب داد مردانگی دی۔ دامن میں فریدوں حسین مرزا اور محمد زماں مرزا کو شیبانی خاں نے پکڑ لیا تھا۔ مگر دونوں کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد جب شاہ محمد دیوانہ نے قلات کو محکم کیا تو یہ وہاں چلا گیا اور جب ازبک نے قلات کو چھین لیا تو یہ پکڑا گیا۔ اور قتل کر دیا گیا۔ یہ تینوں منگلی بی آغچہ نام غنچہ جی کے پیٹ سے تھے۔ نواں حیدر مرزا تھا۔ اس کی ماں پانندہ سلطان بیگم ابو سعید مرزا کی بیٹی تھی۔ یہ مرزا باپ کے سامنے مشہد اور بلخ کا حاکم رہا۔ جب سلطان حسین مرزا نے حصار پر چڑھائی کی ہے تو سلطان محمود مرزا کی بیٹی (جو خانہ زاد بیگم کے پیٹ سے تھی) اس کے لئے لی اور صلح کر کے حصار کا محاصرہ اٹھالیا۔ اس کے ہاں ایک بیٹی شاہ بیگم نام ہوئی تھی۔ وہ کابل میں آئی اور اس کی شادی عادل سلطان سے کر دی۔ حیدر مرزا بھی اپنے باپ کے سامنے مر گیا۔

دسواں محمد معصوم مرزا تھا۔ اس کو قدھار دیا تھا۔ اسی سبب سے الف بیگ مرزا کی بیٹی سے اس کی منگنی کر دی گئی تھی۔ ہری میں آنے کے بعد بڑی دھوم سے شادی ہوئی۔ مکانات وغیرہ کی خوب تیاری کی تھی۔ مرزا مذکور قدھار کا حاکم تو ہو گیا تھا لیکن سیاہ و سفید کا اختیار شاہ بیگ ارغوں کو تھا۔ مرزا برائے نام تھا۔ اس لئے وہ قدھار میں نہ رہ سکا اور خراسان چلا گیا باپ کی زندگی ہی میں مر گیا۔ گیارہواں فرخ حسین مرزا تھا۔ وہ بھی چھوٹا سا ہی مر گیا۔ اپنے چھوٹے بھائی ابراہیم حسین مرزا سے زیادہ نہ جیا۔ بارہواں ابراہیم حسین مرزا تھا جو خورد سال فوت ہو گیا۔ تیرہواں شاہ حسین مرزا اور چودہواں محمد قاسم مرزا تھا۔ ان کے بیان آگے آئیں گے۔ ان پانچوں کی ماں بیلا آغچہ غنچہ جی تھی۔

سب میں بڑی بیٹی سلطان نیم بیگم تھی۔ اپنی ماں کی اکلوتی تھی۔ اس کی ماں کا نام چوٹی بیگم تھا۔ جس کا باپ امرائے ازاں میں ایک امیر تھا۔ سلطانیم بیگم بڑی باتوں تھی۔ مگر اس کی باتوں میں مزہ نہ تھا۔ اس کے بڑے بھائی نے بایستقر مرزا کے بھٹے بیٹے سلطان دیس مرزا سے اس کی شادی کر دی تھی۔ اس کے ہاں ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ لڑکی کی شادی سلطان شیبانی نے اپنے چھوٹے بھائی بول بارس سلطان سے کر دی۔ اس کے ہاں محمد سلطان مرزا نام کا لڑکا ہوا جو آج کل میری طرف سے قنوج کا حاکم ہے۔ سلطانیم بیگم ان ہی دنوں میں اپنی اس نواسے کو لے کر ہندوستان آتی تھی۔ نیلاب میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی لاش کو تو لوگ لے کر واپس چلے گئے۔ اور اس کا نواسہ میرے پاس آ گیا۔ چار بیٹیاں پانچہ سلطان بیگم کے پیٹ سے تھیں۔ ان میں سے بڑی تراق بیگم تھی۔ جس کی شادی بابر مرزا کی چھوٹی بہن بیگہ بیگم کے پوتے محمد قاسم ارلات سے کر دی تھی۔ اس سے ایک بیٹی قراکور بیگم نام پیدا ہوئی۔ اس سے ناصر مرزا کا نکاح ہوا۔ دوسری بیٹی کچک بیگم تھی۔ سلطان مسعود مرزا اس پر بہت مائل تھا۔ ہر چند اس نے شادی کرنی چاہی مگر پانچہ سلطان بیگم نے قبول نہ کیا۔ آخر ملا خواجہ سے جو سید عطا کی نسل سے تھا شادی کر دی۔ تیسری بیٹی بیگہ بیگم اور چوتھی آغا بیگم تھی۔ دونوں کی شادی پانچہ سلطان بیگم نے اپنی چھوٹی بہن کے بیٹوں بابر مرزا اور سلطان مرید مرزا سے کی تھی۔ منگلی آغاچہ سے دو بیٹیاں ہوئی تھیں۔ ان میں سے بڑی سید عبداللہ مرزا کو جو اندخود کے سیدوں میں سے تھا اور بایستقر

مرزا کا نواسا تھا دہلی۔ اس کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ سید برکہ نام۔ جس زمانہ میں سمرقند نے لیا ہے اس زمانہ میں وہ میرے ساتھ تھا۔ پھر اور سمجھ جا کر مدعی سلطنت ہوا۔ آخر قزلباشوں نے استر آباد میں اس کو مار ڈالا۔

دوسری بیٹی فاطمہ سلطان بیگم تھی۔ اس کی شادی یادگار مرزا تیموری سے ہوئی۔ بیٹا آغاچہ سے تین بیٹیاں تھیں بڑی سلطانہ نواہ بیگم۔ اس کی شادی سلطان حسین مرزا نے اپنے بڑے بھائی کے چھوٹے بیٹے سکندر مرزا سے کی تھی۔ دوسری بیٹی بیگم سلطانہ تھی جو سلطان مسعود مرزا کو اندھا ہونے کے بعد دی تھی۔ اس سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوئی تھی۔ اس بیٹی کو سلطان حسین مرزا کی ایک حرام ایات بیگم نے پالا تھا۔ ہری سے کابل میں آکر ایات مرزا سے اس کی شادی ہو گئی۔ سلطان مسعود مرزا کو جب ازبکوں نے قتل کر دیا تو بیگم سلطانہ بیت اللہ چلی گئی۔ اب سنا ہے کہ وہ اور اس کا بیٹا دونوں مکہ معظمہ میں ہیں۔ تیسری بیٹی سید مرزا ثانی کو جو اندخود کے سیدوں میں سے تھا اور اس کا نام سید مرزا ہی مشہور تھا۔ ایک اور بیٹی عائشہ سلطانہ بیگم زمببندہ آغاچہ فغچہ جی کے پیٹ سے تھی۔ (یہ غنچہ جی حسین شیخ تیمور کی پوتی تھی) سلطانہ شیبانیہ میں سے قاسم سلطان کے ساتھ عائشہ سلطانہ بیگم کو بیاہ دیا تھا۔ اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ قاسم حسین نام۔ یہ لڑکا ہندوستان میں آکر میرا نوکر ہوا۔ رانا سانگا کی لڑائی میں میرے ساتھ تھا میں نے اس کو بدایوں عنایت کیا۔ عائشہ سلطانہ بیگم نے قاسم سلطان کے بعد یوران سلطان سے جو قاسم سلطان کے عزیزوں میں سے تھا نکاح کر لیا۔ اس سے بھی ایک بیٹا عبداللہ سلطان نام پیدا ہوا۔ آج کل یہ لڑکا میرے ہی پاس ہے ہے تو خورد سال مگر خدمت گزار اچھا ہے۔

بیویاں وغیرہ :- سلطان حسین مرزا کی بیویاں وغیرہ یہ تھیں :- بیاتہ بیوی بیکہ سلطانہ بیگم خیر مرزا مروی کی بیٹی تھی۔ بدیع الزمان مرزا اسی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ یہ بیوی بڑی بد مزاج تھی۔ سلطان حسین مرزا کو بہت ستاتی تھی۔ سلطان حسین مرزا نے اس ن بد مزاجی سے تنگ آکر چھوڑ دیا تھا۔ اور نجات پائی تھی۔ کیا کرتا۔ مرزا حق پر تھا

زن بد ور سرائے مرد نکو!
ہم دریں عالم است دوزخ او

اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو ایسی بلا میں گرفتار نہ کرے۔ بد مزاج عورت تو دنیا میں نہ رہے دوسری بیوی امراء اذواق میں سے چولی بیگم تھی۔ سلطانم بیگم اسی سے ہوئی تھی۔ تیسری شہربانو بیگم ابو سعید مرزا کی بیٹی تھی۔ پادشاہ ہونے کے بعد اس سے شادی کی تھی۔ حکیمان کی لڑائی میں جب مرزا کی ساری بیویاں محافوں سے نکل کر گھوڑوں پر سوار ہوئی ہیں تو یہ اپنے چھوٹے بھائی کے بھروسہ پر محافہ سے باہر نہ ہوئی۔ اس کی خبر مرزا کو پہنچی۔ مرزا نے شہربانو بیگم کو چھوڑ دیا اور اس کی بہن پائندہ سلطان بیگم سے نکاح کر لیا ازبک کے خراسان لینے کے بعد پائندہ سلطان بیگم عراق چلی گئی اور وہیں اس کا انتقال ہو گیا۔ پانچویں بیوی سلطان ابو سعید مرزا کی غنچہ جی خدیجہ بیگم تھی۔ ہری میں جو یہ آئی تو سلطان حسین مرزا نے اس کو گھر میں ڈال لیا۔ مرزا اس کو بہت چاہتا تھا۔ یہاں تک کہ غنچہ جی گری سے بیگمی کے مرتبہ پر پہنچ گئی۔ آخر میں مالک ہی بن بیٹھی تھی۔ محمد مومن مرزا کو اسی کے کہنے سے قتل کیا۔ سلطان حسین مرزا کے بیٹے اکثر اسی کے سبب سے باغی ہوئے۔ یہ سمجھتی تھی کہ میں بڑی دور اندیش ہوں مگر بہت بیوقوف اور زبان دراز عورت تھی۔ اس کا مذہب شیعہ تھا۔ غریب مرزا اور مظفر حسین مرزا اسی کے پیٹ سے ہوئے تھے۔ چھٹی ایاق بیگم تھی۔ اس سے کوئی بچہ نہیں ہوا۔ پلایا آغاچہ جو بڑی چاہتی تھی۔ اس کی کوکھ تھی۔ چونکہ وہ بے اولاد تھی اس لئے پلایا آغاچہ کے بچوں کو پال لیا تھا۔ مرزا کی بیماریوں میں یہ بہت خدمت کرتی تھی۔ اس کے برابر کوئی بیوی خدمت نہ کرتی تھی۔ جس سال میں ہندوستان میں آیا ہوں اس سال وہ ہری سے آئی۔ حتی الامکان میں نے اس کی بہت تعظیم و تکریم کی۔ جن دنوں میں میں نے چندیری کا محاصرہ کر رکھا تھا ان دنوں میں خبر آئی کہ کابل میں اس کا انتقال ہو گیا۔

غوماؤں میں سے ایک لطیفہ سلطان تھی جو ابو الحسن مرزا اور کبک مرزا کی ماں تھی۔ ایک منگلی بی آغاچہ تھی۔ جو شہربانو بیگم کی ماما تھی اور ایک ازبک کی بیٹی تھی۔ ابو تراب مرزا۔ محمد حسین مرزا اور فریدوں مرزا اسی کے پیٹ سے تھے۔ اس کے ہاں ایک ہی بیٹی ہوئی تھی۔ ایک غومہ بابا آغاچہ تھی۔ ایاق بیگم کی کوکھ۔ مرزا نے فریفتہ ہو کر اس کو داخل محل کر لیا۔ یہ پانچ بیٹوں اور چار بیٹیوں کی ماں تھی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ ایک سلطان آغاچہ تھی۔ اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کے علاوہ چھوٹی بڑی غومہ اور غنچہ جی بہت سی تھیں۔ مگر چڑھی بڑھی بیویاں اور حرمیں یہی

تھیں۔ جن کا ذکر ہوا۔ تعجب ہے کہ سلطان حسین مرزا جیسے بڑا بادشاہ اور ہرات جیسا اسلامی شہر ہو اور پھر مرزا کے چودہ بیٹوں میں سے تین بچے والد الزنا ہوں بات یہ ہے کہ وہ خود بھی بند نہ تھا اور اس کے بچوں اور خاندان میں بھی فسق و فجور کا رواج تھا۔ انہی اعمال کی شامت تھی کہ اتنا بڑا گھرانہ سات آٹھ برس میں ایسا مٹ گیا کہ سوائے محمد زمان مرزا کے کوئی نہ رہا۔

اس کے امراء :- اس کے امراء میں سے ایک محمد برندق برلاس تھا۔ جاگو برلاس کی اولاد میں سے۔ اس طرح کہ محمد برندق برلاس بیٹا جہاں شاہ کا اور جہاں شاہ بیٹا جاگو برلاس کا۔ پہلے یہ شخص بابر مرزا کے امیروں میں تھا۔ پھر سلطان ابو سعید مرزا نے بھی اس کو عزیز رکھا۔ جہانگیر برلاس کو کابل میں الف بیگ مرزا کا آئینہ بنگی کر دیا۔ سلطان ابو سعید مرزا کے بعد الف بیگ مرزا نے برلاسوں کو بگاڑنا چاہا۔ یہ لوگ سمجھ گئے مرزا کو پکڑ لیا اور اپنے گھر بار سمیت قندز کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہندوکش پر جو پہنچے تو اٹائے راہ سے مرزا کو کابل بھیج دیا۔ اور آپ سلطان حسین مرزا کے پاس خراسان چلے گئے۔ مرزا نے ان کی بہت خاطر کی۔ محمد برندق بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ مزاج میں امارت بہت تھی۔ شکاری جانوروں کا بہت شوق تھا۔ اگر اس کا ایک جانور مرجاتا تھا یا کم ہو جاتا تھا تو بیٹوں میں سے کسی کا نام لے کر کہتا تھا کہ اس جانور کے بدلے کاش فلاں بیٹا مرہا۔ یا اس کے بدلے اس کی گردن ٹوٹ جاتی تو کچھ پروا نہ تھی۔ دوسرا مظفر حسین مرزا برلاس تھا۔ مرزا کے لڑائی جھگڑوں میں اس کے ساتھ رہا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ مرزا کو اس کی کون سی آن پسند آئی جو اتنا چڑھا بڑھا دیا۔ اس کا اس قدر اعتبار تھا کہ سلطان حسین مرزا نے جھگڑوں کے زمانہ میں اسے اقرار کر لیا تھا کہ جو ملک فتح ہو چار حصے میرے اور دو حصے تیرے۔ یہ بھی عجیب اقرار تھا! بھلا ایسا کب ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی شریک سلطنت کر لیا جائے بھائی اور بیٹے سے تو یہ شرکت نبھ سکتی نہیں۔ کسی امیر یا سردار کے ساتھ کیونکر نبھے۔ بادشاہ ہونے کے بعد مرزا اس شرط سے بہت بچپنیا مگر کیا فائدہ تھا۔ اس مردک کے بھی ایسے مغز چلے کہ باوجود اتنی رعایتوں کے مرزا سے غرض کرنے لگا۔ مرزا اس کی باتوں پر خیال نہ کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ آخر اس کو زہر دیا گیا۔ خدا جانے سچ ہے یا جھوٹ۔

تیسرا علی شیر بیگ نوائی تھا :- یہ اس کا امیر ہی نہ تھا بلکہ مصاحب اور ہم مکتب

بھی تھا۔ اس کے ساتھ خصوصیت بہت تھی۔ معلوم نہیں کس گناہ میں ہری سے وہ خارج البدن ہوا اور سرقہ گیا۔ جب تک وہ سرقہ میں رہا۔ احمد حاجی بیگ اس کے ساتھ سلوک کرتا رہا علی شیر بیگ کا مزاج بہت نازک مشہور تھا۔ لوگ اس نزاکت کو غرور دولت پر محمول کرتے تھے۔ مگر یہ بات نہ تھی اصل میں اس کی جبلی عادت تھی۔ سرقہ میں بھی مزاج کا ایسا ہی حال رہا۔ علی شیر بیگ بے نظیر آدمی تھا۔ ترکی زبان میں شعر کہا کرتا تھا۔ اور ایسا کہتا تھا کہ دوسرا کیا کہے گا۔ اس نے چھ مثنویاں لکھی ہیں۔ پانچ تو خمسہ کے جواب میں ہیں اور ایک منطق الطیر کے وزن پر لسان الطیر لکھی ہے۔ غزلوں کے چار دیوان مدون کئے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ غراتب العفر۔ نوادر الشباب۔ بدیع الوسط۔ فوائد الکبر۔ ان کے علاوہ اور تصنیفیں بھی ہیں۔ جو ان سے گھٹی ہوئی ہیں۔ مولانا عبدالرحمن جامی کی طرز پر ایک انشا بھی لکھی ہے۔ جو خطوط جن کے نام لکھے تھے وہ جمع کر لئے ہیں۔ ایک کتاب میزان الاوزان نام فن عروض میں لکھی ہے۔ اس میں گھڑت بہت کی ہے۔ رباعی کے چوبیس وزن میں سے چار وزن غلط لکھے ہیں۔ بعض بحرود کے وزنوں میں غلطی کی ہے۔ جو شخص اس کو دیکھے گا جان جائے گا۔ ایک دیوان فارسی میں بھی لکھا ہے۔ فارسی میں فانی تخلص ہے۔ اس کے بعض اشعار برے نہیں ہیں۔ مگر اکثر گرے ہوئے ہیں۔ فن موسیقی میں بھی اچھی چیزیں لکھی ہیں۔ عمدہ نقش اور پیش رو بنائے ہیں۔ اہل فضل اور اہل ہنر کا قدر دان و مرئی۔ علی شیر بیگ جیسا دوسرا آدمی پیدا ہونا دشوار ہے۔ استاد قل عمر، سخیم ناکی اور حسین عودی کو (۷) ساز نوازوں میں استاد وقت ہوئے ہیں) علی شیر بیگ ہی کی بدولت اتنی شہرت اور ترقی نصیب ہوئی ہے۔ استاد ہزاراد اور شاہ مظفر فن مصوری میں علی شیر بیگ ہی کی توجہ سے اتنے مشہور و معروف ہوئے ہیں۔ علی شیر بیگ نے جس قدر نیکیاں کی ہیں کسی نے کم کی ہوں گی۔ ہزاروں آدمیوں کے بال بچوں کی خبر گیری کرتا تھا۔ پہلے اس کی مہر داری کا عمدہ تھا۔ پھر میر ہو گیا۔ چند روز استر آباد کا حاکم رہا۔ اس کے بعد نوکری چھوڑ دی اور مرزا سے تنخواہ طلب یعنی موقوف کر دی۔ بلکہ سال بھر میں بہت کچھ اپنی طرف سے مرزا ہی کی خدمت میں پیش کر دیتا تھا۔ سلطان حسین مرزا جس وقت استر آباد سے آیا اس وقت یہ مرزا کے استقبال کے لئے گیا۔ مرزا کو دیکھتے ہی اور تعظیم کے لئے اٹھتے ہی اس پر ایک ایسی حالت طاری ہو گئی کہ اٹھ نہ سکا۔ لوگوں نے پکڑ کر اٹھایا۔ اس وقت

کوئی طبیب ذرا اس کے حال کو نہ سمجھا۔ دوسرے ہی دن اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا ایک شعر اس کے حسب حال ہے۔

چوتھا امیر حاجی بیگ تھا۔ حاجی سیف الدین بیگ کی اولاد میں سے مرزا کے امیروں میں یہ بڑا امیر تھا۔ سلطان حسین مرزا کے پادشاہ ہونے کے تھوڑے ہی دن بعد مر گیا۔ پانچواں شیخ حسین تیمور تھا۔ اس کو بابر مرزا نے میری کے مرتبہ پر پہنچایا تھا۔ چھٹا تومان بیگ تھا۔ اس کے آبا و اجداد ترند کے سید تھے اور اس کی نھیان سلطان ابو سعید مرزا کی پرورش یافتہ تھی۔ سلطان احمد مرزا پاس بھی وہ اچھی طرح رہا۔ جب سلطان حسین مرزا پاس آیا تو وہاں بھی اعلیٰ رتبہ پایا۔ خوش باش، شرابی اور عیاش آدمی تھا۔ اس کو حسن تومان بھی کہتے تھے۔ اس لئے کہ وہ باپ کی خدمت میں بھی رہا تھا۔ ساتواں جمانگیر برلاس تھا۔ بہت دنوں تک وہ اور محمد برندق کابل میں شریک حکومت رہے۔ آخر وہ سلطان حسین مرزا پاس چلا گیا اور اس کی بہت رعایت ہوئی۔ ظریف لطیف اور خوش معاش آدمی تھا۔ بدیع الزمان مرزا کا مصاحب ہو گیا تھا۔ مرزا کی صحبت کو یاد کر کے اس کی تعریف کیا کرتا تھا۔ آٹھواں مرزا احمد علی فارسی۔ نواس عبدالحق بیگ ولد فیروز شاہ بیگ تھا۔ یہ فیروز شاہ بیگ شاہرخ مرزا کے امراء میں سے تھا اور چونکہ عبدالحق بیگ اس کا بیٹا تھا۔ اس لئے عبدالحق کو فیروز شاہی کہتے تھے۔ کچھ دن تک خوارزم کا بھی یہ حاکم رہا ہے۔

دسواں ابراہیم دولدائی تھا۔ اس کو کام کرنے کا بڑا سلیقہ تھا۔ اور ملک داری کے طریقہ کی خوب معلومات تھی۔ گویا محمد زندق کا شفی تھا۔ گیارہواں ذوالنون بیگ ارغون تھا۔ بہاور آدمی تھا۔ سلطان ابو سعید مرزا کے پاس یکے کبہا میں اس نے خوب شمشیر زنی کی تھی۔ اس کے بعد جہاں کام پڑا وہ کامیاب ہوا۔ اس کے بہادر ہونے میں کوئی کام نہیں۔ مگر کسی قدر بے وقوف تھا۔ ہم مرزاؤں کے پاس سے سلطان حسین مرزا سے پاس چلا گیا۔ اس نے غور کند اس کو دے دیا۔ ستر آدمیوں کے ساتھ اسے نواح میں خوب تلوار ماری۔ کئی بار تھوڑی سی فوج سے ہزاروں نوک زری اور ہزارہ قوم کے لوگوں کو شکستیں دیں۔ سچ یہ ہے کہ ہزارہ اور نوکذری کا ایسا بندوبست کسی نے نہیں کیا۔ چند روز کے بعد زمین داور کو بھی اسی کے تحت میں دے دیا۔ اس کا بیٹا شاہ شجاع ارغون لڑکپن سے اپنے باپ کے ساتھ رہ کر لڑتا بھڑتا رہا۔ سلطان حسین مرزا نے اس

کے باپ کے خلاف مرضی از راہ مہربانی باپ کی شرکت میں قندھار کا اس کو حاکم کر دیا۔ آخر ان دونوں باپ بیٹوں میں جھگڑا مچا۔ جس سال میں خسرو شاہ کو لے کر کابل کی طرف آیا ہوں اور پھر اس کے نوکروں کو اس سے علیحدہ کر کے میں نے کابل کو مقیم (ذوالنون کا چھوٹا بیٹا) سے چھینا ہے۔ اور خسرو شاہ مجھ سے عاجز ہو کر سلطان حسین مرزا کے پاس چلا گیا ہے اور اس کے بعد سلطان حسین مرزا کی سلطنت کو وسعت ہوئی تو کوہ ہری کے دامن کا ملک مثل اوبہ فخرچران ان کے دونوں کو دے دیا۔ بدیع الزمان مرزا کی سرکار میں یہ مختار بھی تھا اور مظفر حسین مرزا کی سرکار میں محمد برندق برلاس مختار تھا۔ اگرچہ ذوالنون بہادر تھا۔ مگر ذرا دیوان اور بظلول آدمی تھا۔ بظلول پن اس کا ظاہر ہے کہ خوشامد میں آکر اس نے اپنا ستیاناس کر دیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب ہری میں اس کو اقتدار حاصل ہوا تو کئی چلتے ہوئے ملاؤں اور شیخوں نے آکر اس کو یہ فقرہ دیا کہ قطب ہم سے ملتا رہا ہے۔ تمہارا لقب اس نے ہزبر اللہ رکھا ہے۔ تم ضرور ازبک کو مارو گے۔ ارغون نے اس خوشامدی فقرہ کو یقین کر لیا۔ گردن میں تھیلی لٹکا کر بہت شکریہ ادا کیا۔ جو نئی باد عیش کی نواح میں شیبانی خان مرزاؤں پر چڑھ کر آیا اور ایک کو دوسرے کے ساتھ ملنے کا موقع نہ دے کر ہزیمت دی۔ دونی ذوالنون ارغون ڈیڑھ سو آدمی کو ساتھ لے کر مذکورہ بالا فقرہ کے بھروسے پر قرار باط کے مقام پر شیبانی خاں سے جا بھڑا۔ اس کے پہنچتے ہی بہت سی فوج نے آگھیرا اور پکڑ کر مار ڈالا۔ ذوالنون پاک مذہب آدمی تھا۔ کبھی نماز ترک نہ کرتا تھا۔ بلکہ چاشت اور اشراق وغیرہ بھی پڑھا کرتا تھا۔ شطرنج کا بڑا دھتیا تھا۔ لوگ ایک ہاتھ سے کھیلتے ہیں وہ دونوں ہاتھوں سے کھیلا کرتا تھا اور جو چاہتا تھا وہ چال چل دیتا تھا۔ حسین اور مسک بہت تھا۔ بارہواں درویش علی بیگ۔ علی شیر بیگ کا چھوٹا بھائی تھا۔ کچھ دن وہ بلخ کا حاکم رہا۔ اس نے بلخ میں اچھی حکومت کی۔ کوڑ دماغ، مغز چلا اور بے ہنر آدمی تھا۔ سلطان حسین مرزا جب اول قندز اور حصار میں آئے تو انہوں نے اس کی کوڑ مغزی کی وجہ سے اس کو گرفتار کر کے بلخ کی حکومت سے معزول کر دیا تھا۔ ۹۱۸ھ میں جب میں قندز میں آیا تو یہ میرے پاس آ گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک مہسوت شخص ہے۔ نہ اس میں امارت کی قابلیت ہے۔ نہ وہ پاس بٹھانے کے لائق ہے۔ عجب نہیں کہ علی شیر بیگ کی خاطر سے اس نے اتنا رتبہ پایا ہو۔

تیرھواں مثل بیگ تھا۔ اکثر وہ ہری کا حاکم رہا ہے۔ پھر اس کو استر آباد دے دیا۔ وہ استر آباد سے بھاگ کر یعقوب بیگ کے پاس چلا گیا۔ پہلے آدمی تھا۔ اور پرلے سرے کا جواری۔ چودھواں سید بدر تھا۔ بڑا تر پھر تھا۔ اس کی حرکتیں اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ نئی نئی طرح سے ملتا تھا۔ عجب نہیں کہ ایسا ملتا اسی کا ایجلا ہو۔ ہمیشہ مرزا کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ اس کا ہم صحبت بھی تھا اور ہم پیالہ و ہم نوالہ بھی تھا۔ پندرھواں سلطان جنید برلاس تھا۔ اپنی آخری عمر میں یہ سلطان احمد مرزا کے پاس چلا آیا تھا۔ اس سلطان جنید برلاس کا باپ تھا جو آج کل جون پور کی حکومت میں شریک ہے۔ سو لھواں شیخ ابوسعید خان درمیان تھا۔ معلوم نہیں کہ کسی لڑائی میں مرزا کے اور دشمن کے بیچ میں گھوڑا ڈال دیا تھا۔ یا جس دشمن نے مرزا پر حملہ کیا تھا بیچ میں آکر اس کو دفع کر دیا تھا۔ بہر حال کسی سبب سے اس کا لقب درمیان ہو گیا۔ سترھواں بہبود بیگ تھا۔ اول تو وہ چروں کے گروہ میں تھا۔ جب لڑائی جھگڑوں میں مرزا کے ساتھ رہا تو مرزا نے اس کی خدمتوں کے لحاظ سے یہ عنایت کی تھی کہ لمغانات کی حکومت اس کو دے دی۔ اور اس میں اسی کے نام کا سکہ جاری کر دیا۔

اٹھارھواں شیغم بیگ تھا۔ چونکہ اس نے اپنا تخلص سہیلی رکھا تھا اس لئے شیخ سہیلی مشہور ہو گیا۔ اس قسم کا شعر کہتا تھا جس میں ڈراؤنے الفاظ اور معنی ہوں۔ اس کے اشعار میں سے ایک شعر ہے۔

شب غم گرد باد آہم ز جاے برد گردوں را

فرو برد از دہائے سیل اشکم ربع مسکوں را

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس شعر کو مولانا عبدالرحمن جامی کے سامنے پڑھا۔ مولانا نے ہنس کر فرمایا کہ صاحب آپ شعر کہتے ہیں یا آدمی کو ڈراتے ہیں۔ اس نے اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا اور مثنویاں بھی لکھی ہیں۔

انیسواں محمد ولی بیگ تھا۔ یہ اسی کا بیٹا تھا جس کا ذکر اوپر ہوا۔ ولی بیگ آخر میں مرزا کے ہاں میر کلانی کے رتبہ پر پہنچ گیا تھا۔ اگرچہ اس مرتبہ پر پہنچا مگر اپنی خدمت نہ چھوڑی۔ رات دن دروازہ پر حاضر رہا۔ یہاں تک کہ آتش وغیرہ دروازہ ہی پر کھاتا تھا۔ ایسے حاضر باش کے لئے اس قدر رعایتیں بھی کرنی لازم ہیں۔ اس زمانہ میں یہ غضب ہے کہ جس پر میری کا نام آگیا اور اس نے اپنے ارد گرد پانچ چھ گنجے، اندھے لپٹے

ہوئے دیکھے اور بڑے ٹھسے سے شہی در در دولت پر حاضر ہونا شروع کیا۔ وہ ملازمت کا ڈھنگ کہاں۔ مگر یہ ان کی بد نصیبی ہے۔ محمد علی بیگ کے ہاں کی آتش بہت عمدہ ہوتی تھی۔ اپنے نوکروں کو وہ ہمیشہ اچھی طرح رکھتا تھا۔ فقراء اور مساکین کو اپنے ہاتھ سے بہت کچھ دیا کرتا تھا۔ فحش گلیاں بہت بکتا تھا۔ ۱۷۹۷ء میں جب میں نے سمرقند فتح کیا ہے تو محمد ولی بیگ اور درویش علی کتاب دار دونوں میرے پاس تھے۔ ان دونوں میں محمد ولی کو فالج مار گیا تھا۔ نہ اس کی بات سمجھ میں آتی تھی اور نہ اس میں کچھ دم رہا تھا۔ اس میں رعایت کے قابل کوئی بات نہ تھی۔ عجب نہیں کہ اس کی خدمت گزاری نے اس مرتبہ پر پہنچا دیا ہو۔

بیسواں بابا علی ایشک آقا تھا۔ پہلے تو علی شیر بیگ کے پاس رہا۔ پھر اس کی جو انمردی کے سبب سے مرزا نے اس کو لے لیا۔ اور ایشک آقا کی خدمت دے کر میری کے رتبہ پر پہنچا دیا۔ یونس علی جو آج کل میرے پاس ہے اور میرا بہت مقرب ہے اور جس کا ذکر اکثر آئے گا اسی کا بیٹا ہے۔ اکیسواں بدر الدین تھا۔ پہلے وہ سلطان ابوسعید مرزا کے صدر میرک عبدالرحیم کے پاس تھا۔ بڑا جست و چالاک تھا۔ کہتے ہیں کہ سات گھوڑوں کو پھلانگ گیا تھا۔ یہ اور بابا علی مرزا کے مصاحب تھے۔

بائیسواں حسن علی جلائے۔ اس کا اصلی نام تو حسین علی تھا لیکن مشہور حسن علی ہو گیا۔ اس کے باپ علی جلائے کو باہر مرزا نے مہربانی فرما کر میر کر دیا تھا۔ جب یادگار مرزا نے ہری کو لیا تو علی جلائے سے بڑھا ہوا کوئی نہ تھا۔ حسن علی سلطان حسین مرزا کے ہاں قوس بیگی کے عمدہ پر ہو گیا۔ وہ شاعر تھا اور طفیلی تخلص کرتا تھا۔ قصیدہ اچھا کہتا تھا۔ اپنے زمانہ میں قصیدہ گوئی میں فرد تھا۔ جب ۱۲۶۰ھ میں میں نے سمرقند فتح کیا تو میرے پاس آیا۔ پانچ چھ برس میرے پاس رہا۔ میرے قصیدے بھی اچھے اچھے لکھے۔ کھانے اڑانے والا آدمی تھا۔ غلام ضرور پاس رکھتا تھا۔ چوسر کھینے کی بہت لت تھی۔ اور جواری بھی تھا۔ تیسواں خواجہ عبداللہ مروارید تھا۔ پہلے صدر رہا۔ پھر پیش خدمت۔ پھر مقرب اور میر ہو گیا۔ اس میں فضیلتیں بہت تھیں۔ قانون بجانے میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ قانون میں جوڑ بجانا اسی کا ایجاد ہے۔ کئی خط اچھے لکھتا تھا۔ مگر خط نستعلیق۔ سب میں عمدہ لکھتا تھا۔ فحش بھی اچھا تھا۔ اس کے اشعار اس کے اور فنون کی نسبت گھٹے ہوئے تھے۔ شعر خوب سمجھتا تھا۔ بدکار اور رند تھا۔ بدکاری کی شامت سے

مرض آبلہ میں مبتلا ہوا۔ ہاتھ پاؤں رہ گئے۔ کئی برس بڑی تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائیں۔ آخر اسی مرض میں مر گیا۔ چوبیسواں سید محمد اور روس تھا اور روس ارغون جو سلطان ابوسعید مرزا کے زمانہ میں جو اچھے اور کام کے لوگ تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔ اس کی کمان طاقت ور، لمبی اور مضبوط تھی۔ اس کمان سے وہ نہایت عمدہ نشانہ اگاتا تھا۔ بہت دن تک وہ اندخو کا حاکم رہا۔ چیسواں میر علی میر خرد تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے سلطان حسین مرزا کے پاس آدمی بھیج کر یادگار مرزا پر عین غفلت میں چڑھائی کرنے کے لئے ان کو بلایا۔

بھجیسواں سید حسین اوغلا بھٹی :- (سید یوسف بیگ کے بڑے بھائی سید اوغلا بھٹی کا بیٹا) تھا۔ اس کا عرف مرزا فرخ تھا۔ قاتل اور حیثیت دار آدمی تھا۔ ۹۱۷ھ میں جو میں نے سمرقند لیا ہے تو یہ میرے پاس آیا۔ اگرچہ شعر کم کتا تھا مگر ایک ڈھنگ کا کتا تھا۔ اصطرباب اور نجوم خوب جانتا تھا۔ علم مجلس بھی اس کو اچھا تھا۔ شراب کے نشہ میں کسی قدر بگڑ جاتا تھا۔ بختوان کی لڑائی میں مارا گیا۔ ستائیسواں تنگیزی بیروی سانچی تھا۔ ترک بھادر اور تلور یا جوان تھا۔ بلخ کے دروازہ میں نظر بھادر نام خسرو شاہ کے بڑے سردار سے دوہو لڑا اور اس کو گرفتار کر لیا۔ چنانچہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ان کے ملاوہ اور امراء ترکمان تھے۔ جو مرزا پاس آکر بہت چڑھ بڑھ گئے تھے۔ پہلے کے آئے دووں میں سے علی خان پابندر تھا۔ اصل بیگ تہمتن بیگ اور ان کے بھائی بھی تھے۔ تہمتن بیگ کی بیٹی سے بدیع الزمان مرزا کی شادی ہوئی۔ محمد زمان مرزا اسی کے پیٹ سے ہوا۔ ایک ابراہیم چغتائی تھا۔ ایک امیر عمر بیگ تھا۔ جو آخر میں بدیع الزمان مرزا پاس رہا۔ یہ شخص ترک اور اچھا بھادر تھا۔ اس کا ایک بیٹا ابوالفتح نام عراق سے میرے پاس آ گیا۔ آج کل میرے ہی پاس ہے۔ بڑا مست۔ بودا اور تالائق شخص ہے۔ اللہ کی شان ہے۔ اس باپ کا یہ بیٹا۔ آخر میں (جب کہ شاہ اسماعیل صفوی نے عراق اور آذربائیجان کو لے لیا ہے) جو لوگ آئے تھے ان میں ایک عبدالباقی مرزا تھا۔ یہ مرزا نسل تیمور میں سے میران شاہی ہے۔ جس شخص نے اس نسل میں سے اول غیر ملک میں جا کر اور سلطنت کا خیال اول سے نکال کر بادشاہوں کی نوکری اختیار کر کے اقتدار حاصل کیا۔ وہ اس عبدالباقی مرزا کا چچا تیمور عثمان تھا۔ یہ تیمور عثمان یعقوب بیگ کی سرکار میں بڑا سردار اور امیر ہو گیا تھا۔ ایک بار ان کو بہت سے لشکر کے ہمراہ خراسان

پر چڑھائی کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ جونہی عبدالباقی مرزا خراسان پہنچا۔ سلطان حسین مرزا نے اس کی بہت خاطر کی۔ اپنی بیٹی سلطانم بیگم (جو محمد حسین مرزا کی ہم بطن بہن تھی) کی شادی اس سے کر دی۔ پچھلے آنے والوں میں سے ایک مراویک یا بندرو تھا۔

ایک میرسر برمنہ تھا۔ نواح اندجلن کا رہنے والا۔ ہندی سید تھا۔ نہایت خوش طبع۔ خوش صحبت اور شیریں کلام آدمی تھا۔ خراسان کے قصہ گو یوں اور شعراء میں مستند تھا۔ اس نے امیر حمزہ کے قصہ کے مقابلہ میں ایک لمبا چوڑا جھوٹا افسانہ لکھنے میں اپنی مصلحت کی۔ یہ بات تو بالکل عقل اور طبیعت کے برخلاف کی ہے۔ ایک کمال الدین حسین ہار کائی تھا۔ یہ شخص صوفی تو نہ تھا۔ ہاں متصوف تھا۔ علی شیر بیگ کے پاس ایسے ایسے بنے ہوئے صوفی بہت جمع ہو گئے تھے اور خوب وجد و سماع کیا کرتے تھے۔ اوروں سے اس کی ترکیب اچھی تھی۔ غالباً اسی سبب سے اس کی رعایت ہوتی ہو۔ اس نے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام مجالس العشاق ہے۔ اس کتاب کو سلطان حسین مرزا کے نام سے لکھا ہے۔ بڑی لغو۔ جھوٹ اور بے مزہ کتاب ہے۔ اس میں بہت ایسی بے ادبی کی باتیں لکھی ہیں جن میں سے کفر کی بو آتی ہے۔ چنانچہ بہت سے انبیاء اور اولیاء سے عشق مجازی منسوب کیا ہے۔ ہر ایک کے واسطے ایک معشوق کھڑا ہے۔ عجیب خط کی بات ہے کہ دیباچہ میں حسین مرزا نے اس کو اپنی تصنیف میں سے لکھا ہے۔ اسی کمال الدین حسین نے ازراہ خوشامد ذوالنون ارغون کا لقب ہزبر اللہ رکھا تھا۔

ایک امیر مجد الدین محمد تھا۔ خواجہ شیر احمد خانی کا بیٹا۔ جو مرزا کا دیوان یک قدم تھا۔ ابتداء میں سلطان حسین مرزا کے ہاں مالی انتظام ذرا نہ تھا۔ خرچ بہت تھا۔ اور روپیہ بے جا صرف ہوتا تھا۔ نہ رعیت خوش تھی نہ فوج۔ اس وقت مجد الدین محمد پروانچی تھا۔ اس کو میرک کہا کرتے تھے۔ مرزا کو کچھ روپے کی ضرورت ہوئی۔ دیوانی والوں نے یہ کہہ کر کہ نہ آمدنی ہے نہ جمع ہے صاف جواب دے دیا۔ اس وقت مجد الدین محمد حاضر تھا۔ ہنس دیا۔ مرزا نے ہنسنے کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا۔ تنہائی میں عرض کرنا چاہتا تھا۔ اسی وقت تخلیہ ہو گیا۔ اس نے عرض کی کہ حضور میرے سر پر ہاتھ رکھیں اور میری گزارش قبول کرتے رہیں تو چند روز میں ایسا انتظام کروں کہ رعیت آباد۔ سپاہ خوش اور خزانہ پر ہو جائے۔ مرزا نے اس کے حسب دل خواہ اقرار کر لیا۔

اس کو مدارالہام کر کے تمام ملک خراسان اور سارے کالم اس کے سپرد کر دیئے۔ اس نے حتی الامکان ایسا انتظام کیا کہ تھوڑے ہی دن میں رعیت اور فوج راضی ہو گئی۔ خزانہ کھپا کھچ بھر گیا اور ملک آباد ہو گیا۔ لیکن یہ غضب کیا کہ ملیشیر بیگ وغیرہ امراء اور اہل منصب سے اچھے سلوک نہ کئے۔ اسی سے سب لوگ برخلاف ہو کر بادشاہ کو برکانے لگے اور آخر محمد الدین محمد کو معزول کروادیا اور اس کی جگہ نظام الملک دیوان ہوا۔ چند روز بعد نظام الملک کو بھی پکڑا کر مروا دیا۔ اور خواجہ افضل کو عراق سے لا کر دیوان کر دیا۔ میں جس زمانہ میں کابل آیا ہوں اس زمانہ میں خواجہ افضل کو امیر کر دیا تھا۔ دیوانی کے کاندوزوں پر اسی کی مہر ہوتی تھی۔ ایک خواجہ عطا تھا۔ اگرچہ خواجہ افضل وغیرہ کی طرح صاحب منصب اور دیوان نہ تھا مگر ملکی مہمات بغیر اس کے مشورہ کے فیصلہ نہ ہوتے تھے۔ متقی، نمازی اور متدین شخص تھا۔ شاغل بھی تھا۔ سلطان حسین مرزا کے یہ امراء وغیرہ تھے جن کا ہم نے ذکر کیا۔ سلطان حسین مرزا کا زمانہ بڑا عمدہ زمانہ تھا۔ عموماً خراسان اور خصوصاً شہر ہری بے مثل و نظیر اہل فضل و ہنر سے بھرا ہوا تھا۔ جو شخص جس کام کو کرتا تھا اس کا قصد تھا کہ اس کام کا کمال حاصل کیجئے۔

علماء مولانا جامی :- اہل فضل میں سے ایک مولانا عبدالرحمن جامی علیہ الرحمہ تھے۔ اپنے زمانہ میں علوم ظاہر و باطن میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ ان کے اشعار مشہور ہیں۔ جناب ملا ایسے بلند رتبہ باکمال ہیں کہ ہماری تعریف کے محتاج نہیں۔ اتنا لکھنے سے مدعا یہ ہے کہ اس ناچیز رسالہ میں تیر کا اور تمینا ان کا نام لکھا جائے اور تھوڑا سا ذکر مبارک کر دیا جائے۔ ایک شیخ الاسلام سیف الدین احمد تھے۔ ملا سعد الدین تفتازانی کی اولاد میں سے۔ ترکستان سے آ کر خراسان کے شیخ الاسلام ہوئے۔ نہایت سمجھدار تھے۔ معقول و منقول کو خوب جانتے تھے۔ بڑے پرہیز گار اور متدین شخص تھے۔ تھے تو شافعی مگر سب مذہبوں کی رعایت کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ قریب ستر برس کے انہوں نے جماعت کی ایک نماز ایک دن ناغہ نہیں کی۔ شاہ اسماعیل صفوی نے جب ہری کو لیا ہے تو ایک قزلباش کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ ان کی اولاد میں سے کوئی نہیں رہا۔ ایک ملا شیخ حسن تھے۔ اگرچہ ان کی پیدائش اور ترقی کا زمانہ سلطان ابوسعید مرزا کا عہد تھا۔ مگر چونکہ سلطان حسین مرزا کے وقت میں بھی تھے۔ اس لئے ان کا ذکر کیا گیا۔ حکمت معقول اور علم کلام کے بڑے ماہر تھے۔ تھوڑے لفظوں میں بڑے بڑے مضامین

کا بیان کرنا ان کے اختراعات میں سے ہے۔ سلطان ابوسعید مرزا کے زمانہ میں بہت مقرب اور ذی اختیار تھے۔ تمام مہمت ملکی میں دخیل تھے۔ ان سے بہتر کسی نے احتساب نہیں کیا۔ اسی سبب سے سلطان ابوسعید مرزا کے مقرب ہو گئے تھے۔ سلطان حسین مرزا کے زمانہ میں ایسے بے مثل شخص کی بے حد توجہ ہوئی ہے۔

ملا زادہ عثمان :- موضع چرخ کے رہنے والے۔ چرخ تومان لہو کر میں ہے۔ جو کابل کے تومانات میں سے ہے۔ چونکہ الف مرزا کے زمانہ میں چودہ برس کی عمر میں طلبہ کو پڑھایا کرتے تھے۔ اس لئے لوگ ان کو ملائے ماور زاد کہنے لگے۔ جب سمرقند سے مکہ معظمہ گئے اور وہاں سے پلٹ کر ہری میں پہنچے تو سلطان حسین مرزا نے روک لیا۔ عقلمند شخص تھے۔ اس زمانہ میں ان کا ثانی دوسرا نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ اجتہاد کے مرتبہ پر پہنچ گئے تھے۔ مگر اجتہاد نہ کرتے تھے۔ ان کا قول تھا۔ ”جو شخص کوئی بات سن لیتا ہے اس کو کیونکر بھول جاتا ہے؟“ ان کا حافظہ بڑا قوی تھا۔ ایک میر مرتاض تھے۔ حکمت اور معقول خوب جانتے تھے۔ روزے بہت رکھا کرتے تھے۔ اس سبب سے میر مرتاض لقب ہو گیا۔ شطرنج کے ایسے دہنی تھے کہ اگر دو کھلاڑی آجائے تو ایک سے کھیلنے لگتے اور دوسرے کا دامن پکڑ کر بٹھا لیتے۔ اس لئے کہ کہیں چلا نہ جائے۔ ایک ملا مسعود شروانی تھے۔

ملا عبدالغفور لاری :- ملا عبدالرحمن جامی کے شاگرد بھی تھے اور مرید بھی۔ ملا کی اکثر مصنفات کو ان سے پڑھا ہے۔ نفحات کی شرح بھی لکھی ہے۔ علم ظاہری و باطنی دونوں سے بہرہ مند تھے۔ بڑے کھلے ڈالے اور بے تکلف آدمی تھے۔ جس کو ما کہہ دو اس کے آگے کتاب کھول کر ہو بیٹھنے کو غار سمجھتے تھے۔ جہاں کوئی فقیر نہا۔ جب تک اس سے مل نہ لیں چین نہ آتا تھا۔ جب میں خراسان گیا تھا تو وہ علیحدہ تھے۔ ملا عبدالرحمن جامی کے مزار کی زیارت کو ہم جو گئے تو ملا عبدالغفور کی عیادت کو بھی گئے۔ وہ ملا کے مدرسہ میں تھے۔ چند روز بعد اسی مرض میں انتقال کر گئے۔ ایک میر جمال الدین محدث تھے۔ خراسان میں علم حدیث کا جاننے والا ان جیسا کوئی نہ تھا۔ ان کی عمر بہت ہوئی۔ اب تک زندہ تھے۔

میر عطاء اللہ مشہدی :- عربی کے ادیب کامل تھے۔ علم قافیہ میں ایک فارسی رسالہ

لکھا ہے اور اچھا لکھا ہے۔ اس میں اتنا ہی عیب ہے کہ مثلوں میں اپنے اشعار لائے ہیں اور ہر بیت سے پہلے یہ فقرہ۔ ”چنانچہ دریں بیت بندہ گفتہ۔“ بالاتزام لکھا ہے۔ ایک رسالہ صنایع شعر میں موسوم بہ صنایع بدائع نہایت عمدہ رسالہ لکھا ہے۔ ان کا مذہب سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا تھا۔ ایک قاضی اختیار تھے۔ مقدمہ اچھا فیصل کرتے تھے۔ فقہ میں انہوں نے ایک فارسی رسالہ بھی لکھا ہے۔ اچھا رسالہ ہے۔ ایک رسالہ میں قرآن شریف کی آیتیں اس طرح جمع کی ہیں کہ ان سے ہر قسم کا مضمون اقتباس کر لیا جائے۔ جب میں مقام مرغاب میں مرزاؤں سے ملا ہوں تو قاضی اجتبار اور محمد یوسف ہمراہ تھے۔ خط بابر کا ذکر نکلا۔ انہوں نے مفردات کو پڑھا اور قاعدہ کے ساتھ بہت کچھ لکھا۔ ایک میر محمد یوسف تھا۔ شیخ الاسلام کا شاگرد۔ آخر میں شیخ الاسلام نے اس کو اپنی جگہ مقرر کر دیا۔ کسی مجلس میں قاضی اجتبار صدر نشین ہوتا تھا کہ سوائے ان دو کاموں کے علم کا ایک لفظ بھی اس کو یاد نہیں رہا۔ نہ اس کی باتوں سے اس کا اثر پایا جاتا ہے۔ اور مزہ یہ کہ دونوں میں کچھ حاصل نہ ہوا۔ آخر اسی خیال میں گھربار کھو بیٹھا۔

شعراء :- شعرائے باکمال میں مولانا عبدالرحمن جامی۔ شیم سیلی اور حسن علی طفیلی جابر (جن کے نام اور جن کی صفتیں سلطان حسین مرزا کے زمرہ امراء میں بیان ہوئی ہیں) سب سے اول درجہ کے تھے۔ شاعروں میں ایک آصفی تھا۔ وزیر زادہ ہونے سے اس نے اپنا تخلص آصفی رکھا۔ اس کے اشعار بامعنی اور رنگین ہیں۔ عشق و حال دونوں میں ٹھوٹ تھا۔ مگر اس کو دعویٰ یہ تھا کہ میں اپنا کلام کبھی جمع نہیں کرتا۔ شاید یہ دعویٰ بناوٹی ہو۔ کہتے ہیں کہ اس کا کلام انیسویں سنائی نے جمع کیا ہے۔ غزل کے علاوہ اور صنف میں شعر کم کرتا تھا۔ جس زمانہ میں خراسان گیا ہوں اس زمانہ میں مجھ سے ملا تھا۔ ایک بنائی تھا۔ ہری کارہنے والا۔ اس کے باپ کا نام استاد محمد بنا تھا۔ اسی مناسبت سے اس نے اپنا یہ تخلص رکھا تھا۔ اس کی غزلوں میں رنگ اور حال دونوں باتیں ہیں۔ اس نے دیوان مرتب کر لیا ہے۔ مثنویاں بھی کہی ہیں۔ ایک مثنوی میوہ کے تلامذہ میں لکھی ہے۔ جس کی بحر تقارب ہے۔ لغو مثنوی ہے۔ ایک مختصر مثنوی ہے۔ بحر خفیف میں۔ ایک اس سے بڑی مثنوی ہے بحر خفیف ہی میں۔ اس مثنوی کو آخر عمر میں پورا کیا ہے۔ پہلے علم موسیقی نہ جانتا تھا۔ علی شیر بیگ اس سبب سے طعنے دیا کرتا

تھا۔ ایک سال مرزا تو قشلاق کے لئے مرو گئے اور بنائی ہری میں رہ گیا۔ اس جاڑے میں اس نے فن موسیقی ایسا سیکھ لیا کہ گرمی تک خاصا گویا ہو گیا۔ جب گرمیوں میں مرزا ہری میں آئے تو اس نے صورت اور نقش بنا کر پیش کئے۔ علی شیر بیگ دنگ ہو گیا۔ اور بہت تعریف کرنے لگا۔ اس نے موسیقی میں اچھے نقش بنائے۔ جن میں سے ایک کا نام ”نورنگ“ تھا۔ اس کے تمام ہونے تک نورنگ پیدا ہوتے ہیں۔ علی شیر بیگ کو یہ خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اس سبب سے اس نے بہت مصیبتیں اٹھائیں۔ آخر ٹھہر نہ سکا۔ عراق چلا گیا۔ آذربائیجان میں یعقوب بیگ کے پاس اچھی طرح رہا۔ اس کا مصاحب ہو گیا۔ یعقوب بیگ کے مرنے کے بعد وہاں سے بھی چل دیا۔ پھر ہری میں آ گیا۔ ہنوز اس کی ہنسی اور چھیڑ چھاڑ کا وہی حال تھا۔ اس کی طرف سے اس طرح کی تھیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ شطرنج کھیلنے میں علی شیر بیگ نے اپنا پاؤں جو پھیلایا تو ملا بنائی کے کولہوں کے اندر تک پہنچا۔ علی شیر بیگ نے ہنس کر کہا۔ ”ہری میں یہ بڑا غضب ہے کہ اگر پاؤں پھیلاؤ تو شاعر کی تک پہنچتا ہے۔“ بنائی نے جواب دیا کہ ”سیو تو بھی شاعر کے اسی مقام تک پہنچتا ہے۔“ پھر ان طرفتوں کی بدولت اس نے ہری سے سرفرد جانے کا قصد کیا۔ آخر حصار قرشی میں جو قتل عام ہوا اسی میں مارا گیا۔ (میں نے شاہ اسماعیل صفوی کے وزیر قدح ختم بیگ کو ہر چند اس قتل عام کرانے سے منع کیا مگر اس نے نہ مانا) علی شیر بیگ نے بہت سی چیزیں ایجاد کی تھیں۔ اور یہ بھی ہوا ہے کہ جس نے جو چیز ایجاد کی رواج اور رونق کے لئے اس کو علی شیر بیگ مشہور کر دیا۔ بعض نے علی شیر بیگ سے مذاق کرنے کے لئے اپنے دونوں کانوں سے رومل باندھ لیا اور اس طرح رومل باندھنے کا نام ”علی شیر“ رکھ دیا۔ بنائی جب ہری سے سرفرد چلے لگا تو پالان دوز سے اکرا پالان سلوایا اور اس کا نام ”علی شیر“ رکھا۔ وہ پالان ”علی شیر“ مشہور ہو گیا۔

ایک شاعر صیفی بخاری تھا۔ اس کی جو کچھ تصنیفات تھیں۔ ان تصنیفات کے ثبوت میں اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کو لوگوں کے آگے پیش کیا کرتا تھا۔ ایک دیوان تو اس نے معمولی طرز سے لکھا ہے اور دوسرا تمام اہل حرفت کے واسطے ہے۔ اس میں دس بہت باندھی ہیں۔ اس کی کوئی مثنوی نہیں ہے۔ اپنے اس قطعہ میں وہ کہتا ہے۔ فائدہ مثنوی گرچہ سنت شعر است

من غزل فرض نین سے دائم
 بچ بیتے کہ دہذیر بود
 بہتر از نختین سے دائم

ایک رسالہ عروض کا فارسی میں بھی لکھا ہے۔ اشعار اس کے کم ہیں۔ مگر ایک طرح وہ پرگو ہے۔ کم تو اس سبب سے کہ کوئی کام کی بات نہیں لکھی۔ اور پرگو اس لحاظ سے کہ چمکتے ہوئے فقرے۔ کھلے الفاظ اور اعراب کے ساتھ لکھتے ہیں۔ شراب خوار تھا۔ گھوسم گھوسنا خوب لڑتا تھا۔

ایک شاعر عبداللہ مثنوی گو جام کا رہنے والا ملا کا بھانجا تھا۔ ہاتھی اس کا تخلص تھا۔ خمر کے مقابلہ میں اس نے مثنویاں لکھی ہیں۔ ہفت پیکر کے جواب میں تیور نامہ لکھا ہے۔ اس کی مثنویوں میں سے لیلیٰ مجنوں بہت مشہور مثنوی ہے۔ گو جیسی شہرت ہے ویسی عمدہ نہیں ہے۔ ایک میر حسین معنائی تھا۔ غالباً اس جیسا معنائی نے نہ کہا ہو۔ اس کی عمر معنائی کہنے میں گزاری۔ عجب فقیر مزاج، نامراد اور بے بدل آدمی تھا۔ ایک ملا محمد بدخشی تھا۔ انگس کا رہنے والا۔ جو داخل بدخشاں نہیں ہے۔ مگر تعجب ہے کہ تخلص بدخشی تھا۔ اس کے اشعار مذکورہ بالا شعراء کے اشعار کے برابر نہ تھے۔ فن معنائی اس نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس کا معنائی نہیں ہے۔ البتہ خوش صحبت آدمی تھا۔ سمرقند میں مجھ سے ملا تھا۔ ایک یوسف بدلیعی فرغانہ کا رہنے والا تھا۔ قصیدہ خاصا کہتا تھا۔ ایک آدمی تھا۔ غزل اچھی کہتا تھا۔ آخر میں سلطان حسین مرزا کے پاس آگیا تھا۔ صاحب دیوان تھا۔ ایک محمد صالح تھا۔ اس کی غزلوں میں چاشنی ہوتی تھی مگر بندش اس چاشنی کے برابر نہ ہوتی تھی۔ ترکی میں بھی شعر کہتا تھا اور برا نہ کہتا تھا۔ آخر میں شیبانی خاں کے پاس آگیا تھا۔ وہاں تھوڑی بہت قدر ہو گئی تھی۔ ترکی زبان میں شیبانی خاں کے نام پر ایک مثنوی لکھی ہے۔ لیلیٰ مجنوں کے وزن رمل سدس میں جو وزن سبب ہے۔ یہ مثنوی ست اور گری ہوئی ہے۔ ایک محمد صالح تھا۔ اس کے شعروں میں مزہ نہیں ہے۔ سننے والا شعر سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ ترکی میں بھی شعر کہتا تھا۔ ولایت فرغانہ کو ننبیل خانہ کہتے ہیں۔ اس میں اتنی بڑی مثنوی کسی نے نہ لکھی ہوگی۔ یہ شخص شریر۔ ظالم اور بے رحم تھا۔

ایک شاعر شاہ حسین کامی تھا۔ اس کے اشعار برے نہیں ہیں۔ غزل گو تھا۔

غالباً اس کا دیوان بھی ہو۔ ایک مثنوی بھی اس نے لکھی ہے۔ ایک ہلالی تھا۔ دیوان کے علاوہ اس کی ایک مثنوی بھی ہے۔ اگرچہ اس کے اور اشعار ایک انداز کے ہیں مگر اس مثنوی کا مضمون اور بندش دونوں خراب ہیں۔ پچھلے شاعروں نے جو عشقیہ مثنویاں لکھی ہیں۔ ان میں عاشق کو مرد اور معشوق کو عورت باندھا ہے۔ اس نے ایک فقیر کو عاشق بنایا ہے اور بادشاہ کو معشوق۔ جو افعال بادشاہ کے اقوال اور افعال کے لکھے ہیں ان میں سراسر فحش ہے۔ اپنی مثنوی کے بنانے کے واسطے ایک بادشاہ کی نسبت ایسا لکھا ہے کہ فواحش کی نسبت بھی نہیں لکھا جاتا۔ اس کا حافظہ بہت قوی تھا۔ چالیس ہزار شعر یاد تھے۔ کہتے ہیں کہ اکثر غمستین کے اشعار یاد کر لئے تھے۔ علم عروض و قافیہ میں اس کی بڑی شہرت تھی۔ اس کے اشعار برے نہیں ہیں۔ صاحب دیوان بھی ہے۔

خوشنویس سلطان علی مشہدی :- یوں تو بہت سے خوش نویس تھے مگر خط نسخ و نستعلیق لکھنے میں سب سے اول سلطان علی مشہدی تھا۔ اس نے مرزا کے لئے اور علی شیریک کے لئے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ہر روز تیس بتیس مرزا کے واسطے اور تیس بتیس علی شیریک کے واسطے لکھا کرتا تھا۔

مصور :- مصوروں میں بہزاد تھا۔ بڑی باریک مصوری کرتا تھا۔ مگر فرو کا چہرہ اچھا نہ بناتا تھا۔ غنغب کو بہت بڑھا دیتا تھا۔ ہاں ریش دار چہرہ اچھا بناتا تھا۔ ایک مصور شاہ مظفر تھا۔ بہت عمدہ مصور تھا۔ اس کی عمر نے وفانہ کی۔ ترقی کے زمانہ میں مر گیا۔

ارباب نشاط :- سازندوں میں خواجہ عبداللہ مردارید سے بہتر کوئی قانون نہ بجاتا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ایک قل محمد عوری تھا۔ غشیرک بھی خوب بجاتا تھا اس نے غشیرک اور ستار ایسا لا جواب بجایا کہ گویوں اور سازندوں میں اس سے پہلے کسی نے نہ بجایا ہو گا۔ ایک سیم نائی تھا عود اور غشیرک خوب بجاتا تھا۔ بارہ تیرہ برس کی عمر سے نے بجا لینی شروع کی تھی۔ ایک بار بدیع الزمان مرزا کی محفل میں ایسا کام کر گیا کہ قل محمد سے نہ ہو سکا۔ قل محمد عذر کرنے لگا کہ غشیرک اچھا نہیں ہے۔ سیم نائی نے فوراً غشیرک کو قل محمد کے ہاتھ سے لے لیا اور بڑی خوبی و صفائی کے ساتھ اسی کو غشیرک سے ادا کر دیا۔ کہتے ہیں کہ سیم نائی کو اتنے نغمے یاد تھے کہ جہاں کوئی نغمہ سنا اور کہہ دیا کہ فلاں پردہ کی فلاں آہنگ ہے۔ مگر پھیلاوا بہت کر دیا ہے۔ اس

کے دو ایک نقش بھی مشہور ہیں۔ ایک شاہ قلی خیر کی تھا۔ عراق کا رہنے والا۔ خراسان میں آکر اس نے ساز کی مشق کی۔ بڑا مشتق ہو گیا۔ بہت گیتیں بجاتا تھا۔ اس میں اتنا عیب تھا کہ ناز بہت کرتا تھا۔ ایک دفعہ شیبانی خاں نے ساز بجانے کی فرمائش کی۔ جان کر برا بھلا۔ اپنا عمدہ ساز بھی نہ لایا۔ ایک بیکار ساز اٹھا لایا۔ شیبانی خاں سمجھ گیا۔ اور حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو۔ شیبانی خاں نے ایک یہی عمدہ کام کیا ہے۔ ایسے تالافتوں کو اس سے بڑھ کر سزا دینی چاہئے۔ گویوں میں غلام شادی شادی گویئے کا بیٹا تھا۔ گوساز بھی بجاتا تھا۔ مگر جن کا ذکر ہوا ہے ان کے برابر نہ بجا سکتا تھا۔ آواز اچھی تھی اور چیزیں خوب یاد تھیں۔ اس زمانہ میں اس کے برابر کوئی دوسرا نقش و صورت نہ بنا سکتا تھا۔ آخر شیبانی خاں نے اس کو محمد امین فراخاں کے پاس بھیج دیا۔ پھر اس کا حال معلوم نہ ہوا۔ ایک میر عزیز تھا سازندہ بھی تھا اور گویا بھی تھا۔ اگرچہ اس نے چیزیں کم بنائی ہیں۔ مگر جو بنائی ہیں مزہ کی ہیں۔ بنائی بھی مصنف تھا اور اچھے نقش و صورت رکھتا تھا۔

پہلوان :- بالکل لوگوں میں سے ایک پہلوان پہلوان محمد سعید تھا۔ کشتی میں استاد وقت تھا۔ شعر بھی کہتا تھا۔ موسیقی کے نقش و صوت بھی بناتا تھا۔ چارگاہ میں اس کے اچھے نقش و صوت ہیں۔ خوش صحبت آدمی تھا۔ پہلوانی کے ساتھ ان فنوں کا جمع ہونا ایک نادر امر ہے۔

سلطان حسین مرزا کے انتقال کا حال :- سلطان مرزا نے سفر کی حالت میں انتقال کیا اس موقع پر بیٹوں میں سے بدیع الزمان مرزا اور مظفر حسین مرزا موجود تھے۔ ایک تو مظفر حسین مرزا چاہتا تھا۔ دوسرے محمد برندوق برلاس جو اس کی سرکار میں مختار تھا اس کا آئندہ تھا۔ تیسرے اس کی ماں خدیجہ بیگم مرزا کی چڑھی بڑھی بیوی تھی۔ چوتھے مرزا کے امراء پہلے سے مظفر حسین مرزا کے طرف دار تھے۔ ان وجہوں سے بدیع الزمان مرزا کو مطمئن کر کے لے آئے۔ سلطان حسین مرزا کی لاش ہری میں لاے۔ شاہی رسم کے موافق برواشت کی اور اسی کے مدرسہ میں دفن کیا۔ اس وقت ذوالنون بیگ بھی موجود تھا۔ محمد برندوق بیگ ذوالنون بیگ اور امراء سلطان حسین مرزا نے بالاتفاق بدیع الزمان مرزا اور مظفر حسین مرزا کو شراکت کے ساتھ بادشاہ کیا۔ بدیع الزمان مرزا کے ہاں تو ذوالنون بیگ اور مظفر حسین مرزا کے ہاں محمد برندوق

مدارالمہام ہوا۔ بدیع الزمان مرزا کی طرف سے شیخ علی طغائی اور مظفر حسین مرزا کی جانب سے یوسفی علی کو کھٹاش داروغہ شہر ہوا۔ یہ بڑی نادر بات ہوئی۔ کبھی بادشاہی میں شرکت نہ سنی تھی۔ شیخ سعدی کا قول تو اس کے خلاف ہے۔ جیسا وہ گلستاں میں فرماتے ہیں۔ ”وہ درویش در کلبے بخسپندو دو ہلاشاہ در اقلیمے نہ گنبد۔“

۹۱۲ ہجری کے واقعات

خراسان کی روانگی :- ماہ محرم میں ازبک کے دفع کرنے کے لئے خراسان جانے کا قصد ہوا غور بندہ اور مشیر نو کے راستہ سے ہم چلے۔ چونکہ جمائیر مرزا رنجیدہ ہو کر اس ملک سے نکل گیا تھا۔ اس لئے اس خیال سے اویلاق پر قبضہ کر لیا جائے۔ اور فتنہ انگیز لوگ فساد برپا نہ کر سکیں مقام اشتر میں گھر والوں سے علیحدہ ہو دلی خازن اور دولت قدم قراول کو وہاں چھوڑ خود جریدہ میں روانہ ہوا۔ اس دن ہم قلعہ ضحاک میں اترے۔ وہاں سے کوئل کبدک اور کوئل دندان شکن سے ہوتے ہوئے چتر سر پر لگائے ہوئے مرغزار کمہود میں فروکش ہوئے۔ سلطان محمد دولدائی کو سید افضل خواب بین کے ساتھ کر کے کابل سے اپنے چلنے کی کیفیت سلطان حسین مرزا کی خدمت میں عرض کرا بھیجی۔ جمائیر مرزا بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ بامیان کے سامنے پہنچتے ہی ہمیں انیس آدمی لے کر وہ بامیان کی طرف چلا۔ جب قریب آیا تو میرے گھر والوں کے خیمہ جو پیچھے رہ گئے تھے دیکھے۔ مجھے خیال کر کے فوراً الٹا پھر گیا۔ اپنے لشکر میں آئے ہی کسی شے کی پابندی نہ کی اور کوچ کر دیا۔ پیچھے کی کچھ خبر نہ رکھی۔ سیدھا مرغزار یکہ میں چلا گیا۔ شیبانی خاں نے بلخ کو گھیر رکھا تھا۔ بلخ میں سلطان قلی خاں تھا۔ شیبانی خاں نے دو تین سلطانوں کو تین چار ہزار آدمی کے ساتھ بدخشاں کی طرف بھیجا۔

مبارک شاہ وزیر اور ناصر مرزا میں گو پہلے بگاڑ تھا۔ مگر اس وقت وہ ناصر مرزا کے پاس آ گیا۔ ان دونوں نے کشم کے آخر کی طرف شاخدان کے مقام پر چھاؤنی ڈال دی تھی۔ یہاں ازبکوں نے ناصر مرزا پر شب خون مارنا چاہا۔ مرزا فوراً پشت پر چڑھ گیا اور اس نے نفیری بجا کر اپنے لوگوں کو جمع کر لیا۔ ان کے جاتے ہی ازبکوں نے پیچھا کیا۔ دریائے کشم طغیانی پر تھا۔ ازبک دریا سے عبور کر کے آئے تھے۔ اس سبب سے ان کے بہت آدمی مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے اور بہت سے ڈوب کر مر

گئے۔ مبارک شاہ وزیر مرزا دریائے کشم کی اوپر کی جانب تھا ازبکوں کی جو فوج اس کی طرف آئی تھی اس کو پشتہ کی جانب بھگا دیا۔ ناصر مرزا نے اپنے مقابل کے بھاگتے وقت یہ خبر سنی۔ وہ بھی ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو سردار پہاڑ پر تھے وہ بھی اپنی فوجوں کو اکٹھا کر کے روانہ ہوئے۔ اس صورت میں ازبک مقابلہ نہ کر سکے اور بھاگ نکلے۔ ان میں سے بھی سینکڑوں مار گئے۔ بہترے ڈوب گئے اور بہت سے پکڑے گئے۔ تقریباً پندرہ سو ازبک ضائع ہوئے ہوں گے۔ ناصر مرزا کو یہ بڑی فتح میسر ہوئی۔ جب ہم میدان کھمبود میں تھے تو ناصر مرزا کا آدمی یہ خبر لایا تھا۔ اسی نواح میں ہم تھے جو ہمارے سپاہی گئے اور غوری روہنہ سے غلہ لائے۔ یہیں سید افضل اور سلطان دولدائی کے جو خراسان بھیجے گئے تھے خطوط آئے اور سلطان حسین مرزا کے مرنے کی خبر آئی۔ اس خبر کے سننے پر بھی اس خاندان کے اعزاز کا خیال کر کے میں خراسان روانہ ہوا۔ ابستہ اس روانگی میں اور غرضیں بھی شامل تھیں۔ درہ اجر سے نکل نوب اور منداغان کے راستہ سے ملحات کے پہاڑوں میں ہوتے ہوئے صاف کے پہاڑوں میں پہنچے۔ سلمان اور جاریک کے مقاموں پر ازبکوں کی چڑھائی کی خبر معلوم ہوئی۔ قاسم بیگ کو تھوڑی سے فوج کے ساتھ ان کی طرف روانہ کیا۔ یہ لوگ گئے ان سے اور ان سے ٹھہر بیٹھ ہوئی۔ انہوں نے ان کو اچھی طرح زیر کیا۔ بہت سوں کے سر کاٹ لئے۔ جہانگیر مرزا اور اپنے متعلقوں کی طرف آدمی روانہ کیا۔ ان کی خبر آنے تک کوہ صاف کے ایلاق میں ہم ٹھہرے رہے۔ اس نواح میں ہرن کثرت سے ہوتے ہیں۔ ایک بار شکار بھی کھیلا۔ دو ایک روز کے بعد قبائل آ گئے۔ ہر چند کہ جہانگیر مرزا نے ان کے پاس آدمی بھیجے یہاں تک کہ ایک دفعہ علاء الدین مسعود کو بھی بھیجا مگر وہ وہاں نہ گئے اور میرے پاس چلے آئے۔ آخر میرزا مجبور ہو گیا۔ جب ہم کوہ صاف سے چلے اور درہ بالی میں پہنچے تو وہ ملازمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ ہم کو خراسان جانے کی دھن لگی ہوئی تھی اس لئے نہ مرزا سے ملے اور نہ قبائل کی پرواہ کی۔ کزروان۔ المار۔ قیصار اور ہرچکنو سے ہوتے ہوئے درہ جام ایک جگہ ہے بادیش کے تابع میں سے اس میں کر ٹھہرے۔ ملک میں ایک غدر مچ رہا تھا۔ ہر کوئی ملک اور قوموں سے زبردستی و کچھ ہاتھ لگتا تھا لے لیتا تھا۔ ہم نے بھی اس نواح کے ترکوں اور قبیلوں پر زور ڈال کر تحویل کرنی شروع کی۔ اس دو ایک مہینے میں شاید تین سے توبان کبیکسی حاصل

کئے ہوں گے۔

چند روز پہلے ذوالنون کی فوج بطور یلغار خراسان سے ازبکوں پر بھیجی گئی تھی۔ اس نے پندہ اور فرغناقی میں ازبکوں کی خوب خبر لی۔ بہت سوں کو قتل کیا۔ بدیع الزمان مرزا۔ مظفر حسین مرزا۔ برندوق برلاس۔ ذوالنون بیگ۔ شاہ بیگ اور ذوالنون کے لڑکوں نے شیبانی خاں پر (جو اس وقت سلطان قلی خاں کو بلخ میں گھیرے ہوئے پڑا تھا) چڑھائی کا قصد کیا۔ ان لوگوں نے آدمی بھیج کر سلطان حسین مرزا کے سب بیٹوں کو بلایا اور خود شہر ہری سے باہر نکلے۔ بادیش میں پہنچے تو بمقام چل و خزان ابوالحسن مرزا بھی آ کر ہمراہ ہوا۔ اس کے بعد ابن حسین مرزا بھی دارنون اور فائن سے آ گیا۔ کبیک مرزا مشہد میں تھا۔ کئی آدمی اس کے پاس بھیجے۔ واپس جواب دے کر بوداپن کر گیا۔ اور نہ آیا۔ اصل میں اس کو مظفر حسین مرزا سے کاوش تھی۔ اور یہ خیال تھا کہ وہ تو بادشاہ ہو اور میں اس کے سامنے ہوں جاؤں۔ بھلا ایسے وقت میں کہ سارے چھوٹے بڑے بھائی ایک جگہ جمع ہوں اور متفق ہو کر شیبانی خاں جیسے دشمن کے استیصال کا ارادہ کریں ایسے بے مزہ تعصب کیا۔ اس نے آنے کو تعصب کون سمجھے گا۔ بلکہ سب نامردی کا خیال کریں گے۔ دنیا میں ایسی ہی حرکتیں لوگوں کو یادگار رہ جاتی ہیں۔ عقلمند وہ حرکت کیوں کرنے لگا جس سے اس کے بعد اس کو برا کہتے رہیں۔ ہوشیار آدمی تو ایسا ہی امر کرے گا کہ اس کے پیچھے سب اس کو اچھا کہیں۔ حکیموں نے بعد کے ذکر کو "عمر ثانی" کہا ہے۔ میرے پاس بھی اپنی آئے۔ پھر محمد برندوق برلاس آیا۔ میں کیوں نہ جاتا۔ دو سو کوس کا راستہ اسی لئے طے کیا ہے۔ محمد بیگ کے ساتھ میں ادھر روانہ ہوا۔ ان دنوں میں سب مرزا مرغاب کے مقام میں آ گئے تھے۔

مرزاؤں سے ملاقات :- پیر کے دن جمادی الثانی کی چھٹی کو مرزاؤں سے ملاقات ہوئی۔ ابوالحسن مرزا آدھ کوس کے قریب استقبال کے لئے آیا تھا۔ جب ہم قریب ہوئے تو ادھر میں گھوڑے پر سے اترے۔ ادھر ابوالحسن مرزا اترے۔ دونوں آگے بڑھ کر بغل گیر ہوئے اور سوار ہو گئے۔ تھوڑی دور آگے چلے تھے کہ مظفر حسین مرزا آیا جو ابوالحسن مرزا سے چھوٹا تھا۔ چاہئے تھا کہ یہی پہلے استقبال کرتا۔ عجب نہیں کہ یہ پیچھے آنا نشہ کی وجہ سے اور عیش و عشرت کے سبب سے ہو۔ غرور یا تکبر سے نہ ہو۔ مظفر حسین مرزا نے تکلف کیا۔ ہم دونوں گھوڑوں پر ہی بیٹھے ہوئے باہم ملے۔ اسی طرح

ابن حسین مرزا سے بھی ملاقات ہوئی۔ سب مل کر بدیع الزمان کے مکان پر اترے۔ بہت سی انبوه تھا۔ اتنی خلقت تھی کہ بعض کے پاؤں تین تین چار چار قدم بے اختیار پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ ہم بدیع الزمان مرزا کے دیوان خانہ میں پہنچے۔ قاعدہ تو یوں ہوتا چاہتے تھا کہ اندر جاتے ہی زانو ماروں اور بدیع الزمان مرزا فوراً ”آگے کھڑا ہو کر آگے آئے۔ پھر ہم دونوں ملیں۔ ہوا یہ کہ مکان میں داخل ہوتے ہی میں نے زانو مارا اور میں تباہے توقف آگے بڑھا مگر بدیع الزمان مرزا ذرا دیر میں اٹھا اور آہستہ چلا۔ قاسم بیگ میرا خیر خواہ تھا۔ میری عزت اس کی عزت تھی۔ اس نے میرا کمر بند پکڑ کر کھینچا۔ میں سمجھ گیا۔ میں بھی رسان رسان چلنے لگا۔ جو جگہ مقرر تھی وہاں ملاقات ہوئی۔

اس سفید اور بڑے مکان میں چار جگہ مسندیں بچھائی تھیں۔ اس مکان کے ایک کنارہ کی طرف ایک در تھا۔ مرزا ہمیشہ اس در میں بیٹھا کرتا تھا۔ ایک مسند تو اس در میں بچھائی تھی۔ بدیع الزمان مرزا اور مظفر حسین مرزا اس مسند پر بیٹھے۔ دوسری مسند سید حمی طرف مکان کے صدر میں بچھائی۔ ابوالحسن مرزا اور میں اس پر بیٹھے۔ بدیع الزمان مرزا کی مسند کے آخر میں الٹی طرف تیسری مسند بچھائی تھی۔ اس پر قاسم سلطان، ازبک (جو شیبانی خاں کے سلاطینوں میں سے تھا۔ مرزا کا داماد اور قاسم حسین سلطان کا باپ تھا) ابن حسین مرزا کے ساتھ بیٹھا۔ میرے سیدھے ہاتھ کی طرف میری مسند کے آخر میں قریب ہی چوتھی مسند بچھائی۔ جمالگیر مرزا اور عبدالرزاق مرزا اس پر بیٹھے۔ محمد برندوق بیگ۔ ذوالنون بیگ۔ قاسم بیگ۔ یہ تینوں قاسم سلطان اور ابن حسین مرزا سے سیدھے ہاتھ کی طرف بہت نیچے بیٹھے۔ آتش تیار ہوئی۔ ہر چند کہ کوئی جلسہ نہ تھا مگر آتش کے ساتھ سونے چاندی کی صراحیوں میں شربت بھر کر صراحیوں دسترخوان پر رکھی گئیں۔ ہمارے بڑوں اور بھائی بندوں نے چنگیز خانی تورہ کا بہت لحاظ رکھا۔ مجلس، دربار، شادی، آتش خوری، اٹھنے اور بیٹھنے میں اس تورہ کے خلاف کوئی بات نہیں کی۔ مگر تورہ آیت حدیث نہیں ہے کہ کوئی ضرور ہی اس کا پابند ہو۔ ہاں جس سے جو عمدہ قاعدہ جاری ہو وہ برتنا چاہئے۔ اگر باپ نے کوئی بری رسم جاری کر دی ہو تو اس کو اچھی رسم سے کیوں نہ بدل دیں۔ خیر۔ آتش کھا کر ہم سوار ہوئے اور اپنے مقام پر آئے۔ ہمارے لشکر اور مرزاؤں کے لشکروں میں ایک شرعی نوں کا فاصلہ تھا۔

دوسری ملاقات میں بدیع الزماں مرزا نے پہلی طرح تعظیم نہ کی۔ میں نے محمد
برندوق اور ذوالنون بیگ کے ہاتھ کھلا بھیجا کہ گو میں عمر میں چھوٹا ہوں مگر میرا درجہ بڑا
ہے۔ بزرگوں کے تخت پر جو سرفرد میں ہے دو دفعہ بزور شمشیر میں بیٹھا ہوں اس
خاندان کے دشمن سے جس نے اس قدر جنگ و جدل کی ہے وہ میں ہی ہوں۔ میری
تعظیم نہ کرنی بے وجہ بات ہے۔ اس بات کا چرچا ہوا۔ چونکہ میرا قول معقول تھا سب
مان گئے اور آخر سب نے خاطر خواہ میری تعظیم کی۔ پھر ایک بدیع الزماں مرزا کے پاس
جانے کے موقع پر ظہر کی نماز کے بعد شراب کا جلسہ ہوا۔ میں ان دنوں میں شراب نہ
پیتا تھا۔ یہ بزم بڑی آراستہ تھی۔ ہر قسم کی گزک خوانوں میں لگائی گئی تھی۔ مرغ اوقاز
کے کباب تھے۔ طرح طرح کے کھانے تھے۔ ہم بدیع الزماں مرزا کی مجلس کی بہت
تعریف سنتے تھے۔ فی الواقع نہایت عمدہ اور دلچسپ مجلس تھی۔ جب تک مرغاب میں
رہے تین دفعہ مرزا کی مجلس شراب میں شریک ہونے کا موقع ہوا۔ وہ جان گئے کہ میں
شراب نہیں پیتا۔ اس لئے پھر مجھ سے نہ کہا۔ ایک بار میں مظفر حسین مرزا کی محفل
میں بھی گیا۔ حسین علی جلاڑ اور میر بدر ان دنوں میں مرزا کے ملازم تھے۔ وہ بھی اسی
جلسہ میں حاضر تھے۔ نشہ ہوتے ہی میر بدر خوب ناچا شاید اس قطع کا ناچ میر بدر ہی کا
ایجاد ہو۔ مرزاؤں کو ہری سے نکلے اور بلا اتفاق جمع ہو کر مرغاب میں آئے تین چار مہینے
ہو گئے۔ سلطان قلی خاں نے تنگ ہو کر بلخ شیبانی خاں کے حوالہ کر دیا۔ اس اجتماع کی
خبر سننے سے بلخ لینے کے بعد ازبک سرفرد کی طرف مراجعت کر گئے۔

ہمارے یہ مرزا اگرچہ جلے جلے کرنے اور ملنے جلنے میں ایک ڈھنگ کے تھے مگر سپاہ
عمری کے کمر فریب اور لڑائی بھڑائی کی چال سے واقف نہ تھے۔ مرغاب ہی میں خبر آئی
کہ حق نظر نے چار سے پانچ سو آدمیوں سے آکر چلتکو کے نواح کو لوٹ لیا۔ سب
مرزا جمع ہوئے۔ بہترین سلاخیں مشورے کئے مگر نہایت "فوج ادھر نہ بھیج سکے۔ مرغاب
اور چلتکو میں دس کوس کا فاصلہ ہے۔ اس کام کو میں نے اپنے ذمہ لیا۔ شرم کے
مارے مجھے بھی اجازت نہ دی۔ شیبانی خاں الٹا پھر گیا تھا اور سال آخر ہو گیا تھا۔ یہ
تجویز قرار پائی کہ اس جازے میں ہر مرزا ایک مناسب جگہ قشلاق مقرر کرے۔ اُرمی کا
موسم آتے ہی سب اکٹھے ہو جائیں۔ اور غنیم کی خبر لیں۔ مجھے بھی خراسان میں قشلاق
کے لئے کھلا بھیجا۔ چونکہ کابل و غزنی میں ترک۔ مغل، ایماق، اشام، افغان، ہزارہ

وغیرہ مختلف قومیں جمع ہو گئی تھیں۔ اس سبب سے وہ پر شور و شرمقام تھے۔ دوسرے خراسان و کابل میں اتنا بعد ہے کہ برف وغیرہ مانع نہ ہو تو سب سے قریب پہاڑی راستہ ہمیدہ بھر کا راستہ ہو گا۔ اور سیدھا راستہ چالیس پچاس دن کا۔ ملک بھی ابھی پورا قابو میں نہ آیا تھا۔ اس لئے میرے ہوا خواہوں نے وہاں قشلاق کرنے کی صلاح نہ دی۔ میں نے عذر کھلا بھیجا۔ وہ بہت ہی اصرار کرنے لگے اور آخر بدیع الزمان مرزا ابوالحسن مرزا اور مظفر حسین مرزا خود میرے پاس آئے اور ٹھہرانے پر مصر ہوئے۔

مرزاؤں کے سامنے میں دم نہ مار سکا۔ اول تو یہ ہے کہ ایسے بلا شاہوں نے خود آکر فرمایا۔ دوسرے ہری جیسے شہر کے دیکھنے کو دل چاہتا تھا۔ آج دنیا میں وہ ایک بے نظیر شہر ہے۔ سلطان حسین مرزا کے زمانہ میں اس کی آبادی اور رونق نے دس حصے بلکہ بیس حصے ترقی کی تھی۔ ان وجوہ سے ٹھہر جانا قبول کر لیا۔ ابوالحسن مرزا مرو چلے گئے۔ ابن حسین مرزا تون اور قان روانہ ہوئے..... بدیع الزمان مرزا اور مظفر حسین مرزا ہری میں آئے۔ دو تین دن پیچھے میں بھی چل و خزان اور تاس رباط کی راہ سے ہری کی طرف روانہ ہوا۔ پچھی پاندہ سلطان بیگم۔ خدیجہ بیگم۔ آفاق بیگم اور ابو سعید مرزا کی اور بیٹیاں سلطان حسین مرزا کے مرنے میں جمع ہوئی تھیں۔ سب مرزا کے مقبرہ ہی میں ٹھہری ہوئی تھیں۔ میں ان سے جا کر ملا۔ اول پاندہ بیگم سے زانو مار کر ملا۔ پھر اسی طرح خدیجہ بیگم سے ملا۔ تھوڑی دیر وہاں توقف کیا۔ حفاظ قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ ان کو سنتا رہا۔ اس کے بعد مدرسہ کے جنوب میں جہاں خدیجہ بیگم ٹھیں وہاں گیا۔ انہوں نے آتش تیار کرائی۔ آتش کھا کر پاندہ بیگم کے مکان میں گیا۔ رات کو وہیں رہا۔ میرے ٹھہرنے کے لئے نئے بلغ میں جگہ مقرر کی تھی۔ دوسرے دن میں نئے بلغ میں آترا۔ اس بلغ میں ایک رات رہا۔ وہ مقام میرے مناسب نہ سمجھا۔ علی شیر بیگ کا مکان تجویز ہوا۔ جب تک ہری میں رہا اسی مکان میں رہا۔ دوسرے تیسرے دن بلغ جہاں آراء میں بدیع الزمان کو سلام کر آتا تھا۔ کئی دن بعد مظفر حسین مرزا نے مجھے اپنے مکان پر بلایا۔ مظفر حسین مرزا بلغ سفید میں رہتا تھا۔ خدیجہ بیگم بھی وہیں تھیں۔ میں خدیجہ بیگم سے ملنے گیا تو جہانگیر مرزا بھی میرے ساتھ گیا۔ اور کھانے کے بعد مظفر حسین مرزا ہم کو اس عمارت میں لایا۔ جس کا نام طرب خانہ ہے اور جو بابر مرزا کی بنائی ہوئی ہے۔ طرب خانہ میں شراب کا جلسہ ہوا۔ یہ

طرب خانہ ایک باغ میں ہے۔ چھوٹا سا دو منزلہ مکان ہے۔ مگر عمارت دلچسپ ہے۔ اس کے اوپر کی منزل کو زیادہ تکلف سے بنایا ہے۔ اس کے چاروں کونوں میں چار حجرے ہیں۔ چاروں حجرے اور ان کا مابین سب ایک مکان ہے۔ حجرے کے مابین میں جو مکان ہیں وہ ایسے ہیں جیسے چار شہ نشینیں۔ اس مکان کے ہر ضلع کی دیواروں پر تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اگرچہ اس عمارت کو بابر مرزا نے بنایا تھا مگر تصویریں سلطان ابو سعید مرزا کے حکم سے بنائی گئی ہیں۔ یہ تصویریں ان کی لڑائیوں کی ہیں۔

شکلی شہ نشین میں آسنے سامنے دو مسندیں بچھائی تھیں۔ مسند کے کنارے شمال کی طرف تھے۔ ایک مسند پر مظفر حسین مرزا اور میں بیٹھا۔ دوسری پر سلطان مسعود مرزا اور جمناگیر مرزا بیٹھا۔ چونکہ میں مسلمان تھا اس لئے مظفر حسین مرزا نے مجھے صدر میں بٹھایا۔ سلقی کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے جام بھر بھر کے اہل بزم کو دینے شروع کئے۔ اہل بزم بھی جام شراب کو آب حیات کی طرح پینے لگے۔ مجلس گرم ہو گئی۔ بے خواروں کو نشان کے ابھار ہوئے۔ اہل بزم کا خیال تھا کہ مجھے بھی شریک دور کریں۔ میں نے اس وقت تک شراب نہ پی تھی اور نہ اس کی کیفیت و حالت کو میں پورے طور پر جانتا تھا۔ مگر ہاں میں آکر میرا دل للچانے لگا۔ لڑکپن میں مجھے شوق نہ تھا۔ بلکہ میں شراب کے نشہ کو اور اس کی حالت کو بھی نہ جانتا تھا۔ ابا جان کبھی فرماتے بھی تھے تو میں انکار کر دیتا تھا۔ پتا نہ تھا۔ ابا جان کے بعد مولانا خواجہ قاضی کے قدم کی برکت سے میں زاہد اور پرہیزگار رہا۔ مشتبہ کھانے تک سے بچتا تھا۔ چہ جائیکہ شراب پی لوں۔ بعد اس کے جو یہ لت لگی تو جوانی کے تقاضے اور نفس کی شامت سے لگی۔ کوئی دوسرا بکانے والا نہ تھا۔

کوئی یہ بھی نہ جانتا تھا کہ میرا دل شراب پینے کو چاہتا ہے۔ گو دل للچاتا تھا۔ مگر ایسا کام خود کرنا مشکل تھا۔ اب دل میں آئی کہ ایک تو یہ سب سر ہوتے ہیں۔ دوسرے ہری جیسے آراستہ شہر میں آیا ہوں چلنا دنیا بھر کے عیش و عشرت کے سلمان موجود ہیں۔ پھر اب نہ بیوں گا تو کب بیوں گا۔ میں نے شراب پینے کا ارادہ کر لیا۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ بدیع الزمان مرزا بڑا بھائی ہے۔ اس کے جلسہ میں اور اس کے ہاتھ سے تو میں نے پی نہیں۔ اس کے چھوٹے بھائی کے ہاں اگر پی لی تو بدیع الزمان مرزا کیا کہے گا۔ یہ سوچا اور اسی کو میں نے بیان کر دیا۔ اس عذر کو سب مان گئے اور اس جلسہ میں

مجھے معاف رکھا۔

یوں ٹھہری کہ بدیع الزمان مرزا اور مظفر مرزا جب ایک جگہ ہوں تو دونوں کے کہنے سے میں بیوں۔ اس مجلس میں گوتوں میں سے حافظ حاتی۔ جلال الدین محمود نائی اور غلام شلوی گویئے کا چھوٹا بھائی (جو چنگ بجاتا تھا) تھے۔ حافظ حاجی ناسا چھا گیا۔ ہری کے لوگ نیچے سروں میں چھوٹی آواز سے اور سید حاسید حاکماتے ہیں۔ جہانگیر مرزا کے ساتھ ایک گویا میر خاں نام تھا۔ سمرقند کا رہنے والا۔ اونچے سروں میں۔ بڑی آواز سے اور چلت پھرت کے ساتھ گاتا تھا۔ جہانگیر مرزا نے اس موقع پر حکم دیا ہو گا۔ وہ بہت ہی گلا پھاڑتا اور برا گیا۔ خراساں والے ہنسی باز ہیں۔ ایسے گانے سے کسی نے تو کھن بند کر لئے۔ کسی نے ناک چڑھائی اور منہ بیٹایا۔ مگر مرزا کے لحاظ سے کوئی منع نہ کر سکا۔ مغرب کے بعد طرب خانہ سے اٹھے اور اس نے قشلاق کے مکان میں جو مظفر حسین مرزا نے بنوایا تھا آئے۔ جب ہم اس مکان میں آ گئے تو نشہ کی زیادتی سے ہنس کو کھلاش اٹھ کھڑا ہوا اور ناچنے لگا۔ کبھی آدمی تھا۔ خوب ناچا۔ مظفر حسین مرزا نے ایک کھوار۔ برہ کی پوستیں اور ایک تھپتھپ مجھے عنایت کیا۔ یہیں ترکی میں باتیں کیں۔ مظفر حسین مرزا کے دو غلام تھے۔ ایک کا نام کہ ماہ دوسرے کا نام کچک ماہ۔ نشہ میں وہ بھی گانے لگے۔ مگر بوتلے گائے۔ بڑی رات تک جلسہ گرم رہا۔ پھر درخواست ہوا۔ اس رات میں یہیں رہا۔ قاسم بیگ نے جو سنا کہ شراب پینے کی صلاح ہوئی ہے تو اس نے ذوالنون بیگ سے کہلا بھیجا۔ ذوالنون بیگ نے مرزاؤں کو ازراہ نصیحت بہت جھڑکا۔ آخر وہ تجویز موقوف رہی۔

مظفر حسین مرزا کی مہمان داری کی خبر سن کر بدیع الزمان مرزا نے مقوی خانہ میں جلسہ ٹھہرایا۔ اور میری دعوت کی۔ میرے ساتھ میرے بعض مصاحبوں کو بھی بلایا۔ میرے مصاحب میرے خوف سے شراب نہ پی سکتے تھے۔ اگر کبھی پیتے بھی تھے تو میزوں میں کسی دن دروازہ بند کر کے ڈرتے ڈرتے پیتے تھے۔ ایسوں ہی کو مدعو کیا۔ یہاں بھی انہوں نے یہ کیا کہ کبھی میری آنکھ بچا کر۔ کبھی ہاتھ کی آڑ میں منہ کر کے سو جتنوں سے پیتے رہے۔ میری طرف سے تو ایسی صحبتوں میں عام اجازت تھی۔ اس لئے کہ یہ صحبت ایسی تھی جیسے باپ یا بڑے بھائی کی ہوتی ہے۔ غلام ایک عجیب چڑلائے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ درخت کی اصلی شاخوں میں یا نقلی شاخوں میں شلخ کی لہائی تک

مہین مہین ایک شے چھڑکی ہوئی تھی۔ یہ جو کچھ تھا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ آخر قاز کے کلب کی تاب میرے آگے رکھی۔ میں اس کا کٹنا اور کھولنا نہ جانتا تھا نہ کبھی میں نے دیکھا تھا۔ میں نے اس پر ہاتھ نہ ڈالا۔ بدیع الزمان مرزا نے کہا کھلو ٹل میں نے کہا اس کا الگ کرنا میں نہیں جانتا۔ فوراً "بدیع الزمان مرزا نے میرے آگے سے قالب کھینچ لی۔ اور قاز کے کلوے کر کے میرے آگے رکھ دی۔ ان کاموں میں بدیع الزمان مرزا طاق تھا اس جلسہ میں خنجر مرصع۔ چار قب اور تھمق مجھ کو دیا۔ بیس دن میں ہری میں رہا اور روزانہ مقلات کی سیر کرتا رہا جن کو نہ دیکھا تھا۔ یوسف علی کو کلتاش مجھے سیرس کروایا کرتا تھا جس سیرگاہ میں ٹھہرتے تھے وہاں یوسف علی کو کلتاش ایک قسم کی آتش حاضر کیا کرتا۔

اس بیس دن میں سوائے سلطان حسین مرزا کی خانقاہ کے شاید کوئی مشہور سیرگاہ دیکھنی رہ گئی ہو۔ جن مقاموں کی سیر میں نے تھوڑے دن میں کر لی۔ وہ یہ ہیں۔ کاریز گاہ۔ علی شیر بیگ کا باغ۔ جوار کٹھ۔ تخت بستہ۔ پل گاہ۔ کسدستان۔ باغ نظر گاہ۔ نعمت آباد۔ خیابان کاریز گاہ۔ سلطان احمد مرزا کا خطیرہ۔ تخت سفر نوائی۔ تخت برگیزہ۔ تخت حاجی بیگ۔ شیخ بہاول الدین عمر کا مزار۔ شیخ زین الدین کا مزار۔ مولانا عبدالرحمن جامی کا مزار۔ ان کا مقبرہ۔ نماز گاہ مختار۔ حوض مابین۔ سلق سلسن۔ بلوری (یہ ابوالولید کی تھی) امام فخر۔ باغ خیابان۔ مرزا کے مدارس و مقابر۔ گھر شاہ بیگم کا مدرسہ اور مقبرہ اور جامع مسجد۔ باغ زاعن۔ باغ نو۔ باغ زبیدہ۔ آق سرائے (جس کو سلطان ابو سعید مرزا نے دروازہ عراق کے پاس بنایا ہے) پورن۔ صفحہ سراندازان۔ چرغلاک۔ میر واحد۔ پل پالان۔ خواجہ طاق۔ باغ سفید۔ طرب خانہ۔ باغ جہاں آراء۔ کوشک۔ مقوی خانہ۔ سوسی خانہ۔ دروازہ برج۔ حوض کلاں (جو جہاں آراء کے شمال میں ہے) اس کے چار طرف کی چار عمارتیں۔ قلعہ کے پانچوں دروازے (دروازہ ملک۔ دروازہ عراق۔ دروازہ پرور آباد۔ دروازہ خوش۔ دروازہ قہمق) بازار ملک۔ چار سو۔ مدرسہ شیخ الاسلام۔ جامع مسجد ملکن۔ باغ شہر۔ بدیع الزمان مرزا کا مدرسہ (جو دریائے انجیل کے کنارہ پر ہے) علی شیر بیگ کے رہنے کے مکان (جن کا نام اتہ ہے) اس کا مقبرہ۔ اس کی مسجد (جس کو قدسیہ کہتے ہیں) اسی کا مدرسہ۔ خانقاہ (جن کا خلاصہ اور اخلاص کہتے ہیں) اس کا حمام۔ اس کا دارالشفاء (جو صفائیہ اور شفاغیہ مشہور ہیں)

معصومہ بیگم۔ (سلطان احمد مرزا کی چھوٹی بیٹی۔ حبیبہ بیگم کے بیٹ کی) ان تباہیوں میں خراسان آگئی تھی۔ میں جو ایک دن اکام سے ملنے گیا تو وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ مجھے ملنے آئی۔ دیکھتے ہی میری طبیعت اس کی طرف سوچ کرنے لگی۔ میں نے اکام اور نیکام پاس خفیہ آدمی بھیج کر (میں پابندہ سلطان بیگم کو اکام اور حبیبہ سلطان بیگم کو نیکام کہا کرتا تھا) شلوی کا پیغام دیا۔ یہ بات قرار پائی کہ میرے جانے کے بعد نیکام اپنی بیٹی کو لئے ہوئے کلل میں آجائیں۔ محمد برندوق بیگ اور ذوالنون بیگ نے یہاں قشاق کرنے کے لئے مجھ سے اصرار تو کیا تھا مگر نہ اچھی جگہ تجویز کی اور نہ سلان دیا۔ جازا سر پر آگیا۔ کلل اور خراسان کے بیچ میں برف پڑنے لگی۔ کلل کی طرف سے اطمینان نہ ہوا تھا۔ ان لوگوں نے نہ کسی جائے قشاق کے لئے سامان دیا۔ نہ کسی جگہ سلان کے ساتھ قشاق مقرر کیا۔ اور ضرورت ہو گئی۔ میں صاف صاف کہہ سکتا تھا۔

ہرات سے مراجعت :- شب برات کی ساتویں کو قشاق کا بہانہ کر کے میں ہری سے نکلا۔ نواح بلوئیش میں ہر ہر پڑاؤ پر ایک، ایک دو دو دن مقام کرتا ہوا چلا یہ اس لئے کہ جو لوگ ضروری کاموں کے لئے اوسر ادھر چلے گئے ہیں وہ آجائیں۔ اس میں اتنا توقف ہوا کہ لنگر میر غیاث سے آگے بڑھنے کے بعد دوسری تیسری منزل میں رمضان شریف کا چاند دکھائی دیا۔ جو لوگ کام کاج کرنے چلے گئے تھے ان میں سے کچھ تو آگئے اور کچھ مرزاؤں کے پاس رہ گئے۔ رہنے والوں میں سے ایک سیدم علی دربان تھا۔ وہ بدیع الزمان مرزا کانوکر ہو گیا۔ خسرو شلہ کے نوکروں میں سے اتنی رعایت میں نے کسی کی نہ کی تھی۔ جب جہانگیر مرزا غزنی کو چھوڑ کر چلا گیا تھا تو غزنی میں نے سیدم علی کو دے دیا تھا۔ یہ اپنے سالے ایکو شیخ کو غزنی میں چھوڑ کر لشکر میں آگیا تھا۔ سیدم علی دربان اور محب علی تورچی سے بہتر دوسرا نہ تھا۔ سیدم علی کے اطوار و اخلاق اچھے تھے۔ تلوار کا دھنی تھا۔ یاروں کا یار تھا۔ خنی تھا۔ کفایت شعاری کے ساتھ باسلان تھا۔ اس کی ہنسی کھلی مزے کی تھی۔ باتیں اس کی میٹھی تھیں۔ خلیق۔ باتوں اور ہزل کو تھا۔ اس میں یہ عیب تھا کہ جھوٹا۔ بدکار اور اغلامی تھا۔ مذہب کا دھل مل یقین تھا۔ منافق بھی تھا۔ بعض اس کے نفاق کو بیہودہ گوئی پر محمول کرتے ہیں مگر منافق نہیں تھا۔ جس وقت بدیع الزمان مرزا ہری کو غنیم کے حوالے کر کے شلہ بیگ پاس آیا تو شاہ بیگ اور مرزا کے درمیان میں منافقانہ باتیں ہانے سے سیدم علی کو قتل کر کے

دریائے ہیرمند میں اس کی لاش پھنکوا دی گئی۔ محب علی کا حل آگے بیان کیا جائے گا۔

لنگر میر غیاث سے چل کر خرجستان کے کنارہ کے دیہات کو زیر کرتے ہوئے ہم نخجیران میں پہنچے لنگر سے نواح نخجیران تک برابر برف تھی۔ جس قدر ہم چلتے گئے اسی قدر برف اونچی ہوتی گئی۔ نواح نخجیران میں گھوڑے کی ران سے اونچی برف تھی۔ نخجیران ذوالنون بیگ کے علاقہ میں تھا۔ اس کا ملازم میرک خان آبدود ہان کا حاکم تھا۔ ذوالنون بیگ کے سارے غلہ کی قیمت دے کر غلہ خرید لیا گیا۔ نخجیران سے جب ہم آگے پہنچے تو دو تین دن کے بعد ایسی بے حد برف پڑنے لگی کہ گھوڑوں کے پٹھوں سے اونچی تھی۔ اکثر جگہ گھوڑے کا پاؤں زمین پر نہ پہنچتا تھا۔ اور برف برابر پڑ رہی تھی۔ جب ہم پراغدان سے گذرے تو برف بھی بلند تھی اور راستہ بھی نہ معلوم ہوتا تھا۔ لنگر میر غیاث میں مشورہ ہوا تھا کہ کابل کس راستہ سے چلیں۔ میری اور اکثر کی رائے تھی کہ جاڑا ہے۔ قدحار سے چلنا چاہئے۔ گو راستہ دور کا ہے مگر بے کھٹکے چلے چلیں گے۔ پہاڑ کے راستہ میں خوف اور دقت ہے۔ قاسم بیگ نے کہا۔ وہ راستہ دور کا ہے۔ اور یہ پاس کا۔ وہ اس پر اڑ گیا۔ آخری اسی کے کہنے پر چلے۔ سلطان نام ایک پشتوئی رہبر ہوا۔ معلوم نہیں کہ کثرت برف سے یا کسی اور سبب سے راستہ سے نہ لے جاسکے۔ چونکہ قاسم بیگ کی ہٹ سے اس طرف چلے تھے اس لئے اس کو غیرت آگئی۔ وہ اور اس کے بیٹے پیدل ہو کر برف کاٹ کاٹ کر راستہ کرنے لگے اور آگے بڑھنے لگے۔ ایک دن برف بہت پڑ رہی تھی اور راستہ بھی نہ معلوم ہوتا تھا۔ بہت ہی ہاتھ پاؤں مارے مگر ہم ایک قدم نہ چل سکے۔ ناچار الٹے پھرے۔ ایک جگہ ایندھن ڈھیروں تھا۔ وہیں اتر پڑے۔ ساتھ ستر سپاہیوں کو حکم دیا کہ جس راستہ سے ہم آنے ہیں اوھر ہی جاؤ۔ ہزارہ قوم کے لوگوں نے پہاڑوں کے نیچے قسطنق کیا ہو گا۔ ان میں سے راستہ دکھانے کے لئے کوئی آگوا لاؤ۔ ان کے آتے تک تین چار دن ہم اس منزل میں پڑے رہے۔ یہ جانے والے کوئی اچھا رہبر نہ لائے۔ خدا پر توکل کر سلطان ماشنئی آگواے ہی کو آگے رکھا اور اسی راستہ میں جہاں سے الٹے پھرے تھے چل کھڑے ہوئے۔

ان دنوں میں بہت ہی مصیبت اور محنت اٹھانی پڑی۔ اپنی عمر میں اتنی مصیبت اور محنت بھی نہ اٹھائی تھی۔ تقریباً ہفتہ بھر برف کاٹتے ہوئے چلے اور کوس ڈیڑھ کوس

سے زیادہ نہ چل سکے۔ میں دس پندرہ مصاحبوں سمیت جس میں قاسم بیگ مع اپنے دونوں بیٹوں کے دستگیر بردی اور قمبر علی اپنے دو تین نوکروں کے ساتھ تھے پیدل ہو گیا۔ ہم سب مل کر برف کاٹنے تھے۔ ہر قدم پر کمر اور سینہ تک برف میں دھنسنے جاتے تھے اور برف کھودتے تھے۔ چند قدم چلنے کے بعد جو آگے ہوتا تھا وہ تھک کر اور جل کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ دوسرا آگے بڑھتا تھا۔ ہم ہی دس پندرہ آدمی برف کھودنے والے تھے۔ یہ حال تھا کہ ایک خلی گھوڑے کو کھینچنے لاتے تھے۔ رکاب اور خوگیر تک وہ برف میں دھنسا رہتا تھا۔ دس پندرہ قدم چل کر ٹھہر جاتا تھا۔ اس کو کولے میں کھڑا کر دیتے تھے اور دوسرے کو بڑھا لاتے تھے۔ اسی مصیبت سے یہ دس پندرہ آدمی برف کاٹنے تھے اور اپنے گھوڑے کھینٹ لاتے تھے۔ باقی تمام اچھے اچھے سپاہی اور وہ لوگ جو سردار کھلاتے تھے گھوڑوں پر سے کھینٹے نہ تھے۔ کھدے ہوئے اور صاف راستہ سے سر جھکائے ہوئے چلے آتے تھے۔ یہ موقع ایسا نہ تھا کہ کسی کو تکلیف دی جائے جس کو ہمت ہو وہ خود چل پڑے۔

خیر اسی طریق سے برف کاٹنے ہوئے اور راستہ بناتے ہوئے تین چار روز میں کوتل زرین کے آخر خوال قوی نام ایک مقام ہے اس میں آئے۔ اس دن بڑی پریشانی ہوئی۔ ایسی برف پڑی کہ سب کو موت دکھائی دینے لگی۔ یہاں والے غار اور کھوکو خوال کہتے ہیں۔ اس خوال کے پاس جو پہنچے تو اور بھی پریشانی پیدا ہوئی۔ اسی خوال کے پاس ٹھہر گئے، برف بلند، راستہ چھپا ہوا۔ کھودی ہوئی راہ میں بھی گھوڑے وقت سے چلتے۔ دن تھوڑا رہ گیا۔ آگے چلنے والے دن دن میں خوال کے پاس جا پہنچے۔ مغرب سے عشاء تک تو لوگ آگے پھر نہ آ سکے۔ جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ بہتروں نے تو گھوڑوں کی پیٹھ پر ہی رات گزاری۔ خوال بھی چھوٹی معلوم ہوئی۔ میں نے خوال کے منہ کے پاس برف ہٹا تکیہ منہ کے برابر اپنے لئے جگہ نکالی اور وہیں سمٹ کر میں ہو بیٹھا۔ سینہ تک برف کھودی تھی۔ پھر بھی زمین نہ نکلی۔ البتہ ہوا کا پھاؤ ہو گیا۔ میں وہیں بیٹھا رہا۔ کئی آدمیوں نے کہا کہ اندر چلے جائیے۔ میں نے دل میں کہا کہ سب تو برف اور پریشانی میں ہیں اور میں گرم مکان میں چلا جاؤں اور آرام کروں۔ ساری قوم مصیبت و پریشانی میں جھٹا رہے اور میں لمبے پاؤں سپاہیوں کی سوؤں۔ یہ تو مروت اور یک جہتی سے بعید ہے۔ جو تکلیف گذرے میں بھی اس کا مزہ چکھوں جس طرح اور خدا

کے بندے مصیبتیں سہیں میں بھی سہوں فارسی مثل مشہور ہے۔ ”مرگ بیاراں عید است“ اسی ٹھنڈ اور گڑھے میں جو کھود لیا تھا۔ میں بیٹھا رہا عشاء کے وقت اتنی برف پڑی کہ میں جو گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے بیٹھا تھا تو میری پیٹھ پر۔ میرے سر پر اور کانوں پر چار چار انگل برف تھی۔ اسی رات میرے کانوں میں سردی بیٹھ گئی۔ عشاء کے وقت کچھ لوگوں نے غار کو ٹولا۔ وہ چلائے کہ کھو بست فراغ ہے۔ سب کو جگہ مل جائے گی۔ یہ سن کر سر اور منہ پر سے برف جھاڑ میں بھی کھو کے اندر چلا گیا۔ جو لوگ کھو کے باہر ارد گرد سردی کھا رہے تھے ان کو بھی بلا لیا۔ چالیس پچاس آدمیوں کو فراغت سے جگہ مل گئی۔ انوکھ بنی قور داغ اور جو کھانا جس کے پاس تھا وہ اس نے پیش کیا۔ ایسی سردی، برف اور پریشانی میں بڑے امن کی گرم جگہ میں فراغت کے ساتھ ہم آگئے۔

دوسرے دن وہ برف تھی اور پریشانی موقوف ہوئی صبح ہی وہاں سے چل نکلے۔ دی کل کی طرح برف کانٹے اور راستہ ہاتے ہوئے دامنہ کے اوپر نکل آئے۔ جو راستہ اوپر کی طرف جاتا تھا وہ بست اونچائی پر جاتا تھا۔ (اس کو کوئل زرین کہتے ہیں) ہم اوپر کی جانب نہ گئے۔ درہ کے نیچے کی طرف روانہ ہوئے۔ دامن سے ہم نیچے نہ پہنچنے پائے تھے کہ شام ہو گئی۔ درہ ہی میں ڈیرے ڈال دیئے۔ اس رات بڑی سردی تھی۔ بہت مصیبت اور سختی سے وہ رات بسر ہوئی۔ بہت سوں کے ہاتھ پاؤں کو جاڑا مار لیا۔ اس رات میں کتنہ بیک کے پاؤں۔ سندرک ترکمان کے ہاتھ اور آتی کے پاؤں کو ٹھنڈک نے مار دیا۔ دوسرے دن صبح کو درہ سے نیچے کی جانب ہم روانہ ہوئے۔ بڑے خراب اور تنگ مقاموں سے اترنے کا موقع ملا۔ مغرب کے رات درہ سے باہر نکلے۔ کسی بوڑھے بڑے کو یاد نہیں ہے کہ اس پہاڑ میں سے ایسے وقت میں کہ اتنی برف پڑتی ہو کوئی صحیح سلامت نکل گیا ہو۔ بلکہ اس موسم میں ادھر سے راستہ چلنا کسی کے خیال میں نہ آتا ہو گا۔ اگرچہ اس اونچی برف سے چند روز بہت تکلیف اٹھائی مگر اسی اونچی برف کے طفیل منزل پر بھی پہنچ گئے کیونکہ اگر برف اتنی اونچی نہ ہوتی تو اول ہی مقام میں گھوڑے، اونٹ اور آدمی سب کا کام تمام ہو جاتا۔

ہر نیک و بدے کے در شمار است
تدور مگر صلاحت کا راست

عشاء کے وقت ہم یکہ اولانک میں آن اترے۔ بلکہ اولانک والے ہمارے اترتے ہی ہمارے آنے سے آگاہ ہوئے۔ انہوں نے گرم مکان خلی کر دیئے۔ ہمارے لئے موٹی موٹی بکریاں وغیرہ حاضر کیں۔ گھوڑوں کے لئے دانہ گھاس اور سینکے کے پھونس اور اپلوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اس ستم کی سردی اور برف سے نجات پا کر ایسے گلوں اور گرم مکانوں کو ملنا اور اس مصیبت و بلا سے بچ کر ایسی الغاروں روٹیاں اور یہ دم سم چربائی ہوئی بکریاں نصیب ہونی ایک نعمت ہے جس کو محنت کرنے والے ہی جانتے ہیں۔ اور ایک پرورش ہے جس کو بلاکش ہی پہچانتے ہیں۔ دل جمعی اور فراغت کے ساتھ یکہ اولانک میں ایک دن مقام کیا۔ یکہ اولانک سے کوچ کر کے دو فرسنگ پر ڈیرے کئے۔ دوسرے دن عید ہوئی۔ بامیان میں سے ہوشیر نو پہاڑ سے نیچے اترے۔ اس اترنے میں جگہ لگ کو چھوڑ دیا۔ ہمارے سر راہ ہزارہ ترکمن مع گھربار کے قشلاق میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کو اصلاً ہماری خبر نہ تھی۔ دوسرے دن جو کوچ ہوا تو ان کے پڑاؤں اور ڈیروں میں ہم جا گھسے۔ ان کے دو تین پڑاؤ تو لئے۔ باقیوں نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ صرف اپنی جانوں اور بل بچوں کو لے پہاڑ کا راستہ لیا۔ اتنے میں خبر آئی کہ کئی ہزار آدمی نے لشکر کے اگلے لوگوں کو ایک تنگ مقام میں گھیر رکھا ہے۔ تیروں کی بوچھاڑ کر رکھی ہے اور کسی کو جانے نہیں دیتے۔ یہ سنتے ہی میں پلٹ۔ پاس پہنچ کر میں نے دیکھا کہ جگہ تو تنگ نہیں ہے۔ ہاں کچھ ہزارہ لوگ ایک پہاڑ کی جینی گاہ سے تیر مار رہے ہیں۔ ایک ٹیکرے پر اچھے اچھے جوان اکٹھے کھڑے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ہزارہ لوگوں نے اگلے سپاہیوں کا جو راستہ روک رکھا ہے تو سب حیران ہو رہے ہیں۔ اس موقع پر میں اکیلا لپکا اور جو لوگ بھاگے جاتے تھے۔ ان کو ”یور یور“ کہہ کر تسلی دی۔ ان میں سے ایک نے بھی میری نہ سنی۔ دشمن کی طرف کسی نے منہ نہ کیا۔ ہر کوئی ہر جگہ ٹھہرا رہا۔ گو سوائے ترکش اور کلن کے میرے پاس اور ہتھیار و سلان نہ تھا۔ اور میرے دل میں یہ بات بھی آئی کہ نوکر اسی دن کے لئے رکھتے ہیں کہ موقع پر اپنے کام آئے اور مالک پر جان فدا کرے۔ نہ اس لئے کہ نوکر کھانا منہ دیکھے اور آقا دشمن کا مقابلہ کرے۔ مگر میں نے اپنا گھوڑا مقابلہ کے لئے ڈال دیا۔ جب لوگوں نے مجھے جاتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی ساتھ ہو لئے۔ اس پہاڑ کے پاس جہاں ہزارہ تھے پہنچتے ہی ہم نے ان کے تیروں کی ذرا روانہ کی اور جڑھنا شروع کر دیا۔

کبھی پیدل ہو کر چڑھنے لگتے تھے۔ کبھی سوار غنیم نے جو دیکھا کہ لشکر ہجوم کر کے چڑھ آیا تو وہ بھاگ نکلا۔ اب ہمارے سپاہیوں نے ان کا پیچھا کیا۔ سب پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ہرنوں کی طرح ان کو آگے رکھ لیا۔ اور شکار کرنا شروع کیا۔ جو پکڑے گئے ان کا مال اسباب چھین لیا گیا۔ ہل بچے قید کر لئے۔ ان کے دل میں سے کچھ بکریاں میں نے بھی گیریں۔ یادرک طغائی کے سپرد کر کے میں آگے بڑھا۔ پہاڑوں کی بلندیوں سے گذرتا ہوا۔ ہزارہ کے گھوڑے بکریاں آگے رکھے ہوئے لشکر تیوریہ بیگ میں ہم اترے۔ ہزارہ قوم کے چودہ پندرہ سردار جو ان میں سرکش اور لیسرے تھے گرفتار ہو گئے تھے۔ ارادہ تھا کہ جہاں ٹھہریں گے وہاں ان کو قتل کر دیا جائے گا۔ ان سب ڈاکوؤں اور سرکشوں کو عبرت ہو جائے گی۔ اتفاقاً قیدی قاسم بیگ سے مل گئے۔ قاسم بیگ نے رحم کیلئے بے موقع رہائی دے دی۔ مثنوی

کونئی	بایداں	کردن	چنان	است
کہ	بد	کردن	بجائے	نیک
زمین	شور	سنبل	برنیارو	
درد	ختم	عمل	ضائع	مگرواں

غرض سارے قیدی چھوڑ دیئے۔

خان مرزا کی بغاوت اور اس پر فتح پانا :- اسی یورش کرنے کے موقع پہ خنے میں آیا کہ محمد حسین دوغلت اور سلطان سبخر برلاس نے ان مغلوں کو جو کابل میں رہ گئے تھے اپنے سے ملا خان مرزا کو بادشاہ بنا کابل کا محاصرہ کر لیا ہے اور لوگوں میں یہ خبر اڑا دی ہے کہ بدیع الزمان مرزا اور مظفر حسین مرزا نے بادشاہ کو پکڑ کر ہری کے قلعہ اختیار الدین (جواب بالا قورغان مشہور ہے) میں قید کر دیا۔ کابل میں ملا بابا ساغرچی، خلیفہ محب علی قورچی، احمد یوسف، اور احمد قاسم تھے۔ انہوں نے فوراً قلعہ بندی کر لی اور شہر کی حفاظت کرنے لگے۔ لشکر تیمور بیگ سے میں نے محمد اند جانی (قاسم بیگ کا نوکر) کے ہاتھ امراء کابل کو لکھ بھیجا کہ میں یہاں آگیا ہوں اور یہ تجویز کی کہ ہم غور بند سے نکل کر ان پر دفعہ جاڑیں۔ نشانی یہ ہو کہ ہمارے باہر آنے کے بعد پہاڑ کے منار پر تم آگ روشن کرو۔ ہم سمجھ جائیں گے ہمارے آنے کو تم جان گئے۔ ہم ادھر سے پہنچیں گے تم ادھر سے باہر نکلا۔ اور جس قدر تم سے ہو سکے کسی نہ کرنا۔ یہ باتیں محمد

اند جلانی کے ہاتھ کھلا بھیجیں۔ دوسرے دن صبح لنگر سے چلے اور شہر اتر کے پاس اترے۔ وہاں سے جمعہ پٹے کے وقت غوریہ کے درہ سے نکل پل پر آٹھ گھرے۔ گھوڑوں کو سستیا اور ٹھنڈا کیا۔ ظہر کے وقت پل سے چلے۔ تو قتل تک برف نہ تھی۔ جب قتل سے آگے بڑھے تو جس قدر چلتے گئے برف زیادہ ہوتی گئی۔ دمہ پختی میں خوب سردی پڑی ایسی سردی سے مجھے اپنی عمر میں کبھی پالا نہ پڑا تھا۔ احمدی بسا دل اور باقر اور احمد پور بخئی کو امراءے مقیم کلل پاس بھیج کر کھلا بھیجا کہ ہم وقت موعود پر آتے ہیں۔ تم ہوشیار رہو۔ اور سنبھل جاؤ۔

کوہ منار سے چل کر دامن کوہ میں اتر آئے۔ جاڑے کے مارے دم نہ رہا تھا۔ آگ سلکا کر تاپنے لگے۔ اگرچہ وہ محل آگ جلانے کا نہ تھا مگر ٹھنڈ نے عاجز کر دیا تھا۔ اس لئے الاؤ لگا دیا تھا۔ پو پھٹ چکی تھی جو کوہ منارہ سے ہم چلے۔ کلل اور کوہ منار کے مابین گھوڑے کی ران تک برف تھی۔ راستہ چلنے والے مشکل سے چلتے تھے۔ اس سارے راستہ میں ہم برف ہی میں دھنسنے رہے۔ یہی وجہ ہوئی کہ وقت موعود پر کلل میں بڑی وقت سے پہنچنا ہوا۔ بنی ماہ رو پر ہمارے پہنچنے ہی قلعہ سے آگ کی روشنی نہ لیاں ہوئی۔ معلوم ہوا کہ قلعہ والے خبردار ہو گئے۔ جب ہم سید قاسم کے پل پر پہنچے تو شیرم طغانی کو فوج بر غدار کے ہمراہ ملا بابا کے پل کی طرف روانہ کیا۔ قول اور جراتار کو بابا بوبی کے راستہ سے ہم لے گئے۔ جس اب خلیفہ کا باغ ہے اس زمانہ میں وہاں الف بیگ مرزا کا بیٹا ہوا ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا۔ حویلی کی قطعہ کا۔ کٹ کھاڑ تو اس کا گل گیا تھا مگر چار دیواری باقی تھی۔ خان مرزا اسی میں تھا۔ محمد حسین مرزا الف بیگ مرزا والے باغ بشت میں تھا۔ میں ملا بابا کی طرف والے قبرستان میں پہنچا۔ جو لوٹ تیزی سے آگے بڑھ گئے تھے پٹ کر میرے پاس آئے۔ یہ آگے بڑھنے والے اس مکان میں جس میں خان مرزا تھا جا گھسے اور یہ چار آدمی تھے۔ سید قاسم ایک آقا۔ قسبر علی۔ شیر علی قراول مغل اور سلطان احمد مغل (شیر قلی مغل کی فوج میں کان چاروں کے بے تھاں اس حویلی میں (جس میں خان مرزا تھا) گھسے ہی غل بچ گیا۔ خان مرزا گھوڑے پر بیٹھ نکل بھاگا۔ محمد حسین قور بیگی کے چھوٹے بھائی نے (جو خان مرزا کا نوکر ہو گیا تھا) شیر قلی مغل کے کھوار ماری۔ اس کا سر کاٹ ڈالا تو چھٹکارا ہوا غرض یہ چاروں کھوار اور تیر کے زخم کھائے ہوئے جمیں کا میں نے ذکر کیا ہے وہاں میرے پاس

آئے۔ ایک تنگ مقام میں سوار جمع ہو گئے اور بھیڑ ہو گئی۔ اوپر والے بھی ایک جگہ ہو گئے نہ آگے جا سکتے ہیں۔ نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ جو لوگ میرے پاس تھے ان سے میں نے کہا نیچے اترو اور حملہ کرو۔

دوست ناصر محمد علی کتاب دار، باب اشیرزاو شاہ محمود اور اور جوان نیچے اتر کر تیر مارنے لگے۔ ادھر والوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ قلعہ والوں کی ہم نے بہت راہ دیکھی مگر وہ وقت پر نہ آ سکے۔ دشمن کے پست ہونے کے بعد ایک ایک دو دو آنے لگے۔ میں ابھی اس چار بلغ میں جس میں خان مرزا تھا، نہ گیا تھا کہ قلعہ والوں میں سے یوسف اور سید یوسف نے میرے ساتھ اس بلغ میں جہاں خان مرزا تھا پہنچے۔ معلوم ہوا کہ خان مرزا یہاں سے بھاگ گیا۔ میں جلدی سے الٹا پھرا۔ احمد یوسف میرے پیچھے پیچھے تھا۔ چار بلغ کے دروازہ سے پہل پر دست پیادہ (جس کو دلیری کے صلہ میں میں نے کوتوال کلل کر دیا تھا) نکلی کھوار ہاتھ میں لئے ہوئے مجھ پر جھپٹا۔ میں حیبہ پہنے ہوئے تھا۔ غریبی نہ باندھے ہوئے تھا۔ دو بلغ بھی نہ پہنا تھا۔ ہر چند ”ہے دوست۔ ہے دوست“ کہہ کر میں چلایا۔ اور احمد یوسف بھی چیخا۔ مگر یا تو اس سبب سے کہ سردی اور برف سے میری صورت پلٹ گئی تھی یا اضطراب جنگ ہو۔ اس نے مجھے نہ پہچانا اور میرے کھلے ہوئے بازو پر ہاتھ مارا۔ عنایت الہی سے میں بل بل بچا۔

اگر تیغ عالم بجنید ز جائے

نہ بر در گے تا خواہد خدائے

خدائے تعالیٰ نے مجھے اس دعاء کی برکت سے بچا لیا جو میں پڑھا کرتا تھا۔ وہ دعا یہ ہے۔ اللھم انت ربی لا الہ الا انت علیک توکلت علیک انت رب العرش العظیم ما شاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم واعلمہ ان اللہ علی کل شئی قذیر وان اللہ قد احاط بکل شئی علما اللھم انی اعوذ بک من ان اشرك بک ومن شر نفسی ومن شر غیری ومن شر کل اثم انت اخذ بنا صینھا انک انت رب العرش العظیم وہاں سے میں بلغ بہشت میں آیا جہاں محمد حسین مرزا تھا۔ وہ بھاگ کر چھپ گیا۔ بلغ کے ایک مقام پر جہاں سے محمد حسین مرزا کو تھامات آٹھ آدمی کمانیں لئے ہوئے کھڑے تھے۔ میں نے ان کی طرف گھوڑا ڈھکیا۔ وہ مقابلہ نہ کر سکے۔ اور بھاگ

نکلے۔ میں نے پہنچ کر ایک کے کھوار ماری۔ کھوار کا ہاتھ ایسا پڑا کہ میں سمجھا شاید اس کا سراز گیا۔ میں آگے بڑھا جس کے میں نے کھوار ماری تھی وہ خان مرزا کا کوکلتاش بولک کوکلتاش تھا۔ کھوار اس کے ہاتھ پر پڑی تھی۔ جب میں اس مکان کے دروازہ میں پہنچا جس میں محمد حسین مرزا تھا تو اوپر سے ایک مغل نے جو میرا نوکر تھا اور میں اس کو پہچانتا تھا۔ ایک تیر جوڑ کر میری طرف رخ کیا۔ ادھر ادھر سے ”ہیں ہیں بلو شلہ ہیں“ آوازیں پڑنے لگیں۔ تیر کو پھینک کر وہ بھاگ گیا۔ تیر مارنے کا کلم نہ رہا تھا۔ مرزا اور اس کے سردار بھاگ چکے تھے۔ بعض سردار گرفتار ہو گئے تھے۔ کس کے تیر مارے جاتے۔ یہیں سلطان سبجو کو (اس کو میں نے تو یمن نیکنہار دیا تھا اور یہ بھی اس بغلوت میں شریک تھا) پکڑ کر اور اس کی گردن باندھ کر گھسیٹنے ہوئے لائے۔ وہ گھبرائے لگا اور لگا چیخنے ”ہائے ہائے“ لوگوں نے کہا کہ تیرا جرم اس سے بڑھ کر ہے کیونکہ ان سب کا سرغنہ تو ہی ہے۔ چونکہ میرے ماموں کی ماں شلہ بیگم کا وہ بھانجا تھا اس لئے میں نے حکم دیا کہ اتنا بے عزت نہ کرو۔ اور کشتل کشتل نہ لاؤ۔ یہاں سے نکل کر احمد قاسم کوہ برکو جو امراء متعینہ قلعہ میں سے تھا خان مرزا کی تلاش میں روانہ کیا۔ اسی باغ کے ایک گوشہ میں شلہ بیگم اور خانم متیم تھیں۔ میں ان دونوں سے ملنے گیا۔ شہر کے لپے گنڈے لاشیاں لئے ہوئے لوٹ مار پر پل رہے تھے اور کونہ کونہ ٹٹولنا چاہتے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے لوگوں کو مقرر کیا کہ ہر طرف سے مار کر نکل دیا جائے۔

شلہ بیگم اور خانم ایک ہی جگہ تھیں۔ جہاں میں اترا کرتا تھا۔ وہیں اترا۔ جس طرح پہلے ادب اور تعظیم سے پیش آتا تھا ان سے اسی طرح پیش آیا۔ دونوں بہت ہی کچھ گھبرائی ہوئی اور شرمندگی سے سر جھکائے ہوئے تھیں۔ نہ کوئی عذر معقول کر سکیں۔ نہ محبت سے پیش آئیں۔ مجھے ان سے ایسی توقع نہ تھی۔ یہ لوگ جنہوں نے فساد برپا کیا ایسا نہ تھا کہ بیگم اور خانم کی بات نہ سنتے۔ خان مرزا تو ان کا سگا نواسہ ہی تھا۔ رات دن انہی کے پاس رہتا تھا۔ اگر اور لوگ ان کی نہ سنتے تو خان مرزا کو یہ روک سکتی تھیں۔ زمانہ کی بناسازگاری سے کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ تخت۔ ملک اور نوکر چاکروں سے الگ ہو ان کے پاس گیا ہوں اور التجا کی ہے۔ میری والدہ بھی ساتھ ہوئی ہیں۔ انہوں نے آنکھ تک نہیں ملائی۔ خان مرزا مجھ سے چھوٹا بھائی ہے۔ وہ اور اس کی ماں سلطان نگار خانم آبلو ملک کے مالک تھے۔ میں اور میری ماں ملک تو درکنار ایک

گھوڑوں اور ایک جانور بھی نہ رکھتے تھے۔ کیا میری ماں یونس خاں کی بیٹی نہ تھی اور میں یونس خاں کا لواسہ نہ تھا؟ شاہ بیگم کے آتے ہی میں نے ملک لمغان کو جو کلہا کے اعلیٰ علاقوں میں سے ہے ان کی نذر کر دیا۔ دوسرے ہر طرح کی خدمت گزاری میں اور بیٹا بننے میں ذرا کمی نہ کی۔ سلطان سعید خاں کاشغری پیدل اور ننگا کئی دفعہ آیا۔ میں اس سے سکے بھائیوں کی طرح ملا۔ لمغان کے علاقوں میں سے مند اور کاپرگنہ میں نے اس کی تواضع کی۔ جس زمانہ میں شاہ اسماعیل صفوی نے شیبانی کو قتل کر ڈالا اور اس قوی دشمن کو ہمارے سر سے ہٹا۔ تو میں ادھر گیا۔ قندز سے چلتے وقت اندجلن والے میرا منہ بچکنے لگے۔ بعض نے اپنے حکام کو نکل دیا۔ بعض نے اپنے شہروں کا انتظام کر لیا اور میرے پاس آدمی بھیجے۔ میں نے سلطان سعید خاں کے ساتھ اپنے آدمی کر دیئے۔ اپنی فوج ملک کے لئے دی اور اندجلن کا ملک اس کو دے دیا۔ سردار بنا کر ادھر روانہ کر دیا۔ آج تک جو وہاں سے آتا ہے میں اس کو اپنے عزیزوں سے کم نہیں جانتا۔ چنانچہ چچن تیمور سلطان اولیس تیمور سلطان۔ تو عشہ بونغا سلطان اور بابا سلطان اب میرے پاس ہیں۔ میں سب کو اپنے حقیقتوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ اور ہر طرح ان کی خاطر و رعایت کرتا ہوں۔

اس لکھنے سے میرا مدعا شکایت نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک سچی حکایت ہے جو لکھ دی گئی۔ میں کچھ اپنی تعریف کرنی نہیں چاہتا۔ جو گذرا ہے وہ تذکرہ بیان کر دیا۔ میں نے یہ التزام کر لیا ہے کہ اس تاریخ میں سچی سچی باتیں لکھی جائیں۔ کوئی بیان غیر واقعی نہ ہو۔ باپ ہو یا بھائی۔ اپنا ہو یا بیگانہ۔ جس کی جو برائی بھلائی تھی وہ صاف صاف بیان کر دی۔ جس کا جو عیب و ہنر تھا پورا پورا لکھ دیا۔ ناظرین معاف فرمائیں۔ اور اعتراض نہ کریں۔ یہاں سے میں اٹھ کر چار ہلخ میں آیا۔ جس میں خان مرزا اترا ہوا تھا۔ سب طرف فتح نامے بھیجے گئے۔ اس کلام کے بعد سوار ہو کر ارک میں ہم آئے۔ محمد حسین مرزا ڈر کے مارے خانم کے قوشی خانہ میں آکر چھپ گیا تھا۔ توشک کے بوغند میں لپٹ رہا۔ قلعہ کے متعینوں میں سے میرم دیوان وغیرہ کو حکم دیا کہ ان گھروں کی تلاشی لے لو۔ اور محمد حسین مرزا کو ڈھونڈ لاؤ۔ یہ لوگ خانم کے دروازہ پر آئے۔ خوب ڈانٹا اور دھمکیا۔ بہر حال محمد حسین مرزا کو پکڑ لائے۔ اور قلعہ میں لے آئے۔ میں نے حسب دستور تعلیم دی اور اس کے منہ پر کوئی سخت بات نہ کہی۔ محمد حسین

مرزا کے اگر میں کھڑے کھڑے کر ڈالتا تو بجا تھا طرح طرح کے عذاب دیتا تو وہ اس کی سزا تھی۔ کیونکہ اس نے ایسی بلائیں حرکت کی اور ان سارے فتنوں کی جڑ وہی تھ۔ لیکن ایک طرح کی سکوت تھی۔ میری سبکی خلاء خوب نگار خانم کا وہ خلوند تھا۔ صاحب اولاد تھا۔ ان حقوق سے میں نے اس کو ذرا نہ ستایا اور خراسان جانے کی اجازت دے دی۔ یہ بے مروت حق ناشناس میری ایسی نیکی کو کہ میں نے ان کی جان بخشی کر دی۔ بالکل بھول مرید شیبلی کے آگے میری شکایتیں کیں۔ اور مجھے برا بھلا کہہ۔ چند ہی روز میں شیبلی خان نے اس کو قتل کر ڈالا کبھت نے اپنے کئے کی سزا پائی۔

تو بد کنندہ خود بروزگار سپار
کہ روزگار ترا چاکریت کینہ گزار

احمد قاسم کوہ برکو کچھ سپاہیوں سمیت خان مرزا کے تجسس میں بھیجا تھا۔ قربالاق کے پہاڑوں میں اس نے خان مرزا کو جالیا۔ خان مرزا نہ بھاگ سکا نہ ہاتھ پاؤں ہلا سکا۔ اس کو بھی گرفتار کر لائے۔ جب وہ آیا تو میں شمل و شرق کے آخر والے دالان میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ لاؤ۔ ایسا گھبراہٹ زانو مارنے کے لئے آتے آتے دو دفعہ گرا۔ آتے ہی میں نے پہلو میں بٹھالیا۔ تسلی دی۔ شربت حاضر ہوا۔ خان مرزا کے رفع دہم کے لئے پہلے میں نے شربت پیا پھر اس کو دیا۔ چونکہ سپاہ، رعیت، مغول اور چغتائی دودلے ہو رہے تھے اس لئے چند روز کی احتیاط کی۔ حکم دیا کہ خان مرزا اپنے گھر میں رہے۔ مگر ان لوگوں سے جن کا ذکر ہوا ہنوز دغدغہ باقی تھا۔ خان مرزا کا کلل میں رہنا مناسب نہ دیکھا۔ کچھ دن بعد اس کو خراسان کی طرف چلے جانے کی اجازت دی گئی۔ ان کو روانہ کر کے مقام سیاران، چاش تو اور گل بہار کی سیر کرنے چلا گیا۔ موسم بہار میں ان مقاموں کی کیفیت قاتل دید ہوتی ہے۔ کلل کے اور مقلات کی نسبت یہاں سبزہ بہت ہوتا ہے۔ طرح طرح کا گل لالہ کھلتا ہے۔ ایک بار میں نے لالہ کی قسمیں گنوائیں تو چونتیس قسمیں نکلیں۔ یہاں کی تعریف میں میں نے ایک شعر بھی لکھا ہے۔ اسی اثناء میں ساری غزل لکھی۔ سچ یہ ہے کہ فصل بہار میں شیر، شکار اور تیر اندازی کے لئے ایسے مقلات بہت کم ہوں گے۔ چنانچہ کلل و غزنی کی تعریف کسی قدر لکھ دی گئی ہے۔

اسی سل ناصر مرزا کے برتلوے سے اس میں اور امراے بدخشاں شل محمد

قورچی۔ مبارک شلہ وزیر اور جمائگیر میں شکر رنجی ہو گئی۔ بلکہ یہ لوگ کھلم کھلا باغی ہو گئے۔ سب نے متفق ہو کر فوج کشی کی۔ دریائے کوپک کے میدان کی طرف سے جو نقیل اور داغ کی جانب ہے اپنے اپنی سوار و پیادوں کو جمع کر پہاڑ کے راستوں سے بچھن کے پاس سب آگئے۔ ناصر مرزا اور اس کے نا تجربہ کار ہمراہیوں نے کسی بات کا خیال نہ کیا اور پشتوں پر آکر مقابلہ کیا۔ زمین بہت اونچی نیچی۔ پیدل زیادہ دو ایک مرتبہ گھوڑوں کو تیز کرنے میں قائم رہے اور لڑے۔ آخر بھاگ نکلے۔ بد خنائوں نے ناصر مرزا کو شکست دی۔ ان کے قوال اور لواحق کو لوٹ لیا۔ ناصر مرزا اپنے لئے پٹے ہمراہیوں کو لئے ہوئے اسکمش اور نارین کے راستہ سے کیلکاری میں آیا اور سرخلمب کے اوپر کی جانب سے ہوتا ہوا آب درہ کے راستہ میں آگیا۔ وہاں سے شیر ٹوکول سے نکل ستراسی سنگوں، بھوکوں اور بھگوڑوں نوکوں سمیت کلل میں آیا۔ خدا بڑا قادر ہے۔ اس سے پہلے دو تین سال ہوئے کہ ناصر مرزا تمام اہل والوس کو لے باغی ہو کلل سے بدخمش چلا گیا۔ دروں اور قلعوں کا انتظام کر کے کن کن خیالوں میں پھرتا تھا۔ اب اپنے پچھلے کروتوتوں اور یوں چلے جانے سے بہت خجل ہوا۔ میں نے بھی اس سے کچھ نہ کہا۔ اچھی طرح حال پوچھا اور مریلی کر کے اس کی شرمندگی دور کر دی۔

۹۱۳، ہجری کے واقعات

قوم غلجی پر چڑھائی :- غلجی قوم پر چڑھائی کرنے کے لئے میں کلل سے چلا۔ مقام سرہ میں اترنے کے بعد خبر آئی کہ مقام شصت دس گھنہ میں جو سرہ سے ایک فرسنگ پر ہے مہمند قوم کے لوگ غافل پڑے ہوئے ہیں۔ امراء اور سرداران فوج کی صلاح ہوئی کہ ان کی خبر لینی چاہئے۔ میں نے کہا یہ کب روا ہے کہ جس قصد سے نکلا ہوں اس کو تو پورا نہ کروں اور اپنی ہی رعیت کو ستا کر پلٹ جاؤں۔ یہ امر ممکن نہیں۔ سرہ سے سوار ہو صحرائے کتہ داد کو راتوں رات اندھیرے ہی میں طے کیا۔ اندھیری رات۔ زمین اونچی اونچی، پہاڑ اور ٹیلوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ راستہ کا پتا نہیں اور راستہ بتانے والا نہیں۔ آخر میں خود رہبر بنا۔ دو ایک دفعہ اس نواح میں مجھے آنے

کا اتفاق ہوا تھا۔ اسی قیاس پر قطب کو سیدھے ہاتھ پر رکھ روانہ ہوا۔ خدائے تعالیٰ راست لایا۔ سیدھا قباقرود اولاہ کے درہ پر آ پہنچا۔ اسی درہ سے خواجہ اسماعیل سری میں جہاں قوم غلی رہتی ہے راستہ جاتا ہے۔ یہیں ٹھہر کر ذرا دم لیا۔ کوئی گھنٹہ بھر ہم سو رہے۔ اور گھوڑوں نے آرام لیا۔ سویرے وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔ سورج نکل آیا تھا کہ ان ٹیلوں اور پہاڑوں سے باہر ہو جنگل و میدان میں ہم آ گئے۔

یہاں سے وہ مقام جہاں غلی رہتے ہیں پکا ایک فرسنگ ہو گا۔ یہاں سے آبادی یا دھواں سا کچھ نظر آنے لگا۔ اس کو دیکھ کر سارا لشکر دوڑ پڑا۔ کوئی کوس بھر لوگ دوڑتے رہے اور گھوڑوں کو دوڑاتے رہے۔ میں نے لوگوں کو تھمایا۔ پانچ چھ ہزار یورش کرنے والے لشکر کو تھماتا ہنسی ٹھٹھا نہیں ہے۔ مگر خدا کی عنایت سے کوئی ایک کوس شرعی چل کر لشکر ٹھہر گیا۔ آبادی نظر آتے ہی فوج کا ایک دستہ ادھر روانہ کیا۔ بکریاں اس فوج کے ہاتھ بہت لگیں۔ اتنی کسی موقع پر نہ ہاتھ آئی تھیں۔ جس وقت مل اسباب لے کر ہم اترے اس وقت ہر طرف سے دشمن کی جماعتیں آ کر لڑنے لگیں۔ ایک جماعت کو بعض امراء وغیرہم نے پکڑا۔ اور قتل کر ڈالا۔ ایک گروہ کو ناصر مرزا نے جالیا۔ اور سب کو قتل کیا۔ متھولوں کے سروں کو اکٹھا کر کے کلمہ منارہ چنوا دیا گیا۔ دوست پیادہ کو تو ال (جس کا ذکر ہو چکا ہے) کے پاؤں میں تیر لگا۔ جس وقت ہم کانٹل پہنچے۔ اس وقت اس کا انتقال ہو گیا۔ خواجہ اسماعیل سے اولاہ لو میں آ اترے۔ یہاں بعض امراء اور مقربوں کے نام حکم دیا گیا کہ جتنی لوٹ آئی ہے اس کا پانچواں حصہ سرکار میں داخل کرنے کا انتظام کرو۔ قاسم وغیرہ کو رعایت" یہ خمس معاف کر دیا۔ جو خمس لیا گیا اس کی تعداد سولہ ہزار بکریاں قلم بند ہوئیں۔ یہ خمس اسی ہزار کا تھا۔ تلف شدہ اور معاف شدہ کو ملا کر ایک لاکھ بکریوں کے ہونے میں کلام نہیں ہے۔ اس مقام سے کوچ کر کے صحرائے سک داد میں شکار جرگہ کے لئے قیام کیا۔ اس جنگل میں ہرن اور گور خر فریہ اور بکھرت ہوتے ہیں۔ جرگہ میں جو بہت سے ہرن اور گور خر گھرے تو شکار بھی خوب ہوا۔ میں نے ایک گور خر کے پیچھے گھوڑا ڈالا اور قریب پہنچ کر تیر مارا۔ دوسرا تیر اور مارا۔ دونوں تیر کاری تو نہ گئے۔ مگر ہاں زخم ایسے آئے کہ وہ دوڑنے سے رہ گیا۔ اور آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ پھر اور پاس ہوتے ہی اس کے دنوں کانوں کے اور سر کے پیچھے میں نے کھوار کا ایک ہاتھ دیا۔ کھوار گلا کاٹی ہوئی صاف

نکل گئی۔ اس کے پچھلے پاؤں میری رکاب میں لگے۔ میری تلوار نے خوب کٹ کیا۔ بڑا موٹا گور خر تھا۔ اس کا قطر ایک گز سے کچھ کم ہی ہو گا۔ شیرم طغائی وغیرہ نے مغولستان کے ہرن دیکھے تھے۔ وہ حیران ہوئے اور کہنے لگے۔ مغستان میں اتنا فربہ ہرن شذونادر ہوتا ہے۔ آج ہی ایک اور گور خر کا شکار میں نے کیا۔ اس شکار میں اکثر فربہ ہرن اور گور خر ہاتھ آئے۔ مگر جس گور خر کو میں نے مارا تھا اس سے کوئی لگانہ کھاتا تھا۔ اس مہم سے فارغ ہو کر کلل میں آئے۔

آخر سال میں شیبانی خاں نے سمرقند سے خراسان پر فوج کشی کی۔ شاہ منصور بخشی نمک حرام نے جو حاکم اندخود تھا شیبانی خاں کے پاس آدمی بھیجے۔ اور اس کو بہت جلد آنے پر ہلایا۔ جب شیبانی خاں اندخود کی نواح میں پہنچا تو یہ کعبت باغی اس بھروسے پر کہ میں نے اس کو بلایا ہے بن سنور۔ اوتانہ سر پر رکھ پیش کش وغیرہ لے کر اس کے پاس چلا۔ بے سرب ازبکوں نے چاروں طرف سے گھیر اس نامرد بھجڑے کا اور اس کی پیش کش کا وہیں سرتا برتا کر لیا۔ بدیع الزمان مرزا۔ مظفر حسین مرزا۔ محمد برندوق اور ذوالنون ارغون سب بابا خاکی کی نواح میں لشکر لئے ہوئے پڑے تھے۔ نہ لڑنے پر کمر باندھی۔ نہ قلعہ بندی کی۔ کوئی کام نہ کیا اور کچھ لڑنا جانتے بھی نہ تھے۔ حیران و پریشان تھے۔ محمد برندوق واقف کار تھا۔ اس کی صلاح تھی کہ میں اور مظفر حسین مرزا تو قلعہ ہرات کا انتظام کریں۔ بدیع الزمان مرزا اور ذوالنون بیگ ہری کی نواح سے پہاڑوں میں جائیں۔ سیستان سے سلطان علی ارغون۔ قندھار و زمین دارو سے شاہ بیگ و مقیم کو بلا کر اپنے ساتھ کر لیں۔ جتنا لشکر ہزارہ اور مگدڑی کا ہے اس کو جمع کر لیں اور تیار ہو کر آمادہ پیکار ہو جائیں۔ پہاڑوں میں تو دشمن کا جانا مشکل ہے۔ اس بیرونی لشکر کے اندیشہ سے قلعہ پر بھی آنے کا حوصلہ نہ پڑے گا۔ اس کی یہ رائے صائب تھی۔ ذوالنون بہادر تو تھا مگر مال پر جان دیتا تھا۔ اور احمق تھا۔ ایک باؤلا اور بغلول آدمی تھا۔ جس زمانہ میں کہ دونوں بھائی ہری کے مشترک حکمران تھے اس زمانہ میں بدیع الزمان مرزا کی سرکار میں یہی مختار تھا۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔ پس اس نے مال کی محبت کے سبب سے محمد برندوق کا شہر میں رہنا پسند نہ کیا۔ اپنے رہنے کا خیال کیا اور اس کو بھی نہ نباہ سکا۔ اس کے احمق اور باؤلے پن کی دلیل اس سے زیادہ کون سی ہو گی کہ لالچیوں۔ خوشامدیوں اور جھوٹوں کی باتوں میں آکر رسوا اور برباد ہو

گیا۔

اس کا مفصل حال یہ ہے کہ جب ہری میں صاحب اختیار و مقتدر ہوا تو ملاؤں اور مشائخ نے آکر کہا کہ ہم سے یہاں کا قطب ملا کرتا ہے۔ اس نے تیرا لقب ہزیر اللہ رکھا ہے۔ تو ازبک کو شکست دے گا۔ اس فقرہ کو اس نے سچ جانا۔ ایک تھیلی گلے میں ڈال بہت ہی شکر گزار ہوا تھا۔ یہی دھوکا تھا جس سے محمد بزدوق کی معقول رائے پر عمل نہ کیا۔ نہ قلعہ کو مستحکم کیا۔ نہ سلمان جنگ درست کیا۔ نہ قراول مقرر کئے اور نہ جاسوس کہ دشمن کی نقل و حرکت سے آگاہ کریں۔ نہ فوج کی ترتیب و انتظام کیا کہ اگر دشمن آ بھی جائے تو بخوبی اس کا مقابلہ کرے۔ شیبانی خاں جب محرم کے مہینے میں مرغاب سے پار ہو سرکائے کی نواح میں آگیا تو ان کی آنکھیں کھلیں۔ اب ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ کچھ بندوبست نہ ہو سکا۔ نہ لوگوں کو فراہم کر سکے اور نہ لشکر درست کر سکے۔ ہر شخص اپنی جگہ سے چل کھڑا ہوا۔ ذالنون ارغون اسی خوشامدی فقرے کے بھروسے پر چالیس پچاس ہزار فوج کے سامنے ڈیڑھ سو آدمیوں کو لے کر رباط میں جا اتر۔ اس کے وہاں پہنچتے ہی دشمنوں نے آگھیرا۔ اور اس کا سرکٹ لیا۔

مرزاؤں کی ماں بہنیں مع مال اسباب قلعہ اختیار الدین (جوالہ تورغان مشہور ہے) میں تھیں مرزا شام کے قریب شہر میں چلے گئے۔ آدھی رات تک گھوڑوں کو دم لینے دیا اور آپ سو رہے۔ صبح سویرے سب کچھ چھوڑ چھاڑ بھاگ نکلے۔ قلعہ کا تو انتظام ہی نہ کر سکے۔ مگر اس عرصہ اور اتنی فرصت میں ماں بہنوں اور بال بچوں کو بھی نہ ساتھ لے سکے۔ سب کو ازبک کے حوالہ کر چلتے بنے۔ پانندہ سلطان بیگم اور خدیجہ سلطان بیگم سلطان حسین مرزا کی اور بیویوں اور بدیع الزمان اور مظفر حسین مرزا کے بال بچوں اور مال و اسباب سمیت قلعہ تورغان میں تھیں۔ قلعہ کا پورا بندوبست نہ کیا تھا۔ جو فوج کمک کے واسطے معین کی وہ بھی نہ پہنچ سکی۔ عاشق محمد ارغون مزید بیگ کا چھوٹا بھائی لشکر سے نکل قلعہ میں آیا۔ قلعہ میں امیر عمر بیگ کا بیٹا علی خان۔ شیخ عبداللہ بکاول۔ مرزا بیگ کیخسروی اور میر کی کوردیوان بھی تھے۔ شیبانی خاں کے آنے کے دو تین دن بعد شیخ الاسلام اور اکابر شرعہ و بیان کر کے قلعہ سنگین کی کنجیاں لے کر گئے۔ سترہ اٹھارہ دن تک عاشق محمد نے قلعہ بچائے رکھا۔ آخر باہر کی طرف سے رات کو سرنگ لگا آگ دے دی اور ایک برج کو اڑا دیا۔ قلعہ والے عاجز ہو گئے اور

قلعہ کو نہ بچا سکے۔ قلعہ حوالہ کر دیا۔ ہری فتح کرنے کے بعد شیبانی خاں نے فقط ان بلو شاہوں کے پس ماندوں ہی کے ساتھ بدسلوکیاں نہیں کیں۔ بلکہ تمام مخلوق کو ستایا اور اس پنج روزہ دنیا کے لئے بدنام ہوا۔

شیبانی خاں کی حرکتیں :- اس سے جو تالائق حرکتیں سرزد ہوئیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ چرکہ دیہائی کے لئے خدیجہ سلطان بیگم کو شاہ منصور بخشی کے حوالہ کیا اور طرح طرح کی ایذا دینے کے لئے حکم دیا۔ دوسرے شیخ پوران جیسے عزیز شخص کو عبدالوہاب مغل کے اور اس کے ہر بیٹے کو ایک کے سپرد کیا۔ تیسرے تمام اہل شر کو اور شعرا کو ملا بٹائی کے حوالہ کر دیا۔ چنانچہ طرفائے خراسان کا اس باب میں ایک قطعہ مشہور ہے۔ قطعہ

بجز عبداللہ کیر خرا مروز
ندیدہ ہیچ شاعر روئے زرا
بتائی زر طلب دار و ز شعرش
مگر خواہد گرفتن کیر خرا

چوتھے خازن زادہ بیگم (مظفر حسین مرزا کی بیوی) سے جس کی عدت بھی پوری نہ ہوئی تھی ہری کے لئے ہی نکاح کر لیا۔ پانچویں قاضی اجتہاد محمد میر یوسف کو جو مشہور ملاؤں میں سے تھا بہت جھڑکا۔ چھٹے ملا سلا نعلی کے قطعوں اور بہزاد مصور کی تصویروں کو اصلاح دی۔ ساتویں ایک لغو شعر کہا اور منبر پر چڑھ کر پڑھا اور پھر اس کو بازار میں آویزاں کر کے اس کی داد چاہی۔ گو وہ پڑھا لکھا تھا مگر ایسے لغو اور بے ادبی کے قول و فعل اس سے بہت صادر ہوتے تھے۔ شیبانی خاں ہری لینے کے دس پندرہ دن بعد کدستان سے ہونا ہوا پل سالار پر آیا۔ تمام فوج تیمور سلطان اور عبیدہ سلطان کے ہمراہ کر کے ابوالحسن مرزا اور کبیک مرزا کی جانب جو مشہد میں غافل بیٹھے ہوئے تھے روانہ کی۔ وہ حضرات پہلے تو قلات کو محکم کرنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ ایک دفعہ ہی اس لشکر کے آنے کی جو سنی توشیبانی خاں پر و نعتاً" جاتینچنے کی ٹھان لی۔ یہ ان کے عجیب مزے کے خیال تھے۔ کوئی بات قرار نہ دے سکے۔ یونہی بیٹھے رہے۔ اتنے میں تیمور سلطان و نعتاً" مع لشکر آن موجود ہوا۔ مرزا بھی سانٹے ہو سامنے آئے۔ ابوالحسن مرزا کو چٹکی مارتے میں پکڑ لیا۔ کبیک مرزا کچھ آدمی لے کر دشمن کے مقابل ہوا۔ وہ

بھی پکڑا گیا۔ جس وقت دونوں بھائی ایک جائے بٹھائے گئے اس وقت دونوں ملے۔ ایک نے دوسرے کی پیشانی کو بوسہ دے کر رخصت کیا۔ ابو الحسن مرزا کے چہرہ سے خوف نمایاں تھا۔ کیمک مرزا کے حل میں کوئی فرق نہ تھا۔ دونوں مرزاؤں کے سر کاٹ لئے اور شیبانی خاں پل سالار پر تھا۔ جو اس کے پاس بھیج دیے۔

اسی زمانہ میں شاہ بیگ اور اس کے چھوٹے بھائی مقیم نے شیبانی خاں کے ڈر سے کمر اٹھائی مع عرضیوں کے میرے پاس بھیجے اور یک جہتی و دولت خواہی ظاہر کی۔ مقیم نے تو ایک عرضی میں کھلم کھلا لکھا کہ آپ آئیے۔ اس موقع پر کہ ازبک نے یہ بھی سارا ملک چھین لیا۔ دیدہ و دانستہ کافی دینی مناسب نہ معلوم ہوئی۔ جب اتنے اچھی بیجے اور اس قدر عرضیاں بھیج کر مجھے بلایا تو مجھے ان کے حاضر ہونے میں شبہ نہ رہا۔ سب امراء اور اہل الرائے سے مشورت کی۔ یہ بات قرار پائی کہ میں ضرور چلوں۔ ارغون امراء کے آنے کے بعد جو ان کی صلاح ہوگی وہ کیا جائے گا۔ خواہ خراسان چلنے کی ٹھہرے۔ خواہ کوئی اور بات قرار پائے۔ یہ قصد کر کے ہم قندھار کی طرف روانہ ہوئے۔

خراسان کی طرف بار دیگر روانگی :- حبیبہ سلطان بیگم جن کو میں بیگم کہا کرتا تھا اپنی بیٹی معصومہ سلطان بیگم کو لے کر اسی اقراء پر جوہری میں ہوا تھا آئیں۔ ان سے غزنی میں ملاقات ہوئی۔ خسرو کو کلتاش سلطان علی چنق اور اوکدائی بلال ہری سے بھاگ کر ابن حسین مرزا پاس چلے گئے تھے۔ وہاں سے ابو الحسن مرزا کے پاس چلے گئے۔ یہاں بھی نہ ٹھہر سکے۔ بیگم موصوف کے ساتھ میرے پاس آگئے۔ قلات میں جو پہنچے تو ہندوستان کے سوداگر وہاں آئے ہوئے تھے۔ وہ وہیں رک گئے۔ ہمارے لشکر والوں نے دفعہ "ان کو جا کر گھیرا۔ بہتوں کا ارادہ ہوا کہ فتنہ و فساد کا موقع ہے۔ اس غیر ملک کے قافلہ کو لوٹ لینا چاہئے۔ میں راضی نہ ہوا۔ میں نے کہا کہ بیچارے سوداگر بے گنہہ ہیں۔ خدائے تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اگر ایسے فائدہ کو چھوڑ دیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ہم کو بے حد نفع عنایت کرے گا۔ چنانچہ ابھی کا ذکر ہے کہ جس وقت قوم غلی پر ہم نے چڑھائی کی ہے اس وقت مہمند قوم اپنے مال اسباب سمیت ہماری لشکر گاہ سے کوس بھر کے فاصلہ پر تھی۔ بہت لوگ اس کی لوٹ مار پر مصر ہوئے۔ لیکن میں نے حکم نہ دیا۔ دوسرے ہی دن اللہ تعالیٰ نے غلیوں کا مال اسباب

اس قدر اہل لشکر کو دیا کہ کسی مہم میں اتنا مال ہاتھ نہ آیا ہو گا۔ قلات سے ہم چلے اور ان سوداگروں سے بطریق پیش کش کچھ لے لیا۔ جب میں نے کابل لے لیا ہے تو خان مرزا خراسان میں ٹھہر گیا تھا۔ قلات سے نکلنے کے بعد یہ دونوں مرزا قندھار سے بھاگے ہوئے میرے پاس آئے۔ پیر محمد مرزا (جو بہار مرزا ابن جہانگیر کا پوتا ہے) کی ماں بھی ان دونوں مرزاؤں کے ساتھ چلی آئی۔

شاہ بیگ اور مقیم کے نام خطوط بھیجے گئے کہ تمہارے کہنے میں یہاں تک آیا ہوں۔ تم نے لکھا تھا کہ ازبک جیسے اجنبی دشمن نے خراسان پر قبضہ کر لیا ہے۔ تم آؤ۔ تمہاری رائے اور اتفاق سے مناسب ہو گا وہ امر قرار دیا جائے گا۔ وہ دونوں مجھے خطوط لکھنے اور بلانے سے انکار کر گئے۔ یہودہ طریق سے سخت جواب لکھ بھیجے۔ ان یہودہ طریقوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جو خط مجھے لکھا تھا اس کی پیٹھ پر جہاں امراء کے لئے امراء بلکہ بڑے امراء چھوٹے امراء کے لئے مرکیا کرتے ہیں سرکی۔ اگر ایسی یہودہ حرکتیں نہ کرتے اور ایسے سخت جواب نہ دیتے تو یہاں تک نوبت کیوں پہنچتی۔

جنگ کما ہے۔

شہزادہ بجاے رساند خن
کہ ویراں کند خانان کمن

اپنی انہی لڑائیوں اور بد روشیوں کے طفیل اپنا گھر بار اور تمیں چالیس برس کا سالان یہ لوگ کھو بیٹھے۔ شہر صفا کی نواح میں ایک دن یونہی غل غپاڑہ ہوا۔ فوج ساری مسلح ہو کر تیار ہو گئی۔ میں نہا رہا تھا۔ امراء بہت گھبرائے۔ نہا کر میں بھی سوار ہوا۔ چونکہ غلط شور اور غل تھا ایک لحظہ کے بعد فرد ہو گیا۔ وہاں سے کوچ بہ کوچ مقام گذر میں آئے۔ یہاں سے بھی ہر چند مناسب گفتگو کی مگر وہ لوگ ذرا راہ پر نہ آئے۔ وہی سرکشی اور عناد کی باتیں کرتے رہے۔ ان ہوا خواہوں نے جن کو اطراف و جواب سے واقفیت تھی۔ عرض کیا کہ جو راستے قندھار کے ہیں ان کا سرا بلا حسن ابدال اور غلیشک کی طرف ہے۔ اسی جانب چل کر جتنے راستے قندھار کو جاتے ہیں سب کا انتظام کر لینا چاہئے۔ یہی بات قرار پا گئی۔ دوسرے دن حبیبہ وغیرہ پہن کر براغبار و جرائعار لشکر درست کر کے غلیشک کی طرف کوچ کر دیا۔

قندھار پر شاہ بیگ اور مقیم سے لڑائی اور ان پر فتح :- شاہ بیگ اور مقیم

دونوں کو قندھار کی بنی گاہ میں جہاں میں نے مکان بنایا ہے اس کے سامنے شامیانہ تانے ٹھہرے ہوئے تھے۔ مقیم والے جلدی سے قریب آگئے۔ طوفان ارغون (جو شہر صفا میں بھاگ کر ہمارے ساتھ ہو گیا تھا) اکیلا ارغون کی فوج کی جانب چلا۔ عشق اللہ نامی ایک سردار سات آٹھ آدمیوں سمیت لشکر سے الگ ہو بھٹ کر آیا۔ طوفان نے تنہا عشق اللہ کا مقابلہ کر کے اس کو گھوڑے سے گرا کر اس کا سر کاٹ لیا۔ جس وقت میں سنگ ”نخشک کے پاس پہنچا اس وقت وہ سر لایا۔ میں اس کو نیک شگون سمجھا۔ چونکہ یہاں محلات اور درخت تھے اس لئے اس مقام پر معرکہ آرائی نامناسب معلوم ہوئی۔ دامن کے نیچے سے چل کر مرغزار کی ندی کے کنارہ پر جو قندھار کی جانب ہے قیام کیا۔ اتنے میں شیر قلی نے آکر عرض کیا کہ دشمن نزدیک آ پہنچا ہے۔ قلات سے نکلنے کے بعد اہل لشکر بہت بھوکے اور پیاسے تھے۔ جب غلیشک میں پہنچے تو بیشتر سپاہی کھانے پینے کا سامان لینے ادھر ادھر چلے گئے۔

میں نے ان لوگوں کے فراہم ہونے کا انتظام نہ کیا۔ جلدی سے ہم سوار ہو گئے۔ میرے ساتھی تخمیناً دو ہزار ہوں گے۔ مگر اب جو ٹھہرنے کے موقع پر لوگ متفرق ہو گئے اور فی الوقت حاضر نہ ہو سکے تو باقی ماندہ ایک ہزار کے قریب رہ گئے۔ گو میری فوج کم تھی مگر سب عمدہ باقاعدہ اور مضبوط تھی۔ میں نے لشکر کی صفیں درست کر لی تھیں۔ اس وقت جیسا انتظام میں نے کیا کبھی ایسا نہ کیا تھا۔ فوج خاص میں سب اچھے اور کام کے جوان جدا کر لئے۔ دس دس اور پچاس کی نولیاں بنا ہر نولی پر ایک ایک سردار مقرر کر دیا۔ ہر دس اور پچاس کی نولیاں اپنے ٹھہرنے کی جگہ کے دست راست و چپ میں کھڑی کر دی گئیں تاکہ لڑائی کے وقت دو کام ان کو کرنا پڑے اس کو معلوم کر لیں اور اپنے کام سے ہوشیار رہیں۔ اور براغفار، جراغفار، دستراست، دست چپ، پہلوئے چپ کی طرف بے تکلف دوڑ پڑیں۔ اور اپنے مقابل سے بلا کسی روک کے جا بھڑیں۔ (اس مقام پر فوج کی صفوں کے نام جو اپنی طرف سے معین کئے ہیں لکھے ہیں مگر عبارت ایسی مخدوش ہے کہ ترجمہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے ان چند سطروں کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا۔ مترجم) براغفار میں مرزا خان، شیرم طغائی، یارک طغائی اور اس کے بھائی کو چلمہ قول میں ایوب بیگ، محمد بیگ، ابراہیم بیگ، علی سید مغل کو معدہ مغلوں کے۔ سلطان علی چہرہ اور خدا بخش کو معدہ بھائیوں کے جراغفار میں عبدالرزاق

مرزا، قاسم بیگ، قونچی، سنگری، قنبر علی، احمد ایلچی، بوند غوری برلاس، سید حسین اکبر اور میر شاہ توچین کو۔ ایراول میں ناصر مرزا، سید قاسم، ایشک آقا، محب علی قورچی، بابا اوغلی، اللہ ویرودی ترکمن، شیر قلی قراول، مثل کو اس کے بھائیوں سمیت اور علی محمد کو۔ قول میں اپنے دست راست کی طرف قاسم کو کلتاش، خسرو کو کلتاش، سلطان محمد دلدانی، شاہ محمود پروانچی، قل بایزید بکاول، کمال شربتچی کو اور دست چپ کی طرف خواجہ محمد، دوست ناصر، میر ناصر، بابا شیرزاد، خان قلی، ولی خزانچی، قتل قدم قراول، مقصود سوپی اور بابا شیخی کو مقرر کیا۔ قول میں یہ سارے مصاحب اور سپاہی تھے۔ بڑے امراء میں سے کوئی نہ تھا۔ جن لوگوں کا بیان ہوا ہے، ان میں سے ابھی کوئی سرداری کے مرتبہ پر نہ پہنچا تھا۔

جو گروہ آگے مقرر ہوا تھا اس میں شیر بیگ، جانم قورچی بیگی، کیبک قلی، بابا ابو الحسن قورچی۔ مغلوں میں سے روشن علی، درویش علی، سید خوش کیلیدی، نسہ دوست کیلیدی جملہ باغی۔ ایچی ممدی، ترکمانوں میں سے منصور، رستم معہ اپنے بھائیوں کے اور شاہ نظیر سوندک تھے۔ دشمن کی فوج کے دو حصے تھے۔ ایک شاہ شجاع ارغون (جو شاہ بیگ مشہور ہے اور آئندہ اس کا نام شاہ بیگ ہی لکھا جائے گا) کے تحت حکم دوسرا اس کے بھائی مقیم کے۔ ارغوانی فوج تخمیناً چھ سات ہزار ہوگی۔ اور چار پانچ ہزار مسلح میں تو کوئی کلام ہی نہیں۔ دشمن کا قول اور برافزار سامنے آیا۔ ہمارے برافزار پر جس میں قاسم بیگ اور اس کے ہمراہی تھے مقیم نے حملہ کیا۔ لڑائی شروع ہوتے ہی قاسم بیگ نے دو تین آدمی بھیجے اور کمک چاہی۔ چونکہ ہمارے مقابلہ میں غنیم چڑھا چلا آتا تھا اس لئے ہم ایک آدمی بھی اپنے سے علیحدہ نہ کر سکے۔ ہم بھی بے توقف دشمن کی طرف متوجہ ہوئے۔ لڑائی شروع ہوتے ہی تیروں کی بوچھاڑ آئی ایک دفعہ ہی دشمن نے ہمارے ایراول کا منہ پھیر ہمارے قول میں اس کو دھنسا دیا۔ ہم بھی تیر مارتے ہوئے بڑھے۔ تھوڑی دیر دشمن بھی اچھی طرح تیر مارتے رہے۔ میرے سامنے ایک شخص لوگوں کو، انٹھا ہوا گھوڑے سے کودا، اور اس نے تیر مارنے کا ارادہ کیا۔ میں بے توقف بڑھتا چلا گیا۔ جونہی میں قریب پہنچا وہ سامنے نہ ٹھہر سکا۔ سوار ہو کر بھاگا۔ یہ شخص جو پیدل ہو گیا تھا خود شاہ بیگ تھا۔

اٹائے جنگ میں پری بیگ ترکمان مع اپنے چار پانچ بھائیوں کے اپنی پگڑیاں

ہاتھوں میں لئے دشمن سے روگرداں ہو ہمارے پاس آگیا۔ (یہ پری بیگ ان ترکمانوں میں سے ہے جن کے امراء عبدالباقی مرزا اور مراد بیگ کے ہمراہ اس زمانہ میں آئے ہیں جب شاہ اسماعیل صفوی نے سلاطین کو مارا ہے۔ اور عراق پر قبضہ کر لیا ہے) ہمارے برانغار نے اپنے دشمن کو آگے رکھ کر بڑھنا شروع کیا۔ برانغار کا اوج غوطہ لگا کر اس بلخ میں جاگھسا جس کو میں نے بتایا ہے۔ ہمارا جرانغار بلا حسن ابدال کے آخر میں اس کی بڑی ندی اور ندیوں پر جا پہنچا۔ اس کے مقابلہ میں مقیم کی فوج تھی۔ ہمارا جرانغار مقیم کی فوج سے بہت کم تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مدد کی۔ جو بڑی بڑی ندیاں قدحار کی طرف جاتی ہیں ان میں سے تین چار ندیاں ہمارے جرانغار در دشمن کے درمیان حائل تھیں۔ ہمارے جرانغار نے ان کے گھاٹوں پر قبضہ کر لیا اور غنیم کو اترنے کا موقع نہ دیا۔ اگرچہ ہمارے جرانغار والے اپنی جگہ خوب رہے مگر ارغونوں میں سے حلواچی ترخان دریا میں آکر باقر علی اور شکیری بڑی سے مقابل ہو خوب لڑا۔ قنبر علی زخمی ہوا۔ قاسم بیگ کی پیشانی میں تیر لگ کر رخسارہ کے پاس سے نکل گیا۔ اسی زد و کشت میں دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ یہ لوگ ان ندیوں سے کوہ مرغان کی بنی گا۔ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔

ندیوں سے اترتے وقت ایک شخص نیبجاق یوز پر سوار پہاڑ کے دامن میں ادھر ادھر جانے کے لئے حیران اور سرگرداں ہو رہا تھا۔ آخر ایک طرف اس کا منہ اٹھ گیا۔ غایا "وہ شاہ بیگ ہو کیونکہ فتح قدحار کے وقت شاہ بیگ نہ تھا۔ اپنے دشمن کو شکست دیتے ہی سارا شکر غنیم کا چچھا کرنے اور قتل کرنے میں مصروف ہو گیا۔ میرے پاس کل بیارہ آدمی رہ گئے ہوں گے۔ ان گیارہ میں ایک عبداللہ سادار تھا۔ مقیم میدان میں کھڑا ہوا لڑ رہا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کی قلت پر ذرا خیال نہ کیا۔ خدا پر توکل کر نذرے بجاتا ہوا دشمن کی طرف میں چلا۔ فوج کم ہو یا زیادہ فتح دینے والا خدا ہے۔ اس نے سامنے کی مجال نہیں۔ "کم من قبلہ غلبت فتنہ کثیرۃ باذن اللہ تقاروں کی آواز سنتے ہی اس نے ہماری طرف دیکھا۔ دیکھتے ہی اس کی شی گم ہو گئی۔ اور بھاگ نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے کام بنا دیا۔ دشمن کو پسپا کر کے ہم قدحار کی طرف چلے اور چار بلخ فرخ زاو میں جس کا اب نشان بھی نہیں جا اترے شاہ بیگ اور مقیم جو بھاگے تو قدحار میں نہ جا سکے۔ شاہ بیگ شادو مستونک کی جانب نکل گیا اور مقیم زمین داور کی طرف

پہنچا۔ شر میں کوئی ایسا نہ چھوڑا تھا جو شر کو بچاتا۔ ارغون کے بھائیوں میں سے احمد علی ترخان وغیرہ شر میں تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ مطیع ہونے پر آمادہ ہیں۔ وہ امان کے طلب گار ہوئے۔ میں نے ان کی استدعا قبول کی۔ قلعہ کا ماشورہ دروازہ انہوں نے کھول دیا۔ اور دروازے اس واسطے نہ کھولے کہ لوگ ہڑمچا رہے تھے۔ اس کھلے ہوئے دروازہ پر شیرم طغائی اور یارک بیگ کو متعین کیا۔

میں خود چند مصاحبوں کو ساتھ لے کر اندر آیا۔ مفسدہ پروازوں کو مارا پیٹا۔ دو ایک کو قتل کرا دیا۔ پھر سب سے پہلے میں مقیم کے خزانہ پر پہنچا۔ یہ خزانہ قلعہ سنگین میں تھا۔ عبدالرزاق بیگ مرزا آگے سے آگیا تھا۔ خزانہ میں کسی قدر عبدالرزاق مرزا کو دیا۔ پھر اس خزانہ کو ناصر بیگ، قل بائزید اور بخشیموں میں سے محمد بخشی کے پرز کیا۔ یہاں سے میں ارک میں گیا۔ شاہ بیگ کے خزانہ پر خواجہ محمد علی۔ شاہ محمود اور عشیوں میں طغائی شاہ بخشی کو مقرر کیا۔ ذوالنون بیگ کے دیوان میرم خاں مرزا سے اور اوروں کو عبدالرزاق سے گرفتار کرایا۔ اس ملک میں کبھی اتنا روپیہ نہ دیکھا تھا۔ بلکہ کسی سے سنا بھی نہ تھا کہ اتنا روپیہ دیکھا ہو۔ رات کو میں آرک ہی میں رہا۔ شاہ بیگ کے غلام سنبل کو پکڑ کر لائے۔ اگرچہ وہ کچھ بہت چڑھا بڑھانا تھا۔ مگر میں نے اس کو ایک شخص کی حراست میں سپرد کر دیا۔ محافظ نے پوری احتیاط نہ کی۔ اس کو بھگا دیا۔ دوسرے دن میں باغ فرخ زاد میں آیا۔ قذہار کا علاقہ میں نے ناصر مرزا کو دیا۔ اور خزانے ضبط کر لیے۔

جس وقت خزانہ کے اونٹ لد کر ارک سے باہر آنے لگے اس وقت ناصر مرزا نے ان میں سے روپیوں کے اونٹ روک لئے۔ میں نے ان ہی کو عنایت کر دیئے۔ وہاں سے کوچ کیا اور مرغزار قوش خانہ میں لشکر اترا۔ اس وقت لشکر تو چلتا کیا اور میں خود سیر کرتا ہوا ذرا دیر میں داخل فرودگاہ ہوا۔ دیکھا تو اب وہ اگلا سا لشکر نہ تھا۔ لشکر پہچانا ہی نہ جاتا تھا۔ گھوڑوں اور گھوڑیوں کی قطاریں ہیں۔ طرح طرح کے اسباب سے فخریں لدی ہوئی ہیں۔ عمدہ عمدہ خیمے خرگاہیں ہیں۔ محمل اور سقرات کے شامیانے بچھے ہوئے ہیں۔ ہر کارخانہ میں صندوق کے تووے لگے ہوئے ہیں۔ ان دونوں بھائیوں کے مال اسباب کو علیحدہ کرایا۔ کپڑوں کے صندوق۔ قسم قسم کے برتنوں کے تھیلے۔ طرح طرح کا اسباب ہر شخص کے خیمہ میں الغاروں بھرا ہوا تھا۔ ہزاروں بکریاں ماری

ماری پھرتی تھیں۔ کوئی پوچھتا بھی نہ تھا۔ قلات میں سے مقیم کے کچھ لوگ جن کے سردار فوج بیگ ارغون اور تاج الدین محمود تھے قاسم بیگ کے پاس آئے تھے۔ ان کا مال اسباب ان کو عنایت کر دیا گیا۔

قدھار سے جانب کابل مراجعت :- قاسم بیگ وانا اور دور اندیش آدمی تھا۔ قدھار میں میرا زیادہ ٹھہرنا نامناسب سمجھا۔ تحصیل کرنے کے لئے کہہ کہہ کر مجھے وہاں سے لے نکلا۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ قدھار ناصر مرزا کو دے دیا تھا۔ ان کو رخصت دے کر میں نے کابل کا قصد کر دیا۔ قدھار میں تو خزانہ تقسیم کرنے کی مہلت نہ ہوئی قریباغ میں ٹھہر کر خزانہ تقسیم کیا۔ گننا مشکل تھا۔ ترازو میں تول تول کر دینا شروع کیا۔ امیروں، سرداروں، سپاہیوں اور خدمت گاروں نے تھیلے اور طباق بھر بھر کے اپنی تنخواہوں کے روپے لئے۔ اور لاد کر لے گئے۔ غرض بے انتہا مال و متاع اور عزت و آبرو کے ساتھ کابل میں آنا ہوا۔

معصومہ سلطان بیگم سے نکاح :- سلطان احمد مرزا کی بیٹی معصومہ سلطان بیگم کو کابل سے بلا لیا تھا۔ میں اس سے میں نے نکاح کیا۔

شیبانی خاں نے قدھار کو گھیر لیا :- چھ مہلت دن کے بعد ناصر مرزا کا ایک آدمی آیا اور اس نے خبر دی کہ شیبانی خاں نے قدھار کو گھیر لیا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مقیم زمین دار کی طرف بھاگ گیا۔ وہ جا کر شیبانی خاں سے ملا۔ شاہ بیگ نے بھی کئی آدمی بچے اور بچے بھیجے۔ ان دونوں کے بہکانے اور اکسانے سے شیبانی خاں نے کوستان کے راستے سے دفعہ ”مجھ کو قدھار میں گھیرنا چاہا۔ قاسم بیگ ایک تجربہ کار آدمی تھا۔ سمجھے ہوئے تھا۔ مجھ کو تحصیل کرنے کے بہانے سے قدھار سے لے نکلا۔

ہرچہ در آئینہ جوان بیند

پیر در خشت پختہ آں بیند

شیبانی خاں نے آکر قدھار میں ناصر مرزا کو گھیر لیا۔ اس خبر کے سنتے ہی میں نے امرا سے مشورہ کیا۔ یہ باتیں بیان کی گئیں کہ ازبک جیسی قوم اور شیبانی خاں جیسا گھٹا دشمن ہے جو ملک امیر تیمور کی اولاد کے قبضہ میں تھا وہ اس نے لے لیا۔ ترکوں اور بخنائیہ خاندان میں سے جو جہاں تھا کوئی تو خوشی اور کوئی مجبور اس سے مل گیا۔

صرف ایک میں کلہل میں آپڑا تھا۔ دشمن طاقت دار، میں نہایت ضعیف، نہ صلح کی امید۔ نہ مقابلہ کی تاب۔ ایسی حالت میں اپنے لئے کوئی اور مقام تلاش کرنا چاہئے۔ ایسے میں موقع ہے اور وقت ہے۔ جو کریں کر سکتے ہیں اور دشمن سے دور ہو سکتے ہیں۔ ہندوستان کی طرف یا بدخشاں کی طرف نکل چلو ان دونوں طرفوں میں سے ایک طرف چلنے کا قصد کر لو۔ قاسم بیک اور شیرم طغانی وغیرہ نے تو بدخشاں چلنے کی رائے دی۔ اور امراء نے ہندوستان کو پسند کیا۔ اس گفتگو کے بعد ہم لمغان کی طرف متوجہ ہوئے۔

قلاں بھی نکل گیا۔ قندھار اور قلاں فتح کرنے کے بعد قلاں اور ترنوکر کا ملک عبدالرزاق مرزا کو دے دیا گیا تھا۔ اور عبدالرزاق مرزا کو قلاں میں چھوڑ دیا تھا۔ ازبک نے جو قندھار کو آگھیرا تو عبدالرزاق مرزا قلاں میں نہ ٹھہر سکا۔ قلاں کو چھوڑ ہمارے چلنے کے زمانہ میں کلہل میں آگیا۔ میں نے کلہل اس کے سپرد کیا۔ بدخشاں میں بادشاہوں اور شاہزادوں میں سے کوئی نہ تھا۔ خان مرزا نے شاہ بیگم کی مناسبت سے اور اسی کی صلاح سے بدخشاں کی خواہش کی۔ میں نے اس کو بدخشاں جانے کی اجازت دے دی۔ شاہ بیگم بھی خان مرزا کے ساتھ ہوئی۔ خالہ مہر نگار خانم نے بھی بدخشاں جانا چاہا۔ مناسب تو یہ تھا کہ وہ میرے پاس رہیں۔ کیونکہ میں ان کا سگا بھانجا تھا۔ ہر چند میں نے منع کیا مگر انہوں نے نہ مانا اور بدخشاں چلی گئیں۔

ہندوستان کی جانب دوسرا حملہ :- ماہ جمادی الاولیٰ میں میں نے کلہل سے ہندوستان کی طرف کوچ کیا۔ چھوٹے کلہل کی راہ سے شرح رباط میں آئے۔ قورقان سائی کوتل سے نکلتا ہوا۔ جو افغانی قومیں کلہل اور لمغان کے بیچ میں آباد ہیں وہ امن لے زمانہ میں بھی چوریاں کرنے اور ڈاکے مارنے سے نہیں چوکتیں۔ بے امنی کا زمانہ تو وہ خدا سے چاہتی ہیں اور مشکل سے ان کو ایسا موقع ملتا ہے۔ اس خیال سے کہ مرزا کلہل چھوڑ کر ہندوستان جاتا ہے اس کی حرمزگی دو چند ہو گئی۔ ان کے اچھے بھی بد ہو گئے۔ یہ نوبت پہنچی کہ دوسرے دن جو ہم بکد لگ سے چلے تو خضر خیل، شموخیل اور جو بانی وغیرہ جو اس درمیان میں آباد ہیں بکد لگ کی گھاٹی کا رستہ روکنے کے لئے شمالی پہاڑ پر آن موجود ہوئے۔ لگے نقارے بجانے اور تلواریں ہلانے، میں نے سوار ہوتے ہی حکم دیا کہ ہو سپاہی جہاں ہے وہیں سے پہاڑ پر چڑھ جائے۔ لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے۔

افغان کوئی لمحہ بھر ٹھہرے ہوں گے۔ ایک تیر بھی نہ مار سکے۔ اور بھاگ نکلے۔ افغانوں کو بھگا کر ہم پہاڑ پر آگئے۔

ایک افغان میرے پہلو میں سے نیچے کی طرف بھاگا جاتا تھا۔ میں نے اس کے بازو میں تیر مارا اور اس تیر خوردہ اور کئی اور افغانوں کو لوگ پکڑ لائے۔ انتظام کے لئے دو ایک کو سخ سے مار دیا گیا۔ پھر تومان نیک نہار میں قلعہ آرنہ پور کے سامنے مقام ہوا۔ پہلے سے براہ دور اندیشی کوئی فکر نہ کی تھی۔ نہ چلنے کی جگہ مقرر کی تھی۔ نہ چھاؤنی ڈالنے کی۔ اوپر نیچے تک فوج کے چار حصے کر کے کوچ ہوتا تھا۔ تاکہ ایک کو دوسرے کی خبر رہے۔ تیر کے مہینے کا آخر تھا۔ میدانوں میں اکثر جگہ سے دھان اٹھالے گئے تھے۔ جو لوگ واقف تھے انہوں نے عرض کی کہ تومان ملیشک کی ندی کے بلالئی حصہ میں کفار دھان بہت بوتے ہیں۔ غالباً اہل لشکر کو جاڑے کے لئے غلہ ہاتھ آجائے۔ اس خیال سے نیک نہار کے میدان سے ہم چلے اور قدم اٹھائے ہوئے سیاہ گل سے نکل ورہ برامین تک گئے۔ لشکر والوں نے خوب دھان لئے۔ یہ دھنڑیاں پہاڑ کے نیچے تھیں۔ یہاں کے رکھوالے بھاگ گئے تھے۔ کچھ کافر مارے بھی گئے۔ ورہ برامین کی بنی گاہ پر سپاہیوں کی ایک کلڑی حفاظت کے لئے کھڑی کر دی تھی۔ کافروں کے پلٹنے کے وقت یہ لوگ پہاڑ سے تیر برسانے لگے۔ قاسم بیگ کے دالمو پوران کے پاس اسی موقع پر کہ یہ تیر مار رہے تھے کافر آپہنچے اور چاہا کہ اس کو پکڑ لیں اور سپاہیوں نے حملہ کر کے پوران کو چھڑا لیا اور غنیم کو باندھ لیا۔ کافروں کی ان دھنڑیوں میں ایک رات ٹھہرے۔ بہت سا غلہ لے کر لشکر میں آئے۔ تومان مندر اور میں ہی تھے جو مقیم کی بیٹی ماہ جو جوک (اب شاہ حسن کی بیوی ہے) کا نکاح قاسم کو کھٹاش سے کر دیا۔ چونکہ ہندوستان جانے کی صلاح نہ ٹھہری اس لئے ملا بابا ساغرچی کو مع چند سپاہیوں کے کلل بھیج دیا۔ نواح مندر اور سے چل کر اتر وشیو میں آئے۔ کچھ دن وہاں قیام کرنے کا اتفاق ہوا۔ اتر سے جا کر کورنر اور دیور گل کی میں نے سیر کی۔ کورنر سے میں جالہ میں بیٹھ کر داخل لشکر ہوا۔ اس سے پہلے مجھے جالہ میں بیٹھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ جالہ میں بیٹھنا بہت ہی مجھے پسند آیا۔ اسی کے بعد جالہ کا رواج ہو گیا۔

شیبانی کا قندھار پر آنا اور واپس جانا :- اسی زمانہ میں ملا میرک فرکتی ناصر مرزا کے پاس آیا۔ اس نے شیبانی خاں کا شہر قندھار پر قبضہ کرنا۔ ارک نہ لینا۔ پھر بعض وجوہ

سے شہر قندھار چھوڑ دینا اور ناصر مرزا کا غزنی میں آجانا یوں مفصل بیان کیا کہ آپ کے جانے کے چند روز بعد شیبانی خاں غفلت دے کر قندھار پر چڑھ آیا۔ ناصر مرزا قندھار کے قلعہ سنگین کو مستحکم نہ کر سکے۔ یوں ہی چھوڑ دیا۔ ارک کے گرد کئی جگہ دشمن نے سرنگ لگائی۔ کئی بار لڑائی ہوئی۔ ناصر مرزا کی گردن میں تیر لگا۔ قریب تھا کہ قلعہ فتح ہو جائے۔

اسی حالت اضطراب میں خواجہ امین۔ خواجہ دوست۔ خاوند اور محمد علی پیادہ ساتی قلعہ سے نکل کھڑے ہوئے اور مایوس ہو گئے۔ لیکن باوجود اس کے شیبانی خاں نے صلح کا پیغام دیا اور قندھار سے محاصرہ اٹھا لیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ شیبانی خاں نے قندھار پر چڑھائی کرتے وقت اپنے گھر والوں کو فرہ تو میں بھیج دیا تھا۔ وہاں ایک شخص نے سر اٹھایا اور فرہ تو پر قبضہ کر لیا۔ اس مجبوری سے اس کو صلح کرنی پڑی۔ اگرچہ جازا خوب پڑ رہا تھا۔ مگر ہم چند روز بعد براہ بلوچ کابل میں چلے آئے۔ بلوچ کے اوپر ایک پتھر نصب کرنے کا میں نے حکم دیا۔ جس پر اس آمد و رفت کی تاریخ کندہ کرائی گئی۔ حافظ جرک نے اس کو لکھا اور استاد شاہ محمد نے کندہ کیا۔ جلدی کے سبب سے اچھا کندہ نہ ہوا۔ ناصر مرزا کو میں نے غزنی دیا۔ عبدالرزق مرزا کو تومان نیک نمار، منداور، درہ نور، کورنر اور نوا گل عطا کیا۔

بادشاہ لقب اختیار کیا۔ آج تک تیور بیگ کی اولاد کو بادشاہ ہونے پر بھی مرزا کہتے تھے۔ اب میں نے حکم دیا کہ مجھ کو بادشاہ کہا کرو۔

ہمایوں کی ولادت :- اسی سال کے آخر میں سب سے شنبہ ماہ ذیقعدہ ھ کی چوتھی تاریخ آفتاب برج حمل میں تھا کہ ارک کابل میں ہمایوں پیدا ہوا۔ مولانا مشدی نے اس کی تاریخ ولادت ”ہیون خاں“ کسی۔ کلیل کے ایک شاعر نے ”شاہ فیروز قدر“ لکھی۔ تین چار دن کے بعد ہمایوں ہی نام رکھ دیا۔ ہمایوں کے پیدا ہونے کے پانچ چھ دن بعد چار بارغ میں ہمایوں کے پیدا ہونے کی شادی ہوئی۔ امراء اور متعلقین نے ساتھی کی رسم ادا کی۔ زر سفید کا ڈھیر لگ گیا۔ اس سے پہلے کبھی اتنے روپیوں کا ڈھیر نہ دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ بڑی دھوم کی شادی ہوئی۔

۹۱۳ھ کے واقعات

اس سال کے موسم بہار میں مہمند افغانوں کی ایک بستی جو نواح نغزک میں تھی ہم نے جالوٹی۔ اس مہم سے فارغ ہو کر اپنے مقام پر آئے۔ تھوڑے دن بعد قوج بیک، فقیر علی کریم دادا اور بابا چرہ نے بھاگ جانے کا قصد کیا تھا۔ جب معلوم ہوا تو ان کے پاس آدمی بھیجا۔ استرغ کے پرے سے ان کو پکڑ لائے۔ جمائیکر مرزا کی زندگی میں بھی ان کی بعض بیسودہ باتیں میں نے سنی تھیں۔ حکم دیا کہ ان سب کو سر بازار قتل کر دو۔ دروازہ پر لے جا کر ان کے گلوں میں رسیاں ڈالی ہی تھیں۔ اتنے میں قاسم بیک نے خلیفہ کو بھیج کر اصرار کے ساتھ ان کے گناہ بخش دینے کی درخواست کی۔ قاسم بیک لی خاطر سے میں نے جان بخشی کر دی۔ اور حکم دیا کہ قید کر دو۔ اسی اثناء میں دو تین ہزار آدمیوں نے (جن میں حصاری، فندزی، خسرو شاہ کے مغل ملازموں کے اکابر (چلمہ علی۔ سید تمک۔ شیر قلی اور انکو سالم) خسرو شاہ کے امراء چغتائیہ (سلطان علی چرہ۔ خدا بخش اور ان کے متعلق) اور ترکمان (سیوندک اور شاہ نظیر وغیرہ) تھے) باہم سازش کر کے بغاوت کرنی چاہی تھی۔ یہ لوگ عبدالرزاق مرزا کو نیک نہار سے لے آئے تھے اور پٹھانوں کے دیہات میں خواجہ اورش کے سامنے مرغزار سیوندک و قورغان سے مرغزار چالاک تک پڑے ہوئے تھے۔ کئی دفعہ محب علی قورچی نے خلیفہ اور ملا بابا سے ان کے منصوبہ کا ذکر کیا تھا۔ مجھ سے بھی اشارہ کہہ دیا تھا۔ یقین کرنے کی بات نہ تھی۔ کسی کو بھی اس کی پروا نہ تھی۔ ایک دن میں چار باغ میں تھا۔ رات کو عشا کے بعد میرے پہلو میں سے موسیٰ خواجہ اور ایک دوسرے شخص نے جلدی جلدی آکر میرے کان میں کہا تحقیق خبر ہے کہ مغل باغی ہو گئے۔ پہلے بھی عبدالرزاق مرزا کا ان سے مل جانا میری سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اب بھی ان کا باغی ہونا میرے خیال میں نہ آیا۔ میں ٹال گیا۔ لحظہ بھر کے بعد میں محل میں گیا۔ اس وقت محل کے لوگ باغ خلوت اور باغ نور تختہ میں تھے۔ میں محل کے قریب پہنچا تھا کہ لچوں اور غنڈوں کے برگشتہ ہو جانے کا حال معلوم ہوا۔ لوگوں کے برگشتہ ہونے کے بعد میں اور غلام سردر شہر کی طرف چلے۔ خندق کے راستہ سے ہم آہنیں دروازے میں پہنچے تھے کہ بازار سے

خواجہ محمد علی آثار ساتھ ہو گیا۔

۹۱۵ھ کے واقعات

دو شنبہ کے دن محرم کی پہلی تاریخ میدان چندول کے آخر میں بھونچال آیا۔ نصف ساعت نجومی تک رہا۔ دوسرے دن ہم نے یہاں سے کوچ کیا۔ قلعہ باجور پر چڑھائی کرنے کے ارادہ سے قلعہ کے قریب خیمہ زن ہوئے۔ دلہ زاک افغانوں میں سے ایک شخص کو بچور بھیجا اور سلطان بچور سے کھلا بھیجا کہ اطاعت قبول کرو۔ اور قلعہ حوالہ کر دو۔ ان جاہلوں نے ایک نہ سنی واپسی تباہی جواب دے دیئے۔ میں نے حکم دیا کہ جال اور سیڑھیاں وغیرہ آلات قلعہ گیری درست کر لئے جائیں۔ اس نظام کے لئے ایک دن اس منزل میں ٹھہرنا پڑا۔

قلعہ باجور فتح ہوا۔ جمعرات کے دن چوتھی تاریخ حکم دیا کہ لشکر تیار ہو جائے۔ جرائدار بچور کے بالائی سمت دریا سے پار ہو کر قلعہ کے شمال میں ٹھہرے۔ قول والے شمال و مغرب کے مابین دریا سے اتر کر اونچے اونچے مقامات پر قائم ہو جائیں۔ جرائدار مغرب کی طرف دروازہ کے نیچے مقیم رہے۔ دوست بیگ اور جرائدار کے سردار جس وقت دریا سے پار ہوئے تو قلعہ سے سو سو پچاس پچاس سپاہیوں نے نکل کر تیر مارنے شروع کئے۔ ان سرداروں نے بھی تیروں کی بوچھاڑ کی۔ اور اپنے پیدل سپاہیوں کو قلعہ کی فصیل کے نیچے تک پہنچا دیا۔ عبدالملک خوستی دیوانہ وار فصیل کے نیچے پشتہ تک جا پہنچا۔ اگر سلمان قلعہ گیری تیار ہوتا تو اسی دن شام سے پہلے قلعہ فتح ہو جاتا۔ ملا ترک علی (جنگی برہمن کا نوکر) نے دشمن سے خوب مقابلہ کیا جس سے مقابلہ ہوا تھا اس کا سر کاٹ لیا۔ استاد علی قلی نے پانچ آدمی توپ سے گرائے اور گولنداز بھی دلیری کے ساتھ برابر فیر کرتے رہے۔ شام تک تقریباً ستر اسی بچوری ان توپوں سے مارے گئے۔ ہر شخص سے انعام وغیرہ کا وعدہ کیا گیا۔ شام کو میں نے حکم دیا کہ رات ہو گئی ہے۔ لشکر واپس ہوا۔ اور قلعہ گیری کا سامان درست کر کے صبح ہی قلعہ پر دھاوا کر دے۔

جمعہ کے دن پانچویں خرم کو صبح ہی نماز کے وقت حکم ہوا کہ ٹھیل جنگ سجا دو۔ اور ہر شخص اپنی جگہ سے قلعہ پر بلہ کر دے۔ حکم ہوتے ہی جرائدار اور قول اپنے

اپنے مورچوں سے اسباب قلعہ گیری لے کر قلعہ کی دیوار سے جا چکے۔ خلیفہ شاہ حسن ارغوان اور احمد یوسف کو جو قول کے دست چپ میں تھے حکم دیا کہ اپنی اپنی فوجیں لے کر جرائنغار کی مدد کرو۔ مشرق اور شمال کے مابین والے برج کے نیچے دوست بیگ کے آدمیوں نے آکر دیوار کو گرانا اور کھودنا شروع کیا۔ وہیں استاد علی قلی بھی موجود تھا۔ اس دن بھی اس نے خوب آگ برسائی۔ دو دفعہ عمدہ نشان لگائے ولی خازن نے بھی ایک آدمی کو بندوق سے مارا۔ قول کے اٹنے ہاتھ کی طرف سے ملک علی قطبی بھی میڑھی پر چڑھ گیا۔ اور بہت دیر تک لڑتا رہا۔ قول کے مورچہ سے محمد علی جنک جنک اور اس کے چھوٹے بھائی نوروز میڑھی پر چڑھ کر خوب برچھے اور تلواریں ماریں۔ بابائی بسلول اوپر چڑھ گیا۔ تیروں کا مینہ برساتا رہا۔ اور قلعہ کی دیوار توڑتا رہا۔ اکثر سپاہی اچھی طرح وہاں پہنچ گئے اور ایسے نشانے مارتے رہے کہ غنیم کو سر اٹھانے کی فرصت نہ ملی۔ کچھ سپاہی برابر قلعہ کی دیوار گراتے رہے۔ انہوں نے ذرا غنیم کے حروں اور تیروں کی پروا نہ کی۔ چاشت کا وقت تھا کہ مشرق و شمال کے بیچ والے برج کو نئے دوست بیگ کی فوج گرا رہی تھی ڈھا دیا۔ اور دوست بیگ کے لوگ غنیم کو ہٹا کر اوپر چڑھ گئے۔ عنایت الہی سے بڑا مضبوط اور پکا قلعہ دو تین گھنٹہ میں فتح ہو گیا۔ فوج کے سب سپاہیوں نے حتی المقدور بہت تن دی کی اور بڑی نیک نائی حاصل کی۔ بجور میں گھستے ہی مردوں کا قتل عام کیا گیا۔ اور ان کے بال بچے قید کر لئے گئے۔ تخمیناً "تین ہزار آدمی سے زیادہ قتل ہوئے ہوں گے۔"

فتح ہونے کے بعد میں شہر میں داخل ہوا۔ شہر کی سیر کی اور والی بجور کے مکانوں میں اترا۔ بجور کا ملک خواجہ کلاں کو عنایت کیا۔ اس کی مدد کے لئے عمدہ عمدہ دار متعین کر دیئے۔ پھر مغرب کے وقت میں لشکر میں واپس آیا۔ دوسرے دن کوچ کر کے بجور کے ایک میدان میں چشمہ بلا قرار پر ڈیرے پڑے۔ کچھ قیدی رہ گئے تھے۔ خواجہ کلاں کی سفارش سے چھوڑ دیئے گئے۔ ان کے بال بچے حوالہ کر کے ان کو رخصت دے دی۔ بعض ملکوں اور سرکشوں کو جو پکڑے گئے تھے قتل کر ڈالا۔ کچھ ملکوں کے سر اور فتح کی خبر کابل بھیجی گئے۔ بدخشاں اور پنج بھی فتح نامے معہ سروں کے روانہ کئے گئے۔ شاہ منور یوسف زئی یوسف زئی سے آکر اس موقع پر شریک ہو گیا تھا۔ خلعت اور فرمان دے کر یوسف زئی کے انتظام کے لئے اس کو رخصت کیا۔ بجور کے انتظام

سے فارغ ہو نویں تاریخ سے شنبہ کو کوچ کیا۔ کوئی کوس دو کوس چلے اور اسی میدان میں اتر پڑے۔ ایک اونچے مقام پر کلمہ پڑھا بنانے کا حکم دیا۔ چار شنبہ دسویں محرم کو سیر کرنے کے لئے سوار ہو کر میں بجور میں گیا۔ خواجہ کلاں کے مکان پر شراب کی محفل ہوئی۔ بجور کے کافر شراب اور میوے لائے تھے۔ بجور میں شراب اور میوہ کافرستان بنی سے آتا ہے۔ رات کو وہیں رہنا ہوا۔ دوسرے دن قلعہ کے برج اور فصیل کا ملاحظہ کر کے لشکر میں آگیا۔ صبح کو کوچ کر دیا۔ دریائے چندول کے کنارہ پر لشکر اترنا۔ حکم دیا کہ جو لوگ بجور کی ملک کے لئے متعین ہوئے ہیں وہ سب بجور چلے جائیں۔ ایک نہ رہے۔ اتوار کے دن چودھویں تاریخ خواجہ کلاں کو توغ عنایت کر کے بجور جانے کے لئے رخصت دی۔ اس کے جانے کے دو ایک روز بعد یہ قلعہ خیال میں آیا۔ اس کو لکھ کر خواجہ کلاں کے پاس بھیج دیا۔ قطعہ

قرار و عمدہ بیار ایں چنیں نبود مرا
گزید ہجر و مرا کرد بے قرار آخر
حسبائے زمانہ چہ چارہ سازد کس
بجور کرد جدا یار راز یار آخر

بدھ کے دن سترہویں تاریخ سلطان علاؤ الدین سوادى جو سلطان دلیس سوادى کا مخالف تھا ملازمت کے لئے حاضر ہوا۔ اٹھارہویں تاریخ کوہ مہر میں جو بجور اور چندول کے بیچ میں ہے شکار کھیلا۔ اس پہاڑ کی گلیوں اور بارہ سنگوں کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور وہ اچھا رنگ ہوتا ہے۔ شاید اس پہاڑ کے نیچے ملک ہندوستان میں بارہ سنگے اور گائیں کالی ہی ہوتی ہیں۔ آج ہی ایک ساریق زس کا شکار ہوا۔ وہ بھی کالا تھا۔ آج ہی ایک کالا ہرن یور کوٹ نے پکڑا۔ لشکر میں غلہ کی کمی ہو گئی تھی۔ درہ کھراج میں سے لوگوں نے غلہ لیا۔

سوادى کی طرف چلے۔ یوسف زئی پر چڑھائی کرنے کے قصد سے سوادى کی طرف جمعہ کے دن کوچ کیا۔ جہاں دریائے چندول، دریائے بجور اور دریائے پنج کوڑہ ملتے ہیں وہاں اترنا ہوا۔ شاہ منصور یوسف زئی چند کمالی بہت عمدہ مزے کی لے کر آیا۔ ایک کمالی کے میں نے کئی حصے کئے۔ ایک حصہ میں نے کھایا۔ ایک حصہ اگوائی طفائی نے اور ایک حصہ عبداللہ کتابدار نے کھایا۔ اسی پر سب نے اکتفا کیا۔ اس وقت جو شام ہو گئی تھی تو

امراء سے مشورہ کرنے کے لئے بھی نہ نکل سکتا تھا۔ یہ عجیب کھانا تھا۔ اگر اس قسم کی کھانی اب ساری کھا جائیں تو معلوم نہیں کہ اس سے آدھا مزہ بھی آئے یا نہ آئے۔ یہاں سے چلے اور درہ کھراج و درہ پیش کرام کے دہانہ پر پنج کوزہ کے قریب فروکش ہوئے۔ ہم اسی مقام پر تھے جو برف پڑی۔ ان دنوں میں کبھی کبھار برف پڑتی ہے۔ اس برف باری پر لوگ تعجب کرتے تھے۔ سلطان اولیس سواری کی اتفاق رائے سے لشکر کے لئے کھراج والوں سے چار ہزار خردار چاول لینے تجویز ہوئے۔ اس غلہ کی تحصیل کے لئے سلطان اولیس سوادی کو بھیجا۔ ان گاؤں والوں اور پہاڑیوں نے اتنا غلہ کبھی نہ دیا تھا۔ اب بھی دینا گوارا نہ کیا۔ اور اپنے اپنے گھر چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔ منگل کے دن تیسویں تاریخ ہندوبیک کو کچھ فوج کے ہمراہ پنج کوزہ کی مہم پر بھیجا۔ پنج کوزہ کمر کوہ سے کچھ اونچا ہے۔ کوس بھر کے قریب پہاڑ کی اونچائی سے ملے ملے جائیں تو پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں والے بھاگ گئے تھے۔ کسی قدر ان کی بھیڑ بکریاں، گایوں کے ریوڑ اور غلہ لے آئے۔ دوسرے دن قوچ بیک کے ساتھ فوج بھیجی گئی۔ جمعرات کے دن چھیسویں تاریخ درہ کھراج کے موضع بایند بس میں غلہ لینے کے لئے لشکر اترا۔

اسی سال میں ہمایوں کے بعد کئی بچے اور پیدا ہوئے مگر گذر گئے۔ ہندال ابھی پیدا نہ ہوا تھا۔ میں اسی نواح میں تھا کہ ماہم کے پاس سے خط آیا۔ لکھتی ہے کہ بیٹا ہو یا بیٹی جو ہو میری قسمت سے جیتا جاگتا ہو۔ اور مجھے اس کا پالنا نصیب ہو۔ جمعہ تھیسویں تاریخ اسی منزل میں ہندال کا نام اور خطوط لکھ کر یوسف علی رکباد کے ہاتھ پہنچا۔ روانہ کئے۔ ابھی ہندال نہ ہوا تھا یہیں درہ میں اوپ کی جانب ایک اتنا بڑا چبوترہ تیار کرایا جس کے پنج میں مکان بن جائے۔ اس چبوترے کے لئے تمام مصاحبوں اور سپاہیوں نے پتھر لا کر جمع کئے۔ یوسف زئی پٹھانوں میں سے ملک شاہ منصور ملک سلیمان شاہ حاضر ہوا اور اس نے اظہار دولت خوانی کیا۔ یوسف زئی قوم کے میل جول کے نیال سے اس کی بیٹی کی خواست گاری کی گئی۔ شام کو شراب نوشی کا جلسہ منعقد ہوا۔ سلطان علاؤ الدین کو بھی اس میں شریک کیا۔ اس کو خلعت وغیرہ بھی عطا کیا۔ تھامیسویں تاریخ اتوار کے دن درہ کھراج سے باہر ہوئے۔ طاؤس خاں یوسف زئی شاہ منصور کا بھائی اپنی بھتیجی کو اس منزل میں لایا۔ چونکہ ہست لوگ بجور ہی سے متعلق تھے اس لئے یہاں سے یوسف علی بکاول کو بھیجا گیا کہ ان کو بجور میں لے کر آئے۔ جو

الشکر کابل میں تھا اس کو لکھا گیا کہ یہاں آجائے۔ جمعہ کے دن صفر کی تیسری تاریخ وہاں اترے جہاں دریائے بچور اور دریائے پنج کوزہ ملتے ہیں۔ اتوار کے دن پانچویں کو یہاں سے میں بچور گیا۔ خواجہ کلاں کے ہاں شراب نوشی کا جلسہ ہوا۔

منگل کے دن ساتویں کو امراء اور دلہ زاک افغانوں سے مشورت کی۔ یہ بات قرار پائی کہ سال آخر ہو گیا ہے حوت کے دو دن رہ گئے ہیں۔ جو غلہ کٹا تھا اس کو کاشت کار اٹھالے گئے ہوں گے۔ اس موسم میں اگر سوا چلیں گے تو غلہ نہ میسر آنے سے لشکر کو بڑی تکلیف ہوگی۔ اینائی اور پانی بالی کی راہ سے ہوتے ہوئے ہشنفر کے کنارہ کے اوپر کی طرف دریائے سوا سے پار ہو سکنا ہو رانی یوسف زئی کے سامنے ان یوسف زئی اور محمد زئی پٹھانوں پر جو جنگل اور میدان میں پڑے ہوئے ہیں دفعہ ” چڑھائی کرنی چاہئے۔ آئندہ سال میں غلہ تیار ہونے کے موقع پر یہاں والوں کی خبر لے نیں گے۔ یہی بات ٹھہرا کر دوسرے دن چار شنبہ کو سلطان ولس۔ سلطان علی اور سلطان علاؤ الدین کو گھوڑے اور خلعت وغیرہ عنایت کر کے اور ان کی دل جوئی کر کے ان کو رخصت کیا۔ ہم وہاں سے کوچ کر کے بچور کے سامنے اترے۔ شاہ منصور کی بیٹی کو واپس آنے تک یہیں ٹھہرایا۔ دوسرے دن یہاں سے چلے۔ اور خواجہ خضر میں فروکش ہوئے۔ اس مقام سے خواجہ کلاں کو رخصت کیا۔ ہمیر اور بھاری اسباب کو کوزہ کے راستہ سے لغمان بھیجنے کی تجویز کی۔ دوسرے دن کوچ کر دیا گیا۔ بھاری اسباب اور اونٹوں کو خواجہ میراں کے ہمراہ خور غالتو۔ دروازہ کو قتل قراکوہ کے راستہ سے چلتا کیا۔ اور ہم جریدہ سواروں کو ساتھ لے کر قتل انبالہ سے ہوتے ہوئے اور ایک اور پہاڑ سے۔ نکل عصر کی نماز کے بعد جھٹ پٹے کے وقت پانی بالی میں آگئے۔ اوغان بردی کو پہچ آدمیوں کے ساتھ سن گمن لینے آگے بھیجا۔ ہم میں اور افغانوں میں بہت فاصلہ تھا۔ اس واسطے رات کو ہم نے کوچ نہ کیا۔ چاشت کے وقت اوغان بردی آیا۔ ایک افغان کو پکڑ کر اس کا سر کاٹ لایا۔ مکر راستے میں گر پڑا۔ جو دل چاہتا تھا وہ خبر لے آیا۔

دوپہر کو ہم نے کوچ کر دیا۔ دریائے سوا سے پار ہو عصر سے پہلے منزل پر پہنچے۔ اترے۔ عشاء کی نماز کے وقت چل اٹکے اور قدم اٹھائے ہوئے چلے۔ آفتاب ایک تیرہ بلند ہو گا کہ رسم ترکمان جو قراولی کے لئے بھیجا گیا تھا آیا۔ اس نے بیان کیا کہ افغانوں کو خبر ہو گئی۔ وہ ہر طرف منتشر ہو گئے ہیں اور ان کا ایک گروہ پہاڑ پر چڑھ رہا ہے۔

یہ سنتے ہی ہم نے قدم بڑھایا۔ فوج کا ایک دستہ آگے روانہ کیا۔ جس نے افغانوں کو جا لیا۔ کچھ افغانوں کو مار کر ان کے سر کاٹ لئے۔ بہت سوں کو پکڑ لیا۔ اور ان کے ریوڑ بھی گھیر لئے۔ دلہ زاک افغان بھی کئی کے سر کاٹ لئے۔ وہاں سے پلٹ کر ہم کاٹنگ کی نواح میں آئے۔ خواجہ میر میراں بہیر وغیرہ کو دوسری طرف سے لے آتا تھا۔ اس کے پاس آدمی بھیجا کہ مقام پر آکر ہم سے ملے۔ دوسرے دن کوچ کر دیا۔ بلایک کے راستہ سے مقام میں اترے۔ شاہ منصور کا آدمی آیا۔ خسرو کو کلتاش اور احمدی پروانچی کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ اس کے پاس بھیج دیا۔ سہ شنبہ چودہویں تاریخ جس وقت ہم ارک میں آئے اس وقت وہ آکر ہم سے ملے۔ تیس چالیس برس ہوئے کہ شہباز نامی ایک فقیر ملہ تھا۔ اس نے یوسف زئی اور دلہ زاک کے کچھ لوگوں کو ملہ بنا دیا تھا۔ یہیں پہاڑ کے قریب ایک پہاڑی ہے بہت ہی پر فضا اور خوش منظر۔ اتنی اونچی ہے کہ تمام جنگل اس پر سے نظر آتا ہے۔ اس پر شہباز قلندر مذکور کی قبر ہے۔ اس مقام کی میں نے سیر کی۔ دل میں آیا کہ ایسی عمدہ جگہ ایسے ملہ کی قبر بد ذیب ہے۔ میں نے حکم دیا کہ اس قبر کو ڈھا کر برابر کر دو۔ چونکہ بہت ہی صاف اور ہوادار مقام تھا اس لئے یہاں معجون کھائی اور تھوڑی دیر یہیں بیٹھے رہے۔

بجور سے بہیرہ جانے کا خیال تھا۔ اصل یہ ہے کہ جب سے میں کابل میں آیا تھا ہندوستان کی یورش کی مجھے دھن لگی ہوئی تھی۔ مگر بعض موانع سے یہ خیال پورا نہ ہوا تھا۔ تین چار مہینے لشکر بجور کے علاقہ میں پھرتا رہا۔ مگر اہل لشکر کو کچھ اچھی طرح ہاتھ نہ لگا اور چونکہ بہیرہ خود ہندوستان کا دروازہ ہے وہ قریب تھا اس لئے ارادہ ہوا کہ آج جریہ ہی سے اڑھ چلے چلیں۔ امید ہے کہ اہل لشکر کے ہاتھ کچھ نہ کچھ لگ جائے۔ اس خیال سے واپس ہو افغانوں کو جا مارا۔ مقام میں اترنے کے بعد بعض دولت خواہوں نے عرض کیا کہ اگر ہندوستان چلنے کا ہم قصد کریں تو پورا سالمان کر کے چلنا چاہئے۔ اس وقت بہت سی فوج تو کابل میں ہے۔ کچھ لوگ بجور میں چھوڑ دیئے گئے ہیں بہت سا لشکر گھوڑوں کے ناکارہ ہونے سے لمغان چلا گیا ہے۔ جو لوگ ساتھ ہیں ان کے گھوڑے بھی ایسے تھک گئے ہیں کہ ایک دن کی دوڑ کے قابل نہیں رہے بے شک یہ باتیں معقول تھیں۔ لیکن ارادہ کر لیا تھا۔ ان باتوں کی کچھ پروا نہ کی۔ صبح ہی اندھیرے منہ دریائے سندھ کے گھاٹ کی طرف رخ کر دیا۔ میر محمد جالہ بان کو معہ اس

کے بھائیوں کے اور چند سپاہیوں کے دریا کے ادھر ادھر گھاٹ دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔

لشکر کو دریا کی جانب روانہ کر کے آپ سواتی کی طرف جس کو کرک خانہ کہتے ہیں شکار کھیلنے چلا گیا۔ کئی کرک دکھائی دئے۔ لیکن ان کا جنگل بہت وسیع تھا۔ اس سبب سے وہ باہر نہ نکلے۔ ایک بچہ والی مادہ میدان میں آئی۔ اور بھاگی۔ اس پر تیروں کی بوچھاڑ پڑ گئی۔ چونکہ اس کا جنگل قریب تھا اس لئے اس میں گھس گئی۔ جنگل میں آگ لگا دی گئی۔ وہ بھاگی ہوئی تو نہ ملی۔ ایک اور کرک نظر آیا۔ آگ میں جلا ہوا پڑا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ اسی کو ذبح کر کے ہر ایک نے حصہ لیا۔ سواتی سے پلٹتے وقت بڑی سرگردانی اٹھا کر عشاء کے وقت ہم باہر نکلے۔ جن کو گھاٹ دیکھنے بھیجا تھا وہ دیکھ کر آگئے تھے۔ دوسرے دن جمعرات کی سولہویں تاریخ گھوڑوں اونٹوں اور پرقل نے گھاٹ سے عبور کیا۔ لشکر کے پیدلوں اور اہل بازار کو جالہ کے ذریعہ سے اتارا آج ہی نیلاب والے سر راہ حاضر ہوئے۔ ایک گھوڑا حکم دار اور تین سے شاہرنی پیش کش لائے۔ دریا سے اترتے ہی ظہر کے وقت سب آگے چلے۔ پھر رات گئے تک کچھ کوٹ کے دریا کے پاس آن پڑے۔ وہاں سے دھندلکے میں چل کھڑے ہوئے دریائے کچھ کوٹ سے پار سکندا کے پہاڑ سے ٹکل کر مقام کیا۔ قاسم ایٹک آغا چاند اول تھا۔ کچھ کو دور لوگ جو لشکر کے پیچھے لگے آتے تھے ان کو پکڑ لیا اور ان میں سے بعض کے سر کاٹ لایا۔ صبح ہی سکندا کی سے کوچ ہوا اور ظہر کے وقت دریائے سوہان سے پار جا اترے۔ لشکر کے پیچھے لوگ آدھی رات تک آئے۔ منزل ذرا کڑی تھی۔ گھوڑوں کے تھک جانے ہی کا موقع تھا۔ چلتے چلتے اکثر گھوڑے بیکار ہو گئے تھے۔

بمیرہ سے سات کوس شمال کی طرف ایک پہاڑ ہے اس کو ظفر نامہ وغیرہ کتب تاریخ میں کوہ جودہ لکھا ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ معلوم نہ تھی۔ اب معلوم ہوا کہ اس پہاڑ کے لوگ ایک دادا کی اولاد ہیں۔ ان میں دو قومیں ہیں۔ ایک کا نام جودہ ہے۔ دوسری کا نام جنجوبہ۔ اس پہاڑ پر اور نیلاب و بمیرہ میں جو قومیں آباد ہیں ان پر جنجوبہ قوم قدیم سے حکومت کرتی چلی آئی ہے۔ طرز حکومت دوستانہ اور برادرانہ ہے۔ حاکموں کا جو دل چاہتا ہے وہ نہیں کر سکتے یا نہیں لے سکتے۔ مال گزاری کی رقم بالمقطع ابتدا میں مقرر کر دی ہے۔ اس رقم مقررہ سے زیادہ نہ دینے والے دیتے ہیں نہ لینے

والے لے سکتے ہیں۔ وہ رقم فی گھر ایک شاہری ہے۔ شادی کے موقع پر سپاہیوں کو سات شاہریاں دی جاتی ہیں۔ جوہ کی بھی کئی شاخص ہیں اور جنجوبہ کی بھی۔ یہ پہاڑ جو بہیرہ سے سات کوس ہے کوستان کشمیر (کوستان کشمیر اور کوہ ہندوکش دوسری طرف واقع ہے) سے الگ ہو کر جنوب و مغرب کے بیچ میں ہوتا ہوا دینکوت کے نیچے دریائے سندھ پر ختم ہوتا ہے۔ آدھے پہاڑ میں قوم جوہ آباد ہے اور آدھے پہاڑ میں جنجوبہ مگر جوہ ہی کے نام سے منسوب ہو کر کوہ جوہ کہلاتا ہے۔ ان کے سب سے بڑے سردار کو رائے کہتے ہیں۔ اور اس کے بھائی بیٹوں کو ملک۔ یہ قوم جنجوبہ لشکر خان کی انھیال ہے۔

دریائے سوہان کی نواح میں جو قومیں ہیں ان کے حاکم کا نام ملک ہست تھا۔ (اصل میں تو اس کا نام اسد تھا۔ ہندوستانی کبھی ایسے متحرک حرف کو ساکن کر دیتے ہیں اس سبب سے ہست کو اسد کہنے لگے۔ جیسے خبر کو خبر کہتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ ہست ہو گیا) یہاں پہنچتے ہی لشکر خاں کو ملک ہست کے لانے کے لئے بھیجا گیا۔ وہ فوراً دہلی گیا اور اس کو میری عنایت و مہربانی کا امیدوار کر کے عشاء کے وقت ساتھ لے کر آیا۔ ہست نے ایک گھوڑا مع سلمان نذر کیا۔ اور ملازمت حاصل کی۔ اس کی عمر بائیس تیس برس کی ہو گی۔ ان لوگوں کے مویشیوں کے ریوڑ لشکر کے اوہر اوہر بہت تھے۔ مجھ کو تو مدت سے ہندوستان لینے کا خیال تھا۔ یہ قطعہ ملک جس میں بہیرہ۔ خوشاب۔ پنجاب اور جینوت شامل ہے مدتوں ترکوں کے قبضہ میں رہا ہے۔ اس کو ہم اپنی ہی ملکیت تصور کئے ہوئے ہیں۔ اور مجھے یقین تھا کہ خواہ بزور شمشیر خواہ بطریق صلح ہم اس کو لیں گے اور ضرور لیں گے اس وجہ سے ان پہاڑیوں کے ساتھ عمدہ سلوک کرنا لازم تھا۔ میں نے حکم دیا کہ ان کی ایک بھیڑ بلکہ رسی کے ٹکڑے اور ٹوٹی ہوئی سوئی کو ذی کوئی نگاہ بھر کے نہ دیکھے۔ اور ان کو نقصان نہ پہنچائے۔ یہاں سے چلے اور ظہر کے وقت کلدہ کنار میں اترے۔

یہاں چاروں طرف خویہ کے کھیت کے کھیت تھے۔ یہ مقام قاتل دید ہے۔ اس سے دس کوس کے فاصلہ پر پہاڑ میں ایک ہموار قطعہ ہے۔ اسی میدان میں ایک سدھ جگہ بڑا تالاب ہے۔ گرد کے پہاڑوں اور بارش کا پانی یہاں جمع ہوتا ہے۔ اس تالاب کے گرد اولاً تقریباً تین کوس کا ہو گا۔ مرغزار کے شمال میں ایک ندی ہے۔ اس

کے مغرب میں دامن کوہ ہے۔ اور اس میں ایک چشمہ ہے۔ اس چشمہ کا پانی ان بلندیوں پر جو تلاب کے اوپر ہیں ٹھہرا رہتا ہے چونکہ جگہ عمدہ تھی اس لئے میں نے یہاں باغ تیار کرایا۔ اس کا نام باغ صفا رکھا۔ یہ باغ ہواوار اور صاف مقام پر بنا۔ اس کا مفصل حال آگے بیان ہو گا۔ کلدہ کنارے ہم صبح ہی روانہ ہوئے۔ پہاڑ پر کئی جگہ لوگ حاضر ہوئے اور مختصر مختصر پیش کشیں انہوں نے پیش کیں۔ ان آنے والوں کو عبدالرحیم شہاؤل کے ہمراہ کر کے بمیرے بھیجا اور بمیرے والوں سے کہلا بھیجا کہ تم ڈرو نہیں۔ ہر طرح سے مطمئن رہو۔ یہ ملک قدیم سے ترکوں کے تحت میں رہا ہے۔ تم لوگ منتشر نہ ہو۔ ہم کو اس ملک اور اہل ملک کا خیال ہے۔ یہاں کیل کا کھانا ہو گا۔

چاشت کے وقت پہاڑ کے نیچے لشکر کے ڈیرے ہوئے۔ قریان حرجی اور عبدالملک ہستی کو سات آٹھ آدمیوں سمیت خبر دریافت کرنے کے لئے آگے روانہ کیا۔ ان آگے جانے والوں میں سے محمد مہدی خواجہ ایک شخص کو لایا۔ اسی اثناء میں افغانوں کے کئی سردار معہ پیش کش حاضر ہو کر باریاب ہوئے۔ ان کو لشکر خاں کے ساتھ بمیرے والوں کے پاس بھیج دیا۔ پہاڑ اور جنگل سے نکل براغفار، جراغفار، قول اور سیالو درست کر کے بمیرے کی طرف ہم چلے۔ بمیرے کے نزدیک جب ہم پہنچے تو دولت خاں یوسف خیل کا بیٹا علی خاں اور دیوہ ہندو وغیرہ بمیرے سے آکر شرف یاب ملازمت ہوئے۔ ظہر کا وقت تھا کہ دریائے ہست کے کنارہ پر بمیرہ کے مشرق میں بغیر اس کے کہ بمیرہ والوں سے کچھ تعرض کیا ہو ایک سرسبز مقام پر جا اترے جب بمیرہ تیمور صاحب قراں ہندوستان میں آئے ہیں اور چلے گئے ہیں تو یہ کئی علاقے بمیرہ، خوشاب، چناب اور چنڈیت صاحب قراں اور ان کی اولاد کے قبضہ میں رہے۔ سلطان مسعود مرزا (سیور غنمش کا بیٹا اور شاہرخ مرزا کا پوتا) جب کابل و زابل کا بادشاہ ہو تو (اسی سبب سے اس کو سلطان مسعود کابلی کہتے ہیں) اس کے امراء میں میر علی بیگ کے کئی بیٹے بلیا کابلی دریا خاں اور اباقل خاں (جس کا لقب آخر میں غازی خاں ہو گیا) ان علاقوں کے حاکم رہے۔ سلطان مسعود مرزا اور اس کے بیٹے علی اصغر مرزا کے بعد نامی خاں کابل۔ زابل اور ان علاقوں کو دیا بیٹھا۔ ۹۱۰ھ میں جو میں کابل آیا اور ہندوستان لینے کے خیال سے براستہ خیبر پشاور میں آگیا۔ اور باقی چغتایانی کے کہنے سے ملک بخت

کی طرف جا کر وہاں کے افغانوں اور ہنود کو تاخت و تاراج کرتا ہوا دکھ کے مقام سے چلا گیا تھا تو اس زمانہ میں بمیرہ خوشاب اور چناب کا حاکم سید علی خاں (غازی خاں کا بیٹا) میر علی بیگ کا پوتا تھا۔ وہ سکندر بملول کے نام کا خطبہ پڑھواتا تھا اور اسی کا مطیع تھا۔ میرے آنے سے ڈر کر بمیرے کو اس نے چھوڑ دیا اور دریائے بہت کے پار مقام شیرکوٹ میں (جو بمیرہ کا ایک موضع ہے) وہ جا بیٹھا۔

اس کے ایک دو سال کے بعد افغان میرے طرف دار ہو کر سید علی سے بگڑ گئے۔ وہ بھی اس سبب سے بہت ڈرا۔ آخر اس نے اس ملک ہی کو چھوڑ دیا۔ دولت خاں ولد تاتار خاں یوسف خیل ان دنوں میں حاکم لاہور تھا۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے علی خاں کو دے دیا تھا۔ وہی اس زمانہ میں بمیرے کا حاکم تھا۔ تاتار خاں (دولت خاں کا باپ) ان چھ سات سرداروں میں سے ہے جنہوں نے خروج کر کے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ اور بملول کو بادشاہ کر دیا تھا۔ دریائے ستلج کے شمالی اضلاع اور سرہند پر تاتار خاں قابض تھا۔ اس ملک کی آمدنی تین کروڑ سے زیادہ تھی۔ تاتار خاں کے مرنے کے بعد سلطان سکندر نے اپنے عہد سلطنت میں یہ ملک تاتار خاں کی اولاد سے لے لیا۔ اور کابل میں میرے آنے سے دو برس پہلے صرف ایک لاکھ دولت خاں کو دے دیا۔ دوسرے دن بعض مقاموں میں جہاں مناسب تھا فوج کے دستے روانہ کئے گئے۔ اسی دن میں نے بمیرے کی سیر کی۔ لشکر خاں جنجوعہ بھی آج ہی آیا۔ ایک گھوڑا اس نے نذر کیا۔ اور ملازمت سے مشرف ہوا۔ بانیسویں تاریخ جمعرات کے بمیرے کے چودہریوں اور اکابر کو بلایا۔ چار لاکھ شاہرنی محصول قرار دے کر تحصیل دار مقرر کر دیئے۔ اس کے بعد سوار ہوا۔ کشتی میں بیٹھ کر معجون کا شغل کیا۔ اور سیر کرتا ہوا روانہ ہوا۔

حیدر عہددار کو ان بلوچوں کے پاس بھیجا جو بمیرے اور خوشاب کے علاقہ میں تھے۔ دوسرے دن جمعرات کو وہ لوگ حاضر ہوئے اور ایک تپتاق گل باوای پیش کش کئے۔ اتنے میں لوگوں نے عرض کی کہ کچھ سپاہیوں نے بمیرے والوں کو ستایا ہے اور ان پر ہاتھ ڈالا ہے۔ فوراً ان سپاہیوں کو گرفتار کر کے بعض کو سزائے موت کا حکم دیا اور بعض کی ناکیں کٹوا کر تشہیر کرایا۔ اس ملک کو تو ہم اپنا ہی جانتے تھے۔ اس وجہ سے اس کو بالکل محفوظ و مامون رکھا۔ یہاں والوں نے بھی کہا کہ اگر بطریق مصالحت و ربار دہلی میں پیغام بھیجا جائے تو جو ملک ترکوں کا ہے وہ اس پر دعویٰ نہیں کرنے کے۔

اس لئے ملا مرشد کو اپنی مقرر کیا۔ اور سلطان ابراہیم (پانچ چھ مہینے ہوئے تھے کہ اس کا باپ مر گیا تھا۔ اور وہ ہندوستان کا بادشاہ ہو گیا تھا) اس کے پاس بھیجا۔ اور جتنا ملک قدیم سے ترکوں کا تھا اس کا دعویٰ کیا۔ جو خطوط دولت خاں اور سلطان ابراہیم کے نام لکھے تھے وہ ملا مذکور کے حوالے کئے۔ کچھ زبانی بھی کہہ دیا اور اس کو رخصت کیا۔ ہندوستانی خصوصاً "پٹھان بیوقوف ہوتے ہیں۔ نہ دشمنی کی لیاقت رکھتے ہیں۔ نہ دوستی کی راہ رسم برت سکتے ہیں۔ نہ مقابلے میں ٹھہرنے کی تاب رکھتے ہیں۔ نہ بھاگنے کا انداز جانتے ہیں۔ ہمارے اپنی کو عرصہ تک دولت خاں نے لاہور میں ٹھہرائے رکھا۔ نہ تو آپ اس سے ملا نہ اس کو ابراہیم کے پاس بھیج دیا۔ اس بیچارے کی جب کسی نے بات نہ پوچھی اور اس کو کوئی جواب نہ ملا تو کچھ دن بعد وہ کلہل میں چلا آیا۔

جمعہ کے دن خوشاب والوں کی عرض داشت آئی۔ شاہ حسین بن شاہ شجاع ارغون خوشاب جانے پر معین ہوا۔ ہفتہ کے دن پچیسویں تاریخ شاہ حسین خوشاب بھیجا گیا۔ اتوار کو ایسا مینہ برسا کہ سارے جنگل میں جل تھل بھر گئے۔ بہیرے میں ان پہاڑوں کے نیچے جہاں ہمارا لشکر پڑا ہوا تھا ایک چھوٹی سی ندی تھی۔ ظہر کے وقت تک اس کا پاٹ بڑے دریا کے برابر ہو گیا۔ پہلے بہیرے کے قریب گز بھر سے زیادہ پات نہ تھا۔ اب تیر کر جانے کے قابل ہو گیا تیسرے پہر کو میں بھی سیر کرنے گیا۔ اس قدر ہوا اور بارش تھی کہ لشکر میں واپس آنے تک میں گھبرا گیا۔ اسی دریا میں تیر کر ہم آئے۔ اہل لشکر کا بہت ہی پتلا حال ہوا۔ بہتوں نے اپنے ڈیرے چھوڑ دیئے۔ اپنے ہتھیار اور سامان کندھے پر ڈال ننگی پیٹھ کے گھوڑوں پر سوار ہو تیر کر نکل گئے۔ تمام جنگل میں پانی ہی پانی تھا۔ دوسرے اوگ کشتیاں لے آئے۔ بہت سوں نے اپنے خیموں اور اسباب کو کشتیوں میں لا دیا کر پار اتار دیا۔ مغرب کے وقت تک لشکر والوں نے کوس بھر اوپر کے رخ جا کر اترنے کا موقع پایا۔ لوگ وہیں سے پار ہو قلعہ میں جس کو جہاں نما کہتے ہیں جا اترے۔ ایک روز وہاں ٹھہرے۔ دوسرے دن مینہ اور رو کے خیال سے ان بلند مقاموں پر جو بہیرے کے شمال میں ہیں ڈیرے ڈالے۔

بہیرے وغیرہ کا انتظام تھا۔ جو محصول مقرر کیا گیا تھا اس کے دینے میں رعایا نے چر چر کی۔ اس کا یہ انتظام کیا کہ ملک کو چار سرکاروں پر منقسم کیا۔ ایک سرکار پر خلیفہ کو دوسری پر قوج بیگ کو۔ تیسری پر دوست ناصر بیگ کو۔ چوتھی پر سید قاسم اور محب علی

کو مقرر کیا۔ اور ان امراء کو حکم دیا کہ انتظام کر کے روپیہ داخل کرو۔

ہندال کی پیدائش :- جمعہ کے دن دوسری شعبان کو شیبان پیادہ اور درویش علی پیادہ (جو اب بندوہی ہے) ہندال کے پیدا ہونے کی خبر لائے۔ چونکہ اس تسخیر ہند کے موقع پر یہ خبر آئی اس لئے بطریق شگون مولود کا نام ہندال رکھا۔ فمبر بیگ بھی بلخ سے محمد زمان مرزا کی عرضی لایا۔ دوسرے دن دربار برخواست کرنے کے بعد سیر کے لئے کشتی میں سوار ہوا۔ شراب کا دور چلا۔ اہل مجلس خواجہ دوست خاند، خسرو میرم۔ مرزا قلی۔ محمدی۔ احمدی۔ کدائی۔ لقمان۔ لشکر خان۔ قاسم علی تریاکی۔ یوسف علی اور شکر قلی تھے۔ کشتی کے سرے پر ایک پٹا ہوا دالان تھا۔ اس کی چھت ہموار تھی۔ میں چند مصاحبوں کے ساتھ اسی پر بیٹھا تھا۔ کچھ لوگ نیچے دالان میں تھے۔ کشتی کے دہانہ کی طرف بھی بیٹھنے کی جگہ تھی۔ محمد۔ کدائی اور لقمان وہاں بیٹھے تھے۔ عصر کے وقت تک شراب کا شغل رہا۔ پھر اس سے دل بھر گیا تو مجھ کو کھائی گئی۔ کشتی والوں کو معلوم نہ ہوا کہ میں نے مجھ کو کھائی ہے۔ وہ یہی جانتے تھے کہ شراب پی رہے ہیں۔ عشاء کے وقت اندھیرے میں کشتی سے اتر کر ہم لشکر میں آئے۔ محمدیم اور کدائی یہی خیال کر کے کہ میں نے صرف شراب ہی پی ہے شائستہ خدمت کرنے پر آمادہ ہوئے۔ شراب کی ایک ٹھلیا باری باری سے گھوڑوں پر رکھ کے کچھ عجب خوشی اور اتراہٹ کے ساتھ لے کر آئے۔ اور کہنے لگے کہ اس اندھیری رات میں ہم باری باری سے اٹھا کے لائے ہیں۔ مگر انہوں نے دیکھا کہ صحبت کا اور رنگ نہ۔ کچھ مجبونی ہیں اور کچھ شراب سے متوالے ہیں۔ مجبونی اور شرابی کی ذرا نہیں بنتی۔ اس سبب سے وہ بہت شرمندہ ہوئے۔ میں نے کہا کہ یہ بات کچھ نہیں۔ جلسہ کا مزہ کر کرنا نہ کرو۔ جس کا دل شراب پینے کو چاہے وہ شراب پئے جس کا دل مجھ کو کھانے کو چاہے وہ مجھ کو کھائے۔ کوئی کسی سے الجھے نہیں۔ اس کہنے سے کسی نے شراب پی اور کسی نے مجھ کو استمال کیا۔ تھوڑی دیر تک یہ جلسہ رہا۔

بابا جان کشتی میں ہی تھا۔ جب ہم خانہ سفید میں آئے تو اس کو بلایا۔ اس نے شراب مانگی۔ ترددی محمد قیماق کو بھی بلایا۔ ان کو مستوں نے شریک صحبت کیا۔ معجزیوں اور شرابیوں کی تو بنتی نہیں۔ شرابیوں نے واپسی تباہی بکنا شروع کی۔ یہ لوگ مجبونی اور مجبونیوں پر منہ آنے لگے۔ بابا خان بھی نشہ میں بہک رہا تھا۔ ترددی محمد کو بھی

گلاس پر گلاس پلا کر مستوں نے بے سدھ کر دیا۔ میں نے بہت چلا کہ سنبھالوں مگر نہ سنبھل سکا۔ بڑی دھند مچی۔ جلسہ مٹی ہو گیا سب متفرق ہو گئے۔ پیر کے دن پانچویں تاریخ بمبیرہ ہندو بیگ کے سپرد کیا اور حسین انکراک کو چناب کا حاکم کیا۔ حسین انکراک اور چناب والوں کو رخصت دی گئی۔ انہی دنوں میں منوچر خاں جب مجھے اطلاع دے کر ہندوستان سے چلا اور اوپر کے راستے سے آنے لگا تو تاتار خاں کھکر سے اس کی ملاقات ہوئی۔ اس نے اسے روک لیا۔ اور اپنی بیٹی سے اس کی شادی کر دی۔ چند روز منوچر خاں وہاں رہا۔ پھر میرے پاس چلا آیا۔ نیلاب و بمبیرہ کے بیچ میں جو پہاڑ کشمیر کے پہاڑوں سے ملے ہوئے ہیں ان میں قوم جوہہ اور جنجوبہ کے علاوہ جت اور کجور کی قومیں بھی آباد ہیں۔ انہوں نے ہر پشتہ اور درہ میں اپنے گاؤں بسائے ہیں۔ ان قوموں کا حاکم کھکر ہے ان کی طرز حکومت جوہہ اور جنجوبہ کی سی ہے۔ اس زمانہ میں اس دامن کوہ کی حکومت تاتار کھکر اور ہائی کھکر سے متعلق تھی۔ یہ دونوں ایک دوا کی اولاد اور باہم چچیرے ہوتے تھے۔ ٹیلوں اور کھٹوں میں ان کے مقامات تھے۔ جو بہت ہی مستحکم تھے۔ تاتار کی ریاست گاہ پر ہال تھا۔ یہ ملک برخان کے پہاڑ سے بہت ہی نیچے واقع ہے۔ ہائی کا علاقہ پہاڑ سے ملا ہوا ہے۔ مقام کنجرزا بابو خان کے تحت میں تھا۔ اس کو بھی ہائی نے چھین لیا تھا۔ تاتار کھکر دولت خاں سے مل کر کسی قدر اس کا مطیع ہو گیا تھا۔ ہائی اس سے نہ ملا تھا۔ اور برسرِ فساد تھا۔ امرائے ہند کی بل پر اور ان کے کہنے سے تاتار ہائی کے مقابلہ میں پڑا ہوا تھا۔ مگر دور دور تھا۔ اس زمانہ میں جبکہ ہم بمبیرہ میں تھے ایک بہانہ سے ہائی عین غفلت میں تاتار پر جا پڑا۔ اس کو قتل کیا۔ اور اس کا خزانہ اور مال اسباب لے لیا۔

ظہر کے وقت میں سیر کرنے کشتی میں سوار ہوا۔ شراب کا شغل شروع ہوا۔ اہل بزم یہ لوگ تھے۔ دوست بیگ۔ مرزا قلی۔ احمدی۔ کدائی۔ محمد علی جنک۔ بہک عس افغان اور نزدی مغل۔ گویوں میں سے روح دم۔ بابا خان۔ قاسم علی۔ یوسف علی۔ شیکری قلی۔ ابو القاسم اور رمضان لولی تھے۔ شام تک ساغر کا دور چلتا رہا۔ مشاء کے وقت دمت بنے ہوئے تھے جو کشتی سے اتر کر سوار ہوئے۔ مشعل میں نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ دریا کے کنارہ سے لشکر تک کبھی گھوڑا ادھر ڈالتا تھا کبھی اعر۔ غرض لڑکھاتا ہوا آیا۔ میں نشہ میں اتنا پورا تھا کہ مجھے ذرا خبر نہ تھی۔ صبح کو جو رات کا

یہ حال مجھ سے بیان کیا تو باور نہ آیا۔ مکان پر آتے ہی میں نے کئی بار قے کی۔ جمعہ کے دن سیر کے لئے سوار ہوا۔ کشتی میں بیٹھ کر پار گیا اس جانب کے باغوں۔ پھلواری اور سُنوں کے کھیتوں کی سیر کی۔ ان کے ڈول اور ہٹ دیکھے۔ اپنے سامنے پانی کھنچوایا۔ اور پانی نکالنے کی کیفیت دریافت کی۔ بلکہ بار بار کھنچوایا۔ اٹھائے سیر میں مجھ کو استعمال کیا۔ وہاں سے پھرا اور کشتی میں سوار ہوا۔ منوچر خاں کو بھی مجھ کو کھلائی تھی۔ اس کو اتنا نشہ ہوا کہ دو آدمی بازو پکڑے ہوئے کھڑے رکھتے تھے۔ تھوڑی دیر کشتی کا لشکر ڈلوا کر دریا کے بیچ میں ٹھہر رہے۔ پھر دریا کے لیشی جانب گئے۔ کچھ دور چل کر کشتی کو اوپر کی طرف کھنچوایا۔ رات کو کشتی میں رہے۔ صبح کے قریب لشکر میں آئے۔ شنبہ دسویں ربیع الاول کو آفتاب برج حمل میں آیا۔ آج ہم تیسرے پہر سیر کے واسطے روانہ ہوئے۔ کشتی میں بیٹھ کر شراب پی گئی۔ جلسیوں میں خواجہ دوست خاوند، دوست بیگ۔ میرم۔ مرزا قلی۔ محمدی۔ احمدی۔ یونس علی۔ محمد علی جن جنک۔ کدائی طغانی۔ میر خسرو۔ عس۔ گویوں میں روح وم۔ بابا خان۔ قاسم علی۔ یوسف علی شکری اور رمضان تھے۔ دریا کی ایک شاخ میں آکر لیشی جانب چلے گئے اور بہت دور جا کر نکلے۔ شام کو لشکر میں آئے اسی روز شاہ حسین خوشاب سے آیا۔ چونکہ شاہ دہلی کے پاس ایلچی بھیج دیا تھا۔ اور ترکوں کے اس قدیمی ملک کے مطالبہ کے لئے مصالحت کا پیغام بھیجا تھا اس لئے جو محصول یہاں مقرر کیا تھا اس میں سے کسی قدر وصول کیا۔ گرمی سر پر آگئی۔ ہندو بیگ کی کمک کے لئے شاہ محمد مراد اور اس کے چھوٹے بھائی دوست مراد وغیرہ کو جو مناسب معلوم ہوئے مقرر کیا۔ ان میں ہر ایک کے لئے اعلیٰ قدر مراتب اخراجات وغیرہ کا بندوبست کر دیا گیا۔ لشکر خاں یورشوں کا باعث ہوا تھا۔ اور اس نے بے حد کوشش کی تھی۔ اس کو خوشاب عنایت کر کے توغ عطا کی۔ اس کو بھی ہندو بیگ کی کمک کے لئے چھوڑا۔ جو ترک سپاہی اور زمیندار بمیرے میں رہے تھے ان کی تنخواہیں بڑھا دیں۔ اور ان کو بھی ہندو بیگ کی مدد کے واسطے مقرر کر دیا۔ ان میں منوچر خان تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ نظر علی ترک تھا۔ منوچر خاں کا قرابتی لشکر خاں جنجوبہ اور ملک ہست جنجوبہ تھا۔

کابل کی جانب مراجعت :- بالفعل صلح کی امید پر اس ملک کا انتظام اسی طرح کر کے اتوار کے دن ربیع الاول کی گیارہویں تاریخ بمیرے سے کابل کی طرف مراجعت

کلدرد کنار میں آکر ٹھہرے۔ اس دن بھی شدت سے مینہ برسا تھا۔ کپنک دار اور غیر کپنک دار برابر تھا۔ لشکر کے پچھلے لوگ رات کو عشاء کے وقت منزل پر پہنچے۔

ہائی پر چڑھائی اور فتح :- جن کو اس ملک کا بخوبی حال معلوم تھا علی الخصوص جنجوبہ جو کھکر کے قدیمی دشمن تھے انہوں نے عرض کی کہ ہائی کھکر بڑا بد ذات ہے۔ راستہ لوٹ لیتا ہے اور مسافروں کو سخت پریشان کرتا ہے۔ یا تو اس کو یہاں سے نکل دیجئے۔ یا پوری پوری گوشمالی دیجئے۔ اس کام کے لئے دوسرے دن خواجہ میر میراں اور میرم ناصر کو میں نے لشکر میں متعین کیا۔ اور خود چاشت کے وقت ہائی کے سر کچلنے کے لئے سوار ہوا۔ ہائی کھکر اسی زمانہ میں تاتار کو مار کر اس کا ملک پر ہالہ دبا بیٹھا تھا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ لشکر سے ہم علیحدہ ہوئے اور چلتے چلتے عصر کے وقت ٹھہرے۔ گھوڑوں کو ذرا سستا اور دانہ کھلا عشاء کے وقت وہاں سے چلتے ہوئے۔ ملک ہست کا ایک ملازم سرا نام کجوری ہمارا رہبر تھا۔ رات بھر چلے اور صبح دم لیا۔ بیگ محمد مغل کو لشکر کی طرف الٹا پھیر دیا۔ دن نکلے ہم سوار ہوئے۔ چاشت کے وقت حبیبہ پن قدم اٹھا کر چلے کوس بھر سے پر ہالہ کا سواد دکھائی دیا۔ فوج درست کر کے روانہ کی گئی۔ برنار پر ہالہ کے مشرق کی طرف گیا۔ قوچ بیگ کا جو جرانغار کا سردار تھا۔ مدو کے لئے اس کے پیچھے روانہ کیا۔ جرانغار اور قول کے فوج نے پر ہالہ پر دھاوا کیا۔ دوست بیگ کو ان لوگوں کی کمک کے لئے بھیجا جو پر ہالہ کے زیر دیوار پہنچ گئے تھے۔

پر ہالہ ایسی جگہ پر ہے جہاں چاروں طرف کھڈ اور نیلے ہیں۔ شر کے دو راستے ہیں۔ ایک جنوب و مشرق سمت کے بیچ میں ہے۔ ہم اسی راستہ سے آئے۔ یہ راستہ کھڈوں میں سے ہے۔ اس کے دونوں طرف کھڈ اور نیلے ہیں۔ آدھ کوس سے شر کے دروازہ تک اس راستہ کے کھڈ ایسے پاس ہو گئے ہیں کہ چار پانچ جگہ ٹلی سی ہوئی ہے۔ چنانچہ گز بھر بھی بڑی دیکھ بھل سے راستہ چلا جاتا ہے۔ دوسرا راستہ مغرب اور شمال کے مابین ہے۔ وہ ایک کھلے ہوئے درہ میں سے پر ہالہ تک ہے اور ایک راہا ہے۔ ان دونوں کے سوا تیسرا راستہ کسی طرف سے نہیں ہے اگرچہ شر کی چار دیواری نہیں ہے مگر ایسی قلب جگہ ہے کہ حملہ کرنا بھی دشوار ہے۔ شر کے گرد سات آٹھ گز چوڑائی میں کھڈ واقع ہیں۔ جرانغار والے ان سکرے مقاموں سے نکل کر دروازہ پر جا پہنچے۔ ہائی نے تیس چالیس سواروں اور بہت سے پیدلوں کے ساتھ ہمارے لشکر کے

مقدمہ کا مقابلہ کر کے اس کو ہٹا دیا۔ دوست بیگ، جو پیچھے مدد پر تھا جا پہنچا۔ اور اس نے زبردست حملہ کیا۔ دشمن کے بہت آدمی گرائے اور اس کو ہزیمت دی۔ ہائی ان میں بڑا بہادر مشہور تھا۔ ہرچند اس نے ہاتھ پاؤں مارے مگر نہ ٹھہر سکا۔ آخر بھاگ نکلا۔ ان کھڈوں میں سے بھاگ کر شہر میں پہنچا۔ اس کو بھی نہ سنبھال سکا۔ حملہ آور اس کے پیچھے پیچھے شہر میں گھس گئے۔ آخر ہائی اس دروازہ سے جو شمال و غرب میں ہے نکل بھاگا۔ یہاں دوست بیگ نے بہت کوشش کی۔ فتح دوست بیگ ہی کے نام پر ہوئی ہے۔ میں اسی دن پرہالہ میں آیا۔ تاتار کے مکانوں میں ٹھہرا۔ فوج کی صف بندی کے وقت اس جمعیت میں سے جس کو اپنے پاس ٹھہرنے کے لئے مقرر کیا تھا کچھ لوگ حملہ آوروں میں مل گئے تھے۔ ان میں سے امین محمد قراچہ اور ترخان ارغون کو عدول حکمی کی سزا میں ایک کجور رہبر کے ہمراہ لشکر کے سامنے ننگے سر ننگے پاؤں جنگل کی طرف نکلوا دیا۔

دوسرے دن غرب و شمال کے مابین والے کھڈوں میں سے نکل ایک حوید زار میں قیام ہوا۔ بابولی خزانچی کو کچھ سپاہیوں سمیت لشکر سے آگے سوہان ندی کی طرف روانہ کیا۔ پنجشنبہ پندرہویں تاریخ مقام اندرانہ میں جو دریائے سوہان کے کنارہ پر ہے نیمہ زن ہوئے یہ اندرانہ ہمیشہ سے ملک ہست کے باپ کے تحت میں تھا۔ ملک ہست کے باپ کو جب سے ہائی نے مارا اس وقت سے وہ ویران پڑا تھا۔ اور ان دنوں میں بھی اجاڑ ہی تھی۔ جو اہل لشکر کلدردہ کنار سے رخصت کر دیئے گئے تھے وہ بھی عشا کے وقت یہاں آگئے۔ ہائی نے جب تاتار کو مار لیا ہے تو پریت نام اپنے قرابت دار کے ہاتھ ایک گھوڑا معہ سلمان بطریق پیش کش بھیجا تھا۔ پہلے اسے حاضر ہونے کا موقع نہ ملا۔ اب پس ماندہ لشکر وغیرہ کے ہمراہ آکر اس نے ملازمت حاصل کی۔ اور پیش کش گذرانی، لشکر خاں بہیرہ کی چند قوموں کے ساتھ بعض کاموں کی وجہ سے پیچھے رہ گیا تھا۔ اور اب حاضر ہوا تھا اس کو بھی بعض زمینداران بہیرہ کے ہمراہ رخصت کیا۔ پھر ہم نے کوچ کر دیا۔ دریائے سوہان سے عبور کر کے پشت پر منزل کی۔ ہائی کے قرابت دار پریت کو خلعت دیا۔ اور ہائی کے نام استمالت کا فرمان لکھ بھیجا۔ اور محمد علی جنک جنک کے ایک ملازم کو اس کے ساتھ کر دیا۔

ہمایوں کے ملازم جو بابا دوست اور ہلال کے ساتھ نیاب، ہزارہ اور قارلوق (یہ

مقاتل کو دے دیئے گئے تھے) کے داروغہ ہو کر آئے تھے قارلوق کے ملک مرزا الموت قارلوق کو میں چالیس آدمی سمیت ہمراہ لے کر حاضر ہوئے۔ انہوں نے ایک گھوڑا کیچم دار نذر کیا۔ اور ملازمت حاصل کی۔ دلہ زاک افغانوں کا لشکر بھی آیا۔ دوسرے دن وہاں سے کوچ کیا۔ اور دو ایک کوس پر قیام ہوا۔ ایک اونچے مقام پر سے لشکر کو ملاحظہ کیا۔ حکم دیا کہ اونٹوں کو گنو۔ پانچ سو اسی اونٹ تھے۔ درخت سنبل کی تعریف سنی تھی۔ یہاں اس کو آنکھ سے بھی دیکھ لیا۔ اس پہاڑ کے دامن میں سنبل کے درخت بہت نہیں ہوتے۔ کہیں کہیں اکا دکا ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے پہاڑوں میں ان کی کثرت ہے اور بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ جہاں ہندوستان کے حیوانات اور نباتات کا ذکر آئے گا وہاں ان کا بھی بیان ہو گا۔ یہاں سے نقارہ بجنے کے وقت کوچ کیا۔ چاشت کے وقت سنگ دوا کے کوتل کے نیچے ٹھہرے۔ عصر کے وقت ہم نے کوچ کیا۔ درو و کوتل سے نکل کر ایک اونچی جگہ اترے۔ آدھی رات کو وہاں سے چلے۔ بمیرے جاتے وقت جس گھاٹ سے گئے تھے اور وہاں سیر بھی کی تھی۔ اسی گھاٹ میں ایک جگہ غلہ سے بھرا ہوا رہ گیا تھا۔ اس کے مالکوں نے بہت کوشش کی مگر اس نے جنبش نہ ہوئی۔ اس میں سے ہم نے غلہ لے کر ہمراہیوں پر تقسیم کیا۔ یہ غلہ بڑے موقع پر ملا۔ شام کے قریب دریائے کلل اور دریائے سندھ کے ملنے کی جگہ نیلاب سے نیچے کی جانب ہوتے دونوں کے بیچ میں اونچے کی طرف اترے۔ نیلاب سے لوگ پانچ پیر کشتیاں لے آئے۔ براغار، جراغار اور قول میں یہ کشتیاں بانٹ دی گئیں۔ سب سے دریا سے عبور کرنے کی کوشش کی۔ پیر کے دن تو ہم یہاں پہنچے تھے۔ منگل کی رات سے منگل کے دن چار شنبہ کی رات اور چار شنبہ کے دن تک اہل لشکر اترتے رہے۔ جہرات کو بھی کچھ لوگ پار ہوئے۔ پریت (ہائی کا قرابت دار) جو نواح اندرانہ سے ٹہر علی جنک جنک کے ملازم کے ساتھ بھیجا گیا تھا دریا کے کنارہ پر آکر باریاب ہوا۔ بائی کی طرف سے ایک گھم دار گھوڑا پیش کش لایا۔ نیلاب والے بھی ایک گھوڑا کیچم دار لائے اور باریاب ہوئے۔

محمد علی جنک جنک کو بمیرے میں رہنے کی تمنا تھی۔ بمیرا تو ہندو بیگ کو عنایت ہو گیا تھا۔ بمیرے اور سندھ کا درمیانی ملک اور قاریوں ہزارا۔ ہائی۔ عنایت وال اور کھت قوموں کی حکومت محمد علی کو عطا کی۔ اور حکم دیا کہ جو اطاعت کرے اس کو امن

دیا جائے۔ جو سرتابی کرے اس کے ساتھ اس شعر کے مضمون پر عمل کیا جائے۔

جو اطاعت نہ کرے اس پہ چڑھائی کیجئے

جب وہ دب جائے تو پھر اس سے بھلائی کیجئے

محمد علی جنک جنک کو سیاہ مغل کا قلماتی جیبہ عنایت کیا اور توغ عطا کی۔ ہائی کے رشتہ دار کو رخصت دی۔ تلوار، خلعت اور فرمان استمالت اس کے ہاتھ ہائی کو بھیجا گیا۔ جمعرات کے دن آفتاب نکلتے ہی دریا کے کنارہ سے کوچ کیا۔ آج مہجون کھائی۔ مہجون کے سرور میں اس مقام کی عجیب پھلوری کا تماشا دیکھا۔ زمین کے ایک ایک قطعہ پر پھول کھل رہے تھے۔ ایک تختہ میں زرد پھول کھلے ہوئے تھے تو دوسرے میں ارغوانی اور کہیں ایسے جیسے افشاں کئے ہوئے لشکر کے قریب ایک اونچی جگہ بیٹھ کر اس دلغرب منظر کی بھار دیکھی۔ اس بلندی کے گرد چھ طرفوں میں تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ نقاشی کی ہوئی ہے۔ اگر ایک تختہ زرد پھولوں کا تھا تو ایک ارغوانی کا اور خط اس طرح پڑے ہوئے تھے کہ مسدس کی شکل پیدا ہو گئی تھی۔ دو طرفوں میں پھول کم تھے غرض جہاں تک آنکھ کام کرتی تھی یہی پھلوری نظر آتی تھی۔ پشاور کی نواح موسم بہار میں بڑی گلزار ہوتی ہے۔ صبح اس منزل سے چلے۔ دریا کے کنارہ کے راستہ سے ایک شیر دھاڑتا ہوا نکلا۔ شیر کی آواز سنتے ہی گھوڑے بپل گئے۔ چاروں طرف بھاگنے لگے اور کھنڈوں وغیرہ میں گرنے لگے۔ شیر جھاڑی میں گھس گیا۔ میں نے حکم دیا کہ بھینس کو جنگل میں باندھو اور شیر کو نکالو۔ لوگوں نے یہی کیا۔ شیر پھر دھاڑتا ہوا نکلا۔ چاروں طرف سے تیروں کی بھمار ہونے لگی۔ میں نے بھی ایک تیر مارا۔ جاگو پیادہ نے جو برچھا مارا تو شیر نے سان کو دانتوں سے چبا ڈالا۔ شیر بے شمار تیر کھا کر بھاگا اور ایک بھٹ میں جا چھپا۔ بابا ببول تلوار سونت اس کے پاس پہنچا۔ حملہ کرنے میں شیر کے سر پر گر پڑا۔ پھر علی سیستانی نے شیر کی کمر میں تلوار کا ایک ہاتھ دیا۔ شیر اچھل کر دریا میں کود پڑا۔ دریا میں سے اس کو نکالا۔ میں نے حکم دیا کہ اس کی کھال الگ کر لو۔

دوسرے دن کوچ کیا اور بکرام میں آئے۔ کورکھتری کی سیر کی۔ ایک چھوٹا سا معبد ہے دروازہ سے اندر گھس کر دو ایک میڑھیاں نیچے ایک آدمی کے لیٹ جانے کی جگہ ہے۔ اندھیرا ایسا کہ بغیر روشنی کے قدم نہ رکھا جائے۔ اس مکان کے باہر ارد گرد بے شمار ڈاڑھی مونچھ منڈے پڑے رہتے ہیں۔ اس کے اطراف میں ایسے حجرے بنے

ہوئے ہیں مدرسوں اور مسافر خانوں میں ہوتے ہیں۔ جب اول سال کلیل میں آنے کے بعد کھت اور بنو دشت پر چڑھائی کی تو بکرام اور ترکلان کی سیر کا اتفاق تو ہوا تھا مگر کور کھترنہ دیکھا تھا۔ کور کھترنہ دیکھنے کا افسوس تھا۔ اب دیکھا کہ قتل دید مقام ہے۔ آج ہی میری عمدہ بہری جاتی رہی۔ سیم میر شکار کے ہاتھ پر تھی۔ کنگ اور لکلک کو مزے سے پکڑتی تھی۔ دو تین دفعہ کر پڑ بیٹھ چکی تھی۔ کیوں نہ جاتی۔ میں نے بھی تو ایک بیہوش آدمی کو میر شکار کر دیا تھا۔ ولہ زاک افغانوں کے جو عمائد ملک ترخان اور ملک موسیٰ کے ساتھ تھے ان میں سے چھ سرداروں کو سو سو مشعل چاندی۔ ایک تھان جلمہ دار تین تین گائیں اور ایک ایک بھینس فی آدمی ہندوستان کی سوغات دی۔ اوروں کو بھی اعلیٰ قدر مراتب زرد کپڑے، گائیں اور بھینسیں عنایت کیں۔

علی مسجد میں پہنچے تو یعقوب خیل ولہ زاک میں سے معروف نام ایک سردار نے چالیس دہے۔ دو گونیں چاول کی اور آٹھ کبرے نذر کئے۔ علی مسجد سے بدھ پیر میں آئے۔ وہاں سے جوئے شاہی میں ظہر کے وقت آکر اترے۔ اسی دن دوست بیگ کو تپ محرقہ لاحق ہوئی۔ جوئے شاہی سے دوسرے دن روانہ ہوئے۔ دوپہر باغ وفا میں گذاری۔ ظہر کے وقت باغ وفا سے چل کھڑے ہوئے۔ دریائے گندک سے پار ہو شام کو ایک خویزار میں گھوڑوں کو سستایا۔ دو تین گھڑی کے بعد سوار ہوئے سرخاب سے نکل مقام مژک میں پہنچے۔ رات کو سو رہے۔ صبح ہونے سے پہلے سوار ہو گئے۔ جہاں سے قرار تو کو راستہ پھٹتا تھا۔ وہاں سے میں پانچ چھ آدمی ساتھ لے جو باغ میں نے قراتو میں بنایا تھا اس کی سیر کرنے لگا۔ خلیفہ اور شاہ حسین بیگ وغیرہ کو سیدھے راستہ سے روانہ کیا کہ قاروق سائی میں توقف کریں۔ جس وقت ہم قراتو میں پہنچے اس وقت معلوم ہوا کہ شاہ بیگ ارغون پھر گیا۔ اور اس کے ملازم قنبریل نے خیر کاہن کو تلخت و تاراج کر دیا۔ میرا حکم تھا کہ مجھ سے پہلے میرے آنے کی کوئی خبر نہ کرے۔

کلیل میں داخل ہوئے :- ظہر کا وقت تھا جو میں کلیل میں داخل ہوا۔ جب تک تھکن قدم کے پل پر پہنچے ہیں کسی کو خبر نہیں ہوئی۔ اس کے بعد ہمایوں اور کامران کو خبر ہوئی اس کو موقعہ نہیں ملا کہ فوراً سوار ہوں اور اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر شہر کے باہر آجاتے۔ شہر اور ادک کے دروازوں کے بیچ میں آکر ملے۔ عصر کے وقت قاسم بیگ اور قاضی شہر وغیرہ ملازم جو کلیل میں تھے حاضر خدمت ہوئے۔ جمعہ غرہ ربیع الاول

کو شراب کی مجلس منعقد ہوئی۔ شاہ حسین کو میں نے غلت خاص عنایت کیا۔ ہفتہ کے دن صبح کشتی میں بیٹھ کر صبحی لپی۔ اس جلسہ میں نور بیگ نے عود بجایا۔ اس زمانہ میں میں تائب نہ تھا۔ ظہر کے وقت کشتی سے اترا۔ اور اس بلخ کی سیر کو گیا جو میں نے کلکتہ میں پہاڑ کے درمیان میں بنوایا ہے۔ اس کی سیر کر کے عصر کے وقت بلخ بنفشہ میں آگیا۔ پانچویں تاریخ سہ شنبہ کی رات کو دوست بیگ نے جس کو راستہ میں شدت کا بخار چڑھا تھا انتقال کیا۔ مجھے بہت ہی رنج اور صدمہ ہوا۔ اس کا جنازہ بڑی دھوم سے اٹھل روضہ سلطان کے دروازہ کے پاس دفن کیا۔

وہ بڑا عمدہ سپاہی تھا۔ ابھی مرتبہ امیری پر پہنچا تھا۔ اس سے پہلے جب وہ امیر نہ تھا اور پیش خدمت تھا اس نے کئی عمدہ خدمتیں انجام دی تھیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں رباط قاروق میں تھا جو اندجان سے ایک فرسنگ پر ہے۔ وہاں جب سلطان احمد تنبل نے مجھ پر شبخون مارا تو میں نے دس پندرہ آدمیوں سے اس کی اگلی فوج کو مار کر ہٹا دیا۔ اور جس وقت میں اس کے قول تک جا پہنچا۔ جس میں تحینا سو آدمی تھے اس وقت میرے ساتھ صرف تین آدمی رہ گئے۔ ایک دوست ناصر۔ دوسرا مرزا قلی۔ اور تیسرا کریم داد۔ میرے پاس صرف تین تھے۔ تنبل مع ایک آدمی کے ایک مکان کے فاصلہ سے آگے کھڑا تھا۔ میرا اور اس کا سامنا ہوا۔ میں نے اس کے دو ہلفہ میں ایک تیر مارا۔ دوسرا تیر اور اس کے سر کو ٹاک کر لگایا۔ ادھر سے بھی ایک تیر آیا جو میری گردن کے پاس سے نکل گیا۔ تنبل نے میرے سر پر ایک تلوار کا ہاتھ مارا۔ عجیب تماشا ہوا۔ میرے سر پر دو ہلفہ کی طاق تھی۔ اس کا تو ایک تار نہ کٹا اور میرے سر پر کاری زخم لگا۔ نہ اس وقت کسی نے میری مدد کی نہ کوئی میرے ساتھ تھا۔ مجبوراً میں نے گھوڑے کی باگ پھیری۔ اس وقت میرے پیچھے دوست بیک تھا۔ تنبل نے مجھے چھوڑ کر اس کے تلوار ماری دوسری بار آخشی میں یہ موقع ہوا کہ جب لڑبھڑ کر میں آخشی سے نکلا اور میرے ساتھ فقط آٹھ آدمی رہ گئے تو ایک ان میں یہ بھی تھا۔ دو آدمیوں کے بعد دوست بیک کو بھی دشمنوں نے گرا دیا تھا۔ امیر ہونے کے زمانہ میں بھی جب سو نمک خاں سلاطین کے ہمراہ تانکند میں احمد قاسم کے مقابلہ پر آیا ہے تو اس موقع پر بھی اس نے جن لڑا دی۔ اور دشمنوں کو زیر کر کے ان میں سے صاف نکل کر شہر میں آگیا۔ پھر جب احمد قاسم بغیر اس کے کہ اس کو خبر کرے شہر کو چھوڑ کر بھاگ گیا تو وہاں سے بھی یہ دشمنوں

کو مارتا ہوا عہدگی سے نکل آیا۔ شیر طغائی اور مرید جس زمانہ میں باغی ہوئے ہیں اور غزنی سے ایلغار کر کے آئے ہیں تو ان مغلوں نے تین سو چار سو آدمی دوست بیگ کے مقابلہ کے لئے بھیجے۔ دوست بیگ نے شروکان کے مقام پر اس فوج کو بھاری شکست دی۔ بہت سوں کو قتل کیا اور بہت سوں کے سر کاٹ لایا۔ بجنور کے قلعہ پر بھی دوست بیگ دو تین آدمیوں سمیت سب سے پہلے چڑھا ہے۔ پرہالہ میں بھی دوست بیگ ہی نے ہائی کو نوک دم بھگایا۔ اور پرہالہ فتح کر لیا۔ غرض دوست بیگ کے مرنے کے بعد اس کی جاگیر اس کے چھوٹے بھائی میرم ناصر کو میں نے عطا کی۔

جمعہ کے دن ربیع الاول کی آٹھویں کو قلعہ سے چار باغ میں آیا۔ سہ شنبہ بارہویں تاریخ سلطان حسین مرزا کی بڑی بیٹی اور سلطان بیگم جو ان جھگڑوں میں خوارزم میں تھیں کابل میں آئیں۔ باغ خلوت میں ان کو اتروایا۔ اترنے کے بعد میں ان سے ملا۔ بڑی بہن تھیں۔ تعظیماً میں نے زانو مارا۔ انہوں نے بھی زانو مارا۔ پھر اسی قلعہ سے ملتا رہا۔ اٹوار کے دن سترہویں تاریخ بلا شیخ نمک حرام کو جو مدت سے قید تھا رہا کر دیا۔ اس کے گناہ معاف کر دیئے اور خلعت عطا کیا۔ منگل کے دن ۱۹ تاریخ دوپہر کو خواجہ سیار ان کی سیر کے لئے میں سوار ہوا۔ آج میں روزہ سے تھا۔ یونس علی وغیرہ کو تعجب ہوا۔ کہنے لگے کہ منگل کا دن اور حضور کو روزہ ہے! یہ عجیب بات ہے۔ مقام ہنزوی میں آیا اور وہاں کے قاضی کے ہاں اترنا۔ رات کو جلسہ کی ٹھہری قاضی نے عرض کیا کہ میرے مکان میں کبھی ایسی مجلس نہیں ہوئی، ویسے آپ بادشاہ ہیں۔ آپ کو اختیار ہے۔ گو جلسہ کے اسباب مہیا ہو گئے تھے مگر قاضی کی خاطر سے شراب کا شغل موقوف کر دیا گیا۔ جمعرات کے دن اکیسویں تاریخ اس پہاڑ کی بنی گاہ میں جس میں باغ تیار کرایا ہے۔ ایک چوترا بننے کا حکم دیا۔ جمعہ کے دن پل کے اوپر سے جالہ میں بیٹھے۔ جب ہم چڑی ماروں کی بستی کے پاس پہنچے تو انہوں نے ایک جانور دیکھا جو کچڑا تھا پیش کیا۔ میں نے دیکھ کر کبھی نہ دیکھا تھا۔ نئی صورت کا جانور ہے ہندوستان کے جانوروں کا جہاں بیان ہو گا وہاں اس کا بھی ذکر ہو گا۔ ہفتہ کے دن تینیسویں کو چوترا کے گرد چنار اور ہل کے درخت لگائے گئے۔ تیسرے پہر شراب نوشی کا جلسہ ہوا۔ دوسرے دن صبح کو اسی چوترا پر صبحی اڑائی۔ یہاں سے خواجہ حسن ہوتے ہوئے کابل چلے۔ خواجہ حسن میں نشہ کی زیادتی سے ذرا سو رہے۔ خواجہ حسن سے آدھی

رات کو چار بارغ میں آگئے۔ راستہ میں عبداللہ کپڑوں سمیت دریا میں کود پڑا۔ چونکہ رات تھی اس لئے سردا گیا اور آنہ سکا۔ رات کو قحلق خواجہ کے پل پر رہ گیا۔ دوسرے دن کل کی بے اعتدالی سے متنبہ ہو کر توبہ کرتا ہوا آیا۔ میں نے کہا کہ ابھی توبہ نہ کر کے یا نہ نہ کر سکے اس واسطے ایسی توبہ کر کہ سوائے ہماری صحبت کے اور کہیں شراب کو ہاتھ نہ لگا۔ کئی مہینے تک تو ایسا ہی کرتا رہا۔ پھر یہ توبہ بھی ٹوٹ گئی۔ پھر کے دن پچیسویں تاریخ ہندو بیگ (جن کو بمیرے میں صلح کی امید پر یونہی سا بندوبست کر کے چھوڑا تھا) چلا آیا۔ معلوم ہوا کہ فریق ثانی نے صلح کی بات نہ سنی۔ وہ مجھے خاطر میں نہ لایا اور میری بات اس کلن سنی اس کلن اڑا دی۔ وہاں سے میرے پلٹتے ہی بہت سے پٹھان اور ہندوستانی جمع ہو ہندو بیگ پر چڑھائی کرنے بمیرے کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں کے زمیندار بھی پٹھانوں کے ساتھ ہو گئے۔ ہندو بیگ بمیرے میں نہ ٹھہر سکا۔ خوشاب چلا آیا۔ دین کوٹ کے علاقہ میں ہوتا ہوا غلاب آیا اور وہاں سے کابل میں آگیا۔ سکتو کے بیٹے بوہندہ اور چند ہندوؤں کو بمیرے سے پکڑ لایا تھا۔ ان سے کچھ قرض نہ کیا۔ بلکہ ان کو خلعت۔ گھوڑے اور انعام دے کر رخصت کر دیا۔

جمعہ کے دن دسویں تاریخ بدن میں حرارت سی معلوم ہوئی۔ میں نے فصد کھلوا ڈالی۔ ان دنوں میں دوسرے دن بخار ہو جاتا تھا۔ ہر بار بخار چڑھنے کے بعد جب تک ہینہ نہ آجاتا تھا پ نہ اترتی تھی۔ دس بارہ دن کے بعد خواجہ نے مرکب شربت تیار کیا۔ دو ایک خوراکیں ہیں۔ لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اتوار کے دن جملوی اللوٹی کی تیرہویں کو خواجہ محمد علی خوست سے آیا۔ ایک گھوڑا مع زین نذر کیا۔ تصدیق کے لئے نقد بھی پیش کیا۔ محمد شریف منجم اور خوست کے مرزا بھی محمد علی کے ہمراہ آئے۔ انہوں نے بھی ملازمت حاصل کی۔ دوسرے دن پیر کو ملا کبیر کاشغر سے آیا۔ ملا اندجلن سے کاشغر ہوتا ہوا کابل میں آیا ہے۔ تیسویں تاریخ پیر کے دن ملک شاہ منصور یوسف زئی مع چند سرداران یوسف زئی سوات سے آیا۔ ان سب کو خلعت عنایت کئے۔ ملک شاہ منصور کو جامعہ قماش تکمہ دار۔ ایک کو جامہ قماش پلک دار اور چھ کو جامہ قماش دے کر رخصت کیا۔ یہ تو ٹھہری ہوئی ہے کہ الوہبہ بلا سے کوئی سوات میں دخل نہ دے۔ اور ساری رعایا کو اپنے سے علیحدہ کر دیں۔ اب یہ قرار پایا کہ جو افغان بچور اور سوات میں زراعت کریں وہ چھ ہزار گونین دھان کی دیوانی میں داخل کریں۔

تیسری تاریخ چار شنبہ کو میں نے مسهل لیا۔ پھر کے دن آٹھویں کو خلیفہ کی بڑی بیٹی کے ساتھ قاسم بیگ کے چھوٹے بیٹے حمزہ کی رسم ساجت ادا ہوئی۔ اس نے ایک ہزار شاہرخ دی اور ایک گھوڑا مع زین دیا۔

سہ شنبہ کو شاہ حسین بیگ نے مجلس شراب کی اجازت چاہی۔ کچھ امراء (جیسے محمد علی وغیرہ) کو اپنے مکان پر لے گیا۔ یونس علی اور کدائی طغائی میرے پاس رہے۔ مجھے ابھی پرہیز تھا۔ میں نے کہا کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں تو ہشیار رہا ہوں اور اور متوالے ہو گئے ہوں۔ میں خلی رہا ہوں اور دوسروں نے شراب پی ہو۔ آؤ میرے ہی پاس جلسہ کرو۔ میں بھی یہ تماشا دیکھوں کہ مستوں اور ہشیاروں کا میل جول کیونکر ہوتا ہے۔ چار بلغ کے دروازہ میں جانب شرق و غرب ایک صورت خانہ بنایا گیا تھا۔ اس میں ایک خانہ سفید بنایا تھا کبھی کبھی میں اس میں بیٹھا کرتا ہوں۔ وہیں یہ مجلس منعقد ہوئی۔ عنایت مسخرو بھی آیا۔ کئی بار ہنسی سے اس کو باہر نکلوا دیا آخر مسکتا ہوا محفل میں آگیا۔ محمد تہلق اور ملا کتا بدار کو بھی بلا لیا۔ یہ رباعی اسی وقت کہہ کر شاہ حسین اور اہل مجلس کے پاس بھیجی۔

احباب کہ بزمیدا گلستان خوش طور
 بوق امید الا بزمید ازاد ستور
 اول جمعدا کر حضور و جمعیت نور
 لشکرت و جمع بے حضور امر ماس تور

(ترجمہ) "دوستوں کی بزم گلستان حسن ہے۔ لیکن مجھے اس بزم میں شریک ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر اس مجمع میں حضوری اور جمعیت ہے تو شکر ہے کہ یہاں بھی حضور نہیں ہیں۔" یہ رباعی امرا ہم چہرہ کے ہاتھ بھیجی۔ دو نمازوں کے درمیان تک اس بزم کے لوگ پی پلا متوالے ہو چلتے بنے۔

اس علالت کے زمانہ میں تخت رواں پر سوار ہو کر میں پھرتا رہا۔ اس سے کچھ دن پہلے شراب مزوج پی گئی تھی۔ فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دی تھی۔ کسی قدر نقاہت باقی تھی کہ دریائے رحمت پر غرب و جنوب کی طرف ایک سیب کے درخت کے نیچے جلسہ منعقد ہوا۔ میں نے شراب مزوج پی۔ جمعہ کے دن بارہویں تاریخ احمد بیگ اور دولہنی جو کمک کے لئے بجزور میں تھے حاضر ہوئے۔ بدھ کے دن سترہویں

تاریخ حیدر تقی کے باغ میں مگرمی بروی وغیرہ امراء نے جلسہ کیا۔ میں نے بھی اس میں شریک ہو کر شراب پی۔ عشاء کے وقت وہاں سے اٹھے اور بڑے سفید مکان میں آئے۔ وہاں بھی کچھ پی۔

امام محمود سے فقہ کا درس لینا:- جمعرات کے دن پچیسویں تاریخ بلا محمود سے فقہ کا سبق شروع ہوا۔ منگل کے دن سلاخ کو شلہ شجاع ارغون کے پاس سے ابو مسلم کو کلاش ایچی ہو کر آیا۔ ایک تپتلی پیش کش لایا۔ آج ہی یوسف علی رکاب دار باغ چنار کے حوض میں تیرا۔ تقریباً سو بار تلیاں بجاتا رہا اور ادھر سے ادھر۔ ادھر سے ادھر تیرتا ہوا آتا جاتا رہا۔ انعام میں اس کو خلعت اور گھوڑا زین سمیت عطا ہوا۔ رجب کی آٹھویں تاریخ بدھ کے دن شلہ حسین کے ہاں جا کر میں نے شراب کا شغل کیا۔ اکثر مصاحب اور امراء ساتھ تھے۔ ہفتہ کے دن گیارہویں تاریخ جلسہ ہوا۔ عصر اور مغرب کے مابین بڑے کبوتر خانہ کی چھت پر بیٹھے اور شراب کا دور چلا۔ شام کو دیکھا کہ کچھ ترک سوار پٹھانوں کے گاؤں سے چلے آتے ہیں اور شہر کی طرف جا رہے ہیں۔ تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ درویش محمد سارہن ہے جو مرزا خان کے پاس سے ایچی ہو کر آیا ہے۔ کوٹھے پر سے اسے بلا بھیجا اور کہلا بھیجا کہ سفارت کے قاعدوں اور قریبوں کو چھوڑ کر بے کلمفا چلا آ۔ درویش محمد فوراً چلا آیا۔ تاریخ کر کے شریک محبت ہوا۔ وہ اس زمانہ میں صوفی تھا۔ کچھ کھانا پیتا نہ تھا۔ جب تک نشہ کا ابھار نہ ہو لیا بیس پیتے رہے۔ دوسرے دن دربار میں قاعدہ اور قرینہ سے درویش محمد حاضر ہوا۔ مرزا خان نے جو پیش کش بھیجی تھی گزاریں۔ اگلے سلا بڑی کوشش سے اور بہت وعدوں سے ادھر کی قوموں وغیرہ کو کابل میں لایا گیا تھا۔ کابل ایک چھوٹی سی جگہ ہے۔ مختلف قوموں اور متعدد مویشی کے لئے قشلاق و ایلاق دہاں نہیں ہو سکتا۔ اگر جنگلی قوموں کو ان کی خوشی پر چھوڑ دیا جائے تو ایک بھی کابل میں نہ رہے۔ اسی لئے ایملق و اتراک نے قندز اور بغلان کی طرف جانے کے لئے قاسم بیگ کی منت سماجت کی اور اسی کے وسیلہ سے درخواست دی۔ آخر قاسم بیگ نے بڑے اصرار سے ان لوگوں کے قندز اور بغلان جانے کی اجازت حاصل کی۔

حافظ خیر کاتب کا بڑا بھائی سرقدت سے آیا ہوا تھا۔ ان ہی دنوں میں اسے رخصت کیا۔ پولاد سلطان کو اس کے ہاتھ اپنا دیوانا بھی میں نے بھیجا۔ اس کی پشت پر یہ قطعہ

لکھ دیا۔ قطعہ

اول سرو نیک حرمغہ کر تلسک اے (باد)
پرکیل تو ہجر خستہ سدرین ماکو کیلکا
رغم ایامین ساغینا بائی باہنی یارامید
سانعائی خدائے بے پولاد کو تکلب کا

یعنی اے جا میں اس سرو سے بہت خوش ہوں۔ اگر تو اس کے پاس جائے تو اس خستہ ہجر کی یاد دلائے۔ اس نے ترس کھا کر کبھی باہر کو یاد نہ کیل۔ امید ہے کہ خدا اس کے فولاد دل کو نرم کر دے۔ جہ کے دن سترہویں تاریخ محمد زبان مرزا کے پاس سے شہ فرید کو ککاش کچھ تصدق اور ایک گھوڑا نذر کے لئے لایا۔ آج ہی شہ بیگ ارغون کے سفیر ابو مسلم کو ککاش کو غلعت و انعام دے کر رخصت کیا۔ خواجہ محمد علی اور شگری بروی کو بھی ان کے علاقوں خواست اور اندراب میں جانے کی اجازت دی۔ جمعرات کے دن تیسویں تاریخ محمد علی جنگ جنگ جس کو نواح کچھ کوٹ اور قاروق کا حکم کیا تھا حاضر ہوا۔ شہ حسین (مرزا بلوی قاروق کا بیٹا) وغیرہ اس کے ہمراہ تھے۔ آج ہی ملا علی خان جو اپنے بل بچوں کو لانے کے لئے سرفہ گیا تھا آیا۔ اور اس نے ملازمت حاصل کی۔

عبدالرحمن افغان پر چڑھائی :- عبدالرحمن افغانوں کا سرغنہ کردیز کی سرحد پر رہتا تھا۔ محصول وغیرہ سیدھے ہاتھوں نہ دیتا تھا اور اس طرف سے آنے والوں کو ستانا بھی تھا۔ بدھ کے دن اسیسویں تاریخ اس کے انتظام کے واسطے اوھر جانے کا ارادہ کیا۔ تنک اور بجان کی نواح میں جا کر ہم اترے۔ وہیں ظہر کے وقت آتش کھا کر روانہ ہوئے۔ رات کو راستہ بھول گئے۔ مشرق اور جنوب میں مقام شہنہ کے اس طرف پہاڑوں اور جنگلوں میں جا پھنسے۔ بڑی سرگردانی اور پریشانی اٹھائی۔ بہت دیر کے بعد راستہ ملا۔ نماز کے وقت چشمہ تیرہ کے پہاڑ سے براہ درہ بانڈش لیتے کردیز کی جانب باہر نکلے اور میدان میں آئے۔ فوج کی ٹولیاں آگے روانہ کیں۔ ایک ٹولی کوہ کریاس کی جانب جو کردیز سے مشرق میں ہے گئی۔ اس کے پیچھے خسرو مرزا قلی اور سید علی کو قول کے دست راست والوں میں سے کچھ لوگوں کے ساتھ کر کے چلا گیا۔ بہت سے اہل لشکر نے کردیز کے مشرق کی طرف میدان سے اوپر کے رخ حملہ کیا۔ ان کے پیچھے

سید قاسم ایٹک آقا، میر شاہ قوچین، قیام، ہندو بیک۔ تعلق قدم اور حسین کو مع ان کے ہمراہیوں کو بھیجا۔ چونکہ بہت سا لشکر میدان کے اوپر کی جانب چلا گیا تھا۔ ان کے چٹا کرنے کے بعد میں بھی سب کے پیچھے چلا۔

اس میدان کے اوپر کی جانب جانے والے بہت دور تھے اور ان کے گھوڑے تھک گئے تھے اس سبب سے ان کے ہاتھ کچھ نہ لگا۔ اتنے میں چالیس پچاس افغان جنگل میں نمودار ہوئے جو لوگ پیچھے گئے تھے انہوں نے ان کا ذرا خیال نہ کیا۔ میں دوڑا۔ میرے پہنچنے سے پہلے حسین ایک بیسودہ طور سے اکیلا گھوڑا دوڑا ان افغانوں میں جا گھسا۔ یہ تلوار کو میان سے نکالتا ہی رہا کہ افغانوں نے تیر مار کر اس کے گھوڑے کو گرا دیا اور اس کے اٹھتے اٹھتے پاؤں میں تلوار کے ہاتھ مار اس کو گرا دیا۔ پھر چاروں طرف سے چھروں اور تلواروں سے کلڑے کلڑے کر ڈالا۔ ہمارے امرا دیکھتے رہے کسی نے مدد نہ کی۔ جب مجھے معلوم ہوا تو کدائی طفائی، پابندہ محمد تیلان، ابو الحسن قورچی اور مومن آتکہ اور اچھے اچھے جوانوں کو جلوریز آگے روانہ کیا اور خود بھی دوڑ پڑا۔ سب سے پہلے مومن آتکہ نے ایک افغان کو نیزے مار کے گرایا اور اس کا سر کاٹ لیا۔ ابو الحسن قورچی بے سلمان تھا مگر اس نے جھپٹ کر بڑی خوبی سے افغانوں کا آگہا جا گھیرا۔ گھوڑا لپکا ایک افغان کے تلوار ماری اور اس کا سر کاٹ لیا۔ اس کے تین زخم لگے اور گھوڑے کے ایک زخم آیا۔ پابندہ محمد تیلان بھی خاصا پہنچا۔ ایک کو تلوار سے مار اس کا سر کاٹ لیا۔ اگرچہ ابو الحسن اور پابندہ محمد تیلان کی خوبیاں اس سے پہلے معلوم تھیں۔ لیکن اس یورش میں انہوں نے اپنی کارگزاری بہت ظاہر کی۔ غرض یہ چالیس پچاس افغان یہیں بے تیغ ہو گئے۔ سب کے کلڑے کلڑے اڑ گئے۔ ان کے قتل ہو جانے کے بعد ایک خویدار میں اترے۔ میں نے حکم دیا کہ ان مقتولوں کے سروں کا منارہ چن دو۔ جب ہم راستہ پر آئے تو وہ امراء بھی آگئے جو حسین کے ہمراہ تھے۔ میں ان پر بہت غصہ ہوا۔ میں نے کہا کہ اتنے لوگ کھڑے دیکھتے رہے۔ گھوڑے سے پیدل افغان تھے۔ میدان زمین تھی۔ تم نے ایسے جوانوں کو ضائع کر دیا۔ تم اس قاتل ہو کہ تمہارے درجے گھٹا دیئے جائیں۔ تمہاری جاگیریں ضبط کر لی جائیں اور تمہاری ڈاڑھیاں منڈوا کر تشیر کرائی جائے تاکہ پھر کوئی ایسے جوانوں کو یوں دشمنوں میں نہ گھروائے۔ جو ایسی میدانی زمین میں دانستہ ہاتھ پاؤں چھوڑے کھڑا رہے اس کی یہی سزا

ہے۔ جو فوج کوہ کریاس کی طرف کئی تھی اس میں سے بابا قشقہ کی ایک افغان سے منہ بھیڑ ہوئی۔ جو نئی افغان نے تلوار کا ہاتھ مارا بابا قشقہ نے قائم رہ کر ایک تیر مار کے اس کا کام تمام کر دیا۔

دوسرے دن یہاں سے ہم کلل کی جانب چلے۔ محمد بخش، عبدالعزیز میر آخور اور میر خورد یکل کو حکم دیا کہ چشمہ ترمین سے کوئی قرغل پکڑو۔ میں خود چند آدمیوں کے ساتھ میدان رستم کے راستہ سے جس کو میں نے کبھی دیکھا نہیں تھا روانہ ہوا۔ میدان رستم کوستان میں ایک پہاڑ کی چوٹی کے قریب واقع ہے۔ کچھ بہت اچھی جگہ نہیں ہے۔ دو پہاڑوں کے بیچ میں ایک میدان ہے۔ اس کے جنوب کی طرف پہاڑ کے دامن میں ایک چھوٹا سا چشمہ ہے۔ بڑے بڑے درخت بھی ہیں۔ جو راستہ کردیز سے اس میدان کی طرف آتا ہے اس میں کثرت سے چشمے اور درخت ہیں۔ یہ درخت چھوٹے چھوٹے ہیں۔ اگرچہ یہ مقام بہت چھوٹا ہے مگر اس کے آخر کی جانب نہایت شلاب ایک سبزہ زار ہے۔ میدان رستم کے اسی جنوبی پہاڑ پر ایک بہت صاف مقام ہے۔ جہاں سے کوستان کریاس اور کوستان بگلش نیچے معلوم ہوتے ہیں۔ اس ملک میں اگر برسات نہیں ہوتی تو پانی بھی کہیں نہیں ہوتا۔ ظہر کے وقت ہم ہوتی میں آکر اترے۔ دوسرے دن وہ محمد آقا کی نواح میں ٹھہرنا ہوا۔ 'مجبون کھائی' مچھلیاں پکڑنے کی دوا دریا میں ڈال کر مچھلیاں پکڑیں۔ اتوار کے دن تیسری شعبان کو کلل میں آگئے۔ منگل کے دن پانچویں تاریخ درویش محمد فیصلی اور خسرو کے آدمیوں سے نیلاب کی کیفیت دریافت کی گئی۔ جن لوگوں نے کوتاہی کی تھی تحقیقات کے بعد ان کے درجے گھٹا دیئے۔ ظہر کے وقت درخت چنار کے نیچے سے نوشی کی محفل ہوئی۔ بابا قشقہ مغل کو خلعت اور انعام عطا ہوا۔ جمعہ کے دن آٹھویں تاریخ ماہ سکہ جو مرزا خان پاس گیا تھا آیا۔

خواجہ سیاران کی سیر۔ جمعرات کے دن میں مصاحبوں سمیت خواجہ سیاران کی سیر کے لئے سوار ہوا۔ عشا کے وقت ہم بابا خاتون میں پہنچے دوسرے دن استائف میں اترے۔ اس دن 'مجبون' کا استعمال ہوا۔ ہفتہ کے دن استائف میں شراب کا جلسہ ہوا۔ دوسرے دن استائف سے چلے۔ درہ نجد سے نکل کر جس وقت خواجہ سیاران میں پہنچے ہن اس وقت ایک بڑے سانپ کو مارا۔ اس کی ضخامت کلائی کے برابر اور لمبائی

آدمی کے قد کے برابر ہو گی۔ اس سانپ کے پیٹ میں سے ایک چھوٹا سا سانپ نکلا۔ شاید اس نے اس کو ابھی کھلیا ہو۔ اس چھوٹے سانپ کے سارے اعضاء درست تھے۔ یہ سانپ تھا تو چھوٹا پر اس کے پیٹ میں سے بڑا چوہا نکلا۔ چوہا بھی جیسے کا تیسرا تھلا خواجہ سیاران میں آن کر بزم شراب آراستہ ہوئی۔ ادھر کے سرداروں کو کبھیکہ لو انتظار کے ہاتھ اس مضمون کے فرمان بھیجے گئے کہ لشکر آتا ہے۔ تیار ہو کر حاضر ہو۔ دوسرے دن سوار ہوئے اور معجون کھائی گئی۔ دریائے بردان کے پاس پہنچے تو اگلے دن کی طرح ٹچلیاں پکڑنے کی دوا ڈالی۔ اور مچھلیاں پکڑیں میر شلہ بیک نے آتش حاضر کی اور گھوڑا نذر کیا۔

وہاں سے چلے اور گل بہار میں پہنچے۔ مغرب کے بعد شراب کا جلسہ ہوا۔ ان صحبتوں میں درویش محمد ساربان شریک ہوتا تھا۔ تھا تو جوان اور سپاہی لیکن شراب نہ پیتا تھا۔ صوفی تھا۔ مقلق خواجہ کو کلتاش مدت سے سپاہ گری کو چھوڑ فقیر ہو گیا تھا۔ اس کی عمر بہت تھی اور اس کی ڈاڑھی سفید ہو گئی تھی۔ بایں ہمہ ہمیشہ جلسوں میں شراب پیا کرتا تھا۔ میں نے درویش محمد سے کہا کہ خواجہ کی سفید ڈاڑھی کی شرم تو نہیں کرتا۔ وہ تو فقیر۔ بوڑھا اور سفید ریش ہو کر ہمیشہ شراب پئے اور اس کے کیا معنی کہ مشاء اللہ تو سپاہی۔ گہرے اور سیاہ ریش ہو کر منہ نہ لگائے چونکہ میرا قلعہ اور طریقہ یہ نہ تھا کہ جو شخص نہ پیتا ہو اس پر زبردستی کروں اس لئے اتنا ہی نہیں سے کہ چپ ہو رہا۔ اس کے دوسرے دن صبح کو صبحی پئی۔ چار شنبہ کو گل بہار سے کوچ کیا۔ میوہ خاقون کے گاؤں میں پہنچے اور ہم زرگر کے باغوں میں ڈیرے ہوئے۔ ظہر کے بعد شراب کا جلسہ ہوا۔ دوسرے دن خواجہ خان سعید کے مزار کی زیارت کی۔ حبیبہ تورغانی سے جلد میں سوار ہوئے۔ جہاں دریائے پنج ہیر ملتا ہے وہاں سے جلد نکلے ہی ایک پتھر سے ٹکرا کر ڈوبنے لگا۔ اور جب جلد پہاڑ پر پہنچا تو روح دم ٹکری قلی اور میر محمد جلد جان دریا میں گرے۔ روح دم اور ٹکری قلی کو بڑی مشکل سے نکالا اور جلد میں بٹھلایا۔ ایک چینی کا پہالہ۔ چمچہ اور دائرہ دریا میں گر پڑا۔ یہاں سے چلتے چلتے سنگ بریدہ کے پاس پہنچے تو نہ معلوم کسی شلخ سے یا کسی کھونٹے سے جلد ٹکرایا۔ شلہ حسین بیک ایک دفعہ ہی اونڈھا ہو گیا اور مرزا قلی کو پکڑ کر گر پڑا۔ درویش محمد ساربان بھی دریا میں گرا۔ مرزا قلی کے ہاتھ میں خربوزہ کاٹنے کی چھری تھی۔ یہ اس ڈھنگ سے گرا کہ گرتے

وقت چھری جلد کے بورے میں تھس گئی۔ مرزا قلی جلد میں نہ آیا۔ کپڑوں سمیت تیرتا ہوا نکل گیا۔ اس رات ہم جلد بانوں کے گھروں میں ٹھہرے۔ جیسا ہفت رنگا پیالہ دریا میں گرا تھا ویسا ہی پیالہ درویش محمد نے نذر کیا۔

جمعہ کو دریا کے کنارہ سے سوار ہو کر باریک کے دامن میں فروکش ہوئے۔ میں نے اپنے ہاتھ سے بہت سی مساکیں توڑیں۔ ظہر کے وقت حلق خواجہ کی جاگیر کے موضع لطفی میں مقام کیا۔ حلق خواجہ نے دعوت کی۔ کھانا کھا کے ہم سوار ہو گئے اور کلل میں داخل ہوئے۔ پیر کے دن پچیسویں تاریخ درویش محمد ساربان کو خلعت خاص اور گھوڑا معہ زین عنایت کیا۔ وہ آداب بجالایا۔ چار مہینے سے میں نے اصلاح نہ بنوائی تھی۔ بدھ کے دن ستائیسویں تاریخ اصلاح بنوائی۔ آج ہی شراب کا جلسہ ہوا۔ جمعہ کے دن انتیسویں تاریخ میر خورد کو حکم دیا کہ ہندال کی اتالیقی کی نذر گزارے۔ اس نے ہزار شاہرخی پیش کی۔ رمضان کی پانچویں تاریخ جمعرات کے دن تولک کو کلتاش کے پاس سے اس کا نوکر برلاس چکتی عرضی لایا۔ اس نواح میں ازبک کی فوج آگئی تھی۔ تولک نے جنگ و مقابلہ کے بعد اس کو ہزیمت دی۔ ایک ازبک کو زندہ گرفتار کیا۔ ایک کا سر کاٹ لیا۔ شنبہ کے دن آٹھویں تاریخ قاسم بیگ کے ہاں ہم نے روزہ کھولا۔ اس کے دوسرے دن خواجہ محمد علی اور جن خیر جو شریک لشکر ہونے کے لئے بلائے گئے تھے اپنے اپنے علاقوں سے آئے۔ بدھ کے دن بارہویں تاریخ سلطان علی مرزا کاماموں جو اگلے سال (جب ہم خوست کلل گئے ہیں) کا شہر گیا تھا آیا۔

قوم یوسف زئی پر یورش :- جمعرات کے دن تیرہویں تاریخ یوسف زئی قوم کی تنبیہ کے واسطے سوار ہوئے۔ اس مرغزار میں لشکر اترا جو وہ یعقوب سے کلل کی طرف ہے۔ سوار ہونے کے وقت بلاخان آخت جی نے گھوڑا اچھا نہ کسا تھا۔ میں جھلا گیا۔ اس کے منہ پر ایک گھونسا مارا۔ میری بیچ کی انگلی جڑ کے پاس سے اتر گئی۔ گرم گرم چوٹ تھی۔ اس وقت تو کچھ نہ معلوم ہوا۔ جب منزل پر اترے تو بہت تکلیف ہوئی۔ کئی دن یہی حال رہا۔ ایک حرف نہ لکھا جاتا تھا۔ آخر آرام ہو گیا۔ اسی منزل میں میری خالہ دولت سلطان خانم کا کاکا کا حلق قدم خانم کے پاس سے آیا۔ ان کا خط اور ان کی خبر لایا۔ آج ہی نوخان اور موسیٰ (سرداران دلہ زاک) حاضر ہوئے اور پیش کش لائے۔ اتوار کے دن سولہویں تاریخ قوج بیگ آیا۔ بدھ کے دن انیسویں تاریخ یہاں

سے چل کر ندی کے کنارے پر جہاں ہمیشہ ٹھہرتے ہیں اترے۔ چونکہ قوچ بیگ کا اور ازبک کا علاقہ قریب تھا اس لئے اس کو لشکر کی شرکت سے معاف کیا اور اسی منزل میں اپنے سر کی منڈیل اس کو عنایت کر کے اس کے علاقہ کی طرف جانے کی رخصت دی۔ جمعہ کے دن اکیسویں کو بلوام چشمہ میں آئے۔ دوسرے دن یاکاب میں پہنچے۔ میں قراقرم کی بھی سیر کرتا آیا۔ اسی منزل میں میں نے حمام کیا۔ اب منزل در منزل چلنا شروع کیا۔ بدھ کے دن پچیسویں تاریخ باغ وفا میں اترے۔ جمعرات کے دن باغ میں مقام کیا۔ جمعہ کو کوچ کر دیا۔ سلطان پور سے نکل کر ڈیرے پڑے۔ آج شاہ میر حسین اپنے علاقہ سے آیا تھا۔ مولے خاں اور سردارانِ ولہ زاک آج ہی حاضر ہوئے۔

یوسف زئی چڑھائی کرنے کے لئے سوات کی طرف رخ کیا۔ ولہ زاک ملکوں نے عرض کیا کہ ہشتھر میں بہت سے قبیلے ہیں۔ غلہ کثرت سے ہاتھ آئے گا۔ ادھر چلنا چاہئے۔ مشورہ کے بعد یہی بات ٹھہری کہ ہشتھر میں غلہ کثرت سے ہے تو وہیں کے پٹھانوں کو مار پیٹ کر اور غلہ لے کر قلعہ ہشترا قلعہ پشاور کو درست کر کے اس غلہ میں سے وہاں ذخیرہ جمع کرایا جائے اور شاہ میر حسین کو کچھ فوج کے ساتھ چھوڑ دیا جائے۔ اسی کام کے لئے شاہ میر حسین کو پندرہ دن کی رخصت دی کہ اپنے علاقہ میں جائے اور سلمان درست کر کے چلا آئے۔ ہم دوسرے دن کوچ کر کے جوئے شاہی پر اترے۔ اسی پڑاؤ پر ہنگری پر دی اور سلطان محمد دولدائی آکر ہمراہ ہوئے۔ قندز سے حمزہ بھی آج آگیا۔ اتوار کے دن سلخ کو جوئے شاہی سے کوچ ہو کر فریق اریق میں اترنا ہوا۔ میں کئی مصاحبوں سمیت جلاہ میں آیا۔ عید کا چاند اسی منزل میں دیکھا۔ کئی ٹخرس شریبہ کی درۂ نور سے لوگ لائے تھے۔ مغرب کے بعد جلسہ ہوا۔ اہل جلسہ محب علی قورچی بیگ خواجہ۔ محمد علی کتاب دار۔ شاہ حسین بیگ۔ سلطان محمد دولدائی اور درویش محمد ساربان تھے۔ درویش محمد بچپن سے صوفی تھا۔ میں نے تو کہہ دیا تھا کہ جو نہ پئے اس کو کیوں ستلیا جائے ہمیشہ درویش محمد شریک صحبت ہوتا تھا۔ لیکن کبھی کوئی اس سے اصرار نہ کرتا تھا۔ آج محمد علی نے کسی ترکیب سے اسے پلا ہی دی۔ دوسرے دن پیر کو عید ہوئی اور ہم سوار ہو گئے۔

تھمار دفع ہونے کے لئے راستہ میں معجون کا استعمال کیا۔ معجون والا تخم حنظل لایا۔ درویش محمد حنظل کو نہ پہچانتا تھا۔ میں نے کہا کہ ہندوستان کا بہدانہ ہے۔ ایک

کرچی توڑ کر میں نے اس کو دی۔ اس نے بڑے مزے سے چبایا مگر ایسا منہ کڑوا ہو گیا کہ شام تک تلخی نہ گئی۔ گرم چشمہ کی بلندی پر اتر کر تھوڑی دیر ٹھہرے تھے کہ لشکر خاں جو مدت سے ایک جگہ تھا آیا۔ کسی قدر معجون اس نے نذر کی۔ اور شرف اندوز ملازمت ہوا۔ یہاں سے چل کر پدہ سر میں اترے عصر کے وقت چند مصاحبوں کے ساتھ میں جگہ میں بیٹھا اور کوئی کوس بھر نیچے کی طرف جا کر چلا آیا۔ صبح وہاں سے کوچ کر دیا۔ خیبر کے پہاڑ کے نیچے اترتا ہوا۔ آج ہی سلطان بایزید ہماری خبر سن کر نیلاب سے آیا۔ یہ ہمارے پیچھے پیچھے نشیمنی راستہ سے آیا تھا۔ اس نے عرض کی آفریدی پٹھان مع بل بچوں اور نمل اسباب کے بارہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے دھان بہت بو رکھا ہے۔ کھیتی تیار ہے اور کٹنے کو ہے۔ چونکہ ہشتنغر میں یوسف زئی پٹھانوں کا تخت و تاراج کرنا ٹھن لیا تھا اس لئے ادھر آکھ اٹھا کہ نہ دیکھا۔ ظہر کے وقت خواجہ محمد علی کی قیام گاہ میں جلسہ ہوا۔ اسی جلسہ میں اس طرف آنے کی کیفیت سلطان تیرائی کے ہاتھ خواجہ کلاں کو بجور لکھ بھیجی۔ فرماں کے حاشیہ پر یہ شعر میں نے لکھ دیا۔

صبا بہ لطف بگو آں غزال رعنا را

کہ سر بکوبہ و بیاباں تو دادہ مارا

وہاں سے کوچ کر کے خیبر کے پہاڑ اور گھٹائی سے نکل علی مسجد میں آئے۔ ظہر کے وقت میں بمیر سے الگ ہو کر روانہ ہوا۔ تقریباً آدمی رات آئی ہو گی جو دریائے کلل کے کنارہ پر آگیا۔ ذرا سو رہا۔ صبح ہی لھٹ کا پتا لگا دریا سے عبور کیا۔ اطلاع دی کہ افغان لوگ حل سن کر بھاگ گئے۔ دریا سے اتر کر افغانوں کے کھیتوں میں ہم پہنچے۔ جتنا بیان کیا تھا اس کا آدھا بلکہ چوتھائی غلہ بھی ہاتھ نہ آیا۔ اور ہشتنغر پر اسی امید سے چڑھائی کی تھی کہ خوب غلہ دستیاب ہو گا۔ جن دلہ زاک ملکوں نے اس یورش کی صلاح دی تھی وہ بہت ہی منفعل ہوئے۔ عصر کے وقت دریائے سوات سے کلل کے رخ چل کر اترے، دوسرے دن دریائے سوات سے کوچ کیا۔ اور دریائے کلل پر اترتا ہوا۔

آفریدیوں پر یورش کی تجویز :- امراء سے مصلحت کی۔ یہ تجویز قرار پائی کہ سلطان بایزید نے آفریدیوں کا حل بیان کیا تھا ان پر چڑھائی کرنی چاہئے۔ اور ان کے مال و غلہ سے قوت حاصل کر کے قلعہ پشاور کو آراستہ کر لیجئے۔ اور کسی کو وہاں مقرر کر

دیکھئے۔ ہندو بیک اور مرزا ہادی اسی مقام پر حاضر ہوئے۔ آج بس وقت معجون کا استعمال کیا ہے اس وقت درویش محمد ساربن۔ محمد کوکلتاش، کدائی طغائی اور عس اوغان حاضر تھے۔ شاہ حسین کو بھی بلا لیا۔ آتش نوش کرنے کے بعد عصر کے وقت جلاہ میں بیٹھے۔ لشکر خاں ساری کو بھی جلاہ میں بلا لیا۔ مغرب کے وقت جلاہ سے نکل لشکر میں آئے۔ پھر تجویز مذکورہ کے بموجب دریا کے کنارہ سے صبح ہی کوچ کر دیا۔ کشتی میں بیٹھ دریا سے اترے اور علی مسجد میں ٹھہرے۔

بدخشاں کے فساد کی خبر آئی :- ابو الہاشم سلطان علی نے آکر عرض کیا کہ عرذ کی رات کو جوئے شاہی میں جو شخص بدخشاں سے آیا تھا۔ مجھ سے ملا۔ اس کا بیان ہے کہ سلطان سعید خاں نے بدخشاں پر چڑھائی کی ہے۔ میں بلاشاہ سے اطلاع کرنے آیا ہوں۔ یہ سنتے ہی امراء کو بلا کر مشورہ کیا۔ اس خبر کے سننے سے قلعہ کے درست کرنے کی نہ ٹھہری۔ بدخشاں جانے کے قصد سے مراجعت کر دی۔ لشکر خاں کو خلعت دیا۔ اس رات خواجہ محمد علی کے خیمہ میں شراب کا جلسہ ہوا۔ دوسرے دن اندھیرے میں کوچ کر دیا۔ خیبر کے پہاڑ سے نکل پہاڑ کے نیچے اترے۔

خضر خیل کا انتظام :- خضر خیل نے بہت ملائق حرکتیں کی تھیں۔ لشکر کے آنے جانے کے وقت جو اکا دکا پیچھے رہ جاتا تھا اور لشکر سے دور ہوتا تھا اس کا گھوڑا چمین لیتے تھے۔ ان کو سزا دینی لازم تھی۔ اس خیال سے صبح کوچ کر غلاموں کے گلوں میں دوپہر کزاری اور ظہر کے وقت گھوڑوں کو دانہ گھاس کھلا سوار ہو گئے۔ محمد حسین قورچی کو کابل بھیجا کہ جو خضر خیل کابل میں ہیں ان کو قید کر لے۔ اور ان کا مل اسباب ضبط کرنے کے بعد اطلاع دے اور بدخشاں کا جو حال ہو اس کو بھی مفصلاً لکھ بھیجے۔ اسی رات کوچ کر دیا۔ دوپہر تک چلتے رہے۔ سلطان پور سے تھوڑی دور نکل کر اترے۔ تھوڑی دیر سوئے اور پھر چل کھڑے ہوئے۔ خضر خیل کے لوگ مقام بہار اور صبح رام میں پڑے ہوئے تھے۔ صبح سویرے ان کو جالیا۔ فوج کی ایک ٹکڑی روانہ کر کے پہاڑ پر بھاگ گئے۔ اس کے دوسرے روز مقام فیلاعو میں اترنا ہوا۔ اسی منزل میں ایک ہرمل پکڑا گیا۔ جو لشکر پیچھے رہ گیا تھا وہ اسی منزل میں آن ملا۔ وزیری افغان ہمیشہ نھنڈے پیٹوں محمول نہ دیتے تھے۔ اس سیاست سے انہوں نے تین سو دہے پیش کئے۔ جس دن میرے ہاتھ میں درد ہوا تھا اس دن سے ایک حرف نہ لکھا تھا۔ آج کے

دن چودھویں تاریخ کچھ لہنے کا شغل کیا۔ دوسرے دن صبحی اور سمو یا افغانوں سے سردار حاضر ہوئے۔ دلہ زاک کے امراء نے ان کی بہت سفارش کی۔ خیر ان کے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ ان کے قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ چار ہزار دینے ان پر محصول مقرر کر دیا۔ ان کے سرداروں کو غلت دے اور تحصیل دار معین کر دے۔

جانب کاٹل مراجعت :- اس کام سے فرصت پا کر جمعرات کے دن اٹھارہویں تاریخ بہار اور مسیح کرام کا قیام کیا۔ دوسرے دن باغ وفا میں آگئے۔ باغ وفا خوب تیار تھا۔ تمام صحن باغ سرسبز تھا۔ حوض بھرے ہوئے تھے۔ سارے درخت شاداب تھے۔ تاریخ کے درخت جھوم رہے تھے۔ درختوں کی بھی کثرت تھی۔ اور پھل بھی بہت تھا۔ مرنج نارنج ابھی اچھی طرح پختہ نہ ہوئی تھے۔ اس کے انار اگرچہ ولایت کے اناروں سے تو لگا نہیں کھاتے مگر پھر بھی عمدہ ہوتے ہیں۔ باغ وفا کو دیکھ کر ایک دفعہ ہی دل باغ باغ ہو گیا۔ اب کی بار جو تین چار دن تک باغ میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا تو تمام اہل لشکر نے خوب انار چٹ کئے۔ پیر کے دن باغ وفا سے ہم نے کوچ کر دیا۔ سب چلے گئے میں کوئی پیر بھر تک ٹھہرا رہا۔ دو درخت شاہ حسین کو عنایت کئے۔ کچھ اور عمدہ داروں اور امراء کو بھی عطا کئے۔ کسی کو ایک درخت دیا کسی کو دو دیئے۔ چونکہ جاڑے کے موسم میں ملتان کی سیر کا قصد تھا اس لئے حکم دیا کہ حوض کے گرد جو درخت ہیں ان کی انہی طرح حفاظت کی جائے۔ آج گندک میں خیمے پڑے۔ شام کے قریب شراب نوشی کی بزم منعقد ہوئی۔ اکثر مصاحب شریک بزم تھے۔ آخر میں قاسم بیگ کا بھانجا کدائی محمد کو ہوش نہ رہا۔ نشہ کی زیادتی میں میرے پہلو کے تکیہ سے لگ کر ہو بیٹھا۔ کدائی طغائی اس کو مجلس سے اٹھالے گیا۔ یہاں سے اندھیرے میں چل کھڑے ہوئے۔ درہ کے اوپر کی جانب وہاں کی سیر کرنے گئے۔ جہاں سے دریائے خوروق سائی نکلتا ہے۔ اس جگہ براق کے کچھ درخت تھے جو کیفیت کھا رہے تھے۔ ہم یہیں ٹھہر گئے۔ جام شراب کا دور چلنے لگا۔ راستہ میں سے دینے لے لئے تھے۔ ان کے کباب لگائے۔ درخت بلوط کی شاخوں کو آگ لگا کر ان کا تماشا دیکھتے رہے۔ ملا عبدالملک دیوانہ نے جو میرے آنے کی خبر سنی تو اس نے کاٹل چلنے کی خواہش کی۔ اس کو کاٹل بھجوا دیا گیا۔ حسن نمبر بھجھ سے اجازت لے کر مرزا خان کے پاس سے آیا تھا۔ یہیں اس نے ملازمت حاصل کی۔ دوپہر کو یہاں شراب کا شغل کیا۔ پھر سارا ہو گئے۔ اہل مجلس نشہ میں چور تھے۔ سید

قاسم کو ایسا نشہ تھا کہ این ترخان اور مستی چہرہ وغیرہ جو اس کے ہمراہ تھے انہوں نے بہتیرا سنبھالنا چاہا مگر گھوڑے پر سوار نہ کر سکے۔ سر پر پانی بھی ڈالا وہ ہوشیار نہ ہوا۔ اسی موقع پر افغانوں کا ایک گروہ دکھائی دیا۔ امین ترخان کو خیال آیا کہ اس کو یہیں پڑا رکھنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ پٹھان آن کر اس کو پکڑ لے جائیں۔ یا سرکٹ لیں۔ جس طرح بنے لے چلنا چاہئے۔ بارے بڑی دقت سے گھوڑے کی پیٹھ پر ڈال لے آئے۔

کابل میں داخل ہوئے :- آدمی رات گئے ہم داخل ہوئے۔ دوسرے دن دیوان قلی بیگ سفیر ہو کر سلطان سعید کے پاس کاشغر گیا تھا۔ حاضر ہو کر شرف یاب ملازمت ہوا۔ مرزا انبارچی بھی قلی بیگ کے ساتھ گیا تھا۔ یہ لوگ اس ملک کی کسی قدر سوغات بھی لائے۔ چار شنبہ غرہ ذیقعدہ کو کور قاتل کے قریب اکیلے جا کر میں نے صبحی لوش کی۔ اس کے بعد اہل مجلس بھی ایک ایک دو دو آگئے۔ دن چڑھے بلخ ہنشتہ میں جا کر حوض کے کنارے پر شراب پی۔ دوپہر کو ذرا نیند لے لی۔ دوپہر کے بعد پھر شراب کا دور چلا۔ اسی جلسہ میں ننگری قلی بیگ معٹک کو جس کو کبھی پہلے اپنی صحبت میں شراب نہ پلائی تھی شراب پلائی۔ عشاء کے وقت میں حمام میں آیا۔ رات کو حمام ہی میں رہا۔ جمعرات کے دن ہندوستانی سوداگروں کو جن کا میر قافلہ یحییٰ لوظلی تھا کئی خلعت عطا کئے۔ اور رخصت کیا۔ اتوار کے دن چھوٹے صورت خانہ میں جلسہ ہوا۔ اگرچہ وہ چھوٹا سا حجرہ ہے مگر سولہ آدمی اس میں سما گئے۔

سیر موسم خزاں :- پیر کے دن موسم خزاں کی سیر دیکھنے استائف گئے۔ آج معجون کا شغل ہوا۔ آج خوب مینہ برسا۔ جو امراء اور سپاہی ہمراہ تھے ان میں سے اکثر بلخ میں گئے اور درختوں کے نیچے ہو بیٹھے۔ دوسرے دن اسی بلخ میں شراب کا جلسہ ہوا۔ رات بھر شراب اڑی۔ صبح کی صبحی نے سب کو سلا دیا۔ دوپہر کے بعد استائف سے چلے۔ رستہ میں معجون کھائی۔ عصر کے وقت ہم ہنزاد میں آگئے۔ خزاں بڑی بہار کی تھی۔ اٹائے سیر میں یاروں نے شراب پینے کے لئے ہلایا۔ گو معجون کھالی تھی مگر خزاں کی جو کیفیت خوب تھی تو خزاں رسیدہ درختوں ہی کے نیچے بیٹھ کر جام شراب کا دور چلا۔ عشاء کے وقت تک وہیں جلسہ ہوتا رہا۔ اتنے میں ملا محمود خلیفہ آیا۔ اس کو بھی صحبت میں بٹھالیا۔ عبداللہ کو بہت نشہ ہو گیا تھا۔ خلیفہ سے کچھ کہنے لگا۔ ملا محمود کا خیال نہ رہا۔ یہ مصرعہ پڑھنے لگا۔ ع

در ہر کہ بجلی بہ ہمیں داغ جلاست

ملا محمود ہشیار تھا۔ عبداللہ کے اس معرہ پڑھنے پر ہنسی سے ملا محمود نے بہت اعتراض جڑے۔ عبداللہ سمجھا اور گھبرایا۔ لگا میٹھی میٹھی باتیں کرنے۔ جمعرات کے دن سولیس تاریخ بلخ ہفتہ میں عجوبہ کھائی۔ بعض مصاحبوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے۔ ہمایوں اور کامران بھی آگئے۔ ہمایوں نے ایک مرغابی کا شکار مزہ سے کیا۔

ہفتہ کے دن اٹھارہویں تاریخ دوپہر کو چار بلخ سے سوار ہوا۔ تو قطار وغیرہ مقلت میں گشت کرتا ہوا پل بابا پر سے ہو دیورتن کی گھٹلی سے نکل رود بازار یان کی کاریز پر پہنچا۔ اور حرم خانہ کے رستہ سے شام کو تروی بیگ کی کاریز پر آگیا۔ تروی بیگ میرے آنے کی سنتے ہی گھبرا کر دوڑ آیا۔ اس کی مفلسی مجھے معلوم تھی۔ میں سو شاہر خیاں لیتا گیا تھا۔ وہ اس کو دے دیں۔ اور کہا کہ شراب و سلن لے آ۔ دل چاہتا ہے کہ جلسہ کریں۔ تروی بیگ سب کچھ لینے ہزاوی کو گیا۔ میں نے اپنا گھوڑا تروی بیگ کے ایک غلام کے ہاتھ ایک درہ میں بھیج دیا اور آپ کاریز کے پیچھے ایک ٹیلے پر ہو بیٹھا۔ کوئی پہر بھر کے بعد تروی بیگ شراب کا ایک خم لایا۔ ہم شراب پینے لگے۔ تروی بیگ جب شراب لایا ہے تو محمد قاسم برلاس اور شاہزادہ کو بھی معلوم ہو گیا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے پیدل ہی چلے آئے۔ میں نے ان کو شریک صحبت کر لیا۔ تروی بیگ نے عرض کیا کہ مل مل آنکھ چاہتا ہے کہ وہ اور قبیر بیگ شراب پئیں۔ میں نے کہا کہ میں نے انہیں شراب پیتے کبھی نہیں دیکھا۔ کیا مضائقہ ہے بلا لو۔ شاہی نام ایک درویش کو بھی ایک کاریزی کے ساتھ جلسہ میں بلا لیا۔ کاریز کے عقب میں ایک اونچی جگہ بیٹھے ہوئے شام تک شراب پیتے رہے۔ پھر تروی بیگ کے گھر آگئے۔ شمع روشن کر دی۔ اور بڑی رات گئے تک یہی مشغلہ رہا۔ عجب بے تکلف صحبت تھی۔ میں ذرا لیٹ رہا۔ اہل مجلس نقارہ بجنے کے وقت تک پیتے رہے۔ مل مل آنکھ نے مجھے بہت سلام کئے۔ آخر میں نشہ کا ہلانہ کر کے کھسک گیا۔

میرا ارادہ تھا کہ لوگوں کو غفلت دے کر اکیلا استرخنج چلا جاؤں۔ مگر سب جلن گئے۔ جس وقت نقارہ بجاتا ہے اس وقت میں سوار ہوا۔ تروی بیگ اور شاہزادہ کو اطلاع کر کے تین آدمیوں کو ہمراہ لے استرخنج روانہ ہوا۔ نماز کے وقت استانف کے نیچے مقام خواجہ حسن میں تھوڑی دیر ٹھہرا۔ عجوبہ کھائی اور خزاں کی سیر کرتا رہا۔ سورج

نکلتے ہی بلغ اسٹاف میں آگیا۔ کچھ انگور و انگور کھائے۔ پھر سوار ہو خواجہ شہاب (جو اسٹرینج کے علاقہ میں ہے) آکر سو رہا۔ میرا آخر کا گھر یہیں تھا۔ میرے بیدار ہونے تک اس نے آتش تیار کر رکھی۔ جب اٹھا تو آتش اور ایک شراب کا خم حاضر کیا۔ خزاں نہایت کیفیت کی تھی۔ میں کئی جام پی کر سوار ہو گیا۔ ظہر کے وقت اسٹرینج کے ایک عمدہ بلغ میں آکر ٹھہرے بزم شراب منعقد ہو گئی۔ لمحہ بھر کے بعد خواجہ محمد امین آمو جو دو ہوا۔ عشاء کے وقت تک جلسہ رہا۔ اسی رات اور اسی دن عبداللہ مس۔ نور بیگ اور یوسف علی آگئے۔ دوسرے دن آتش کھانے کے بعد سوار ہو گئے۔ بلغ بلوشانی کی (جو اسٹرینج سے نیچے کی جانب ہے۔ سیر کی) اس میں ایک سیب کا درخت خزاں رسیدہ دیکھا۔ کئی شاخوں میں پانچ چھ پتے رہ گئے ہوں گے۔ اس کی ہیئت ایسی تھی کہ اگر مصور لاکھ جان مارے تو بھی اس کا نقشہ نہ کھینچ سکے۔

اسٹرینج سے چلے۔ خواجہ حسن میں آتش کھائی۔ اور مغرب کے وقت ہزادی میں آگئے۔ خواجہ محمد امین کے مکان میں اترے اور شراب کا فاضل رہا۔ اس کے دوسرے دن منگل کو کابل کے چار بلغ میں آگئے۔ جمعرات کے دن تیسویں تاریخ یمل سے قلعہ میں گئے۔ جمعہ کو محمد علی رکاب دار ایک قوی لغون کو پکڑ لایا اور پیش کیا۔ ہفتہ کے دن چھیسویں تاریخ بلغ چنار میں جلسہ ہوا اور عشاء کے وقت برخاست ہو گیا۔ سید قاسم پچھلے واقعہ سے شرمندہ تھا۔ اس کے ہاں گئے اور چند جام پئے۔ جمعرات کے دن غزہ ذی الحجہ کو تاج الدین محمود قندھار سے آکر ملا۔ ہفتہ کو محمد علی تاجیک آیا۔ منگل کو لشکر خاں جنجوبہ نے بہیرہ سے آکر ملازمت حاصل کی۔ جمعہ تیسویں تاریخ علی شیر بیگ کے چاروں دیوانوں کا انتخاب پورا ہو گیا۔ منگل کے دن ستائیسویں تاریخ ارک میں جلسہ ہوا۔ اس جلسہ میں میں نے حکم دیا کہ جس وقت کسی شخص کو نشہ بہت ہو جائے اسی وقت اس کو جلسہ سے باہر کر دو۔ اور دوسرے کو بلا لو۔ جمعہ کے دن سلخ کو لمخان کی سیر کے لئے میں روانہ ہوا۔

۷۹۲ھ کے واقعات

ہفتہ کے دن محرم کی پہلی تاریخ خواجہ سیاران میں ہم گئے۔ ایک نیلے پر جو ندی

کے کنارے تھا شراب کا جلسہ کیا۔ دوسرے دن ریگ رواں کی سیر کی۔ سید قاسم کے بللی خانہ میں ہم نے قیام کیا اور جلسہ کیا۔ صبح وہاں سے مجھ کو کھا کر سوار ہو گئے اور مقام لکیر میں مقام ہوا۔ رات کو تو شراب نہ پی تھی۔ البتہ صبح کو صبوحی پی گئی۔ ظہر کے وقت درنامہ میں آگئے۔ شراب کی مجلس آراستہ ہوئی۔ صبح اندھیرے منہ صبوحی کی۔ درنامہ کے سردار حسن داؤ نے اپنا بلغ نذر کیا۔ جمعرات کے دن تائبکیوں کے ایک گلوں میں جو علاقہ بخراؤ ہے ڈیرے پڑے۔ جمعہ کے دن چل قلبہ اور دریائے باران کے بیچ میں جو پہاڑ ہے وہاں شکار کیا۔ جب سے میری انگلی میں ضرب آئی تھی میں نے تیر کو ہاتھ نہ لگایا تھا۔ آج کلن لیزم سے ایک ہرن کے بازو میں ایسا اچھا تیر مارا کہ آدھے پر خانہ تک ٹھس گیا۔ عصر کے وقت شکار سے فارغ ہو بخراؤ میں آگئے۔ اس کے دوسرے دن بخراؤ والوں کو پیش کش۔ ساٹھ مشقل سونا مقرر کیا۔ دل چاہتا تھا کہ اس سفر میں ہاپوں بھی ساتھ رہے۔ مگر وہ نہ ٹھہرا۔ کوئل کوزہ سے اسے رخصت کر دیا۔ ہم بدران میں آن اترے۔ دریائے باران میں سے ماہی گیروں نے بہت سی مچھلیاں پکڑیں۔ چار گھڑی دن رہے جالہ میں بیٹھ کر شراب کا شغل ہوا۔ شام کو جالہ میں سے اترے۔ اور سفید مکان میں آکر شراب پی گئی۔ حیدر علی علم دار کو اپنی طرف سے کافروں کے پاس بھیجا تھا۔ وہ کافروں کے پانچ سرداروں کو مع بہت سی شراب کے کوئل مار کے نیچے لایا۔ سب نے ملازمت حاصل کی۔ پہاڑ سے نکلنے کے وقت دیکھا کہ شکار کثرت سے ہے۔ دوسرے دن جالہ میں بیٹھے اور مجھ کو کھائی۔ بولاق کے راستہ سے بہت نیچے نکلے۔ اور لشکر میں آئے۔ جالے دو تھے۔ جمعہ کے دن کوچ کیا۔ مندو اور سے دامن کوہ کے نیچے قیام ہوا۔ رات کو شراب کا جلسہ ہوا۔ ہفتہ کو جالہ میں بیٹھے۔ تنگی کے مارے اس کو تنہ میں چھوڑا اور ہم جہاں نما سے اوپر کی جانب جالہ سے باہر آکر بلغ وفا کی طرف چلے۔ یہ بلغ اوینہ پور کے پاس ہے۔ جالہ سے اترتے وقت قیام شاہ حاکم نیک نمار نے حاضر ہو کر ملازمت حاصل کی۔

بہت دن سے لشکر خان ساری نیلاب میں تھا۔ وہ بھی آکر باریاب ہوا۔ بلغ وفا میں ہم اترے اس کے تاریخ خوب پختہ ہو گئے تھے۔ زرد اور صاف تھے۔ پانچ چھ دن تک بلغ وفا میں ہم مقیم رہے۔ ارادہ تھا کہ چالیس برس کی عمر میں شراب سے توبہ کر لوں اور اب چالیسویں سال میں ایک برس سے کچھ کم باقی ہے۔ اس واسطے دل کھول کر

شراب پی جاتی ہے۔ اتوار کے دن اٹھارویں کو صبحوتی پینے کے بعد ہوشیار ہوئے۔ ہم
مجنون کھا رہے تھے کہ ملا باربک نے جو نقش بنایا تھا پیش کیا۔ اچھا نقش بنایا تھا۔ مدت
سے میں ادھر متوجہ نہ ہوا تھا۔ مجھے بھی خیال ہوا کہ کچھ بتاؤں میں نے چار گلوں کی
صورت بنائی۔ چنانچہ اپنے موقع پر اس کا ذکر کیا جائے گا۔ بدھ کے دن انہی سے میں
نے حکم دیا کہ جو شخص تاجیکی گانا گائے اس کو ایک پیالہ شراب کا ملے گا۔ اس سے
بہتوں نے شراب پی۔ صبح صلاق سے پہلے درخت چنار کے نیچے جو چمن میں ہے بیٹھ
کر حکم دیا کہ جو ترکوں کا گانا گائے وہ ایک پیالہ پئے۔ یہاں بھی بہت سوں نے شراب
پی۔ آفتاب نکلنے کے وقت نارنج کے درختوں کے نیچے حوض کے کنارے پر شراب پی
گئی۔ دوسرے دندونہ سے جالہ میں بیٹھ جوئے شانی سے پار ہو مقام اسر میں پہنچے۔ اسر
سے چلے تو درۂ نور کی سیر کرتے ہوئے موضع ساسون پہنچے اور وہاں سے پلٹ کر آلہ
میں آن اترے خواجہ کلاں نے بجور کا عمدہ انتظام کیا تھا۔ چونکہ وہ مصاحب تھا اس لئے
اس کو بلا لیا اور بجور کو شلہ میر حسین کے سپرد کیا۔ منگل کے دن ہائیسویں تاریخ شلہ
میر حسین کو رخصت دی۔ آج آلہ میں بھی سے نوشی ہوئی۔ دوسرے دن مینہ برسلا۔
ہم بارش ہی میں کرے کلمہ کرام میں جہاں ملک قلی خاں کا مکان ہے آئے۔ اس کے
مختلے بیٹے کا مکان نارنج زار کے پاس ہے۔ اس میں اترے۔ بارش کی وجہ سے نارنج
زار میں نہ گئے۔ وہیں پینے پلانے کا شغل ہونے لگا۔ مینہ کی جھڑی لگ گئی۔ مجھے ایک
تعویذ دیا تھا۔ میں نے ملا علی کو سکھایا۔ اس نے کفہ کے چار پرزوں پر اس کو لکھ کر جو
چار طرف اٹکایا تو فوراً مینہ ختم گیا۔ اور ہوا نے ابر کو چھا دیا۔

دوسرے دن جالہ میں بیٹھے۔ دوسرے جالہ میں اور لوگ بیٹھے۔ و بجور کی لوح
میں گھاس کے سر پر سے ایک چیز لیتے ہیں جس کو یکم کہتے ہیں۔ اس کا بوزہ بناتے ہیں
اور نکلیں بنا کر خشک کر لیتے ہیں۔ اس بوزہ کی اصل یکم ہے۔ بعض بوزہ بہت نشہ کا
ہوتا ہے۔ مگر بے حد کڑوا اور بد مزہ ہوتا ہے۔ میں نے بھی اس کا استعمال کرنا چاہا تھا مگر
اتنا کڑوا تھا کہ منہ نہ لگا سکا۔ آخر مجنون کھالی عس، حسن انکرک اور مستی دوسرے
جالہ میں بیٹھے تھے۔ ان کو حکم دیا کہ اس بوزہ کو کھلو۔ اس کو تو ایسا نشہ ہوا کہ حسن
انکرک بیسودہ طرح سے بہکنے لگا۔ عس آپے سے باہر ہو گیا۔ لگا اچھلنے کودنے۔ میں
ان کی حرکتوں سے تنگ ہونے لگا۔ میرا ارادہ ہوا کہ ان کو جالہ سے نکلوا کر دریا میں

دھکے دلا دوں۔ بعض نے سفارش کی میں چپکا ہو رہا۔ ان ہی دنوں میں بجور شلہ میر حسین کے سپرد کر کے خواجہ کلاں کو میں نے بلا لیا۔ اس لئے کہ خواجہ کلاں میرا مصاحب تھا۔ بجور میں اسے رہتے ہوئے بہت دن ہو گئے تھے اور بجور کا انتظام بھی ہو گیا تھا۔ دریائے گزدار سے عبور کرتے وقت شلہ میر حسین کو بعض باتیں زبانی سمجھا دیں اور مختار کر کے رخصت کر دیا۔

ہم نور گل کے قریب پہنچے تو ایک بڑھا آکر بھیک مانگنے لگا۔ جو لوگ جلدہ میں بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ہر کسی نے چغہ۔ پکڑی اور اور چیزیں اسے دیں۔ غرض وہ بہت کچھ لے گیا۔ آدمی راستہ پر جلدہ ایک بری جگہ ٹکرایا۔ بہت ہی گھبراہٹ ہوئی۔ اگرچہ جلدہ غرق نہ ہوا مگر میر محمد جلدہ بن دریا میں گر پڑا۔ رات کو امر کے قریب رہے۔ ہفتہ کے دن میدر میں آگئے۔ خلق قدم اور اس کے باپ دولت قدم نے جلدہ کا سلن کر رکھا تھا۔ گودلچپ جگہ نہ تھی۔ لیکن ان کی خاطر سے کئی پیالیاں پی لیں۔ دوپہر کے بعد لشکر میں آگئے۔ بعد کے دن چشمہ کندگری میں نے سیر کی۔ کندگری ایک گلوں ہے۔ توہن مندر اور کے علاقہ میں۔ اس سارے علاقہ میں کھجور نہیں پیدا ہوتی ہے۔ یہ موضع پہاڑ کے دامن سے بہت اونچا آباد ہے۔ اس کے باغات اس کے مشرق میں ہیں اور یہ باغوں کے کنارہ پر واقع ہے۔ چشمہ کے سرے سے چھ سات گز نیچے پتھر جن کر نہانے کا ٹھکانا بنا دیا ہے۔ پانی گرنے کی جگہ اس کے اوپر بنا دی ہے۔ جو نہانے بیٹھے پانی اس کے سر پر گرتا ہے۔ اس چشمہ کا پانی بہت معتدل ہے۔ جاڑوں میں کوئی اس پانی سے نہائے تو پہلے اسے پانی ٹھنڈا معلوم ہو گا۔ پھر چاہے جتنا اس میں رہے ناگوار نہیں ہوتا۔

جمرات کے دن شیر خاں نے اپنے ہاں اتارا اور دعوت کی۔ ظہر کے وقت سوار ہو کر ماہی خانہ میں آئے جو تیار کر رکھا تھا اور مچھلیاں پکڑیں۔ یہ دیسا ہی ماہی خانہ ہے جس کا بیان ہو چکا ہے جمعہ کے دن خواجہ میر میراں کے موضع کے قریب اترے۔ مغرب کے بعد جلدہ ہوا۔ ہفتہ کے دن علی شک اور انکار کے بیچ میں جو پہاڑ ہے اس میں شکار کھلا۔ ایک طرف سے انکاریوں نے اور دوری جانب سے علی شنکیور نے ہانکا کر کے ہرنوں کو پہاڑ میں سے نکالا۔ بہت سے ہرن شکار ہوئے۔ شکار سے واپس آئے تو انکار میں آئے۔ اور ملکوں کے بلغ میں ٹھہرے۔ صبح گرم ہوئی۔ میرا

مآگے کا ایک دانت آدھا ٹوٹ گیا تھا۔ آدھا باقی تھا۔ آج کھانا کھاتے میں وہ بھی ٹوٹ گیا۔ دوسرے دن سوار ہو کر پھیلیاں پکڑیں۔ دوپہر ہو گئی تھی کہ ملیشنگ میں پہنچے۔ باغ میں گئے اور شراب پی۔ دوسرے دن حمزہ خاں (ملک علی شاہ کا بیٹا) کو جس نے بہت سے خون ناحق کئے تھے اس کے مدعیوں کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے اس سے بدلہ لے لیا۔ منگل کے دن دخیفہ پڑھ کر بولارغ کے نیچے کے راستہ سے کلل کی طرف مراجعت کی۔ عصر کے وقت النغورات سے چل کر مغرب کے وقت قراتو میں آگئے۔ گھوڑوں کو دانہ چڑھا دیا۔ اور ہمارے لئے خاصہ حاضر کیا۔ گھوڑے دانہ کھا کر اور ہم کھانا کھا کر سوار ہو گئے۔

۹۳۲ھ کے واقعات

ہندوستان کا قصد۔ جمعہ کے دن صفر کی پہلی تاریخ ۹۳۲ھ میں جب کہ آفتاب برج قوس میں تھا ہندوستان کی طرف چلنے کا قصد کیا۔ تھوڑی دور چل کر وہ یعقوب کے مغرب میں جو مرغزار ہے وہاں فروکش ہوئے۔ اس منزل میں عبدالملک تورچی (سات آٹھ مہینے سے سفیر ہو کر سلطان سعید خاں کے پاس گیا ہوا تھا) ہانگے بیک کو کلتاش کے ساتھ حاضر ہوا۔ خان وغیرہ کے خطوط اور سوغاتیں لایا۔ لشکر فراہم ہونے کے لئے دو دن تک یہیں قیام رہا۔ یہاں سے کوچ کر کے رات گزرنے کے بعد بادام چشمہ پر آن اترے۔ اس منزل میں میں نے معجون کھائی۔ بدھ کے دن جب دریائے بارہک پر ہم ستر ٹھہرے خواجہ حسین دیوان لاہور نے چوبیس ہزار شاہرخ کی برابر سونا۔ کچھ اثرنیاں اور روپے نور بیک کے ہاتھ بھیجے تھے وہ پہنچے۔ کسی قدر اس میں سے ملا احمد کے ہاتھ بلخ والوں کے لئے بلخ روانہ کیا۔ جمعہ کے دن آٹھویں تاریخ کندک میں مجھے جڑے سے بخار چڑھا۔ الحمد للہ کہ جلدی سے اتر گیا۔

ہفتہ کے دن باغ وفا میں اترے۔ ہمایوں اور اس طرف کے لشکر کے انتظار میں تھی دن باغ وفا میں ٹھہرنا ہوا۔ باغ وفا کا محل اس کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔ باغ تو باغ ہی ہے۔ جو خریداری کی نظر سے دیکھے گا وہ جانے گا کہ کیسا باغ ہے۔ جتنے دن ہم وہاں رہے اکثرے نوشی کا شغل رہا۔ شراب نہ پی تو معجون کھائی۔ وقت مقررہ پر نہ آنے سے ہمایوں کو کئی خط بھیجے۔ تاکید کی اور بہت سخت و سست الفاظ لکھے۔ ہفتہ کے دن سترہویں تاریخ صبحی پی جا چکی تھی کہ ہمایوں آیا۔ تاخیر کے سبب سے ذرا اس کو ڈانٹا۔

آج ہی خواجہ کلاں بھی غزنی سے آگیا۔ دو شنبہ کی رات کو نئے بلخ میں جو سلطان پور اور خواجہ رستم کے درمیان میں بنا ہے آئے۔ بدھ کو وہاں سے کوچ کر دیا۔ جالہ میں بیٹھے قوس گنبد تک شراب پیتے رہے۔ قوس گنبد میں جالہ سے نکل لشکر میں آئے۔

دوسرے دن لشکر کو چلتا کیا اور ہم جالہ میں بیٹھے۔ معجون کھائی۔ فریق ارباق میں پہنچے۔ وہاں ہر چند ادھر ادھر دیکھا کہیں لشکر کا پتا نہ ملا۔ گھوڑے بھی نظر نہ آئے۔ دل میں آئی کہ چشمہ قریب ہے۔ اور وہاں سلیہ بھی ہے۔ شاید لشکر وہیں اترا ہو۔ چشمہ پر پہنچے۔ وہاں بھی لشکر کا نشان نہ پایا۔ رات ہو گئی تھی۔ رات کو پھرتے رہے۔ آخر جالہ ایک جگہ ٹھہرا دیا۔ اور ذرا نیند لے لی۔ نماز سے پہلے یہ سرا میں آئے۔ آفتاب نکلے لشکر والے سیر کرتے ہوئے آنے شروع ہوئے۔ یہ لوگ دو روز سے فریق ارباق میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مگر ہم کو نہ دکھائی دیئے۔ جالہ میں اکثر وہ لوگ تھے جو شعر کہتے تھے جیسے شیخ ابو الوجد۔ شیخ زین۔ ملا علی خان۔ تروی بیگ اور خاکسار وغیرہ۔ اثنائے صحبت میں محمد صلح کا یہ شعر پڑھا گیا۔

محبوبی ہر عشوہ گرے راچہ کند کس

جائیکہ تو باشی و گرے راہ کند کس

فرمائش کی کہ اس زمین میں کچھ کہو۔ شاعر اور موزوں طبع فکر کرنے لگے۔ ملا

علی خان سے بہت ہنسی کھلی ہوتی تھی۔ ہنسی سے میں نے فی البدیہہ یہ شعر کہا۔

مانند تو مدہوش گرے راچہ کند کس

زنگار کسے ملوہ خرمے راچہ کند کس

پہلے اس سے جو کچھ اچھا برا کہنے کا یا ہزل نظم کرنے کا اتفاق ہوتا تھا تو لکھ لیا

جاتا تھا۔ جب سے مبین کو نظم کرنے لگا تو دل میں آیا کہ جس زبان سے یہ پاک الفاظ

نظمیں حیف ہے کہ اس سے بیہودہ لفظ بھی نکلیں اور جس دل میں ایسے مقدس مضامین

کھلیں افسوس ہے کہ اس میں ایسے ہلکے خیال بھی پیدا ہوں۔ اسی دن سے ہزل کہتا

ترک کر دیا تھا۔ اس شعر کے کہتے وقت اصلاً خیال نہ رہا۔ دو ایک روز کے بعد کبرام

میں آکر مجھے جاڑے سے بخار چڑھا۔ کھانسی بھی ہو گئی۔ اور کھنکار میں خون آنے لگا۔

اب میں سمجھا کہ یہ تنبیہ کس طرح سے ہے اور یہ تکلیف کیوں ہے۔ فہم نکست

فانما ینکست علی نفسہ ومن لوفی بما عاہد علیہ فیوتیہ اجرا عظیمما

بیت ترکی

من شیک ہلا ای علی
ملکنین شیک نجم فائدور
نچہ رمجشی ولساک تو ہرالیہ شعر
بری قش و بری یاغا ندور
کرد لساک کو بمائین یوم جرم میل
حیدر بکی بو عرضہ دین باندہ در

یعنی اے زبان! میں تیرا کیا علاج کروں۔ تیری طفیل میرے دل کا خون ہو گیا ہے۔ تو کب تک ایسے اشعار کہے جائے گی جن میں سے کوئی قش ہے اور کوئی بھوٹ۔ اگر تو کہے کہ میں اس گنہ سے کیوں کر بچوں تو تو اس میدان سے اپنی باگ موڑ لے۔ رہنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا وغفر لنا لشکونن من الخاسرین میں نے بار و گرتوبہ کی اور اس تلاق طرز سے دل ہٹا لیا۔ سچ یہ ہے کہ کسی گنہگار بندہ کے دل میں ایسے خیال کا پیدا ہونا ایک بڑی دولت ہے جو خدا کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ جو بندہ اس طرح متنبہ ہو جائے وہ اس کو سعادت عظمیٰ سمجھے۔

المدعا۔ وہاں سے کوچ کیا۔ اور علی مسجد میں ٹھہرا ہوا۔ اس منزل کا پڑاؤ تنگ ہے اس واسطے میں ہمیشہ یہاں ٹیلے پر اترتا ہوں۔ اور لشکر گھائی میں اترتا ہے۔ اب بھی یہی ہوا۔ رات کو اہل لشکر نے الاؤ لگائے تو عجیب خوبی کے ساتھ چراغ جلتے ہوئے معلوم ہوئے۔ جب اس منزل میں اترتا ہوا ہے تو اسی لطف کے سبب سے شراب کا شغل ضرور ہوا ہے۔ صبح سے پہلے معجون کھا کر سوار ہو گئے۔ اس دن میں نے روزہ رکھ لیا۔ بکرام کے پاس خیمے پڑے۔ دوسرے دن یہیں مقام کیا اور شکار کھیلے گیا۔ بکرام کے آگے سے دریائے سیاہ کے پار ہو کر دریا کے ادھر گھیرا ڈالا۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ پیچھے سے کسی نے آکر خبر دی کہ بکرام کے پاس جھاڑی میں گینڈے آ موجود ہوئے ہیں۔ ہم وہاں سے گھوڑے ڈھائے ہوئے پہنچے۔ پہنچتے ہی گھیرا ڈال دیا۔ غل شور مچایا تو وہ میدان میں نکل آئے اور بھاگنے لگے۔ ہمایوں نے اور ان لوگوں نے جو ادھر سے تازہ آئے ہوئے تھے کسی کبھی گینڈے کو نہ دیکھا تھا۔ ان کا خوب تماشا دیکھ کر تقریباً

کوس بھر تک ان کا چپھا کر کے بہت سوں کو تھوڑے سے مارا۔ کسی گینڈے نے کسی آدمی اور گھوڑے پر حملہ نہ کیا۔ گینڈے ہی بہت سے مارے گئے۔ بہت دن سے دل میں تھا کہ اگر ہاتھی کو گینڈے کے سامنے کریں تو دیکھیں کس طور سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اب کے لیل بن ہاتھیوں کو لے آئے۔ ایک گینڈے سے مقابلہ ہوا لیل بانوں نے جوں ہی ہاتھی لائے گینڈا سامنے سے بھاگ گیا۔ اس دن ہم بکرام میں رہے۔

لشکر کا جائزہ اور شمار :- امیروں، عشیوں، دیوانی والوں اور مصاحبوں کے چھ سات حصے کر کے ان کو نیلاب کے گھاٹ پر کشتیوں میں سے اترنے والے لشکر کے جائزہ لینے اور گنتی کرنے کے لئے مقرر کر دیا۔ اسی رات کو کسی قدر مجھے جاڑے سے بخار چڑھا کھانسی بھی اٹھی۔ ہر کھٹار میں خون آیا۔ بہت ہی فکر ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ دو تین دن میں آرام ہو گیا۔ بکرام سے دو منزل چل کر پنجشنبہ کے دن اٹھائیسویں تاریخ دریائے سندھ کے کنارے پر لشکر اترنا۔ ہفتہ کے دن ربیع الاول کی پہلی کو سندھ چھوڑ دریائے کچھ کوٹ سے عبور کیا۔ اور دریا کے کنارے پر خیمہ زن ہوئے۔ جو لوگ لشکر کا جائزہ لینے کشتیوں پر متعین ہوئے تھے انہوں نے جائزہ لینے کے بعد عرض کیا کہ تمام لشکر مع بہیر وغیرہ بارہ ہزار آدمی قلم بند ہوئے ہیں۔ اس سلا سیل کے جنگلوں میں بارش کم ہوئی تھی۔ شر کے قریب کے دامن کوہ میں خاصی ہو گئی تھی۔ غلہ کے خیال سے براہ سیالکوٹ دامن کوہ کی جانب متوجہ ہوئے۔ جب ہاتھی کھٹار کے علاقہ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک ندی میں ہر جگہ پانی ٹھہرا ہوا ہے۔ یہ سارا دریا غلہ بستر تھا۔ اگرچہ غلہ بہت سے بہت ہاتھ بھر اونچی ہو گئی۔ زیادہ نہ ہوگی۔ مگر ہندوستان میں تو اتنی برف بھی عجیب بات ہے۔ غلہ کو یہیں دیکھا۔ کئی سلا سے میں ہندوستان میں آتا ہوں لیکن غلہ اور برف اس کئی برس میں ابھی دیکھنے میں آئی ہے۔ غرض سندھ سے پانچ منزل چل کر چھٹی منزل میں کوہ جودہ سے ملا ہوا جو بال ناتھ جوگی کا پہاڑ ہے۔ اس کے نیچے ایک ندی کے کنارہ پر لشکر اترنا۔

دوسرے دن غلہ لینے کے لئے وہیں مقام کیا۔ اس دن عرق پیا گیا۔ ملا محمدی نے بہت باتیں بتائیں کبھی اتنی کہ اس نے نہ کی ہوگی۔ ملا شمس نے بھی اسی طرح مغز کھایا۔ ایک بات شام سے جو چھیڑی تو صبح تک تمام نہ کی۔ اہل لشکر سپاہی وغیرہ غلہ لینے گئے تھے۔ غلہ کو چھوڑ جھاڑیوں۔ پہاڑوں اور قلب مقامات میں منہ اٹھائے ہوئے

جاگھے۔ کئی آدمیوں کو ضلّع کروا آئے۔ کچھ تو قطار دیں فوت ہوا۔ وہاں سے کوچ کیا۔ اور دریائے بہت سے جہلم کے نیچے کی طرف عبور کیا۔ دلی فرطی جس کا پرگنہ میر زکری کو دے دیا تھا یہاں حاضر ہوا۔ سیالکوٹ کی حفاظت نہ کرنے کے سبب سے میں اس سے ناراض تھا۔ اس نے عرض کیا کہ میں اپنے پرگنہ سے آگیا تھا مگر خسرو کو کلاش نے سیالکوٹ سے اپنے نکلنے کی خبر مجھے نہ کی۔ اس کا یہ عذر قاتل سماعت تھا۔ اس سے کہا گیا کہ جب سیالکوٹ سے سب لاہور چلے گئے تو تو ان امراء کے ساتھ کیوں نہ چلا گیا۔ چونکہ کام کرنے کا موقع تھا اس لئے زیادہ سر نہیں ہوا۔ اسی منزل سے سید طوفان اور سید لاچمن کو ان لوگوں کے پاس جو لاہور میں تھے گھوڑوں کی ڈاک بٹھا کر دوڑا دیا اور کہلا بھیجا کہ جنگ نہ کرو۔ سیالکوٹ میں میرے پاس پہلے آؤ۔ افواہ یہ تھی کہ غازی خاں نے تیس چالیس ہزار فوج جمع کی ہے اور اپنی کمر میں دو تلواریں باندھی ہیں۔ وہ ضرور مقابلہ کرے گا۔ مجھے خیال ہوا کہ مثل مشہور ہے ”نو سے دس اچھے“ جو لوگ لاہور میں ہیں ان کو ساتھ لے کر کر لڑنا بہتر ہے۔ اسی وجہ سے امراء کے پاس آدمی روانہ کئے۔

ہم ایک منزل کے دریائے چناب کے کنارے پر اترے۔ بسلول پور خالصہ میں ہے۔ راستہ میں سے میں اس کی سیر کرنے گیا۔ اس کا قلعہ دریائے چناب کے کنارے پہ اونچی جگہ واقع ہے۔ وہ مجھے بہت ہی پسند آیا۔ دل میں آئی کہ یہاں سیالکوٹ والوں کو آباد کرنا چاہئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ فرصت ہو جائے تو ایسا ہی کروں گا۔ بسلول پور سے کشتی میں بیٹھ کر داخل لشکر ہوا۔ کشتی میں جلسہ تھا۔ کسی نے عرق پیا۔ کسی نے بوزہ اور کسی نے میخون کھائی۔ عشاء کے بعد کشتی میں سے اترے اور خیمہ میں آکر بھی کچھ پیا کھایا۔ گھوڑوں کو آرام دینے کے لئے ایک دن دریا کے کنارے پر مقام کیا۔ جمعہ کے دن چودھویں ربیع الاول کو پھر سیالکوٹ میں آگئے۔ جب ہم ہندوستان سے گئے ہیں تو یہ معلوم ہوا کہ گائیں بھینسیں لوٹنے کے لئے سینکڑوں جات اور گوجر پہاڑ اور جنگل سے گئے ہیں اور مویشی کو ظالم لوٹ لے گئے ہیں۔ پہلے یہ ملک پرایا تھا کچھ انتظام نہ کیا جاتا تھا۔ اب کی بار یہ سارا ملک مطیع ہو گیا ہے۔ اب جو ایسا ہوا تو بہت سے بھوکے و ننگے غریب اور محتاج فریاد کرتے ہوئے آئے کہ ہم کو لوٹ لیا۔ ایک بار ہی نکل چکے۔ جن لوگوں نے لوٹ مار کی تھی ان کی تلاش کی گئی۔ دو تین کو ان میں پکڑ

چکڑ کر ٹکڑے کرا دیا۔

اسی منزل میں ایک سوداگر آیا۔ عالم خاں۔ رخصت ہونے کے بعد اس گری میں کہ لو چل رہی تھی دو منزلہ کر کے لاہور میں آیا۔ عالم خاں کو جس وقت رخصت کیا ہے اس وقت ازبک سرداروں وغیرہ نے آکر بلخ میں قتل عام کیا تھا۔ عالم خاں کو میں نے ہندوستان بھیجا اور آپ بلخ گئید۔ عالم خاں ہندوستان میں آیا اور جو امراء محصل ہندوستان میں تھے ان سے اس نے کہا کہ بلاشلہ نے تم لوگوں کو میری کمک کے لئے مقرر کیا ہے۔ تم میرے ساتھ چلو میں غازی خاں کو بھی ساتھ لوں گا اور دلی پر چڑھائی کروں گا۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم غازی خاں کے ساتھ کیونکر ہو جائیں۔ ہم کو تو حکم یہ ہے کہ جس وقت غازی خاں اپنے بھائی حاجی خاں کو مع اپنے بیٹے کے بلاشلہ کے حضور میں بھیج دے یا لاہور میں بطریق اول رکھے اس وقت تم اس کے ساتھ ہو جاؤ۔ ورنہ نہ ہوتا۔ تم ہی کو کل وہ لڑوا دے گا اور پڑا دے گا۔ بھلا پھر کس بھروسے پر اس کے ساتھ ہوتے ہو۔ ہماری صلاح نہیں ہے کہ تم اس کی ہمراہی کرو۔ ہر چند امراء نے یہ باتیں کیں اور منع کیا۔ مگر اس نے ایک نہ سنی۔ اپنے بیٹے شیر خاں کو بھیج کر دولت خاں اور غازی خاں سے گفتگو کر کرنے کے لئے باہم ملاقات کی۔ دلاور خاں جو بہت دن تک متعید رہا تھا دو تین مہینے ہوئے کہ قید سے بھاگ کر لاہور آگیا تھا۔ اس کو بھی اپنے ساتھ لیا۔ مرزا محمود خاں خاں جہاں جس نے لاہور حوالہ کر دیا تھا اس کو بھی ساتھ لیا۔ غالباً انہوں نے یہ بات قرار دی کہ دولت خاں و غازی خاں اور امراء جو ہندوستان میں چھوڑے گئے ہیں۔ بلکہ اس طرف کے سب لوگوں کو اپنے تحت میں لے لے۔ دلاور خاں اور حاجی خاں عالم خاں کے ہمراہ ہوں۔ اور یہ لوگ دلی اور آگرہ کے علاقوں کا فتح کرنا اپنے ذمہ لیں۔ اسماعیل خاں حلوانی اور امراء عالم خاں سے آکر ملے اور سب فوراً کوچ در کوچ دلی کی طرف روانہ ہوئے مقام اندری میں پہنچے تو سلیمان شیخ زادہ بھی ان سے آئے۔ ان کے پاس تیس چالیس ہزار آدمی کا لشکر جمع ہو گیا۔ ان لوگوں نے دلی کو گھیر لیا۔ لڑائی تو کوئی ہوئی نہیں مگر ہاں اہل شہر کو تنگ کرنے لگے۔

سلطان ابراہیم اس لشکر کی خبر سنتے ہی مقابلہ کے لئے چل کھڑا ہوا۔ جب وہ قریب آگیا تو یہ بھی قلعہ چھوڑ سامنے آئے۔ انہوں نے تجویز کی کہ اگر دن کو لڑیں گے تو پٹھان آپس کی غیرت سے بھاگنے کے نہیں اور اگر ہم شب خون ماریں گے تو

اندھیری رات میں کوئی کسی کو دیکھتا نہیں۔ ہر سردار اپنا رستہ لے گا۔ یہ بات ٹھہرا کر تقریباً چھ کوس سے شب خون مارنے چلے۔ دو دفعہ اسی قصد سے دوپہر کو اپنی جگہ سے سوار ہوئے اور آدمی رات تک گھوڑوں کی ٹینوں پر رہے مگر نہ آگے بڑھے نہ پیچھے ہٹے۔ نہ کوئی بات قرار دے سکے۔ تیسری دفعہ پہر رات آئی ہوگی کہ شب خون مارنے چلے۔ ان کا شب خون مارنا یہی تھا کہ خمیوں۔ ڈیروں میں آگ لگا دیں۔ غرض پہر رات گئے پیچھے سے آئے۔ اور آگ لگا کر غل مچا دیا۔ جلال خان ہمسکت وغیرہ قائم خان سے آئے۔ سلطان ابراہیم اپنے سراچہ میں اپنے چند مصاحبوں کے ساتھ رات بھر جاکتا تھا۔ اور وہیں صبح کر دیتا تھا۔ عالم خان کی فوج لوٹ مار میں مصروف ہو گئی۔ سلطان ابراہیم نے جو دیکھا کہ دشمن کی جمیعت تھوڑی سی ہے۔ تو وہیں سے جہاں تھا کسی قدر فوج اور ایک ہاتھی کو لے کر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو نئی ہاتھی قریب پہنچا دشمن کو مقابلہ کی تاب نہ رہی۔ سب بھاگ نکلے۔ اسی بھگدڑ میں عالم خان میان دو آب سے ہوتا ہوا پانی بت کی نواح میں آ گیا۔ پھر پانی بت سے یہ لوگ بھاگے۔ تو سلیمان تین چار آدمی لے کر چل دیا اسلعل خان حلوانی۔ دریا خان اور عالم خان کا بیٹا جلال خان ان سے الگ ہو دو آبے میں چلے گئے۔ پھر عالم خان کے جمع کئے ہوئے لشکر میں سے کچھ لوگ جیسے سیف خان، دریا خان، محمود خان، خان جہاں اور شیخ جمال فرملی وغیرہم لڑائی سے پہلے سلطان ابراہیم کے پاس بھاگ کر چلے گئے۔ عالم خان، دلاور خان اور حاجی خان سرہند سے جو چلے تو میرے آنے اور بلوت لینے کی خبر انہوں نے سنی۔ دلاور خان جس نے نیشہ میرا دم بھرا ہے۔ اور میرے ہی لئے تین چار مہینے کی قید بھگتی تھی ان سے جدا ہو کر سلطان پور اور کوچی میں آیا اور بلوت لینے کے تین چار روز بعد نواح بلوت میں مجھ سے آ ملا۔ عالم خان اور حاجی خان دریائے شلت ہودون کے پہاڑ کے نیچے وکنکو کے قلعہ میں جو بہت مستحکم تھا آ گئے۔ کچھ فوج افغان و ہزارہ نے ان کو آ گھیرا۔ اور ایسے مضبوط قلعہ کو قریب تھا کہ لے لیں۔ اتنے میں شام ہو گئی۔ اندر والوں نے باہر اٹھنا چاہا۔ گھوڑے ایسے تھک گئے تھے کہ باہر نہ نکل سکتے تھے۔ ہاتھی بھی تھے ان کو آ دھکیلا۔ گھوڑوں کی باگ ڈوریں پکڑ کر کھینچا پھر بھی گھوڑوں پر سوار باہر نہ آ سکے۔ آخر رات کے اندھیرے میں بڑی دقت سے پیادہ پا نکلے۔ اور غازی خان کے پاس بلوہ میں آئے۔ وہ پہاڑ کی طرف بھاگا جاتا تھا۔ اس کے ہمراہ ہوئے۔ غازی خان نے

پوری توجہ نہ کی۔ ہودن کے نیچے بطور کی نواح میں عالم خلی نے ملازمت حاصل کی۔ جو لوگ لاہور میں تھے ان کے پاس سے سیالکوٹ میں آدی آیا۔ انہوں نے کھلا بھیجا کہ کل ہم سب حاضر ہوتے ہیں۔ دوسرے دن کوچ کر کے ہم سرور میں مقیم ہوئے۔ محمد علی جنک جنک خواجہ حسین اور امراء یہاں حاضر ہوئے۔ غنیم کا لشکر دریائے راوی کے کنارے پر لاہور کی طرف قلعہ بو پکد کو اس کے ساتھیوں سمیت سن گمن کے لئے بھیجا۔ تین پہر رات گزری ہوگی جو خبر آئی کہ غنیم ہماری سنتے ہی منتشر ہو کر بھاگ گئے۔ ایک نے ایک کی سدھ نہ لی۔ دوسرے دن ہم نے کوچ کر دیا۔ بہیر وغیرہ سے الگ ہو شہر حسین اور لوگوں کو تو بہیر میں چھوڑا اور میں خود مع کسی قدر فوج کے دوڑ پڑا۔ تیسرے پہر ہم کلاںور میں جا موجود ہوئے۔ محمد سلطان مرزا اور عادل سلطان مرزا وغیرہم امراء نے یہاں ملازمت حاصل کی۔ رات کو ہم کلاںور سے چل کھڑے ہوئے۔ راستے میں خبر ملی کہ غازی خان اور بھاگے ہوئے قریب ہی میں محمدی احمدی اور اکثر کو جن کو کلل میں حکم دیا گیا تھا کہ سرسواری حاضر ہوں ان بھاگے ہوؤں کے پیچھے روانہ کیا اور سمجھا دیا کہ اگر ان تک پہنچ جاؤ تو واہ ہے۔ اور اگر نہ پہنچ سکو تو قلعہ بلوت کو اس طرح گھیر لینا کہ قلعہ والے بھاگنے نہ پائیں۔ اس احتیاط سے میری غرض غازی خان سے تھی۔ ان امراء کو تو آگے بھیجا اور میں کلاںور کے قریب دریا سے پار ہوا۔ یہاں سے دو منزلہ کر کے قلعہ بلوت والے درہ کے دامن میں آن اترا۔ آگے پہنچ جانے والے امراء اور ہندوستانی امراء کو حکم دیا گیا کہ قلعہ کو پاس سے گھیر لو۔ دولت خان کا پوتا علی خان کا بیٹا اور اسماعیل خان دولت کا بڑا بیٹا یہاں حاضر ہوا۔ ان کو کچھ دھمکیاں اور کچھ تسلی دے قلعہ کی طرف بھیجا۔

جمعہ کے دن لشکر کو آگے بڑھایا۔ آدھ کوس کے فاصلہ سے ڈیرے ڈال دیئے۔ میں نے خود جا کر قلعہ کو دیکھا۔ برانغار جرانغار اور قول کے مورچے مقرر کئے۔ پھر لشکر میں واپس آیا۔ علی خان نے عرض کرا بھیجا کہ غازی خان تو پہاڑ کی طرف بھاگ گیا۔ اگر میری خطا معاف ہو تو میں غلامی میں حاضر ہو کر قلعہ سوئپ دوں۔ خواجہ میراں کو اس کے پاس بھیجا۔ خواجہ اس کو مطمئن کر کے اپنے ساتھ لے آیا۔ علی خان اپنے بیٹے کے ہمراہ حاضر ہوا۔ میں نے حکم دیا کہ وہی دونوں تلواریں جو میرے مقابلہ کے لئے کمر میں باندھی تھیں اس کی گردن میں لٹکا دو۔ ایسے گستاخ کی سزا یہی ہے

یہاں تک نوبت لائنے پر بھی ایفٹھا ہی رہا۔ لوگ آگے لائے۔ میں نے حکم دیا کہ تلواریں گردن سے نکل لو۔ سامنے آکر زانو مارنے میں بھی رکہ میں نے حکم دیا کہ اس کا پاؤں کھینچ کر رسم تنظیم ادا کراؤ۔ اور بٹھا دو۔ ایک ہندوستان کو ترجمان بنایا اس سے کہا کہ جو میں کہوں۔ وہ ایک ایک بات اس کو سمجھا کر کہہ۔ اس سے کہہ کہ میں تجھ کو باپ کہا کرتا تھا۔ جس طرح تیرا دل چاہتا تھا ویسی ہی تیری عزت کیا کرتا تھا۔ تجھے اور شیرے بچوں کو ملو خاں کی دروازہ پر ٹھوکریں کھانے سے بچایا تیرے کنبے کو گمبار کو ابراہیم کی قید سے چھڑایا اور تاتا ر خاں کا تین کروڑ کا ملک تجھ کو دیا۔ میں نے تیرے ساتھ کونسی برائی کی تھی جس کے بدلے میں تو نے دو دو تلواریں کمر میں باندھ کر مجھ پر فوج کشی کی۔ میرے ملک میں فتنہ و فساد برپا کیا۔ بوڑھا بوبک بوڑھے لگا اور کوئی بات اس کے منہ سے نہ نکلی۔ ان باتوں کے جواب میں سوائے سکوت کے کہہ ہی کیا سکتا تھا۔ خیر یہ تجویز ہوئی کہ اس کے کنبے اور گمبار کو اسی کے حوالے کر دیا جائے۔ باقی مال اسباب ضبط سرکار ہو۔ اور یہ خواہ میر میراں کے پاس رہے۔ ہفتہ کے دن بائیسویں ربیع الاول کو اس کے کنبے اور بل بچوں کے صحیح سالم نکلا دینے کے لئے میں آپ ایک اونچی جگہ بلوت کے دروازہ کے سامنے ٹھہرا۔ علی خاں آیا۔ کچھ اشرفیاں اس نے نذر کیں اور ظہر کے وقت تک اپنے متعلقوں کو نکال لے گیا۔

عبدالعزیز محمد علی جنک جنک۔ قتل قدم۔ محمدی۔ احمدی اور امراء کو حکم ہوا کہ قلعہ میں جائیں اور ان کے تمام خزانے اور کارخانے ضبط کر لیں۔ اس کے لوگوں نے تو یہی کہا تھا کہ غازی خاں چلا گیا ہے مگر بعض یہ بھی کہتے تھے کہ ہم نے قلعہ میں دیکھا ہے۔ اسی واسطے پیہوں کے پرے دودھ لاسے پر مقعد کر دیئے اور کہہ دیا کہ جملہ شبہ ہو تلاشی لے لو۔ ایسا نہ ہو کہ غازی خاں دھوکا دے کر نکل جائے۔ اصلی غرض تو یہی تھی اور ایسا خیال بھی تھا کہ جو کچھ جواہر وغیرہ پوشیدہ لے جاتا چاہے وہ چھین لیا جائے۔ قلعہ کے دروازہ پر لوگ لگے بلوہ کرنے۔ انتظام کے لئے میں نے چند تیر مارے۔ قضا را ایک تیر ہمایوں کے چوپان کے قبضہ میں لگا۔ وہ فوراً مر گیا۔ رات کو میں اسی بلندی پر رہا۔ پیر کو قلعہ میں جا کر سیر کی۔ غازی خاں کے کتب خانہ میں گیا۔ کچھ کتابیں اچھی نکلیں۔ کئی ہمایوں کو دیں اور کئی کامران کو بھیجیں۔ ملاؤں کے مطلب کی زیادہ کتابیں تھیں جیسی عمدہ کتابوں کی امید تھی ویسی نہ نکلیں۔ رات کو میں شہر میں رہا

اور صبح وہاں سے آیا۔ میرا خیال تھا کہ غازی خاں شہر میں ہے۔ مگر وہ بے غیرت
نامرد بن۔ ہاپ چھوٹے بھائی اور چھوٹی بہن کو بلوت میں چھوڑ کر چند آدمیوں کے ساتھ
نکل بھاگ قطعہ

نہیں آں بے حمیت را کہ ہرگز
نخواہد دید روئے نیک سختی
تن آسائی گزیند خوشن را
زن و فرزند بگزارد بہ سختی

بدھ کے دن وہاں سے کوچ کر دیا۔ اسی پہاڑ کی طرف چلے جدھر غازی خاں
بھاگ گیا تھا۔ درہ بلوت کے منزل میں ایک کوس چل کر درہ میں اترا ہوا۔ دلاور خاں
نے یہاں آکر ملازمت حاصل کی۔ دولت خاں، علی خاں، اسماعیل خاں اور ان کے کئی
سرداروں کو قید کر کے کس بیگ کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ قلعہ ملونی میں جو بیمہ میں
ہے ان کو لے جائے اور حفاظت سے رکھے۔ ان کے علاوہ جس کو جس نے گرفتار کیا
اس کی قیمت گرفتار کرنے والے کے لئے دلاور خاں کے اتفاق رائے سے مقرر کر دی۔
بعض کی قیمت دلوادی گئی اور بعض کو قید کر کے روانہ کیا۔ وہ قیدیوں کو لے گیا۔
سلطان پور پہنچا ہو گا کہ دولت خاں مرگیا۔ ملوت کو محمد علی جنک جنک کے سپرد کیا تھا۔
اس نے اپنے چھوٹے بھائی ارغون کو اپنی طرف سے مقرر کیا۔ اور افغان و ہزارہ کے
بھی دو سو ڈھائی سو آدمی کمک کے لئے متعین کر دیئے۔ خواجہ کلاں غزنی سے شراب
کے کئی اونٹ لایا تھا۔ اس کا مکان قریب ہی تھا جو قلعہ اور ارک کے اوپر کی جانب تھا۔
وہیں جلسہ منعقد ہوا۔ کسی نے شراب پی اور کسی نے عرق پیا۔ پھر یہاں سے چلے۔

دریائے کند کی اور بلوت کی پہاڑیوں سے نکل دون میں آئے۔ ہندوستان کی
زبان میں میدان کو دون کہتے ہیں۔ ہندوستان میں ایسے کھیت جن میں پانی رواں ہو اسی
میدان میں ہیں۔ میدان کے گرد بست سے دیہات ہیں۔ یہ مقام دلاور خاں کے ماموں
حسبان کا پرگنہ تھا۔ خوش قطع مقام ہے۔ اس کے اطراف میں دو مرغزار ہیں۔ اس
میں دھان بوئے جاتے ہیں۔ تین چار آسیا کے برابر پانی بہتا رہتا ہے۔ میدان کی وسعت
کبیں کوس دو کوس اور کبیں تین کوس کی ہو گی اس کے پہاڑ چھوٹے چھوٹے ہیں۔
ایسے ہیں جیسے پٹتے، سارے گاؤں دامن کوہ میں آباد ہیں۔ جمل آبادی ہے وہاں مور

اور بندر کثرت سے ہوتے ہیں۔ چڑیوں جیسے جانور بھی بہت ہیں۔ صورت تو مرغ کی سی مگر اکثر ایک رنگ چونکہ غازی خلی کا محل معلوم نہ ہوا کہ کھل ہے اس لئے تردی بیک کو برم دیو ملنا کے اس ساتھ مقرر کیا کہ جنل غازی خلی ہو وہاں اس کی خبر لو۔ اس میدان کی پہاڑیوں میں چاروں طرف مضبوط مضبوط قلعے ہیں۔ شہل مشرقی سمت میں ایک قلعہ ہے کو تہ نام۔ اس کا گرداولا ستر اسی کوس کا ہے۔ بڑے دروازہ کی طرف سمت آٹھ گز کی ہوگی۔ گذرگاہ کی فراخی دس بارہ گز ہوگی۔ دو لمبے لکڑوں کا پل باندھ دیا ہے۔ گھوڑے اور مویشی کو اسی پر سے لے جاتے ہیں۔ یہاں کے کوہستان میں غازی خلی نے جن قلعوں کو درست کیا تھا ان میں سے ایک قلعہ یہ بھی تھا۔ قلعہ میں سپاہی متعین تھے۔ ان قلعہ پر ہماری فوج کی ایک لکڑی گئی۔ لڑائی ہوئی۔ قلعہ فتح ہونے کو تھا کہ شام ہو گئی۔ قلعہ والے ایسے مستحکم قلعہ کو چھوڑ بھاگ گئے۔ دوسرا مضبوط قلعہ قلعہ کنکونہ ہے۔ اس کی چار دیواری ہے مگر قلعہ کو تہ جیسی نہیں ہے۔ عالم خلی اسی قلعہ میں آیا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

غازی خلی پر فوج روانہ کرنے کے بعد ہست کی رکاب میں پاؤں رکھ اور توکل کی باگ ہاتھ میں لے سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر بن سلطان بملول لودھی افغان کی جانب جو ان دنوں میں ہندوستان کا بلو شہ تھا اور جس کا دار السلطنت دلی تھا اور جس کی رکاب میں ایک لاکھ فوج اور ایک ہزار ہاتھی کا ہونا بیان کیا جاتا تھا متوجہ ہوا۔ ایک منزل کے بعد بلقی شقول کو دیبل پور عنایت کر کے بلخ کی مدد کے لئے روانہ کیا۔ بلخ کے انتظام کے لئے بہت سا رویہ بھیجا۔ کلل میں جو فرزند و اقارب تھے ان کے لئے سوغاتیں اور وہ اسباب جو بلوت کی فتح میں ہاتھ لگا تھا بھیجا۔ میدان کے آخر کی طرف دو ایک منزل کے بعد ارایش خلی اور ملا مذہب کے خطوط لے کر شاہ جلو حاضر ہوا اور دولت خواہی ظاہر کی۔ اس پورش میں انہوں نے بہت سعی کی تھی۔ میں نے بھی ایک آدمی کے ہاتھ عنایت آمیز فرامین ان کو لکھ بھیجے۔ میں آگے بڑھا۔ جو فوج کا دستہ بلوت میں تھا اس نے چڑھائی کر کے ہندورا ور کھلور وغیرہ کے قلعوں کو جن کی طرف ان کی مضبوطی کے باعث سے مدتوں سے کسی نے رخ نہ کیا تھا فتح کیا اور وہاں والوں کو لوٹ مار کر پھروہ ہم سے آن ملا۔ عالم خلی بھی پریشان حال پیادہ پا اسی منزل میں آیا۔ امراء اس کی پیشوائی کے واسطے بھیجے گئے۔ گھوڑے بھی اس کے لئے بھجوا دیئے۔ اس نواح

کے پہاڑوں اور گھاٹیوں میں فوج گئی اور دو ایک دن کے بعد واپس آگئی۔ کچھ بہت اس کے ہاتھ نہیں لگا۔ شاہ میر حسین اور جان بیگ وغیرہ بھی رخصت لے کر گرد اوری کے لئے گئے۔ انہی دنوں میں دو تین دفعہ اسٹیل طوائف کی عرضیاں آئیں۔ یہاں سے بھی اس کی خواہش کے موافق فرماں بھیجے گئے۔ دن سے کوچ کر کے ہم روپہ میں آئے۔

روپہ سے چلے اور سرہند کے نزدیک تملاب پر خیمہ زن ہوئے۔ یہاں ایک ہندوستانی سلطان ابراہیم کا ایلچی بنا ہوا آیا۔ اگرچہ اس کے پاس کوئی خط نہ تھا مگر اس نے مجھ سے ایک ایلچی کے بھیجنے کی استدعا کی۔ میں نے بھی ایک لفٹا سواتی اسی طرح بھیج دیا۔ جب دونوں پہنچے سلطان ابراہیم نے ان کو قید کر دیا۔ جس دن ابراہیم کو شکست ہوئی اسی دن سواتی رہا ہوا۔ ایک منزل کے بعد دیور دستور میں اترے۔ ہندوستان کے دریاؤں سے علیحدہ یہاں ایک ندی بہتی ہے اس کو گکر کہتے ہیں۔ چھتر بھی اسی ندی کے کنارے پر ہے۔ دریا کے بالائی جانب سیر کرنے کے لئے میں سوار ہوا۔ چھتر سے تین چار کوس اس دریا سے اونچی جانب ایک درہ سے بہت صاف اور عمدہ ندی نکل کر آتی ہے۔ ایک اور کشلہ درہ سے چار پانچ آسیا کے برابر پانی آتا ہے۔ (اس مقام کو نہایت پر فضا اور ہوادار دیکھ کر یہاں ایک چار باغ بنانے کا حکم دیا) یہ پانی صحرا میں ایک کوس بھر بہہ کر ندی میں مل جاتا ہے۔ دریائے گکر کے نکلنے کی جگہ ان درہات سے جن کے نیچے دریا بہتا ہے تین چار کوس ہٹ کر ہوگی۔ اس منزل میں مجھے معلوم ہوا کہ سلطان ابراہیم جہاں دلی کے اس جانب تھا وہاں سے کوس بھر آگے آیا ہے۔ اور حمید خاں خاص خیل حاکم حصار و فیروزہ مع اس نواح کی فوج کے دس پندرہ کوس ادھر آگیا ہے اور چلا آتا ہے۔ کہ بیگ کو ابراہیم کے لشکر کا اور مومن آتکہ کو لشکر حصار کا حال دریافت کرنے روانہ کیا۔

اتوار کے دن تیسویں جمادی الاول کو انبالہ سے کوچ کر کے ایک تملاب کے کنارہ پر ہم اترے تھے کہ مومن آتکہ اور کہ بیگ آج ہی آئے۔ برانغار کی فوج میں سے خواجہ کلاں۔ سلطان محمد دولدائی۔ ولی خازن۔ خسرو بیگ، ہندو بیگ عبدالعزیز اور محمد علی جنگ جنگ کو اور قول میں سے بھی شاہ منصور برلاس، کہ بیگ اور محب علی وغیرہ کو ہمایوں کے ساتھ کر کے حمید خاں کے مقابلہ کے لئے مقرر کیا۔ امین نے

بھی اسی منزل میں آکر ملازمت حاصل کی۔ یہ پٹھان بھی بڑے گنوار اور جاہل ہیں۔ بلوچوں کی دلاور خل عمده اور مرتبہ میں اس سے زیادہ ہے۔ عالم خل اس کا سرور زادہ ہے اور یہ میرے سامنے نہیں بیٹھنے پاتے۔ مگر اس نے بیٹھنے کی خواہش کی۔ پیر کے دن چوبیسویں تاریخ ہمایوں نے حمید خل پر دھوا کر دیا۔ سو ڈیڑھ سو آدمی چھٹے ہوئے بطریق قراولی آگے روانہ کئے۔ یہ قراول بہت آگے پہنچ کر دشمن سے جا بھڑا۔ کچھ چھیڑ چھاڑ ہوئی تھی۔ اتنے میں عقب سے ہمایوں کا لشکر پہنچ گیا۔ اس کے پہنچنے ہی غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے۔ سو دو سے آدمیوں کو گھیر کر آدھوں کے سر کاٹ لئے اور آدھوں کو زندہ گرفتار کر لیا۔ سات آٹھ ہاتھی بھی چھین لئے اور سب کو لے آئے۔ ہمایوں کو اس فتح کی خبر اٹھائیسویں تاریخ جمعہ کے دن لاہ بیگ میر مغل اسی منزل میں لایا۔ اسی وقت خلعت خاص اور ایک خاص کا گھوڑا اس کو عنایت کیا۔ پیر کے دن اکیسویں تاریخ اسی منزل میں ہمایوں سو قیدیوں اور سات آٹھ ہاتھیوں سمیت آیا اور ملازمت کی۔ انتظام کے خیال سے علی قلی اور تفنگچیوں کو حکم دیا کہ ان سب قیدیوں کو گولیاں مار دو۔ ہمایوں کی پہلی لڑائی یہی تھی اور پہلا کام اس نے یہی کیا تھا۔ شگون تو اچھا ہوا۔ بھاگے ہوؤں کے پیچھے فوج روانہ ہوئی۔ حصار فیروزہ کو اس نے چھین لیا۔ حصار فیروزہ مع توابعت اور ایک کروڑ زر نقد ہمایوں کو انعام میں دیا۔

ہم یہاں سے کوچ کر کے شاہ آباد میں آئے۔ شاہ آباد میں چند روز ٹھہرنا ہوا۔ ہمیں سے رحمت پیادہ کے ہاتھ کلیل کو فتح نامے بھیجے۔ اسی مقام پر ہمایوں نے اپنی داڑھی منڈائی۔ اس کو آج اٹھاڑوں سل ہے اور مجھ کو چھالیسواں۔ ہم اسی منزل میں تھے۔ اٹھائیسویں جمادی الاولیٰ کو آفتاب برج حمل میں آیا۔ ابراہیم کے لشکر سے برابر خبریں آئیں کہ ایک ایک دو دو کوس کوچ ہوتا ہے اور ہر منزل میں دو دو تین تین دن تک مقام رہتا ہے۔ ہم بھی آگے بڑھے۔ شاہ آباد سے ایک منزل چل کر سرسواہ کے مقابل میں دریائے جمن کے کنارے پر خیمہ زن ہوئے۔ خواجہ کلاں کے ملازم حیدر قلی کو حریف کی سن گن لینے کے لئے بھیجا گیا۔ میں نے جمن کے پار جا کر سرسواہ کی سیر کی۔ اس دن میں نے عجوبہ کا استعمال کیا تھا۔ سرسواہ میں ایک چشمہ بھی ہے۔ اس چشمہ سے پانی جاری رہتا ہے۔ یہ مقام برا نہیں ہے۔ تروی بیگ خاکسار نے ایک کشتی میں دالان بنایا تھا۔ کبھی میں اسی کشتی میں بیٹھ کر سیر کرتا تھا اور کبھی طی منازل بھی کرتا

تھا۔ اسی منزل سے دریا کے کنارے کنارے نیچے کی جانب بڑھتے چلے جاتے تھے۔ اسی اثناء میں حیدر قلی جو جاسوسی کے لئے گیا تھا خبر لایا کہ داؤد خاں اور تہتم خاں کو چھ سات ہزار سوار کے ساتھ دو آب سے روانہ کیا ہے۔ ابراہیم کے لشکر سے تین چار کوس اس طرف ڈیرے ڈالے وہ پڑے ہوئے ہیں۔ اٹھارہویں جمادی الاخریٰ کو ہفتہ کے دن چہن تیمور سلطان۔ مہدی خاں۔ محمد سلطان مرزا اور عادل سلطان مرزا کو تمام فوج جرائدار کے ساتھ جس میں سلطان جنید، شاہ میر حسین اور علق قدم تھے اور قول میں سے یونس علی۔ عبداللہ۔ احمدی اور کد بیگ کے ساتھ فوراً روانہ کیا۔ یہ لشکر ظہر کے وقت دریا سے اتر عمرو مغرب کے درمیان میں وہاں سے نکل چلا۔ اور مغرب کے اول وقت غنیم کے سر پر جادو کیا۔ یہ لشکر اس طور سے بڑھا اور حملہ آور ہوا کہ اس کے قریب ہوتے ہی دشمن کی فوج ایسی بھاگی کہ ابراہیم کی فرودگاہ کے قریب جا کر ٹھہری۔

تہتم خاں کو جو داؤد خاں کا بڑا بھائی اور ایک سروار تھا مار کر ستر اسی قیدی اور آٹھ سات ہاتھی یہ لوگ پکڑ لائے۔ رعب جانے کے لئے اکثر قیدیوں کو قتل کر ڈالا۔ فوج کی صفیں آراستہ کر میاں سے آگے بڑھے۔ معمول ہے کہ جب فوج تیار ہو کر چلنے لگتی ہے تو کمان یا چابک ہاتھ میں لے کر دستور کے موافق اس کا تخمینہ کیا جاتا ہے اور اسی کے بموجب حکم لگایا جاتا ہے کہ اتنا لشکر ہے۔ میں اپنے لشکر کو جس قدر سمجھ ہوئے تھا تخمینہ کے وقت اس قدر نہ نکلا۔ اسی منزل میں توقف کیا۔ تاکہ جتنے ہو سکیں چھکڑے تیار کر لیں۔ سات سو چھکڑے تیار ہوئے۔ استاد علی قلی کو حکم دیا کہ روٹی طریقہ سے چھکڑوں کو زنجیر کے بدلے رسیوں سے باندھا جائے۔ ہر جگہ دو چھکڑوں کے بیچ میں چھ سات جالی کے خانے ہوں۔ گولہ اندازان چھکڑوں اور جالیوں کی آڑ میں کھڑے ہو کر گولے ماریں۔ اس سامان کے درست کرنے کے لئے پانچ چھ دن عیس ٹھہرے رہے۔ سب اسباب لیں ہو جانے کے بعد تمام امراء اور افسران فوج کو جو بات سمجھتے تھے عام طور سے جمع کر کے مشورہ کیا۔ باتفاق آرا یہ بات قرار پائی کہ پانی پت میں مکانات اور محلے بہت ہیں۔ ایک طرف تو اس کو رکھنا چاہئے اور دوسری طرفوں کو اراہوں اور جالوں سے مستحکم کر کے گولہ اندازوں اور پیدلوں کو ان کے پیچھے کھڑا کر دیا جائے۔ اس تجویز کے بعد کوچ کر دیا۔

ایک منزل سے چل کر جعرات کے دن جملوی الاخریٰ کی سلاخ کو ہم پانی پت۔
۳۶۰ میں آئے۔ دست راست کی طرف شرکو رکھا اور اوہر جو چھکڑے اور جہل تیار
کئے تھے قائم کر دیئے۔ دست چپ وغیرہ کی سمتوں میں خندق کھودی۔ اور جھانکڑ لگا
دیئے۔ ہر جانب ایک ایک تیر کے پر تاب سے اتنی جگہ چھوڑ دی کہ سو ڈیڑھ سو آدمی
نکل جائیں۔ فوج کو ذرا تردد اور ہراس تھا۔ مگر یہ بیسودہ بات تھی۔ خدا نے جو قسمت
میں لکھ دیا ہے وہی ہوتا ہے۔ لوگوں میں یہ عیب تھا۔ لیکن اس عیب کی گرفت بھی
نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وطن چھوڑے دو تین مہینے ہو گئے تھے۔ ایک اجنبی قوم سے کام
پڑ گیا تھا۔ نہ ہم اس کی زبان سے آشنا تھے نہ وہ ہماری زبان سے۔

شدہ جمعے و بود جمعے پریش
مرفار قوے و قوے عجائب

غنیم کا لشکر جتنا سامنے تھا اس کا تخمینہ ایک لاکھ کیا جاتا تھا اور ہزار کے قریب
ہاتھیوں کی تعداد بیان کی جاتی تھی۔ اپنے وقت اور باپ کے وقت کا خزانہ کھپا کچھ بھرا
ہوا پاس تھا۔ ہندوستان میں یہ رسم ہے کہ جس وقت ایسا کام پڑتا ہے اس وقت کچھ دن
کے لئے فوج بھرتی کر لیتے ہیں۔ اس کو سرہندی کہتے ہیں۔ اگر ایسا کیا جاتا تو حرف
ایک لاکھ فوج اور رکھ سکتا تھا۔ خدا کی قدرت۔ نہ وہ اپنے لشکر کو راضی کر سکا نہ خزانہ
تقسیم کر سکا۔ لوگوں کو راضی کیوں کر کرتا اس کی طبیعت بہت ہی مسک تھی۔ اپنے
تلمز میں روپیہ رکھنے کا مزہ تھا۔ ایک جوان آدمی تھا اور نا تجربہ کار نہ اس نے آتے وقت
معقول بندوبست کیا۔ نہ ٹھہرنے کا اور بھاگنے کا ٹھکانا کیا۔ جب ہم پانی پت میں ٹھہر کر
چھکڑوں اور خندق سے اپنا بندوبست کر رہے تھے اس موقع پر حملہ کرنے کا خیال نہ کیا۔
درویش محمد ساربان نے عرض کیا کہ اب ایسی احتیاط ہو گئی ہے کہ دشمن کی ہوا
بھی ہمارے لشکر میں نہیں آسکتی۔ میں نے کہا کہ ازبک وغیرہ پر قیاس نہ کرنا چاہئے
(جس سال کہ ہم سمرقند سے چلے اور حصار میں آئے تو سب خان اور سلاطین ازبک
متفق ہو کر در بند سے ہم پر چڑھائی کرنے چلے۔ ہم سب مع گھربار تیس ہزار آدمی
تھے۔ ہم نے حصار کے محلات کو خوب مضبوط کر لیا۔ دشمن کی فوج کی آمد و رفت
وغیرہ سے آگاہ تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان لوگوں نے حصار کو پناہ کی جگہ بنا لیا ہے اور
دل میں ٹھان لی ہے کہ یہیں مرنا ہی میں جینا۔ چڑھائی کا موقع نہیں ہے۔ وہ اٹنے پھر

گئے) اس کو اس سے مشابہ نہ کر۔ یہ لوگ موقع و محل کیا جانیں۔ خدا کی شان! جو میں نے کہا تھا وہی ہوا۔ سات آٹھ دن تک ہم پانی پت میں رہے۔ ہمارے تھوڑے تھوڑے سے سپاہی ان کے لشکر کے پاس جاتے تھے اور بہت سوں کا مقابلہ کرنے پر پلٹتے تھے مگر وہ اپنی جگہ سے پلٹتے نہ تھے۔

آخر بعض ہندوستانی امراء کے کہنے پر عمل کیا۔ ممدی خواجہ، محمد سلطان مرزا، عادل سلطان، خسرو شاہ، میر حسین، سلطان جنید، برلاس، عبدالعزیز میر آخور۔ محمد سلطان۔ جنک جنگ، قلع قدم۔ دلی خازن۔ محب علی۔ خلیفہ۔ محمد بخشی۔ جان بیگ اور قراوی وغیرہم سرداروں کو چار پانچ ہزار فوج کے ساتھ شیخون مارنے کے لئے بھیجا۔ یہ لوگ عمدہ طور سے مجتمع نہ ہو سکے اور الگ الگ بھی کچھ نہ کر سکے۔ صبح کر دی۔ دن نکلے غنیم کے لشکر کے پاس پہنچے۔ غنیم کی فوج بھی سانوٹی ہو گئی۔ ہمارے بجاتی ہوئی اپنے ہاتھیوں کو لئے ہوئے نکلے۔ اگرچہ ہماری فوج نے کوئی نمایاں کام نہیں کیا مگر یہ کیا کہ اتنی کثیر فوج میں سے صحیح سالم بغیر اس کے کہ کوئی پکڑا بھی گیا ہو نکل آئی۔ محمد علی جنک جنگ کے پاؤں میں تیراگ۔ کاری نہ لگا تھا۔ پر لڑائی کے دن تک وہ کام کا نہ رہا۔ میں نے مذکورہ بالا خبر کے سنتے ہی ہمایوں کو اس کے لشکر سمیت کوس ڈیڑھ کوس ان کی پیشوائی کے لئے بھیجا اور خود باقی فوج کو لے کر باہر نکل آیا۔ شیخون والے ہمایوں سے آٹے چونکہ غنیم آگے نہ بڑھا اس لئے ہم بھی واپس آ گئے۔ اسی رات غلطی سے لشکر میں غل مچ گیا۔ تقریباً گھنٹہ بھر تک یہ غل رہا جن لوگوں نے ایسا غل غپاڑہ نہ سنا تھا۔ وہ بہت سراپد ہوئے۔ بارے تھوڑی دیر بعد غل تھم گیا۔

پانی پت کی لڑائی ۱۵۲۶ء۔ سورے قراول نے اطلاع دی کہ غنیم سیدھا چلا آتا ہے ہم بھی درست ہو کر سار ہوئے۔ برانغار میں ہمایوں خواجہ کلاں، سلطان محمد دلدائی، ہندو بیگ، دلی خازن اور پیر قلی سیدتلی تھا۔ جرائدار میں ممدی خواجہ دلدائی۔ مرزا۔ عادل سلطان۔ شاہ میر حسین۔ سلطان جنید۔ قلع قدم۔ جان بیگ محمد بخشی اور شاہ حسین مغل غانچی تھا۔ قون کے دست راست میں چیم تیسور سلطان۔ سلیمان۔ محمدی کوکلتاش۔ شاہ منصور برلاس۔ یونس علی۔ وردیش محمد ساربان اور عبداللہ کتب دار تھا۔ قول کے دست چپ میں خلیفہ۔ خواجہ میر میراں۔ احمدی۔ پروانچی۔ تردی بیگ۔ قوج بیگ۔ محب علی۔ خلیفہ۔ مرزا بیگ ترخان تھا۔ ایراول میں خسرو کوکلتاش اور محمد

علی جیک جیک تھا۔ عبدالرزاق میرا خور کو طرح میں مقرر کیا۔ برانغار کے اوج میں دلی قزل۔ ملک قاسم اور بلا قشہ کو مع مغلوں کے نو نغہ پر معین کیا۔ جرائدار کے اوج میں قراقرزی۔ بوالحمد نیزہ باز۔ شیخ جمل بازی۔ مندی اور شکری قلی مغل کو نو نغہ پر کھڑا کیا۔ اور حکم دیا کہ جس وقت دشمن کی فوج قریب آئے تو تم اس کے پیچھے ہو جانا۔ جب غنیم کا لشکر نمودار ہوا تو معلوم ہوا کہ برانغار کی جانب اس کا زور زیادہ ہے۔ اس واسطے عبدالعزیز کو جو طرح میں تھا جرائدار کی کمک کے لئے بھیجا۔ سلطان ابراہیم کی فوج جو دور سے آئی ہوئی معلوم ہوتی تھی وہ قدم اٹھائے ہوئے چلی آتی تھی۔ ہماری فوج میں غنیم کی آمد اور انتظام کی ترکیب دیکھ کر ذرا کھلبلی مچی کہ ٹھہرس یا نہ ٹھہرس۔ مقابلہ کریں یا نہ کریں۔ موقع کی بات کرنی چاہئے۔ ایسوں سے مقابلہ ہے جو بے توقف چلے آتے ہیں۔ میں نے حکم دیا کہ نو نغہ والے غنیم کے دست راست اور دست چپ سے پھر کر تیر مارنے شروع کریں اور لڑائی میں مشغول ہوں۔

برانغار بھی جا پہنچے تو نغہ والے غنیم سے پلٹ کر تیروں کا مینہ برسانے لگے۔ جرائدار میں سے مددی خواجہ سب سے آگے پہنچا۔ مددی خواجہ کے مقابلہ میں کچھ فوج ایک ہاتھی لئے ہوئے آئی۔ مددی خواجہ والوں نے تیروں کی بھرمار سے اس فوج کا منہ پھیر دیا۔ جرائدار کی کمک کے لئے قول میں سے احمدی پروانچی، تروی بیک، قوج بیک اور محمد علی خلیفہ بھیجے گئے۔ برانغار میں بھی لڑائی شروع ہو گئی۔ محمدی کو کھٹاش، شاہ منصور برلاس، یونس علی اور صدر اللہ کو حکم دیا کہ قول سے آگے بڑھ کر لڑائی شروع کرو۔ استلو علی قل بھی قول کے آگے آکر فائر کرنے لگا۔ مصطفیٰ تو پچی دست چپ سے خوب گولے مارنے لگا۔ نو نغہ والوں نے چاروں طرف سے غنیم کو گھیر لیا۔ اور ہنگامہ پیکار گرم کر دیا۔ دو ایک مرتبہ برانغار اور قول نے خیف سے حملے کئے۔ پھر تلواریں سونت لیں۔ اب تو دست راست و دست چپ اور قول وغیرہ سب گڈمڈ ہو گئے۔ گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ غبار ایسا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھتا تھا۔ آفتاب کوئی ایک نیزہ بلند ہوا ہو گا کہ جنگ مضبوط شروع ہوئی۔ دوپہر تک چلتی رہی۔ دوپہر ہوتے ہی دشمن پست ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک ایسا مشکل کام ہم پر آسان کر دیا کہ وہ بے شمار لشکر دوپہر کے عرصہ میں خاک میں مل گیا۔ پانچ ہزار آدمی تو سلطان ابراہیم کے ساتھ ایک جگہ مارے گئے۔ باقی ہر جگہ کشتوں کے پٹھے لگے ہوئے

تھے ہم نے اس وقت مقتولوں کا تحنید اپنے نزدیک پندرہ سولہ ہزار آدمی کیا۔ مگر آگرے میں ہندوستانیوں کی زبانی معلوم ہوا کہ اس معرکہ میں پچاس ساٹھ ہزار فوج کام آئی تھی۔

الحقیر بقیۃ السیف فرار ہوئے۔ اور ہم آگے بڑھے جو امراء آگے بڑھے تھے وہ بھاگے ہوئے افغانوں کو پکڑ لائے۔ ہاتھیوں کے غول کے غول قیل بانوں سمیت گرفتار کر کے لائے۔ اور نذر کئے۔ فراریوں کے عقب میں بلا چہرہ وغیرہ کو اس خیال سے کہ ابراہیم ہمراہیوں کے ساتھ بھاگ گیا ہے۔ روانہ کیا اور حکم دیا کہ بہت جلد چلے جاؤ اور آگرہ تک جا پہنچو۔ اس کے بعد لشکر ابراہیم میں آیا اور اس کے خیموں ڈیروں کو ملاحظہ کیا۔ پھر سدائی کے کنارہ پر ہم ٹھہرے۔ ظہر کے وقت طاہر (خلیفہ کا چھوٹا بھائی) تبریزی نے ابراہیم کی لاش بہت سی لاشوں میں پڑی ہوئی دیکھی۔ یہ فوراً اس کا سر کاٹ لایا۔ اس دن ہاپیوں مرزا۔ خواجہ کلاں۔ محمدی۔ شہ منصور برلاس۔ یونس علی۔ عبداللہ اور دلی خازن کو حکم دیا کہ ابھی چلے جاؤ۔ آگرہ پر قبضہ کر لو اور خزانے ضبط کر لو۔ مددی خواجہ محمد سلطان مرزا، علول سلطان، جنید برلاس اور تعلق قدم کو حکم دیا کہ بمیر سے علیحدہ ہو کر فوراً دلی چلے جاؤ اور وہاں کے خزانوں کی احتیاط رکھو۔ دوسرے دن ہم کو سب بھر چلے۔ گھوڑوں کو آسائش دینے کے لئے جمنائے کنارے پر ڈیرے کئے۔ پھر دو منزل چل کے سہ شنبہ کو دہلی میں داخل ہوئے۔

دلی میں آنا اور خطبہ پڑھوانا :- اول حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے مزار کی زیارت کی۔ دلی کے قریب جمنائے کنارے پر اترے۔ بدھ کی رات کو دلی کے قلعہ کی سیر کر کے رات وہیں گزاری۔ صبح حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ کے مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہوا۔ سلطان غیاث الدین بلبن اور سلطان علاؤ الدین خلجی کے مقبروں۔ عمارتوں۔ لاٹھ۔ ششی تلاب۔ حوض خاص۔ مقبرہ سلطان بسلوں۔ مقبرہ سلطان سکندر اور بلخ کی سیر کی۔ سیر کر کے کشتی میں بیٹھ کر عرق پیا۔ دلی بیک قرملی کو دلی کا صوبہ دار اور دوست بیک کو دلی کا دیوان مقرر کیا۔ خزانوں پر مریم لگا کر ان کے سپرد کر دیئے۔ جمعرات کو دلی سے کوچ کر دیا۔ اور تعلق آبلو کے قریب جمنائے کنارہ پر لشکر اترا۔ جمعہ کے دن یہاں مقام ہوا۔ مولانا محمود اور شیخ زین وغیرہ یہاں سے شہر گئے۔ دلی کی جامع مسجد میں انہوں نے جمعہ کی نماز پڑھی۔ میرے نام کا

خطبہ پڑھوایا۔ اور فقراء کو بہت سا روپیہ تقسیم کر کے واپس آئے۔ ہفتہ کو اس منزل سے چلے۔ میں نے تعلق آباد کی سیر کی۔ کوچ در کوچ آگرہ چلے گئے۔ جمعہ کے دن بائیسویں رجب کو نواح آگرہ میں پہنچے۔ اور سلیمان فرلی کے مکان میں اترنا ہوا۔ یہ مقام شہر سے بہت دور تھا۔ صبح یہاں سے جلال خاں بکمت کے محلوں میں جا ٹھہرے۔ ہمایوں وغیرہ پہلے سے آگئے تھے۔ قلعہ والوں نے قبضہ دینے میں جیلے حوالے کئے۔ انہوں نے دیکھا کہ لوگ بگڑے ہوئے ہیں۔ تائید کی کہ خزانوں کو کوئی ہاتھ نہ لگائے اور کوئی باہر نہ نکلے پائے۔ یہ انتظام کر کے میرے منتظر رہے۔ بکرتا جیت ہندو گوالیار کا راجہ تھا۔ اور سو برس سے اس کے بزرگ وہاں راج کرتے تھے۔ سلطان سکندر گوالیار چھیننے کے لئے کئی برس سے آگرہ کو دارالسلطنت بنائے ہوئے تھا۔ ابراہیم کے وقت میں اعظم ہمایوں اور سردانی نے کئی بار چڑھائی کی۔ آخر صلح سے گوالیار لے لیا اور شمس آباد اس کو دے دیا۔ ابراہیم کی شکست کے زمانہ میں بکما جیت مر گیا۔

بکما جیت کے بل بچے اور متعلق آگرہ میں تھے۔

مشہور ہیرا کوہ نور کا ہاتھ آنا اور آگرہ پر قبضہ کرنا :- جب ہمایوں آگرہ آیا تو بکما جیت کی اولاد بھاگنے کے خیال میں تھی۔ ہمایوں نے سپاہی متعین کر دیئے تھے۔ انہوں نے روکا۔ مگر ہمایوں نے ان کے لوٹنے اور مارنے کی اجازت نہیں دی۔ انہوں نے اپنی خواہش سے بہت سا جواہر ہمایوں کی نذر کیا۔ اس میں ۳۷۸ ایک مشہور ہیرا تھا جو سلطان علاؤ الدین لایا تھا۔ کہتے ہیں کہ بعض نے اس کی قیمت ساری دنیا کے خراج کا نصف تشخیص کی تھی۔ غالباً اس کا وزن آٹھ مثقل ہے۔ جب میں آیا تو ہمایوں نے اس کو میرے آگے پیش کیا۔ میں نے ہمایوں ہی کو دے دیا۔ قلعہ میں جتنی فوج تھی ان میں ملک دادا کرانی۔ ملی سور اور فیروز خاں میواتی ہوشیار آدمی تھے۔ انہی نے کسی قدر ہجر مچر کی۔ ان کی تادیب کے لئے کچھ لوگ بھیجے گئے۔ ملک دادا کرانی نے بعض سرداروں کے وسیلہ سے عرض معروض کی۔ لوگ ادھر ادھر آئے گئے۔ ان باتوں میں چار پانچ دن گذرے۔ آخر ان کے مدعا کے موافق ان کی پرورش کی گئی۔ اور جرائم معاف کر دیئے گئے۔ سلطان ابراہیم کی ماں کو سات لاکھ نقد کا پرگنہ عنایت کیا۔ ان امیروں کو جاگیریں عطا کیں۔ اور ابراہیم کی ماں کے رہنے کو آگرہ سے کوس بھر کے فاصلہ پر دریا کے اس طرف ایک مکان دیا۔ رجب کی ستائیسویں تاریخ ہفتہ کے دن بعد

دوسرے کو شہر آگرہ میں داخل ہوا۔ سلطان ابراہیم کے محل میں اترا۔

کابل سے ہندوستان تک کی فتح کا مجمل بیان :- ۹۱۰ ہجری میں کابل فتح ہوا۔ جب سے اب تک ہندوستان لینے کی ہوس تھی۔ کبھی امراء کی بے ہمتی سے اور کبھی بھائیوں کی بغاوت سے یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔ آخر وہ موانع نہ رہے۔ چھوٹے بڑے امیروں میں کوئی ایسا نہیں ہے جو خلاف مقصود دم مار سکے۔ ۹۲۵ھ میں بجزور کا قلعہ دو تین گھنٹے میں بزدور شمشیر چھین لیا اور وہاں قتل عام کر کے بمیرے میں آگیا۔ بمیرے والوں کو نہ ٹوٹا نہ مارا۔ جان و مال کی اس کو امن دی اور چار لاکھ شاہریہ کا نقد و جنس خراج کے لئے اہل لشکر پر تقسیم کر کابل میں آگیا۔ اس سن سے ۹۳۲ھ تک آٹھ سات برس میں نے پانچ حملے ہندوستان پر کئے۔ پانچویں بار اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے سلطان ابراہیم جیسے مقابل کو زیر کرا دیا۔ اور ہندوستان جیسا وسیع ملک مسخر فرما دیا حضرت رسالت پناہ ﷺ کے زمانہ سے آج تک ادھر کے بادشاہوں میں سے تین حملہ آور بادشاہ کامیاب ہوئے ہیں۔ ایک سلطان محمود جس کی اولاد تھی بدتوں ملک ہند پر فرماں روا رہی ہے۔ دوسرا سلطان شہاب الدین غوری۔ اس کے متعلق غلام برسوں پہلے کے حکمران رہے ہیں۔ تیسرا میں ہوں۔ مگر میری اور ان بادشاہوں کی پوری مماثلت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ سلطان محمود نے جب ہندوستان کو لیا ہے اس وقت سلطان کی قوت اتنی تھی کہ خراسان اس کے تحت میں تھا۔ شہان خوارزم و دارالمرز اس کے مطیع تھے۔ سرقد کا بادشاہ اس کا محکوم تھا۔ اس کا لشکر حملہ کے وقت اگر دو لاکھ نہیں تو ایک لاکھ ضرور ہو گا۔ دوسرے تمام ہندوستان میں ایک بادشاہ نہ تھا۔ مختلف راجہ تھے۔ اپنی اپنی ذلتی اور اپنا اپنا راگ تھا۔ سلطان شہاب الدین غوری اگرچہ خراسان پر قابض نہ تھا مگر اس کا بڑا بھائی سلطان غیاث الدین غوری مالک خراسان تھا۔ طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ سلطان مرحوم ایک لاکھ آٹھ ہزار مسلح سواروں سے ہندوستان پر آیا تھا۔ اس کے مقابلہ میں بھی متفرق راجہ تھے۔ سارے ہندوستان کا ایک بادشاہ نہ تھا۔

جب میں بمیرے میں آیا ہوں تو زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو ہزار فوج میرے ساتھ ہو گی۔ اب پانچویں مرتبہ جو میں نے حملہ کیا ہے اور سلطان ابراہیم کو شکست دے کر ہندوستان کو فتح کر لیا ہے تو سارا لشکر مع بمیرو بنگاہ بارہ ہزار لکھا گیا تھا اور کبھی ات

جمعیت لے کر آنے کا موقع نہ ملا تھا۔ بد خش، قدحار، کٹیل اور قدز کا ملک میرے قبضہ میں تھا۔ پر ان کی آمدنی بہت نہ تھی۔ بلکہ بعض علاقے دشمنوں کے ملک سے ایسے قریب تھے کہ وہیں بڑی مدد دینی پڑتی تھی۔ سارا بلواراء النہر ازبکوں کے قبضہ میں تھا۔ ان کی فوجیں تھینا" ایک لاکھ کے قریب بیان کی جاتی تھیں اور وہ ہمارے قریبی دشمن تھے۔ ہندوستان کی قلمرو بہیرے سے ملک ہمارے تک پٹھانوں کے تحت میں تھی۔ یہاں کا بلو شاہ سلطان ابراہیم تھا۔ پانچ لاکھ سے کم اس کی فوج نہ سمجھنی چاہئے بے شک پورب کے بعض امراء اس وقت اس کے مخالف تھے۔ اس پر بھی کہتے ہیں کہ تھینا" ایک لاکھ سوار پیدل اور ہزار امراء فیل نشین ماضر رکاب تھے۔ بائیں ہمد میں نے خدا پر بھروسہ کیا۔ ازبک جیسے لاکھ دشمنوں کو پیچھے چھوڑا اور سلطان ابراہیم جیسے صاحب فکر و ملک سے جو سلیمیں حشم تھا جا بھڑا۔ خدائے تعالیٰ نے میری محنت اور کوشش ضائع نہ کی۔ ایسے زبردست مقابل کو مغلوب کر دیا۔ اور ہندوستان جیسا وسیع ملک فتح کرا دیا۔ میں اس دولت کے حاصل کرنے کو اپنی تاب و طاقت پر محمول نہیں کرتا اور اس سعادت کے نصیب ہو جانے کو اپنی کوشش و ہمت کی بدولت نہیں جانتا بلکہ محض خدائے تعالیٰ کی عنایت سمجھتا ہوں۔

ہندوستان کا بیان :- ہندوستان وسیع، بہت آبلو اور میر حاصل ملک ہے۔ اس کے مشرق و جنوب بلکہ کسی قدر مغرب میں بھی دریائے سندھ ہے۔ شمال میں ایک پہاڑ ہے جو کوہ ہندوکش، کافرستان اور کوہستان کشمیر سے ملا ہوا ہے۔ اس کے مغرب و شمال میں کابل، غزنی اور قدحار ہے۔ ہندوستان کا دارالملك آج تک دلی ہے۔ سلطان شاب الدین غوری کے بعد سے سلطان فیروز شاہ کے آخر زمانہ تک ہندوستان کا تقریباً سارا ملک شہان دلی کے زیرِ نگیں رہا ہے۔ اب جب کہ میں نے اس کو فتح کیا ہے تو پانچ مسلمان بادشاہ اور دو ہندو راجہ یہاں حکومت کرتے ہیں۔ گو چھوٹے چھوٹے رائے اور راجہ پہاڑوں اور جنگلوں میں بترے ہیں۔ مگر مقتدر اور مستقل بھی ہیں۔ ان میں سے ایک پٹھان تھے جن کا تسلط بہیرے سے ہمارے تک تھا۔ ان افغانوں سے پہلے جون پور سلطان حسین شرقی کے پاس تھا۔ ان کو پوربی کہتے ہیں۔ ان کے بزرگ سلطان فیروز شاہ کے دربار کے امراء میں سے تھے۔ فیروز شاہ کے بعد جون پور کے یہی مستقل بلو شاہ ہو گئے۔ دلی سلطان علاؤ الدین کے قبضہ میں رہی۔ یہ لوگ سید تھے۔ امیر تیمور نے دلی فتح

کر کے ان کو دے دی تھی۔ سلطان بسلول لودھی اور اس کے بیٹے سلطان سکندر نے دلی سے جون پور تک قبضہ کر لیا تھا۔ دونوں دارالسلطنہوں میں ایک ہی بلو شاہ ہو گیا۔

دوسرا سلطان مظفر گجرات میں تھا۔ ابراہیم سے چند روز پہلے اس کا انتقال ہو گیا۔ وہ بڑا متشع بلو شاہ تھا۔ عالم تھا۔ محدث تھا۔ اور ہمیشہ قرآن شریف لکھا کرتا تھا۔ اس خاندان کو نانک کہتے ہیں۔ ان کے بزرگ بھی سلطان فیروز شاہ کے اہل خدمت میں سے شراب دار تھے۔ فیروز شاہ کے بعد گجرات دبا بیٹھے۔ تیسرا دکن میں بھٹی۔ آج کے زمانہ میں بھٹی سلطنت میں دم نہیں رہا۔ اس کا سارا ملک اس کے بڑے بڑے امراء میں منقسم ہو گیا۔ بادشاہ وقت امراء کا محتاج ہے۔ چوتھا مالوہ میں (جس کو مندو بھی کہتے ہیں) سلطان محمود تھا۔ اس خاندان کو غلی کہتے ہیں۔ اس کو رانا سانگا نے زیر کر لیا۔ اور اس کے ملک کے اکثر حصے چھین لئے۔ یہ سلطنت اب بودی ہو گئی۔ ان کے باپ دادا بھی فیروز شاہی امیر تھے پھر مالوہ کے حاکم بن بیٹھے۔

پانچواں نصرت شاہ بنگلہ میں تھا۔ اس کا باپ بنگلہ کا بادشاہ ہوا تھا۔ جس کا نام سلطان علاؤ الدین تھا۔ اور جس کی قوم سید تھی۔ نصرت شاہ کو سلطنت ترکہ میں ملی ہے۔ بنگلہ میں سلطنت لانے کی یہ عجیب رسم ہے کہ میراثی بہت کم ہوتی ہے۔ حقیقت میں بادشاہ تخت ہے بلو شاہ کے لئے بھی اس کی جگہ معین ہے۔ اور امراء وزراء اہل مناصب کے واسطے بھی ایک ایک جگہ مقرر ہے۔ گویا بنگالیوں کے نزدیک وہ تخت اور وہ جگہ ہی کچھ چیز ہے۔ اس ہر جگہ سے نوکروں چاکروں کی ایک جماعت متعلق ہے۔ جس امیر یا وزیر کا عزل و نصب بادشاہ کو منظور ہوتا ہے۔ اس کی جگہ بدل دی جاتی ہے۔ اس جگہ کے ساتھ جو حشم و خدم ہوتے ہیں وہ جدید شخص کے متعلق ہو جاتے ہیں۔ یہی بادشاہی تخت کی صورت ہے۔ بادشاہی یوں حاصل ہوتی ہے کہ جو کوئی بادشاہ حل کو مار کر جھٹ پٹ تخت پر بیٹھ جاتا ہے اسی کو تمام امراء وزراء فوج اور رعیت بادشاہ سمجھنے لگتی ہے۔ مقتول بادشاہ کی طرح قاتل بادشاہ کے سب مطیع ہو جاتے ہیں۔ بنگالیوں کا قول ہے کہ ہم تو تخت کے نوکر ہیں۔ جو تخت پر بیٹھ جائے وہی ہمارا بادشاہ ہے چنانچہ نصرت شاہ کے باپ سلطان علاؤ الدین سے پہلے ایک جہشی بادشاہ کو قتل کر کے تخت پر ہو بیٹھا تھا۔ مدوں اس نے حکومت کی جہشی کو سلطان علاؤ الدین مار کر بیٹھ

سیا اور بادشاہ ہو گیا۔ البتہ علاؤ الدین کے بعد اس کا بیٹا نصرت شہ بطور وراثت اب بادشاہ ہوا۔ بنگالہ میں یہ بھی دستور ہے کہ ہر بادشاہ کو نیا خزانہ جمع کرنا لازم ہوتا ہے۔ خزانہ جمع کرنا ان لوگوں کے نزدیک بڑے فخر کی بات ہے۔ یہ بھی قاعدہ ہے کہ خزانہ عامرہ بلکہ تمام خانگی اخراجات شہی کے واسطے ہمیشہ سے تنخواہ میں جاگیریں مقرر ہیں۔ ان کی آمدنی اور کاموں میں بالکل نہیں صرف ہوتی۔ یہ تو مسلمانوں کے پانچ بادشاہوں کا حال ہے۔ ان کے علاوہ مسلمان سردار صاحب ملک و فوج اور بہت سے ہیں۔ جو خود مختار اور ذی اقتدار ہیں۔

ہندوؤں میں سب سے بڑا راجہ آج کل ایک بے جاگیر والا ہے اور دوسرا رانا سانگا ہے۔ جس نے اپنی چالاکی اور جرات سے اقتدار حاصل کیا ہے۔ اس کا اصلی ملک پتور ہے۔ مندو کے بادشاہوں کی کمزوری کے زمانہ میں رتھنبور۔ رنگ پور پہلسا اور چندیری کے علاقے اس کے قبضہ میں آ گئے۔ ۹۳۴ھ میں عنایت الہی سے چندیری کو جو نئی برس سے دارالحرب تھا رانا سانگا کے بڑے سردار میدانی راؤ حاکم چندیری سے دو گھڑی میں بزور شمشیر میں چھین لیا اور کفار کو قتل کر کے دارالسلام بنا دیا۔ چنانچہ اس کا مشعر ذکر آگے آئے گا۔ ان دونوں کے علاوہ ہندوستان میں رائے اور راجہ بہتیرے ہیں۔ بعض تو مطیع الاسلام ہیں اور کچھ اس سبب سے کہ رستے دور ہیں اور ان کے مقامات مستحکم ہیں مسلمان بادشاہوں کی ذرا اطاعت نہیں کرتے۔ ہندوستان اقلیم اول دوم اور سوم میں ہے۔ اقلیم چہارم میں اس کی کوئی جگہ واقع نہیں ہے۔ یہ ایک اجنبی ملک ہے۔ ہماری ولایت سے دوسری دنیا ہے۔ پہاڑ، دریا، جنگل، جانور، نباتات، آدمی، زبان ہوا اور مینہ سب اور ہے۔ اگرچہ کابل کے علاقہ جات میں سے گرم سیر ملک بعض چیزوں میں ہندوستان سے مشابہ ہے اور بعض میں نہیں ہے مگر دریائے سندھ کے اوہر آتے ہی زمین۔ دریا۔ درخت۔ پتھر۔ قومیں اور ان کی راہ و رسم سب ہندوستانی طریق کی۔

پریت کا حال :- شمال کی طرف دریائے سندھ کے پار ہوتے ہی سارے پہاڑ میں آبادی ہے اور وہ ملک کشمیر کے علاقہ میں گنا جاتا ہے جیسے بگلی اور سمٹک وغیرہ کے علاقے۔ ان علاقوں میں سے اس زمانہ میں بہت سے علاقے گو کشمیر کے تعلق سے نکل گئے ہیں لیکن پہلے داخل کشمیر ہی تھے۔ کشمیر سے بنگالہ تک اس پہاڑ میں بڑا وسیع ملک

ہے۔ گھاؤں کے گاؤں آباد ہیں۔ اور بے شمار قومیں ہیں۔ یہ پہاڑ سمندر کے کنارے پر ختم ہوتا ہے۔ بہت تحقیق و دریافت کیا پورا حل تو کوئی نہ کہہ سکا۔ ہاں اتنا بیان کیا کہ یہاں کی ساری مخلوق ہندوستانی ہے اور ان کو کس کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اہل ہندو شین کو سین بولتے ہیں۔ چونکہ اس پہاڑ میں بڑا شہر کشمیر ہے اور کشمیر کو کشمیر کہا کرتے ہیں اس لئے یہ پہاڑ کسیا میر مشہور ہے اور یہاں کے پہاڑی کس کہلاتے ہیں۔ کشمیر کے علاوہ اس پہاڑ میں کوئی اور بڑا شہر بننے میں نہیں آیا۔ اور عجب نہیں کہ اسی وجہ سے اس کو بھی کشمیر کہتے ہوں۔ اس پہاڑ کی اجناس مشک نافہ۔ قرناس۔ بحر۔ زعفران، سیبہ اور تابا ہیں۔ ہندو اس کو سواک پرست بھی کہتے ہیں۔ ہندوستان میں سو ربیع کو لک سو ہزار کو اور پربت پہاڑ کو کہتے ہیں۔ یعنی سوا لاکھ پہاڑ۔ اس پہاڑ پر ہمیشہ برف رہتی ہے۔ ہندوستان کے بعض قطعات جیسے لاہور، سرہند اور ڈیرہ اسماعیل خان سے یہ پہاڑ سفید برف کا معلوم ہوتا ہے۔ کلہل کے علاقہ میں اسی پہاڑ کا نام ہندوکش ہے۔ یہی پہاڑ کلہل سے مشرق کی طرف مائل بہ جنوب چلا گیا ہے۔ اس پہاڑ کے جنوب میں سارا ہندوستان ہے اور شمال میں ملک تبت ہے۔ اس پہاڑ میں سے بہت سے دریا نکل کر ہندوستان میں بہتے ہیں۔

سرہند کے شمال میں چھ دریا ہیں۔ سندھ، چناب، راوی، بیاج اور ستلج۔ یہ سب دریا اس پہاڑ سے نکل کے ملتان کی نواح میں جمع ہوتے ہیں اور وہاں سے دریائے سندھ کے نام سے مشہور ہو کر مغرب کی طرف ملک ٹھٹھا میں بہتے ہوئے دریائے عمان میں جا گرتے ہیں۔ ان کے علاوہ جیسے جتنا، گنگا، رہپ، کودی، سرو، کندک اور بہت سی ندیاں اور دریا اسی پہاڑ سے نکل کر گنگا میں ملتے ہیں۔ اور گنگا کے نام سے مشرق کی جانب ملک بنگالہ میں بہتے ہوئے سمندر میں جا گرتے ہیں۔ غرض ان سارے دریاؤں کا منبع سواک ہی ہے۔ اور بہت سے دریا ہیں جو وسط ہند کے پہاڑوں سے نکلتے ہیں۔ جیسے چنبیل، بنارس، بن بوئی اور سون وغیرہم۔ یہ بھی گنگا کے ہمراہ ہو جاتے ہیں۔

پہاڑوں کا حال :- وسط ہند کے پہاڑوں پر برف نہیں پڑتی۔ ہندوستان میں بہت پہاڑ ہیں۔ ان میں سے ایک پہاڑ شمال سے جنوب میں جاتا ہے۔ یہ پہاڑ دلی کے علاقہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس جگہ پتھرلی پہاڑی ہے جس پر سلطان فیروز شاہ کا محل موسوم بہ جہان نما بنا ہوا ہے۔ یہاں سے یہی پہاڑی دلی کی نواح میں جا بجا چھوٹی چھوٹی سنگین

پھاڑیوں کی صورت کا ہوتا ہوا ملک میوات میں جاتا ہے اور میوات میں بڑا ہو جاتا ہے۔ میوات سے بیانہ کے علاقہ میں جاتا ہے۔ سیکری، باڑی اور دھولپور کے پھاڑ اسی کی شاخیں ہیں۔ مگر مسلسل نہیں ہیں۔ گوالیار کا پھاڑ جس کو کلاپور کہتے ہیں اسی پھاڑ کا شعبہ ہے۔ رمنتھمبور۔ چتور۔ مندر اور چندیری کے پھاڑ بھی اسی کی شاخیں ہیں۔ ان میں کہیں کہیں سات آٹھ کوس کا فاصلہ ہو گیا ہے۔ یہ پھاڑ نیچے نیچے۔ ہموار اور پتھریلے ہیں اور ان میں جھاڑیاں ہیں۔ ان میں برف مطلق نہیں پڑتی۔ ہندوستان کے بعض دریا ان پھاڑوں سے بھی نکلتے ہیں۔ ہندوستان کے اکثر قطعات میدانوں اور ہموار زمینوں میں واقع ہیں۔ اتنے شر اور مختلف ملک جتنے ہندوستان میں ہیں کسی ولایت میں نہیں ہیں۔ یہاں نہریں کہیں جاری نہیں ہیں۔ یہاں دریا بہتے ہیں۔ بلکہ بعض دریا بہت بڑے ہیں۔ کسی کسی شہر میں ایسا موقع بھی ہے کہ نہر جاری کی جائے اور وہاں نہر بھی لے آئے ہیں۔ اسی سبب سے وہاں کی زراعت اور باغیت سرسبز رہتے ہیں۔ پانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خریف تو برسات ہی سے ہو جاتی ہے۔ یہ بڑی بات ہے کہ مینہ نہ بھی برسے تو بھی ریح کی فصل ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے درختوں کی پودھ کو برس دو برس رہٹ سے یا چرس سے پانی دیا جاتا ہے۔ جہاں وہ بڑے ہو گئے اور پھر پانی دینے کی احتیاج مطلق نہیں رہتی۔ البتہ ترکاریوں وغیرہ کو پانی دیتے رہتے ہیں۔

لاہور۔ دیپالپور اور سرہند وغیرہم کی نواح میں رہٹ سے پانی دینے کا دستور ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کنوئیں کے گمراؤ کے برابر رسی کے دو حلقے بناتے ہیں۔ ان دونوں میں لکڑیوں کے ٹکڑے یوں باندھتے ہیں کہ لکڑی کا ایک سرا ایک حلقہ کی رسی میں۔ دوسرا دوسرے کی رسی میں۔ ان لکڑیوں میں لٹیاں باندھ دیتے ہیں۔ ان لکڑیوں اور لٹیوں بندھے ہوئے حلقہ کو اس چرخ میں ڈال دیتے ہیں جو کنوئیں کے منہ پر ہوتا ہے۔ اس چرخ کے سرے پر ایک چرخی دندانہ دار ہوتی ہے۔ اس چرخی کے پاس اور چرخ دندانہ دار ہوتا ہے۔ جس کے دندانے چرخی کے دندانوں سے ٹکراتے ہیں۔ اور جس کا شہتیر سیدھا کھڑا ہوتا ہے۔ اس میں تیل جوتے ہیں۔ جب تیل اس چرخ کو پھراتا ہے تو اس کے دندانے اس چرخی کے دندانوں سے ٹکرا کر اس کو چکر دیتے ہیں۔ چرخی کے چکر سے وہ حلقہ والا چرخ پھرتا ہے۔ اس کے پھرنے سے حلقہ کو گردش ہوتی ہے۔ حلقہ کی گردش سے لٹیاں اوپر نیچے آتی ہیں اور پانی گراتی ہیں۔ اس

جانوروں کا ذکر ہے۔ ہندوستان کے مخصوص چند جانوروں میں سے ایک ہاتھی ہے۔ ہاتھی کا پی کی سرحد کے قریب ہوتا ہے۔ جتنا مشرق کی جانب اوپر کو چلتے جاؤ اتنا ہی ملتا جائے گا۔ اسی جنگل میں سے ہاتھی پکڑے جاتے ہیں۔ اگر وہ اور ناگپور کے علاقہ کے تیس چالیس لاکھوں والوں کا یہی کام ہے۔ اگرچہ ہاتھی بڑے جسم کا جانور ہے مگر ایسا سدھ جاتا ہے کہ جو کچھ وہ کرتا ہے۔ ہاتھی کی قیمت اس کے چھوٹے بڑے ہونے پر مقرر ہے۔ جیسا ہاتھی ویسی قیمت۔ جتنا بڑا ہو گا اتنی قیمت زیادہ ہوگی۔ یہاں تو چار گز سے زیادہ اونچا دیکھنے میں نہیں آیا۔ کہتے ہیں کہ اور جزیروں میں بھی ہاتھی ہوتا ہے اور بڑے قد کا ہوتا ہے۔ باقی سوڈ کے ذریعہ سے کھانا پیتا ہے۔ اس کے منہ میں اوپر کی جانب دو بڑے دانت باہر نکلے ہوتے ہیں۔ ان دانتوں سے وہ دیواروں اور درختوں زور دے کر گرا دیتا ہے۔ ان ہی دانتوں سے حرب اور ضرب کا کام لیتا ہے۔ ہاتھی دانت بھی ان سے ہی مراد ہے۔ ہندوستانی ان دانتوں کی بہت قدر کرتے ہیں۔ اور جانوروں کی طرح ہاتھی کے جسم پر بل اور پشم نہیں ہوتی۔ ہندوستانیوں کے نزدیک ہاتھی بڑی عزت کی چیز ہے۔ ہر سردار کے لشکر میں کئی کئی ہاتھی ہوتے ہیں۔ ہاتھی کام بھی بہت دیتا ہے۔ بڑے بڑے پاٹ دار اور تیزی سے بہتے ہوئے دریاؤں سے ڈھیروں اسباب پیٹھ پر لا کر آسانی سے پار لے جاتا ہے۔ جس چمکڑے کو چار پانچ سو آدمی کھینچ سکیں اس کو دو تین ہاتھی بے ٹکان کھینچ لے جاتے ہیں۔ البتہ پیٹ اس کا بہت بڑا ہوتا ہے۔ وہ تین چار اونٹوں کا دان اکیلا چٹ کر جاتا ہے۔

ایک جانور گینڈا ہے۔ یہ بھی بڑا جانور ہے۔ دو تین بھینسوں کے برابر موٹا ہوتا ہے۔ دوسرے ملکوں میں مشہور ہے کہ گینڈا ہاتھی کو اپنے سینک سے اٹھا لیتا ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ اس کے ماتھے پر ایک سنگ بالشت بھر سے کچھ زیادہ کا ہوتا ہے۔ دو بالشت کا نہیں دیکھا۔ ایک بڑے سینک سے آنچرے کی کشتی اور طاس بنتا۔ شاید کسی سے تین چار کشتیاں بھی بن جائیں۔ گینڈے کی کھال بہت دیر ہوتی ہے۔ اگر کڑی کمان کو اتنا کھینچ کر کہ بغل کھل جائے تیر مارا جائے تو تین چار انگل تیر کھس جائے۔ مشہور ہے کہ بعض جگہ اس کی کھال میں تیر اچھی طرح کھس جاتا ہے۔ اس کے دونوں کندھوں کے اور دونوں رانوں کے کنارے خالی ہوتے ہیں۔ دور سے وہ مثل پردے کے نظر آتی ہیں۔ اور حیوانوں کی نسبت گھوڑے میں اور اس میں مشابہت ہے۔ جیسا گھوڑا۔

کا پیٹ چھوٹا ہے ویسا ہی اس کا پیٹ چھوٹا ہے۔ جس طرح گھوڑے کی گانچی میں ایک ہڈی ہوتی ہے اسی طرح اس کے ہوتی ہے۔ گھوڑے کے ہاتھوں میں بھی گئے ہوتے ہیں اس کے بھی ہوتے ہیں۔ ہاتھی سے یہ زیادہ درندہ ہوتا ہے۔ ہاتھی کے برابر فریل بردار بھی نہیں ہوتا۔ گینڈا پشاور اور ہشنغر کے جنگلوں میں بہت ہوتا ہے۔ اور دریائے سرود کے جنگل میں بھی ہوتا ہے۔ ہندوستان پر جب یوریشی کی ہیں تو پشاور اور ہشنغر کے جنگلوں میں دیکھا ہے۔ وہ اکثر سینگ مارتا ہے۔ شکاروں میں بہتوں کے سینگ مارے ہیں۔ ایک شکار میں مقصود چہرے کے گھوڑے کو ایسا سینگ مارا کہ وہ ایک تیر کے برابر اچھل کر گر پڑا۔ اسی سے اس کا نام گینڈا رکھا۔

ایک بڑا جانور بھینسا ہوتا ہے۔ اس کے سینگ معمولی بھینس کی طرح پیچھے کو الٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ مگر چپکے ہوئے نہیں ہوتے طاقت دار اور مرکنا جانور ہے۔ ایک نیل گائے ہے۔ گھوڑے کے برابر قد۔ مگر جسم اس سے دبلا پتلا۔ اس کا سر بالکل نیلا ہوتا ہے۔ اور مادہ بارہ گئے کے رنگ کی ہوتی ہے۔ گردن میں بالشت بھر سے زیادہ لمبے تھوڑے سے بال ہوتے ہیں۔ آواز قوناش جیسی ہوتی ہے۔ گائے کا سا کوہن ہوتا ہے۔ ایک کوتہ پا ہے۔ یہ سفید ہرن کے برابر ہوتا ہے۔ چاروں ہاتھ پاؤں چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اسی لئے اس کو کوتہ پا کہتے ہیں۔ اس کے سینگ بارہ گئے کی طرح شاخ دار ہوتے ہیں۔ لیکن چھوٹے چھوٹے۔ بارہ گئے کی طرح اس کے سینگ بھی ہر سال جھڑتے ہیں۔ یہ بہت دوڑتا نہیں۔ اسی باعث سے جنگل کے باہر نہیں نکلتا۔ ایک قسم کا ہرن مونہ زجران جیسا ہوتا ہے۔ اس کی پیٹھ کالی ہوتی ہے۔ اور پیٹ سفید ہوتا ہے۔ مونہ کے سینگ سے اس کا سینگ زیادہ لمبا اور سخت ہوتا ہے۔ ہندوستانی اس کو کلمہ کہتے ہیں۔ اصل میں کالا ہرن ہے۔ تخفیف کر کے کلمہ کر دیا۔ اس کی مادہ سفید رنگ کی ہوتی ہے۔ اس کلمہ کو پال کر اس سے جنگلی کلمہ پکڑتے ہیں۔ پکڑنے کی ترکیب یہ ہے کہ پہلے ہوئے ہرن کے سینگ میں ایک جل کا حلقہ مضبوط باندھتے ہیں اور گیند سے بڑا پتھر پاؤں میں باندھ کر لٹکا دیتے ہیں۔ جب اس کو چھوڑ دیتے ہیں تو وہ کہیں جا نہیں سکتا۔ پھر جنگلی کلمہ کو جہاں دیکھتے ہیں اس پر اس کو چھوڑتے ہیں۔ یہ قسم لڑاکا بہت ہے۔ فوراً دونوں سینگوں سے لڑنے لگتے ہیں۔ ایک دوسرے کو دھکیلتا ہے۔ اس دھکا پھلی میں جنگلی ہرن کا سینگ اس جل کے حلقہ میں پھنس جاتا ہے جو

خانگی ہرن کے سینک میں بندھا ہوا ہوتا ہے۔ اب اگر جنگلی ہرن بھاگنا چاہتا ہے تو نہیں بھاگ سکتا۔ غالباً وہ پتھر نہیں بھاگنے دیتا جس کو خانگی ہرن کے پاؤں باندھا ہے۔ اس ڈھنگ سے بیسیوں ہرن پکڑے جاتے ہیں۔ پکڑے ہوؤں کو سدھاتے ہیں۔ پھر ان سے اور پکڑتے ہیں۔ ان سدھے ہوئے ہرنوں کو گھروں میں بھی لڑاتے ہیں۔ یہ خوب لڑتے ہیں۔

پھاڑوں کے دامنوں میں ایک چھوٹا ہرن ہوتا ہے۔ بڑے سے بڑا ایک سالہ بوقل کے برابر ہو گا۔ اس کا گوشت بڑا ہی ملائم اور مزہ کا ہوتا ہے۔ ایک گائے ہوتی ہے چھوٹی۔ بہت بڑی ہو تو ولایت کے تو چقار کے برابر ہوتی ہے۔ ایک جانور میمون ہے۔ ہندوستانی اس کو بند رکھتے ہیں یہ کئی قسم کا ہوتا ہے۔ ایک قسم ہے جس کو ان ملکوں میں لے جاتے ہیں اور وہیں کے بازیگر اس کو ٹپچنا اور تماشے کرنا سکھاتے ہیں۔ یہ قسم درء نور کے پھاڑوں میں۔ درء خیبر کے پھاڑوں کے دامنوں میں اور اوسر تمام ملک ہند میں ہوتی ہے۔ ان مقاموں سے اوپر مقاموں میں نہیں ہوتی اس کے بل زرد ہیں۔ منہ سفید ہے۔ دم بہت لمبی نہیں ہوتی۔ ایک قسم کا بندر ہے جو بجور اور اس کے نواح میں نہیں نظر آتا ہے۔ یہ قسم اس قسم سے جسے ولایت میں لے جاتے ہیں۔ بہت بڑی ہے۔ اس کی دم بڑی لمبی ہوتی ہے۔ بل سفید ہوتے ہیں اور منہ بالکل سیاہ ہوتا ہے۔ اس کو لنگور کہتے ہیں۔ ہندوستان کے پھاڑوں اور پہاڑی جنگلوں میں یہ کثرت سے ہوتا ہے ایک قسم ہے کہ اس کے بل سارے اعضاء اور منہ کالا ہی ہے۔ اس قسم کے بندر بعض جزائر سے آتے ہیں۔ ایک اور قسم کا جزائر میں ہوتا ہے جس کا رنگ زرد نیلا ہٹ لئے ہوئے پوٹین جیسا ہوتا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ ہر وقت خر خر کرتا رہتا ہے۔ کبھی چپکا نہیں رہتا۔

ایک جانور نیولا ہے چھوٹے کیس سے چھوٹا درخت پر چڑھ جاتا ہے۔ بعض اس کو موش خرا کہتے ہیں۔ اور اس کو مبارک سمجھتے ہیں۔ ایک جانور ہے جو ہے جیسا اس کا نام گھری ہے۔ یہ ہمیشہ درختوں پر رہتا ہے۔ درختوں پر عجب پھرتی سے چڑھتا اترتا ہے۔ پرندہ جانوروں میں مور ہے۔ نہایت رنگین اور زینت دار۔ اس کا ذیل ڈول اس کے رنگ اور زینت کے لائق نہیں ہے۔ جسم کلنگ کے برابر ہوتا ہے۔ مگر قد کلنگ سے ٹھنکنا۔ ز کے سر پر دو تین انگل اونچی کئی پروں کا تاج ہوتا ہے۔ مادہ کے سر

پر تاج نہیں ہوتا اور نہ وہ خوبصورت ہوتی ہے۔ نہ اس کے پر رنگین ہوتے ہیں۔ نہ اس کا سوسنی اور چمکتا ہوا رنگ ہوتا ہے۔ گردن نیلی خوش رنگ۔ گردن سے نیچے پشت ساری زرد اور نیلی ہوتی ہے۔ دم پر منقش ہوتے ہیں۔ پشت کے گل چھوٹے چھوٹے پیٹھ سے دم کے آخر تک رنگین اور منقش بڑے بڑے گل ہوتے ہیں۔ بعض مور سر سے دم تک آدمی کے قد کے برابر ہوتا ہے۔ ان منقش اور گل دار دم کے پروں سے نیچے چھوٹے چھوٹے پر اور جانوروں کی دم جیسے بھی ہوتے ہیں۔ یہ دم کے چھوٹے پر اور بازو سرخ ہوتے ہیں۔ بجور اور اس سے نیچے کے ٹکوں میں یہ جانور ہوتا ہے۔ اوپر کی جانب لمبائیت وغیرہ میں نہیں ہوتا۔ ہریل سے اس کی اڑان بہت کم ہے۔ دو ایک بار سے زیادہ نہیں اڑ سکتا۔ اسی کم پروازی کے سبب سے اکثر پہاڑوں میں رہتا ہے۔ جب آدمی کے قد کے برابر اس جھاڑی سے اس جھاڑی تک چلنا ہو تو بھیڑیے سے کیونکر بچ سکتا ہے۔ ہندوستانی اس کو مور کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کوئی کے مذہب میں حلال ہے۔ اس کا گوشت مزے کا ہوتا ہے۔ بٹیر کے گوشت جیسا تو ہوتا ہے مگر اونٹ کے گوشت کی طرح ذرا کراہیت سے کھلیا جاتا ہے۔

ایک طوطی ہے۔ موسم بہار میں جب شہتوت پکتا ہے تو نیک نمار اور لمبائیت میں یہ جانور آجاتا ہے۔ پھر نظر نہیں آتا۔ طوطی کئی قسم کا ہوتا ہے۔ ایک قسم ہے کہ اس کو وہاں دالے پالتے ہیں اور بولیاں سکھاتے ہیں۔ دوسری قسم کا طوطی اس سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کو بھی بولیاں سکھاتے ہیں۔ اس کو جنگلی کہتے ہیں۔ یہ قسم بجور اور سوات کی نواح میں بہت ہے۔ پانچ پانچ چھ ہزار کے جھلڑ جا بجاڑتے پھرتے ہیں۔ ان کے اور ان کے جسم میں فرق ہے اور رنگ ایک سا ہے۔ ایک اور قسم کا طوطی ہوتا ہے جو اس جنگلی طوطی سے چھوٹا ہے۔ اس کا سر لال ہوتا ہے اور پر بھی سرخ ہوتے ہیں۔ یہ طوطی بولیاں نہیں بولتا۔ اس کو طوطی کشمیر کہتے ہیں ایک قسم کا طوطی جنگلی طوطی سے کسی قدر چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کی چونچ سرخ ہوتی ہے۔ جو بولی سکھائو سیکھ جاتا ہے۔ میں نے غور سے دیکھا کہ طوطی اور مینا کو جو بولی سکھا دو وہ بولنے لگتے ہیں۔ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کر سکتے۔ ابو القاسم جلاز نے جو میرے مصاحبوں میں سے ہے ان ہی دنوں میں ایک عجیب ذکر کیا کہنے لگا۔ ”میرے پاس اسی قسم کا طوطی تھا۔ بنجرے پر میں نے بسننی باندھ رکھی تھی۔ طوطی نے کہا اس کو اتار ڈالو۔ میں

نے اسی وقت بستنی اتار ڈالی پھر ایک بار اس کا خچرا دریا پر کھول دیا تھا۔ رستہ چلنے والے چلے جاتے تھے۔ طوطی نے کہا۔ لوگ جاتے ہیں یہ نہیں جاتے۔“ دروغ برگردن راوی۔ گو وہ بیان کرتا تھا مگر جب تک اپنے کانوں سے نہ سن لیں یقین نہیں ہوتا۔ ایک قسم کا طوطی ہوتا ہے نہایت شوخ رنگ۔ سرخ رنگ کے علاوہ اور رنگ بھی ہوتے ہیں۔ اس کی پوری ہیئت مجھے یاد نہیں۔ اسی سبب سے اس کا مفصل حل نہیں لکھا۔ یہ طوطی خوبصورت ہست ہوتا ہے۔ باتیں بھی کرتا ہے۔ اتنا عیب ہے کہ آواز بھونڈی ہے۔ ایسی ہے جیسے چینی کے ٹکڑے کو تانبے کے برتن پر گھسیٹنے سے آواز نکلتی ہے۔

ایک جانور مینا ہے۔ لمفانات میں مینا ہست ہوتی ہے۔ اس سے لیشی ملک میں جو ہندوستان ہے کثرت سے ہے۔ یہ کئی قسم کی ہوتی ہے۔ ایک قسم ہے کہ اس کا سر سیاہ اور کچھ پر سفید ہیں۔ بٹ حل یک چری سے بڑا ہے۔ باتیں دیر میں سیکھتی ہے۔ ایک اور قسم کی ہوتی ہے۔ اس کو بنداوی کہتے ہیں۔ بنگالہ میں ہوتی ہے۔ اس کا رنگ کالا ہوتا ہے۔ جسم ہل کی مینا سے چھوٹا چونچ اور پاؤں زرد۔ دونوں کانوں میں پردے لٹکے ہوئے ہوتے ہیں جو بد نما ہوتے ہیں۔ اس کو بنگالے کی مینا کہتے ہیں۔ باتیں خوب بتاتی ہے۔ فصیح ہوتی ہے۔ ایک اور قسم کی مینا ہوتی ہے مذکورہ بالا میناؤں سے ذرا نازک۔ اس کی آنکھیں سرخ ہوتی ہیں۔ یہ باتوں نہیں ہوتی۔ ان دونوں میں میں نے گنگا کا پل بندھوا کر مخالفوں کو بھگایا اور لکھنؤ اور اودھ میں آیا تو یہاں ایک طرح کی مینا دیکھی جس کا سینہ سفید۔ سر ابلق اور پیٹ سیاہ ہے۔ اس قسم کی مینا پہلے نہ دیکھی تھی۔ غالباً یہ باتیں کرنی نہیں سیکھتی۔ ایک جانور نودہ ہے۔ اس کو بو قلمون بھی کہتے ہیں۔ سر سے دم تک پانچ چھ طرح کے صاف رنگ ہوتے ہیں۔ ایسے جیسے کبوتر کی گردن۔ قد و قامت کبک درہی کے برابر۔ عجب نہیں کہ ہندوستان کی کبک درہی یہی ہو۔ جس طرح کبک درہی پہاڑوں پر پھرتی ہے۔ یہ بھی پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھرا کرتی ہے۔ یہ جانور کلل کے علاقوں میں، بخراہ اور اس کے نیچے کے تمام پہاڑوں میں ہوتا ہے۔ اوپر کی طرف نہیں ہوتا۔ اس کا عجیب حل سننے میں آیا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب جاڑا پڑتا ہے تو پہاڑ کے دامنوں میں یہ آجاتا ہے ہکانے سے یا اڑانے سے اتنا بھی اس سے نہیں اڑا جاتا کہ انموں کے درختوں پر سے اڑ جائے۔ آخر لوگ پکڑ لیتے ہیں۔ اس کا گوشت حلال

ہے اور مزے دار ہے۔

ایک جانور تیر ہے۔ ہندوستان ہی کے ملک پر منحصر نہیں بلکہ سب گرم سر ولاتوں میں ہوتا ہے۔ البتہ بعض قسم کا تیر سوائے ہندوستان کے دوسری ولاتوں میں نہیں ہوتا۔ اس واسطے اس کا بیان یہاں لکھا گیا۔ اس کا قدر کٹنگ یعنی کبک کے برابر ہوتا ہے۔ پیٹھ کے پرون کا رنگ جنگلی مرغ جیسے گردن سینہ کلا۔ اس پر سفید چیل۔ دونوں آنکھوں کے دونوں طرف سرخ ڈورے پڑے ہوئے۔ ایک طرح کی فریاد کرتا رہتا ہے۔ اس کی آواز سے یہ الفاظ نکلتے ہیں۔ ”سر دارم شکر“ استر آلود وغیرہ کے تیر کے بولنے میں یہ لفظ معلوم ہوتے ہیں۔ ”ہے تونی لار“ عرب کے تیر ”بالفکر تدم النعم“ کہا کرتے ہیں۔ اس کا مادہ رنگ ہریل جیسا ہوتا ہے۔ یہ جانور بخراؤ سے نشی ملکوں میں ہوتا ہے۔ ایک قسم کا تیر ہوتا ہے۔ اس کو کنبل کہتے ہیں۔ معمولی تیر کے برابر جسم میں۔ آواز کبک کی آواز میں ملتی جلتی ملک کبک کی آواز سے بھاری۔ اس کی مادہ اور نر کے رنگ میں یوں ہی سا فرق ہوتا ہے۔ پشور۔ مشتور اور ان سے نشی ملکوں میں ہوتا ہے۔ بلالی ملکوں میں نہیں ہوتا۔ ایک جانور یل بکار ہے۔ جسم اور رنگ مرغی کا سا۔ ماتھے سے سینہ تک سرخ رنگ۔ یہ جانور ہندوستان کے پہاڑوں میں ہوتا ہے۔ ایک جنگلی مرغی ہوتی ہے۔ اس میں اور خانگی مرغی میں اتنا ہی فرق ہے کہ یہ ہریل کی طرح پرواز کرتی ہے۔ ایک خانگی مرغی ہوتی ہے۔ ہر رنگ کی۔ یہ مرغی بجور اور امان کے پہاڑوں سے نیچے اور اوپر کے ملکوں میں نہیں ہوتی۔ ایک جانور ہے ملیکار جیسے مگر ملیکار اسے بہت خوش رنگ ہوتا ہے۔ یہ بھی بجور کے کوستان میں ہوتا ہے۔ ایک شام جانور ہے مرغ خانگی کے برابر اس کا رنگ ایکس ہے۔ بجور کے پہاڑوں میں ہوتا ہے۔

ایک جانور پودنہ ہے۔ پودنہ اور ملکوں میں بھی ہوتا ہے مگر چار پانچ قسم کا خصوصاً ہندوستان میں ہوتا ہے۔ ایک قسم جس کو اور ملکوں میں لے جاتے ہیں۔ اس قسم کا پودنہ بڑا اور موٹا تازہ ہوتا ہے۔ ایک قسم کا پودنہ اس سے چھوٹا ہے۔ اس کے پردوں اور دم کا رنگ لال ہوتا ہے۔ خرچل کی طرح اڑتا ہے۔ ایک اور قسم کا پودنہ ہے جو ولایت جانے والے پودنہ سے بہت چھوٹا ہے۔ اس کے سینے اور گردن میں سیاہی زیادہ ہے۔ ایک پودنہ ہے وہ کٹل کم جاتا ہے۔ یہ بھی چھوٹا سا ہوتا ہے۔ قارجہ سے

کچھ بڑا، کھل میں اس کو قورا تو کہتے ہیں۔ ایک جانور خرچل ہے بڑے سے بڑا بوغداق کے برابر۔ کیا عجیب ہے کہ یہ ہندوستان کا بوغداق ہو۔ اس کا گوشت بڑے مزے کا ہوتا ہے۔ کسی کی صرف ران کا اور کسی کے تمام اعضاء کا گوشت لذیذ ہوتا ہے۔ ایک جانور حر ہے۔ اس کا جسم تو غدیری سے ذرا دھلا ہوتا ہے۔ نر کی پیٹھ تو بغداق جیسی ہوتی ہے۔ اس کا سینہ کالا ہے۔ بلکہ ایک رنگ ہوتی ہے۔ حر کا گوشت بھی مزے کا ہوتا ہے۔ بیسا خرچل تو بغداق کا مشابہ ہے ویسا سر تو غدیری سے مشابہ ہے۔ ایک جانور باغری قرائے ہندوستان ہے۔ یہ ولایت کے باغری قرا سے چھوٹا اور پتلا ہے۔ اور جانور ہیں جو ریا کے کنارے پر رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک دنگ ہے۔ یہ جسم جانور ہے۔ اس کے پر و بال آدمی کے قد کے برابر ہوتے ہیں۔ اس کے سر اور گردن پر پر نہیں ہوتے۔ گردن میں ایک تھیلی سی لٹکتی ہوتی ہے۔ پیٹھ کا رنگ کالا اور سفید ہے۔ یہ جانور کھل میں بھی آجاتا ہے۔ ایک سل لوگ پکڑ لائے تھے۔ خوب سدھ گیا تھا۔ گوشت کی بوٹی کو پھینکتے تھے تو جھٹ چونچ سے لپک لیتا تھا۔ ایک دفعہ چھ نعلی جوتی لے اڑا تھا۔ اک دفعہ ایک جھنگلی مرغ کو پروں سمیت نگل گیا تھا۔

ایک جانور سارس ہے جتنا ہندوستان میں ہوتا ہے کہیں نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں کہ کسی قدر یہ چھوٹا ہے۔ اس کو پالا کرتے ہیں۔ خوب مل جاتا ہے۔ ایک کنار ہے۔ قد سارس کے برابر اور جسم اس سے چھوٹا۔ جسم لکلیک جیسا مگر اس سے بہت بڑا۔ چونچ لکلیک سے بڑی اور کالی۔ سر سونی، گردن سفید، بازو اور پردوں نے کنارے ملحق ہوتے ہیں۔ ایک جانور لکلیک کی قسم ہے۔ اس کی گردن سفید۔ اس کا سر اور سب اعضاء کالے ہیں۔ اس کو غیر ملکوں میں لے جاتے ہیں۔ لکلیک سے یہ بہت چھوٹا ہے۔ اس کو ہندوستانی یک و بیک کہتے ہیں۔ لکلیک دوسرا جانور ہے۔ جس کا رنگ اور وضع اس لکلیک سے یہ چھوٹا ہے۔ ایک اور جانور ہے جو بگے اور لکلیک دونوں سے مشابہ ہے۔ اس کی چونچ بگے سے بڑی اور لمبی اور جسم لکلیک سے چھوٹا ہے۔ ایک جانور برک کلاں ہے۔ بڑائی میں سار کے برابر۔ اس کی پیٹھ بازوؤں سے اونچی ہوتی ہے۔ ایک برک کلاں ہے۔ اس کا سر سفید۔ بازو سیاہ۔ اس کو بھی اور ملکوں میں لے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے برک سے یہ چھوٹا ہوتا ہے۔ ایک مرغابی ہے جس کو مرغیائی کہتے ہیں یہ سونہ پوچھن سے بڑی۔ اس کو زو

بادھ کا ایک رنگ ہے۔ ہشتنغر میں تو یہ ہمیشہ ہوتی ہے اور لمغانت میں کبھی چلی جاتی ہے۔ برک سے بہت اونچی ہوتی ہے۔ اور ہندوستان کی برک سے بہت چھوٹی۔ اس کی ناک اونچی ہوتی ہے۔ اور ہندوستان کی برک سے بہت چھوٹی۔ اس کی ناک اونچی۔ سینہ سفید۔ پیٹھ کالی اور گوشت مزے کا ہے۔ ایک رخ ہے۔ اور کوٹ کے برابر ہوتا ہے اور رنگ کالا۔ ایک سارادر ہے۔ اس کی پیٹھ اور دم سرخ ہے۔ ایک الہ قرعہ ہند ہے۔ اس ولایت کے الہ قرعہ سے بہت دبلا پتلا۔ گردن میں ذرا سفیدی ہوتی ہے۔ ایک اور جانور ہے یراغ۔ کھکھ جیسا۔ لمغانت میں اس کو مرغ جنگل کہتے ہیں۔ اس کا سینہ اور سر سیاہ۔ بازو اور دم بہت سرخ ہے۔ اس میں اڑان کم ہے۔ اسی لئے جنگل سے کم نکلتا ہے۔ اور اسی سبب سے اس کو مرغ جنگل کہتے ہیں۔ ایک بڑی شہو ہے جس کو چنگوڑ کہتے ہیں۔ ایک اور چنگوڑ پایا لاغ کے برابر ہوتی ہے۔ اس کا سر سورا اور کتے کے سر جیسا ہوتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ جس درخت میں یہ رہتی ہے اس کی شاخ میں الٹی لٹکتی ہے۔ ایک جانور ہندوستان کا کھکھ ہے۔ اس کو نیا کہتے ہیں۔ کھکھ سے کچھ چھوٹا کھکھ سیاہ اور سفید رنگ کا البتہ ہوتا ہے۔ نیا کھکھ اور سیاہ رنگ کی البتہ ہے۔ ایک جانور اور ہے ارک۔ ساد اور لاغ مولہ کے برابر۔ اس کو مولہ کہتے ہیں۔ خوش رنگ سرخ ہے۔ بازو کے پر کسی قدر سیاہی لئے ہوئے۔ ایک جانور مکر کرچہ ہے قاعد علاج فرا سے بہت مشابہ۔ مگر اس سے بڑا ہوتا ہے۔ ایک رنگ کالا ہے۔ ایک جانور کوئل ہے۔ لبان میں کوئلے کے برابر۔ کوئلے سے بہت دلی۔ بولتی خوب ہے۔ گویا بلبل ہندوستان یہی ہے۔ ہندوستانی اس کو بلبل سے کم نہیں سمجھتے۔ جن باغوں میں درخت بہت ہوتے ہیں ان میں رہتی ہے۔ ایک جانور ہے شترق جیسا درختوں پر چمٹا رہتا ہے۔ شترق ہی کے برابر بڑا ہوتا ہے۔ طوطی کا سا سبز رنگ۔

آبی جانور :- آبی جانوروں میں ایک شیرابی ہے۔ جس کا گزر بڑے بڑے دریاؤں پر رہتا ہے۔ کیلش کی صورت ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ آدمی بلکہ جینے کو بھی پکڑ لیتا ہے۔ ایک سیار ہے۔ اس کی وضع بھی کیلش جیسی ہوتی ہے۔ یہ ہندوستان کے سب دریاؤں میں ہوتا ہے۔ اس کو پکڑ لائے تھے۔ چار پانچ گز لمبا تھا۔ اس سے بھی لمبا ہوتا ہے۔ اس کی تھو تھنی آدھ گز سے زیادہ لمبی تھی۔ اوپر اور نیچے کے جڑے میں مہین مہین دانٹوں کی قطار ہوتی ہے۔ دریا کے کنارہ پر پڑا اینڈا کرتا ہے۔ ایک دریائی سور

ہے۔ یہ بھی ہندوستان کے سب دریاؤں میں ہوتا ہے۔ اس کو پکڑ کر لائے تھے۔ چار پانچ گز کا لمبا ہو گا۔ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی تھو تھنی آدھ گز کے قریب دھند "پانی سے باہر نکلتی ہے۔ سرپانی سے باہر نہیں ہوتا کہ پھر پانی میں چلی جاتی ہے۔ اس کی دم باہر دکھائی دیتی رہتی ہے۔ اس کا جڑا بھی سیار کے جڑے کے برابر لمبا ہے اور اسی طرح دانٹوں کی قطاریں ہیں۔ ایک جانور سم ہے مچھلی جیسے آپس میں کھیلتے وقت ایسا ہو جاتا ہے۔ جیسے مشک۔ آبی سور جو دریائے سرو میں ہوتے ہیں وہ تو پھیلتے وقت دریا سے باہر آ جاتے ہیں۔ یہ مچھلی کی طرح دریا ہی میں رہتا ہے۔

ایک جانور گریال (گھڑیاں) ہے۔ یہ بہت بڑا ہے دریائے سرو میں ہمارے لشکر میں سے بہت لوگوں نے اس کو دیکھا ہے۔ یہ آدمی کو پکڑ لیتا ہے۔ جب ہم دریائے سرو کے کنارے پر خیمہ زن تھے تو دو ایک آدمیوں کو اس نے پکڑ لیا تھا۔ غازی پور اور بنارس کے درمیان میں بھی لشکر کے تین چار آدمی پکڑ لئے تھے۔ میں نے اسی نواح میں گھڑیاں کو دور سے دیکھا ہے۔ لیکن اچھی طرح تمیز نہیں ہوئی۔ ایک کلک مائی ہے۔ اس کے دونوں کانوں کے پاس دو ہڈیاں انگلی بھر کی نکلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس کو پکڑو تو دونوں ہڈیوں کو ہلاتا ہے۔ جس سے نئی طرح کی آواز نکلتی ہے شاید اسی وجہ سے لوگ اس کو کلک کہتے ہوں۔ ہندوستان کی مچھلیوں کا گوشت بڑا لذیذ ہوتا ہے۔ کانٹے بھی کم ہوتے ہیں۔ بڑی چالاک مچھلیاں ہیں۔ ایک بار ایک دریا میں دونوں طرف جال ڈالے۔ جال ہر طرف دریا سے گز بھرا اونچے تھے۔ مچھلیاں جال سے گز گز بھرا چھل کر نکل گئیں۔ ہندوستان کے بعض دریاؤں میں چھوٹی مچھلیاں بھی ہوتی ہیں۔ اگر کوئی دھماکا ہو یا پاؤں گھٹکھولنے کی آواز ہو تو ایک بار آدھ گز پانی سے اچھل جاتی ہیں۔ ایک جانور مینڈک ہے۔ یہاں کے مینڈک پانی میں سات آٹھ گز دوڑتے ہیں۔

نباتات :- ہندوستان کے خاص میوؤں میں سے ایک انبہ ہے۔ اکثر ہندوستانی اس کی بے کو ساکن بولتے ہیں۔ چونکہ وہ تلفظ برا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے بعض اس کو نفزک کہتے ہیں چنانچہ امیر خسرو فرماتے ہیں۔

نفزک ما نفز کن بوستان

نفز ترس میوہ ہندوستان

اس میں خوشبو ہوتی ہے اور یہ خود رو بھی ہوتا ہے۔ مگر خود رو عمدہ نہیں ہوتا۔

اکثر کچی کیریاں توڑ لیتے ہیں اور پال ڈال کر پکاتے ہیں۔ گدڑی کیریاں ترشی لئے ہوتی ہیں۔ گدڑی کیریوں کا مرہ خوب بنتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ آم ہندوستان کے عمدہ میووں میں سے ہے۔ اس کا درخت بہت بڑھتا ہے۔ بعض تو آم کو اتنا پسند کرتے ہیں کہ سوائے خربوزہ کے سب میووں سے بہتر کہتے ہیں۔ ایسا تو نہیں ہے ہاں شفتالوے کا رومی سے ملتا جلتا ہے۔ برسات کے موسم میں پکتا ہے۔ اس کو ایک تو اس طرح کھاتے ہیں کہ نیچے کی طرف کو پلپلاتے ہیں۔ پھر اس کے منہ میں سوراخ کرتے ہیں اور رس چوتے ہیں۔ دوسرے یوں کھاتے ہیں کہ شفتالوے کا رومی کی طرح پوست کو علیحدہ کر کے کھاتے ہیں۔ اس کا پتا شفتالو کے پتے سے کچھ کچھ مشابہ ہے۔ تبا بے ہنگم اور بے ڈول ہوتا ہے۔ بنگالہ اور گجرات میں اس کی کثرت ہے۔ ایک میوہ کیلا ہے۔ جس کو اہل عرب موز کہتے ہیں۔ اس کا درخت بہت اونچا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس ڈھنگ کا ہوتا ہے کہ جس کو درخت نہیں کہہ سکتے۔ گویا گھاس اور درخت کے بین بین میں ایک چیز ہے۔ ہا امان قرا کے پتے کی صورت کا ہوتا ہے۔ مگر کیلے کا پتا تقریباً دو گز لمبا ہوتا ہے اور ایک گز چوڑا پتے اور درخت کے بیچ میں سے ایک شاخ دل کی شکل کی نکلتی ہے۔ اسی شاخ کے منہ پر غنچہ ہوتا ہے۔ اس غنچہ کی وضع بکری کے دل جیسی ہوتی ہے۔ غنچہ کی جو ہنکمری نکلتی ہے اس کی جڑ میں سے چھ سات کلیوں کی قطار پھوٹی ہے۔ یہ کلیاں کیلا ہو جاتی ہیں۔ جو شاخ دل کی صورت کی تھی وہ پریشان ہو جاتی ہے۔ اور اس بڑے غنچہ کی ہنکمریاں کھل کر کیلے کی گیل بن جاتی ہے۔ کیلے میں دو لٹافیں ہیں ایک یہ کہ اس کا چھلکا آسانی سے اتر ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے اندر بیج یا اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ کیلا بیگن سے لمبا اور پتلا ہوتا ہے۔ بیٹھا خوب ہوتا ہے۔ ہنگالے کے کیلے بہت ہی بیٹھے ہوتے ہیں اس کا درخت بھی خوش نما ہوتا ہے۔ اس کے چڑے چوڑے اور ہرے ہرے پتے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

ایک اہلی ہے۔ خرمائے ہندی اسی کو کہتے ہیں۔ اس کے پتے میں چھوٹی چھوٹی پتیاں ہوتی ہیں۔ کسی قدر یویا کے پتے سے چھوٹے ہیں۔ درخت بہت خوبصورت ہے گھن کا ہے اور بڑھتا بھی بہت ہے۔ ایک مودہ ہے۔ اس کا درخت خوش نما اور سلیہ دار ہے۔ ہندوستانیوں کے مکانوں میں اکثر مودہ کی لکڑی کام آتی ہے۔ مودہ کے پھولوں کا عرق کھینچتا ہے۔ اس کے پھول کو مویز کی طرح سکھا کر کھاتے ہیں اور اس کا عراق

بھی کھینچتے ہیں۔ کشمش جیسا ہو جاتا ہے۔ مزہ بھی برا نہیں ہوتا۔ اور بو بھی اچھی ہوتی ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ کھا سکتے ہیں۔ سو جنگلی اور بستانی دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ ایک کھرنی ہے۔ اس کا درخت اگر بہت اونچا نہیں ہوتا تو چھوٹا بھی نہیں ہوتا۔ اس کا پھل زرد ہوتا ہے۔ سجد سے پڑا ہوتا ہے۔ مزہ کچھ انگور میں ملتا ہے۔ آخر میں ذرا کیلا پن ہوتا ہے۔ غرض برا نہیں ہے کھا سکتے ہیں۔ اس کا پوست چمٹا ہوا ہوتا ہے۔ ایک میوہ جامن ہے۔ اس کا پتا تل کے پتے میں کچھ ملتا ہے۔ یہ پتا گول اور سبز زیادہ ہے۔ اس کا درخت بد شکل نہیں ہے۔ پھل ایسا ہے جیسا کالا انگور۔ مزہ میں زیادہ اچھا نہیں ہے۔ کسی قدر ترشی لئے ہوئے ہے۔ ایک کمرک ہے۔ اس کے پانچ پلو ہوتے ہیں۔ بڑائی میں غیالو کے برابر ہوتی۔ اور لمبائی میں چار انگل کی۔ پکنے کے بعد زرد ہو جاتی ہے۔ اس میں کھسلی نہیں ہوتی۔ اگر کچی تو زرد تو بہت کڑوی ہوتی ہے۔ پک کر اس کی ترشی مزے کی ہو جاتی ہے۔ اچھا اور لطیف میوہ ہے۔ ایک کھل ہے۔ یہ بڑا ہی بد صورت اور بد مزہ میوہ ہے۔ صورت بعینہ بکرے کی اور اوجھڑی جیسی۔ کیسی کی طرح پھولتا رہتا ہے۔ بد صورت اور بد مزہ میوہ ہے۔ مزہ میٹھا ہے اور اس کے اندر فندق کے سے دانے ہیں۔ جو کسی قدر خرا سے مشابہ ہوتے ہیں۔ مگر اس کے دانے گول ہوتے ہیں۔ بہت ہی چھا ہوتا ہے۔ چھاہٹ کے سبب سے اکثر لوگ ہاتھ اور منہ کو چکناکی مل کر کھاتے ہیں۔ یہ درخت کی شاخ میں بھی لگتا ہے اور تنہا میں بھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا درخت میں کپتیاں لٹکی ہوئی ہیں۔ ایک بڑھل ہے۔ سیب کے برابر۔ اس کی بو اچھی ہوتی ہے۔ عجیب بے مزہ چیز ہے۔

ایک بیر ہے۔ فارسی میں اس کو کنار کہتے ہیں۔ یہ کئی قسم کا ہوتا ہے۔ آدچ سے ذرا بڑا۔ ایک قسم کا بیر انگور حسینی کے برابر ہوتا ہے۔ اس قسم کا اکثر بڑا ہوتا ہے۔ باندے میں ایک قسم کا بیر میں نے دیکھا وہ بہت عمدہ تھا۔ ثور اور جوزا میں اس کی پت جھڑ ہوتی ہے۔ سلطان میں جو ٹھینٹہ برسات ہے پتے پھوٹ کر ہرا بھرا ہو جاتا ہے۔ جب آفتاب دلو اور حوت میں آتا ہے تو پھل پک جاتا ہے۔ ایک کروندہ ہوتا ہے۔ ہمارے ملک کے بلکہ کی طرح لبو ترا گول۔ بلکہ پہاڑوں میں ہوتا ہے اور یہ میدانوں میں۔ اس کا مزہ مری خوان جیسا ہے۔ مگر اس سے اس میں مٹھاس بڑھی ہوئی ہے۔ اور تراوٹ کم ہے۔ ایک میوہ نیسالا ہے ادھ کچرے سرخ سیب کے مشابہ۔ مزہ میں چاشنی

دار۔ لذیذ میوہ ہے۔ اس کا درخت انار کے درخت سے اونچا اور پتا ہلواں کے پتے جیسا۔ مگر ذرا اس سے لمبا ایک گول ہے۔ اس کا پھل درخت کے گدے میں لگتا ہے۔ انجیر سے مشابہت رکھتا ہے۔ عجب بے مزہ پھل ہے۔ ایک آملہ ہے۔ اس کی پانچ پھانکیں ہوتی ہیں۔ یہ اوپر کچرا ہی رہتا ہے۔ سخت اور بے مزہ چیز ہے۔ اس کا مربہ برا نہیں ہوتا۔ بڑا مفید میوہ ہے۔ درخت خوبصورت ہوتا ہے۔ پتے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ ایک چروغی ہے۔ اس کا درخت پہاڑی ہے۔ اس کا مغز برا نہیں ہوتا۔ کھل میں سے چار مغز اور ہلواں کی سی مری نکلتی ہے۔ چھوٹی ہوتی ہے اور بڑی نہیں ہوتی۔ چروغی کی مری گول ہے۔

ایک کھجور ہے۔ یہ لمغانت میں بھی ہوتی ہے۔ شاخیں درخت کے سر پر ایک ہی جگہ ہوتی ہیں۔ پتے نشی کی جڑ سے سر تک دو طرفہ ہوتے ہیں۔ تاکھدرا اور بدرنگ۔ پھل انگور کے خوشہ کی طرح لگتا ہے۔ مگر اس کا خوشہ انگور کے خوشہ سے کہیں بڑا ہوتا ہے۔ کھجور میں دو باتیں حیوان جیسی ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح حیوان کا سر کٹ ڈالو تو وہ مر جاتا ہے اسی طرح اس کے درخت کا سر تراش دو تو یہ خشک ہو جاتا ہے۔ دوسری یہ کہ جیسے حیوانات میں بغیر زکے بلوہ کے ہاں بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح مادہ کھجور کے پھول میں زکھجور کا پھول نہ رکھا جائے تو پھل نہیں لگتا۔ اس بیان کی پوری حقیقت معلوم نہیں ہے۔ شاید اس پر ہی سے سر مراد ہو۔ کھجور کے درخت میں یہ بھی کرتے ہیں کہ جہاں سے شاخ اور پتے پھوٹتے ہیں وہاں پنیر کی سی ایک سفید سفید چیز کو پنیر کہا کرتے ہیں۔ یہ مغز چار مغز سے مشابہ ہے۔ خاصی چیز ہے۔ بری نہیں ہے۔ اسی جگہ جہاں پنیر ہوتا ہے شگاف دیتے ہیں۔ اس زخم کے پاس پتے کو اس طرح گوندھ دیتے ہیں کہ زخم میں سے جس قدر پانی نکلتا ہے اسی پر سے بتا ہے۔ پتے کو ایک لٹیا میں ڈالتے ہیں اور لٹیا کو درخت میں پاندھ دیتے ہیں۔ زخم میں جو پانی نکلتا ہے وہ اس لٹیا میں جمع ہوتا ہے۔ یہ پانی تازہ تو میٹھا ہوتا ہے۔ دو تین دن بعد پیا جائے تو کسی قدر نشہ کرتا ہے۔ ایک بار میں باڑی کی سیر کو گیا تھا۔ چنبل ندی کے کنارے پر جو مقلات ہیں ان میں سیر کرنے گیا۔ اٹھائے راہ میں ایک درہ ملا۔ وہاں اسی طرح کھجور کا رس لوگ نکال رہے تھے۔ ہمارے ساتھیوں نے اس کو پیا۔ مگر تھوڑا تھوڑا سا پیا اس لئے نشہ کی پوری کیفیت معلوم نہ ہوئی۔ شاید بہت پیا جاتا تو اچھی طرح

معلوم ہو جائے۔

ایک نارگیل ہے اہل عرب اس کو مقرب کر کے نارگیل کہتے ہیں۔ ہندوستانی ناریل غالباً ناریل غلط انعام ہے۔ ناریل جوز ہندی ہے۔ اس کو پھوڑتے ہیں تو کالے ککڑے ہو جاتے ہیں۔ بڑے ککڑے کا کلمہ جھک بنا لیتے ہیں۔ اس کا درخت بعینہ کھجور کے درخت جیسا ہوتا ہے۔ ساری شلخ پتے ہوتے ہیں۔ پتے کا رنگ کھلا ہوا ہوتا ہے۔ جس طرح چار مغز پر سبز پوست ہوتا ہے اسی طرح اس کے پھل پر ہوتا ہے لیکن ناریل کا پوست ریشہ دار ہوتا ہے۔ جہازوں اور کشتیوں کے رے اور رسیاں اسی پوست سے بناتے ہیں۔ جب ناریل کے پوست کو جمیل ڈالتے ہیں تو اس کا ایک طرف کھوٹا ہوتا ہے۔ اور اس میں تین چار سوراخوں کے نشان ہوتے ہیں۔ دو سخت ایک نرم۔ نرم نشان کو ذرا سا کھادینے سے سوراخ ہو جاتا ہے۔ مغز کی نیبا بننے سے پہلے اندر بالکل پانی ہوتا ہے۔ سوراخ سے پانی نکل کر پیتے ہیں۔ پانی بد مزہ نہیں ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کھجور کے پنیر کو پانی کر لیا ہے۔ ایک تاڑ ہے۔ تاڑ کی شاخیں بھی درخت کے سر پر ہوتی ہیں۔ تاڑ سے بھی کھجور کی طرح رس نکالتے ہیں اور پیتے ہیں۔ اس کو تاڑی کہتے ہیں۔ کھجور کے رس سے اس میں نشہ زیادہ ہوتا ہے۔ تاڑ کی شلخ میں گز ڈیڑھ گز تک ہوتا نہیں۔ گز ڈیڑھ گز کے بعد تیس چالیس پتے شلخ پر برابر ملے ہوئے نکلتے ہیں۔ ان پتوں کی لمبائی تقریباً گز بھر کی ہوتی ہوگی۔ ہندی تحریر میں دفتر کے طور پر اکثر ان ہی پتوں پر لکھی جاتی ہیں۔ جن کے کانوں میں سوراخ ہوتے ہیں۔ وہ اس پتے کے بالے بنا کر بنتے ہیں۔ تاڑ کے پتے کے بالے بنے ہوئے بازاروں میں بکتے ہیں۔ ان کا گدا کھجور کے گدے سے خوبصورت اور صاف ہوتا ہے۔

ایک میوہ نارنج ہے۔ لمغانت میں چھوٹا اور ٹاف دار ہوتا ہے۔ نہایت لطیف۔ نازک اور تر۔ خراسان کے نارنج کو اس سے نسبت نہیں۔ نزاکت اتنی ہوتی ہے کہ لمغانت کلل سے تیرہ چودہ فرسنگ ہے وہاں سے یہاں تک لانے میں بہت نارنج بگڑ جاتے ہیں۔ استر آباد اور سمرقند میں دو سو اسی یا ستر کوس کا فاصلہ ہے وہاں سے سمرقند میں لے جاتے ہیں۔ ان کا پوست ایسا سخت ہوتا ہے اور ان میں تری اتنی کم ہوتی ہے کہ اس قدر خراب نہیں ہوتے۔ بجور کا نارنج بھی کے برابر ہوتا ہے اور بہت رسیلا اور نارنجوں سے زیادہ کھٹا ہوتا ہے۔ خواجہ کلاں کا بیان ہے کہ بجور میں ایک درخت سے

سات ہزار نارنج توڑے تھے۔ مجھے مدت سے خیال تھا کہ نارنج نارنگ کا معرب ہے آخر وہی بات نکلی۔ بجور اور سوات والے نارنج کو نارنگ کہتے ہیں۔ ایک لیمو ہے۔ کثرت سے ہوتا ہے۔ مرغی کے انڈے برابر بڑا اور اسی صورت کا۔ اگر اس کے ریشہ کو جوش سے کر زہر خوردہ کو پلاؤ تو زہر کا اثر جاتا رہتا ہے۔ ایک ترنج کے مشابہ بجور اور سوات والے اسے بانگ کہتے ہیں۔ اسی لئے اس کے مربے کو مربانے بانگ کہتے ہیں۔ ترنج دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک میٹھا۔ بے مزہ اور دل شور۔ اس کو کھاتے نہیں۔ اس کے مربے ڈالتے ہیں۔ لمفانات میں اسی قسم کا ہوتا ہے۔ دوسرا ترنج ہندوستان میں کھتا ہوتا ہے۔ اس کا شربت بڑے مزے کا ہوتا ہے۔ ترنج اتنا بڑا ہوتا ہے جتنا چھوٹا خربوزہ۔ پوست کھردرا اور چھلکا پتلا۔ رنگ نارنج کے رنگ سے زرد۔ درخت کا گدا بڑا نہیں داتا چھوٹا ہوتا ہے۔ پتا نارنج کے پتے سے بڑا۔

ایک پھل مثل نارنج کے ہے۔ وہ سنگترہ کہلاتا ہے۔ وضع اور رنگ نارنج سے ملتا جلتا۔ اس کا پوست صاف ہوتا ہے۔ اور ذرا ترنج سے چھوٹا۔ درخت زرد آلود کے برابر۔ پتا نارنگ کے پتے جیسا۔ کھانا بہت ہوتا ہے۔ جو شیریں ہوتا ہے۔ وہ مزے کا ہوتا ہے۔ لیمو کی طرح یہ بھی مقوی معدہ ہے۔ نارنج کی طرح مضغف معدہ نہیں ہے۔ ایک پردہ ہے نارنج جیسا۔ یہ بڑا لیموں ہے۔ اس کو ہندوستان میں کلکل کہتے ہیں۔ بالکل قازانہ اندھا معلوم ہوتا ہے۔ اتنا فرق ہے کہ انڈے کی طرح دونوں سرے پتلے نہیں ہوتے۔ اس کا پوست سنگترے جیسا شفاف ہوتا ہے۔ بہت ہی رسیلا ہوتا ہے۔ ایک اور پھل ہے جو نارنج کے مشابہ ہے۔ جسامت میں نارنج کی مثال۔ مگر رنگ نارنجی نہیں ہوتا۔ زرد ہوتا ہے اور نارنج کی سی۔ یہ بھی بڑا کھتا ہوتا ہے۔ ایک اور قسم ہے نارنج جیسی۔ اندام میں اُمرود کی برابر۔ رنگ بھی کے رنگ کا سا۔ مزے میں میٹھا۔ مگر نارنج کی طرح مٹھاس ناگوار نہیں۔ ایک اور پھل ہے نارنج سے مشابہ۔ ایک کرتا ہے۔ یہ بھی نارنج سے ملتا جلتا ہے۔ کل کل لیمو کے برابر بڑا ہوتا ہے۔ ذائقہ میں کھٹا۔ نارنج کے مشابہ ایک پھل اہل بید ہے۔ ابھی اسی سال میں میں نے اس کو دیکھا ہے۔ لوگوں کا یہ کہ ہے کہ اگر سوئی اس میں ڈال دو تو پانی ہو جاتی ہے۔ عجب نہیں کہ یہ اس کی کھٹاس کی تیزی سے ہو۔ یا بس کی خاصیت ہی ایسی ہو۔ اس کی ترشی نارنج اور لیمو کی ترشی کے برابر ہوتی ہے۔ اس کی عمدہ قسم کھلے ہے۔ کھلے حاجی پور اور تنک میں ہوتا

ہے۔ وہ مزے میں بیٹھا چاشنی دار ہے۔ بہت ہی خوش گوار پر ہلہ وغیرہ کے علاقوں میں بھی کلمہ ہوتا ہے۔ مگر اس کی سی لطافت نہیں ہے۔ ایک نارنگی ہے۔ حلیٰ پور وغیرہ میں بہت عمدہ ہوتی ہے۔ اس میں ترشی مٹھاس لئے ہوئے ہے۔ بلکہ مٹھاس اور کھناس دونوں کاٹنے کی تول ہیں۔

پھول۔ ہندوستان میں پھول طرح طرح کے اور عمدہ ہوتے ہیں۔ ایک پھول جاسون ہے۔ اس کو بعض ہندوستانی کریل کہتے ہیں۔ اس کا درخت شلخ دار ہوتا ہے۔ گھاس کی صورت کا نہیں ہوتا۔ اور گلاب کے درخت سے بڑا ہوتا ہے۔ اس کا رنگ انار کے پھول سے زیادہ کھلا ہوا اور گلاب کے پھول کے برابر ہوتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ گلاب کی کلی ایک ہی دفعہ کھل جاتی ہے۔ اس کی کلی پہلے ایک بار کھلتی ہے پھر اسی کھلی ہوئی کلی میں سے ایک چیز دل کی شکل کی نکلتی ہے۔ اور اس کی پتیاں کھل کر پھول ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں اگرچہ ایک ہی پھول ہیں مگر اس کے بیچ میں پہلی پتیوں میں سے دل کی صورت کی ایک چیز کا ٹکٹنا اور دوسرا پھول بن جانا ایک نادر بات ہے۔ یہ پھول درخت میں لگا ہوا بڑی بہار دیتا ہے۔ زیادہ پائیدار نہیں ہوتا۔ ایک ہی دن میں مرجھا کر پتیاں جھڑ جاتی ہیں۔ برسات کے چار مہینے کثرت سے کھلتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ سارے برس کھلتا رہتا ہے۔ مگر کثرت نہیں ہوتی۔ ایک کنیر ہے۔ یہ سفید رنگ کا بھی ہوتا ہے۔ سرخ رنگ کا بھی۔ اس کی جڑ اور پتے شفتلو جیسے سرخ۔ پھول تو ہو ہو شفتلو کا پھول ہے مگر کنیر کے پھول اکٹھے چودہ پندرہ ایک جگہ اس طرح کھلتے ہیں کہ دور سے ایک بڑا پھول معلوم ہوتا ہے۔ اس کے درخت کا پھیر گلبن کے درخت کے پھیر سے زیادہ ہے۔ سرخ پھول میں بھینی بھینی بو ہوتی ہے۔ یہ بھی برسات کے موسم میں تین چار مہینے تک برابر کھلتا ہے اور اکثر سل بھر رہتا ہے۔

ایک کیوڑا ہے۔ اس کی بو نہایت لطیف ہے۔ اہل عرب اس کو کلوی کہتے ہیں۔ اتنا عیب ہے کہ ذرا خشک ہوتا ہے۔ اس کو مشک ترکہ کہتے ہیں۔ بو تو اچھی ہے مگر صورت عجب طرح کی ہے پھول کی لہبائی ڈیزہ باشت کے قریب۔ پتیاں لمبی لمبی خاردار۔ یہ پتے اوپر نیچے اس طرح لپٹے ہوئے کہ غنچہ معلوم ہو۔ اوپر کے پتے سبز اور تازہ خاردار۔ اندر کے پتے نرم اور سفید۔ اندر کے پتوں میں کلی سے اور پتے سے لپٹی ہوئی ایک چیز معلوم نہیں یہ کیا ہے۔ اس ۴۳ کی فارسی مجھے معلوم نہ تھی اس لئے

یوں ہی لکھ دیا۔ خوشبو اسی میں سے آتی ہے۔ درخت کی ہیئت ایسی جیسے ہانس کا درخت جس کا ابھی تنہ نہ ہوا ہو۔ پتے بہت چوڑے خاردار، تنہ بے ڈھنگ۔ ادھر ادھر شاخیں پھیلی ہوئی۔ ایک کینٹکی ہے کیڑے سے ملتی ہوئی۔ مگر اس سے پھول بہت چھوٹا۔ رنگ زیادہ زرد اور بو ہلکی۔ اکثر پھول جو دلائی میں ہوتے ہیں جیسے گلاب اور نرگس وغیرہ سب ہندوستان میں ہوتے ہیں۔ سفید یا سنہری بھی ہوتی ہے۔ اس کو چنبیلی کہتے ہیں۔ ہمارے ملک کی یاسن سے کہیں بڑی۔ خوشبو خوب تیز۔ ایک چمپا ہے۔ اس کا درخت بڑا اونچا اور خوبصورت ہوتا ہے۔ اس پھول کی بو نہایت اچھی ہوتی ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنفشہ یا نرگس کا پتا ہے۔ رنگ اس کا زرد ہوتا ہے۔ صورت سوسن میں ملتی ہوئی۔ مگر سوسن کا پھول بڑا ہوتا ہے۔

موسم وغیرہ :- ہمارے ان ملکوں میں چار فصلیں ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں تین۔ چار مہینے گرمی۔ چار مہینے برسات اور چار مہینے جاڑا۔ مہینوں کی ابتداء ماہ ہلالی کے وسط سے ہوتی ہے۔ ہر تیسرے برس ایک مہینہ بڑھا دیتے ہیں۔ پہلے تیسرے برس برسات میں۔ پھر جاڑے میں۔ پھر گرمی میں۔ ان کا کیسہ یہی ہے۔ مہینوں کے نام یہ ہیں۔ چیت۔ میساکھ۔ جیٹھ۔ اساڑھ۔ گرمی کے مہینے۔ حوت۔ حمل۔ ثور۔ جوزا کے موافق سلون۔ بھادوں۔ کوار۔ کاتک (برسات۔ مطابق سرطان۔ اسد۔ سنبلہ۔ میزان) آگن۔ پوس۔ ماہ پھاگن۔ (جاڑا۔ موافق عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو) ہندوؤں کے موسموں کو چار چار مہینوں میں مقرر کیا ہے۔ ہر موسم میں دو دو مہینوں کو گرمی۔ برسات اور جاڑے کے لئے مخصوص کیا ہے۔ گرمی کے مہینوں میں سے آخر کے دو مہینوں جیٹھ اور اساڑھ کو گرمی کا چلہ کہتے ہیں۔ برسات کے مہینوں میں سے اول کے دو مہینوں سلون بھادوں کو برسات کے مہینے مقرر کرتے ہیں۔ جاڑے کے مہینوں میں سے بچ کے دو مہینوں پوس اور ماہ کو جاڑے کا چلہ کہتے ہیں۔ اس حساب سے ان کے ہاں چھ فصلیں ہو گئیں۔

دنوں کے نام :- دنوں کے نام بھی انہوں نے رکھ لئے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ سنجر (شنبہ) اتوار (یک شنبہ) سوموار (دو شنبہ) منگل (سہ شنبہ) بدھ وار (چار شنبہ) برہستہ وار (پنج شنبہ) سکروار (جمعہ)

وقتوں کی تقسیم اور نام :- ہمارے ہاں رات دن کو چوبیس حصوں پر تقسیم کیا ہے

اور ہر حصہ کو گھنٹہ کہتے ہیں۔ ہر گھنٹہ ساٹھ پر تقسیم کر کے ہر حصہ کو دقیقہ کہتے ہیں۔ جو رات دن میں ایک ہزار چار سو چالیس ہوتے ہیں (دقیقہ کی مقدار تقریباً یہ ہے کہ چھ مرتبہ سورۃ الحمد مع بسم اللہ پڑھی جائے۔ اس حلیب سے آٹھ ہزار چھ سو چالیس دفعہ سورۃ موصوفہ مع بسم اللہ ایک رات دن پڑھی جاتی ہے) اہل ہند نے رات دن کے ساٹھ حصے کئے ہیں ہر حصہ کو گھڑی کہتے ہیں۔ پھر رات کے چار اور دن کے چار حصے کئے ہیں۔ اس کے ہر حصہ کو پہر کہتے ہیں۔ (جو فارسی میں پاس کہلاتا ہے) اس ملک میں پاس اور پاسبن سنتے تھے۔ اس کی حقیقت اب کھلی۔ اس کام کے لئے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں لوگ مقرر ہیں ان کو گھڑیالی کہا کرتے ہیں۔

گھڑیال اور اس کا بھانا:- پیتل کی ایک چوڑی گول چیز بنائی ہے طبق کے برابر۔ دو انگل موٹی۔ اس کا نام گھڑیال ہے۔ اس گھڑیال کو کسی اونچی جگہ لٹکاتے ہیں۔ نیچے ایک نندولا ہوتا ہے۔ اس میں پانی بھر دیتے ہیں۔ ایک کنورے کے پینڈے میں چمید کر کے نندولے میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ کنورا گھڑی بھر میں نیچے والے سوراخ کے ذریعہ سے بھر جاتا ہے۔ گھڑیال بجا دیتے ہیں۔ بجانے کا ڈھنگ یہ ہے کہ مثلاً صبح سے ایک نندولا بھر کر کنورا ڈال دیا۔ پہلا کنورا بھرا اور موگری سے گھڑیال کو ایک دفعہ بجا دیا۔ دوسری بار بھرا۔ دو بجا دیئے۔ اسی طرح پہر کے تمام ہونے تک بجاتے رہے۔ پھر جب تمام ہوتا ہے تو متواتر یعنی گھجر بجا دیتے ہیں۔ یہ پہر تمام ہونے کی علامت ہے۔ اگر دن کا پہلا پہر ہے تو گھجر بجانے کے بعد ذرا ٹھہر کر ایک بجاتے ہیں دوسرا پہر ہوتا ہے تو دو۔ تیسرے پر تین اور چوتھے پر چار بس دن تمام ہوا۔ اب رات کا پہر اسی طرح ایک سے شروع کیا اور چار پر تمام کر دیا۔

اس سے پہلے گھڑیالوں کا دستور تھا کہ بطریق مذکور رات دن میں جس وقت پہر تمام ہوتا اس وقت پہر کی علامت بجاتے تھے۔ رات کو جن کی آنکھ کھل جاتی وہ یہ نہ پہچان سکتے تھے کہ دوسرا پہر ہے یا تیسرا پہر۔ میں نے حکم دیا کہ رات اور دن میں گھڑیوں کے بجانے کے بعد بھی پہر کی علامت بجا کرے۔ مثلاً پہلے پہر کی تین گھڑیاں بجانے کے بعد ذرا ٹھہر کر ایک پہر کی علامت بجا دو۔ جس سے معلوم ہو جائے کہ یہ تین گھڑی پہلے پہر کی ہے۔ اسی طرح تیسرے پہر کی چار گھڑیاں بجانے کے بعد توقف کیا جائے اور پہر کی علامت تین دفعہ بھائی جائے تاکہ معلوم ہو کہ تیسرے پہر کی چار

گھڑیاں گزری ہیں۔ یہ بات اچھی ہو گئی۔ رات کو جس وقت جس کی آنکھ کھل جائے گی اور کلن میں گھڑیاں کی آواز آئے گی وہ جان جائے گا کہ کون سے پہر کی گھڑیاں بجی ہیں۔ ہر گھڑی کے بھی ساٹھ حصے کئے ہیں۔ اس حصہ کا نام پل رکھا ہے۔ رات دن کے تین ہزار چھ سو پل ہوئے۔ پل کی مقدار ایک بار آنکھ بند کرنے اور کھولنے کے برابر بیان کرتے ہیں۔ اس حساب سے آنکھ کا کھلنا اور بند ہونا رات دن میں ستر ہزار دو سو مرتبہ ہوا۔ ہم نے جو پل کی مقدار کا تجربہ کیا تو ہر پل میں تقریباً آٹھ دفعہ قل هو اللہ مع بسم اللہ پڑھی جاسکتی ہے۔ اس حساب سے رات دن میں اٹھائیس ہزار تین سو مرتبہ سورہ موصوفہ مع بسم اللہ پڑھ سکتے ہیں۔

وزن :- ہندیوں نے وزن اس طرح مقرر کیا ہے۔ آٹھ رتی کا ایک ماشہ۔ چار ماشے کا ایک ٹانک (۳۲ رتی) پانچ ماشے کا مشقل (۳۰ رتی) بارہ ماشے کا ایک تولہ۔ چونسٹھ تولے کا ایک سیر۔ چالیس سیر کا ایک من۔ (یہی ہر جگہ مقرر ہے) بارہ من کی ایک ملنی۔ سو من کا ایک فیاسا ہوتا ہے۔ جواہر اور موتی کو ٹانک سے تولتے ہیں۔

عدد :- ہندوستانیوں نے عدد کی مقدار بھی خوب معین کی ہے۔ سو ہزار کو ایک لاکھ۔ سو لاکھ کو کروڑ۔ سو کروڑ کو ارب۔ سو ارب کو کھرب۔ سو کھرب کو نیل۔ سو نیل کو پدم۔ سو پدم کو ساک کہتے ہیں۔ عددوں کا اس تعداد پر مقرر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اہل ہند بہت مل دار ہیں۔

اقوام :- ہندوستانی اکثریت پرست ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ہندو کہلاتے ہیں۔ ہندو لوگ بیشتر مسئلہ تنازع کے قائل ہیں۔ ہندو نوکری پیشہ، ٹھیکے دار اور پورے کار گزار ہیں۔ ہمارے ملک میں صحرا گرد لوگوں میں ہر قبیلہ کا نام جدا ہے۔ یہاں مختلف قطعات اور مختلف دیہات میں بھی قوموں کے نام الگ الگ ہیں۔ ہر حرفت والا اپنا جدی پیشہ کرتا ہے۔

ہندوستان کی نسبت مجمل رائے :- ہندوستان میں لطافت کم ہے۔ لوگ نہ حسین ہیں۔ نہ میل جول کے اچھے ہیں۔ نہ ان کا اور اک اعلیٰ درجہ کا ہے۔ نہ ان میں مروت، مہربانی اور ادب ہے۔ ہنروں اور کاموں کی ترکیب بھی اچھی نہیں۔ گھوڑا یہاں عمدہ نہیں ہوتا۔ گوشت اچھا نہیں ہوتا۔ انگور۔ خربوزے اور میوے اچھے نہیں ہوتے۔

برف نہیں ٹھنڈا پانی نہیں۔ بازاروں میں جو کھانے اور روٹیاں بکتی ہیں۔ وہ سب خراب، مہام، مدرسہ، شمع مشعل اور شمعدان کا نام نہیں۔ شمع اور مشعل کی جگہ چیکٹ اکٹھا کر کے جلاتے ہیں اور اس کو ڈیوٹی کہتے ہیں۔ اگلے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی تپائی لیتے ہیں۔ اس تپائی کے ایک پایہ کے کنارے، میں شمعدان کے سر کی طرح ایک لوہے کو خوب مضبوط باندھ دیتے ہیں۔ انگوٹھے کے برابر پلینا آہن وار لکڑی کے دوسرے پایہ میں باندھ دیتے ہیں۔ سیدھے ہاتھ میں ایک خشک کدو رکھتے ہیں اس میں باریک سوراخ کرتے ہیں۔ جس سے تیل نکلتا ہے۔ اس کدو میں تیل بھر دیتے ہیں۔ جب چلتے پر ڈالنے کی حاجت ہوتی ہے تو اس کدو سے تیل نکالتے ہیں۔ کدو کے سوراخ سے تیل کی بوندیں ٹپکنے لگتی ہیں۔ مقدور والوں کے ہاں ایسی ڈیوٹیاں سو دو سو ہوتی ہیں۔ شمع اور مشعل کی جگہ اسی کو برتتے ہیں۔ بادشاہوں اور امراء کے سامنے بھی رات کو ضرورت کے وقت یہی چیکٹ کے ڈیوٹ شمع کے بدلے لا کر پاس کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سوائے ندیوں اور بڑے دریاؤں کے نالوں وغیرہ میں پانی ہمیشہ جاری نہیں رہتا۔ باغوں اور مکانات میں نہیں ہوتیں۔ عمارتیں ہوا دار مصفا اور خوش قطع نہیں۔ عوام ننگے پاؤں پھرتے ہیں۔ ناف سے دو منھی نیچے ایک کپڑا باندھتے ہیں۔ اس کو لنگوٹا کہتے ہیں۔ یہ ایک آڑا کپڑا لپٹا ہوا ہے۔ اس کے نیچے کا آڑا کونا لٹکتا رہتا ہے۔ اس کا دوسرا کونا اور ہے۔ جب لنگوٹا باندھتے ہیں تو اس کے کونے کو دونوں رانوں کے بیچ میں سے لے کر پیچھے گھس دیتے ہیں۔ اس لنگوٹے کو خوب مضبوط باندھتے ہیں۔ عورتیں ایک لنگی باندھتی ہیں۔ آدھی کمر میں باندھتی ہیں اور آدھر سر سے اوڑھتی ہیں۔

ہندوستان کی بڑی خوبی یہ ہے کہ دمیج ملک ہے۔ اس میں سونا چاندی بہت ہے۔ برسات کی ادا نہایت اچھی ہوتی ہے۔ برسات میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دن بھر میں دس پندرہ اور بیس دفعہ مینہ برس جاتا ہے۔ بارش کے موسم میں ایک بار ہی رو آجاتی ہے۔ اور ایسی آتی ہے کہ جہاں پانی کی بوند نہیں ہوتی وہاں بننے لگتا ہے۔ مینہ برستے میں اور مینہ برسنے کے بعد بڑے مزے کی ہوائیں چلتی ہیں۔ چنانچہ ہوا ٹھنڈی ہوتی ہے اور اعتدال کے ساتھ چلتی ہے۔ اتنا عیب ضرور ہے کہ مرطوب بہت ہوتی ہے۔ یہاں کی برسات میں ہمارے ملک کی کمان سے تیر اندازی نہیں ہو سکتی۔ تیر بیکار

جاتا ہے۔ کلن ہی پر کیا منحصر ہے بلکہ حبیبہ، کتب، لباس اور اسباب وغیرہم سب میں سیل دوڑ جاتی ہے۔ مکان سارے چوڑے ہوتے ہیں۔ علاوہ برسات کے جاڑے اور گرمی میں بھی مزے کی ہوائیں چلتی ہوتی ہیں۔ شکاری ہوا ہمیشہ چلتی رہتی ہے جس کے ساتھ گرد و غبار اٹا اڑتا رہتا ہے کہ کبھی ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے اسی کو پہل آدمی کہتے ہیں۔ ٹور اور جوا میں گرمی ہوتی ہے مگر اس قدر بے اعتدال گرمی نہیں۔ جیسے پلخ اور قدحار میں۔ پہل کی گرمی کی مدت بھی وہاں سے آدمی ہوگی۔

ہندوستان میں ایک عمدگی یہ بھی ہے کہ ہر فرقہ اور حرفت کا آدمی کثرت سے ہے اور ہر کام اور ہر چیز کے لئے ہزاروں آدمی موجود ہیں۔ جن کے ہل ہلپ دادا کے وقت سے ہی کام ہوتا آیا ہے۔ ظفر تلہ میں ملا شرف الدین علی یزدی نے لکھا ہے کہ حضرت امیر تیمور نے جب سنگین مسجد بنوائی تو آذر بایجان، فارس، ہندوستان وغیرہ ملکوں کے دو سو سبک تراش کام کرتے تھے اور اس تعداد کو وہ بہت خیال کرتے ہیں۔ میں نے جو عمارت طرف آگرہ میں بنوائی ہے۔ اس میں آگرہ ہی کے چھ سو اسی سبک تراش لگے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ سیکری، بیانہ، دولت پور، گوالیار اور کول میں ایک ہزار چار سو اکیانوے سبک تراش روزانہ میرے مکانوں میں کام کرتے ہیں۔ اسی پر قیاس کر لینا چاہئے کہ ہر کام اور پیشہ کا آدمی ہندوستان میں بے شمار ہے۔

اس وقت جو ملک قبضہ میں ہے :- بمیرے سے بہار تک اب جتنا ملک میرے قبضے میں ہے بلون کروڑ روپے کا ہے۔ اس میں سے انیس کروڑ کے علاقے ان راجاؤں اور رئیسوں کے تصرف میں ہیں جنہوں نے ہمیشہ سے اطاعت کی ہے اور یہ جاگیریں نسلاً بعد نسل ان کو گزاشت کر دی گئی ہیں۔ ہندوستان کے باشندوں اور مقلات وغیرہ کی کیفیتیں اور خصوصیتیں جس قدر اب تک معلوم ہوئی ہیں وہ لکھ دی گئیں۔ آئندہ جو اور باتیں قابل بیان ویکھوں یا سنوں گا وہ لکھ دوں گا۔

تقسیم انعمالت :- رجب کی انیسویں تاریخ ہفتہ کے دن خزانے ملاحظہ کرنے اور بانٹنے شروع کئے۔ ہمایوں کو ستر لاکھ تو ایک خزانہ سے عطا ہوئے اور کئی خزانے یونہی بے دیکھے بھالے دے دیئے۔ کئی امیروں کو دس دس لاکھ آٹھ آٹھ لاکھ اور چھ لاکھ مرحمت کئے۔ لشکر میں جو افغان، ہزارہ، عرب اور بلوچ تھے ان کو ان کی قدر کے موافق خزانہ سے بہت کچھ نقد انعام دیا گیا۔ سوداگر۔ طالب علم اور ہر قسم کے لوگ جس قدر

بمیر میں ہمراہ تھے۔ سب نے انعام سے پورا حصہ لیا اور سب خوش ہوئے۔ جو لوگ اس یورش میں ساتھ نہ آئے تھے ان کو بھی ان خزانوں میں سے انعام پہنچا۔ چنانچہ کامران کو ستر لاکھ۔ محمد زین مرزا کو پندرہ لاکھ اور عسکری و ہندال بلکہ سارے چھوٹے بڑے عزیزوں اور یگانوں کو بہت کچھ روپے، اشرفیاں، کپڑا، جواہر اور غلام وغیرہم بطریق سوغت بھیجے گئے۔ اس طرف کے امراء اور سپاہیوں کو اکثر خطوط روانہ ہوئے۔ سمرقند، کاشغر، خراسان اور عراق میں جو یگانے تھے ان کو بھی سوغاتیں ارسال ہوئیں۔ سمرقند اور خراسان کے مشائخ وغیرہ کو نذرانے بھیجے گئے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کو بطریق نذر روپیوں اور اشرفیوں کے بدرے روانہ کئے۔ کابل کے علاقہ کی رعایا میں زن و مرد کوئی آدمی ایک ایک شاہرفی انعام دی گئی۔

ملک کے باغیوں کا ذکر :- ہم جو آگرہ میں پہلے پہل آئے تو ہمارے لوگوں میں اور یہاں والوں میں باہم بے حد نفرت اور غیرت تھی۔ رعایا اور سپاہی ہمارے آدمیوں کی آواز سے کوسوں بھاگتے تھے۔ تھوڑے ہی دن میں دلی، آگرہ اور مقلات کے لوگوں نے جہاں قلعے تھے قلعے مضبوط کر لئے اور سب آلودہ فساد ہو گئے۔ کسی نے اطاعت نہ قبول کی۔ سنبل میں قاسم سنبلی۔ بیانہ میں نظام خان، میوات میں حسن خان میواتی، (ان فتنوں اور فسادوں کا بانی یہی مردک ٹھہرتا تھا) دھولپور میں محمد زینون، گوالیار میں تاتار خان (سارنگ خانی) رابری میں حسن خان (توخانی) اٹوہ میں قطب خان اور کلاپی میں عالم خان تھا۔ قنوج اور گنگا کے اس طرف کا سارا ملک ان پٹھانوں کے قبضہ میں تھا جو ابراہیم کے مرنے سے دو برس پہلے باغی ہو گئے تھے جیسے نصرت خان (توخانی معروف فرلی) وغیرہ امراء جب میں نے ابراہیم کو مارا ہے تو یہ لوگ قنوج اور ادھر کے علاقوں کو دبا کر قنوج سے دو تین کوس اس جانب آپڑے۔ انہوں نے ہمارا خان پسروریا خان کو اپنا بدولتہ بنایا اور اس کا لقب سلطان محمد رکھا۔ مہابن کے علاقہ میں مرغوب ایک غلام تھا وہ قریب ہی قریب پھرتا رہا۔ مگر یہاں نہیں آیا۔

اپنے ساتھیوں کی بددلی :- جب میں آگرہ میں آیا ہوں تو گرمی کا موسم تھا۔ لوگ مارے ڈر کے ادھر ادھر بھاگ گئے۔ ہمارے آدمیوں کے لئے غلہ اور جانوروں کے واسطے گھاس دانہ میسر نہ آتا تھا۔ راجہ اور زمیندار غیریت اور نفرت کے سبب سے سرکش ہو کر لوٹ مار مچا رہے تھے۔ راستے بند تھے۔ ہم کو اتنی فرصت نہ ملی کہ خزانہ

کامنہ کھول دیتے۔ ہر پرگنہ اور ہر ضلع میں آدمی مقرر کرتے۔ دوسرے اس سل مری اس شدت کی پڑی کہ لوگ لو کے مارے مرے جاتے تھے ان وجوہات سے امراء اور اچھے اچھے سپاہیوں کے جی چھوٹ گئے۔ ہندوستان میں رہنے کو ان کا دل نہ چاہتا تھا۔ بلکہ یہاں سے ٹھکنے لگے۔ خیر بوڑھے اور تجربہ کار امراء کا ایسا کرنا مضائقہ نہیں۔ مگر یہ لوگ ایسے بیوقوف ہیں کہ ان باتوں کے منہ سے نکالنے کے بعد کی برائی بھلائی اور بہتری بدتری کو نہیں سمجھتے۔ ان سب نے جب ایک کام کا ارادہ کر لیا تو پھر اس کے بیان کرنے سے کیا فائدہ۔ سارے چھوٹے بڑوں کی ایسی تلافی باتیں کیسی بے جا ہیں۔ طرفہ یہ کہ اب کے جو میں کلل میں چلا تو بہت سے نئے لوگ ہیں جن کو مرتبہ امارت نصیب ہوا۔ ان سے مجھ کو یہ امید تھی کہ اگر میں جلتی آگ میں گروں گا تو یہ میرے ساتھ گر پڑیں گے اور اگر میں بتے پانی میں گروں گا تو میرا ساتھ دیں گے۔ جہاں میرا پیونہ گرے گا وہاں اپنا خون گرائیں گے۔ نہ کہ میری طبیعت کے خلاف باتیں کریں گے۔ جس بات کا میں مشورہ کرنا چاہتا ہوں اور بلا تعلق اس کے کرنے کا ارادہ کرتا ہوں مشورہ سے پہلے یہ لوگ اس بات سے انحراف کر جاتے ہیں۔ اور لوگ اگر بد نکلے تو احمد پروانچی اور دلی خازن ان سے بدتر نکلے۔ کلل سے چل کر ابراہیم کو زیر کرنے کے بعد اگر فتح ہونے تک خواجہ کلاں نے اچھے اچھے کام کئے اور ہمت والوں اور مردوں کی سی باتیں کیں۔ مگر اگر وہ لینے کے بعد چند ہی روز میں اس کی رائے پلٹ گئی۔ سب سے زیادہ جانے پر خواجہ کلاں ہی پلا ہوا تھا۔

ایک پر اثر تقریر :- جب مجھے لوگوں کی بددی معلوم ہوئی تو سارے امراء کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ میں نے کہا کہ جس طرح سلطنت اور جماعتگیری کے لئے اسباب اور ہتھیار کا ہونا لازم ہے اسی طرح بادشاہی اور امیری بے آدمیوں اور ملک کے ناممکن ہے۔ غور کرو مدتوں کوشش کی۔ محنت اٹھائی۔ فوجیں لے کر چڑھائیں کیں۔ ہم نے اپنی جان کو اور فوجوں کو لڑائی کی جلتی آگ میں ڈالا۔ خدا نے فضل کیا کہ ایسے ایسے زبردست دشمن زیر کئے۔ یہ وسیع ملک ہاتھ آیا۔ اسوقت کون سی بھیڑ پڑی ہے اور کیا دباؤ ہے کہ جس ملک کو اتنی جانکاهی سے لیا ہے اس کو یوں ہی چھوڑ کر کلل چلے بنیں اور تنگ دستی کی بلا میں پھنسیں۔ جو میرا دوست ہے وہ بیہودہ باتیں منہ سے نہ نکالے۔ کو ٹھہرنے کی تاب نہ ہو اور جو جانا جا ہے وہ بسم اللہ کرے۔ یہ معقول تقریر سنا کر

خواہ مخواہ لوگوں کو ان خیالوں سے باز رکھا۔ اور ان کے دلوں سے اندیشہ نکلا۔

خواجہ کلاں وغیرہ امراء کا کابل جانا تھا۔ چونکہ خواجہ کلاں کا دل اکھڑا ہوا تھا یہ تجویز کی کہ خواجہ کلاں سوغاتیں وغیرہ لے جائے۔ اس کے ساتھ بھیڑ بھاڑ بھی بہت ہے۔ اور کابل و غزنی میں ایک سردار ہے۔ یہ وہاں جا کر انتظام کرے۔ غزنی، کدوڑ اور ہزارہ سلطان مسعودی خواجہ کلاں کو عنایت کیا۔ ہندوستان میں بھی کھرام کا پرگنہ جس کی آمدنی تین چار لاکھ کی ہوگی اس کو دے دیا۔ میر میراں کو بھی حکم دیا کہ کابل چلا جائے۔ سوغاتیں اسی کے سپرد کیں۔ خواجہ کلاں ہندوستان سے اتنی نفرت رکھتا تھا کہ چلتے وقت دلی میں جو مکان تھا اس کی دیوار پر یہ شعر لکھ گیا۔

اگر بخیر سلامت گزار سند شود
سیاہ روئے شوم گر ہوئے ہند شود

خیال کرنے کا مقام ہے کہ جب میں ہندوستان میں ہوں تو اس موقع پر ایسا عرفیت تغیر شعر کہنا اور لکھنا کیسا ہے۔ اگر ایک کدورت اس کے جانے سے ہوئی تو یہ شعر اس پر طرہ ہو گیا۔ میں نے بھی فی البدیہہ یہ رباعی کہی۔ انہی دنوں میں ملا لیاق کو (جو پہلے تو کچھ بھی درجہ کا نہ تھا۔ مگر دو تین سال ہوئے کہ اس نے اپنے بھائی بندوں کو اکٹھا کر کے قدر جمعیت بہم پہنچائی ہے) کو کل کی طرف روانہ کیا اور وک زئی اور بعض سندھی افغانوں کو اس کے ساتھ کر دیا اس طرف کے ترکش بندوں اور سپاہیوں کو استمات کے فرمان بھیجے۔ شیخ کوزن بڑے خلوص اور اعتقاد کے ساتھ حاضر ہوا۔ میان دو آب والے دو تین ہزار ترکش بندوں کو بھی اپنے ساتھ لے آیا۔ یونس علی راستہ بھول کر ہاپوں سے جب الگ ہو گیا تو علی خاں کے بیٹوں اور عزیزوں وغیرہ سے دلی اور آگرہ کے بیچ میں اس کی مدد بھیڑ ہوئی۔ تھوڑی سی لڑائی کے بعد یونس علی نے حریفوں کو زیر کر لیا۔ اور علی خاں کے بیٹوں کو پکڑ کر وہ لے آیا۔ دولت قدم ترک کے بیٹے مرزا مغل کو علی خاں کے بیٹوں میں سے جو قید تھے ایک بیٹے کے ساتھ کیا اور علی خاں کے پاس استمات کا فرمان دے کر روانہ کیا۔ یہ علی خاں ان جھگڑوں میں میوات چلا گیا تھا۔ اس کو اس ملک میں سے چھپتیس لاکھ پر گئے عنایت کئے۔

سلطان ابراہیم نے مصطفیٰ فرملی اور فیروز خاں سارنگ خانی کو مع چند امراء کے پورب کے باغیوں کی سرکوبی پر مقرر کیا تھا۔ مصطفیٰ نے ان باغیوں کی خوب خبر لی اور

کئی بار ان کو اچھی طرح زیر کیا۔ ابھی سلطان ابراہیم کو مجھ سے شکست نہ ہوئی تھی کہ مصطفیٰ مرگیا۔ اس کا چھوٹا بھائی شیخ ہزید اپنے بھائی کے آدمیوں کو رستہ پر لاکر مع فیوز خان، محمود خان، فرحانی اور قاضی نیا ہماری خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے ان لوگوں کی خواہش سے زیادہ پر عملت کی۔ فیوز خان کو جون پور سے ایک کروڑ شیخ ہزید کو ایک کروڑ۔ محمود خان کو غازی پور سے نوے لاکھ پننسیس ہزار اور قاضی نیا کو جون پور سے بیس لاکھ کی جاگیریں دیں۔ عید کے کئی دن بعد ابراہیم کے اس محل کے گنبد میں جس کے ستون سنگین ہیں ایک بڑا دربار کیا۔ ہالوں کو چار قبہ۔ کمر بند۔ کموار اور گھوڑا مع طلائی زین کے عطا ہوا۔ حسن تیمور سلطان کو مددی خواجہ کو اور محمد سلطان مرزا کو بھی چار قبہ۔ کمر بند۔ کموار اور خنجر عتامت کیا۔ ان کے علاوہ اور امراء کو ہر ایک کے مرتبہ کے موافق کمر بند اور خنجر وغیرہ مرحمت ہوئے۔ چنانچہ ان کی تفصیل یہ ہے کہ گھوڑا مع زین طلا ایک۔ کمواریں دو۔ خنجر مرصع پختیس۔ مرصع قبضے کی کناریں سترہ۔ عمد مرصع دو۔ چار قبہ چار۔ ستراتی لباس اٹھائیں۔ دربار کے دن خوب مینہ برسا۔ خیرہ مرتبہ بارش ہوئی۔ جو لوگ دالان سے باہر تھے وہ سارے بھیگ گئے۔ محمدی کو کلتاش کو سلانہ کا ملک عطا ہوا۔ سنبل کی جانب ہندو بیگ۔ کتا بیگ۔ ملک قاسم اور بابا تشقہ کو مع اس کے بھائیوں کے بطریق یلغار بھیجا گیا۔ ملا اپاق کو ترکش ہندوں کے ساتھ میان دو آب کی طرف روانہ کیا۔ قاسم سنبل کے پاس سے چار دفعہ لوگ آئے تھے۔ اس نے کلاما بھیجا تھا کہ بین حرام خور نے سنبل کو قتل کیا ہے اور مجھ کو عاجز کر رکھا ہے۔ جلد میری مدد کرنی چاہئے۔ بین کا حل یہ ہے کہ جب وہ بھاگ کر دامن کوہ میں پہنچا تو جو بھاگے ہوئے افغان اس کو دہلی ملے ان کو جمع کر کے اور اس لڑائی بھگڑے میں موقع خالی پا کر سنبل پر آن پڑا اور دہلی قتل عام کیا۔

ہندو بیگ اور کتا بیگ وغیرہم الیغار کے طور پر معین ہوئے تھے۔ یہ لوگ اہار کے گھاٹ پر پہنچ کر دریا سے اترے۔ ملک قاسم نے بابا تشقہ کو اس کے بھائیوں سمیت آگے روانہ کر دیا۔ ملک قاسم جب دریا سے اترا تو سو ڈیڑھ سو آدمیوں سمیت ادھر پہنچا اور ظہر کے وقت سنبل جا پہنچا۔ بین بھی سلوانا ہو کر اپنے لشکر گاہ سے باہر نکلا۔ ملک قاسم اور اس کے ہمراہی شہر کو پس پشت رکھ کر لڑائی میں مشغول ہوئے۔ بین مقابلہ میں نہ ٹھہر سکا اور بھاگ نکلا۔ کچھ لوگوں نے اس کا تعاقب کیا اور اس کا سر نکت

لائے۔ کئی ہاتھی اور بہت سے گھوڑے لوٹ میں ہاتھ آئے۔ دوسرے دن اور امراء بھی پہنچ گئے۔ قاسم سنبھلی بھی آکر ملا۔ شہر ہمارے لوگوں کے سپرد کرنا اس کو گوارا نہ ہوا۔ لگا چلے بہانے کرنے۔ ایک دن شیخ گھورن ہندو بیک وغیرہ سے صلاح کر کے قاسم سنبھلی کو کسی بہانے سے ان امراء کے پاس لے آیا۔ ہمارے سردار سنبھلی میں داخل ہو گئے۔ قاسم کے گھردلوں اور متعلقوں کو صحیح سلامت نکل کر اس کے پاس بھیج دیا۔ قلندر پیادے کو پیانے بھیجا۔ اور دہلی کے حاکم نظام خل کو وعدہ وعید کے فرمان بھیجے۔ یہ قطع فی البدیہہ لکھ بھیجا۔ قطعہ

ہاترک ستیزہ کمن اے میر بیانہ

چلائی و مرداگلی ترک عیان است

گرز و دنیائی و نصیحت نہ کنی گوش

آنجا کہ عیان است چہ حاجت نہ بیان است

پیانے کا قلعہ ہندوستان کے مشہور قلعوں میں سے ہے۔ اس بیوقوف مروک نے اپنے قلعہ کی مضبوطی پر بھروسہ کیا اور اپنے حوصلہ سے زیادہ خواہش کی۔ جو آدمی اس کے پاس سے آیا تھا میں نے اس کو اچھا جواب نہ دیا۔ قلعہ گیری کے اسباب میں نے جمع کرنے شروع کئے۔ بلا قلی بیک کو محمد زیتون کے پاس فرمان دے کر بھیجا۔ جس میں طرح طرح کے وعدے وعید لکھنے تھے۔ اس نے بھی عذر کر دیئے۔ اگرچہ رانا ساٹگا نے جب میں کلہل میں تھا اچھی بھیج کر طرف واری ظاہر کی تھی۔ اور اقرار کیا تھا کہ اگر آپ ادھر سے دلی تک آجائیں گے تو میں ادھر سے آگرہ میں چڑھائی کر دوں گا۔ میں نے ابراہیم کو بھی مار لیا۔ دلی اور آگرہ بھی لے لیا مگر اس وقت تک اس کافر نے جنبش بھی نہیں کی۔ بلکہ تھوڑے دن بعد کند از نام قلعہ کو جو حسن کے بیٹے مکھن کے قبضہ میں تھا آن مارا۔

حسن کے پاس سے کئی آدمی تو آئے۔ مگر ابھی تک وہ خود نہ آیا تھا۔ یہ جو قریب کے قلعے ہیں جیسے اٹاوہ۔ دھولپور، گوالیار اور بیانہ۔ ابھی ہمارے قبضے میں نہ آئے تھے۔ ممالک شرقیہ کے افغان سب برسرِ فساد تھے۔ اور قنوج سے دو تین پڑاؤ آگرہ کی طرف آہڑے تھے۔ غرض سب طرف سے ابھی دل مطمئن نہ ہوا تھا۔ اسی سبب سے حسن کی کمک کے لئے میں قنوج نہ بھیج سکا۔ دو تین مہینے بعد حسن نے عاجز ہو کر نظام

کنداز کو دشمن کے حوالے کر دیا۔ حسین خاں جو راہری میں تھا ڈر کے مارے راہری چھوڑ کر بھاگ گیا۔ میں نے راہری محمد علی جنک جنک کو دے دی۔ قطب خاں کو جس کے پاس اٹلہو تھا کئی بار وعدہ وعید کے فرمان بھیجے اور لکھا کہ آکر مجھ سے مل وہ نہ آیا۔ اور اٹلہو کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اٹلہو مہدی خواجہ کو عنایت کیا۔ محمد سلطان مرزا۔ سلطان محمد دولہی۔ محمد علی جنک جنک۔ عبدالعزیز میر آخور اور امراء کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ اٹلہو کی طرف روانہ کیا۔ قنوج کا حاکم سلطان محمد دولہی کو کیا۔ فیروز خاں محمود خاں، شیخ بایزید اور قاضی ضیاء وغیرہم (جن کی بے حد رعایت کر کے پورب کی طرف پر گئے دیئے تھے) کو بھی اٹلہو کی مہم پر مقرر کیا۔ محمد زیتون دھول پور میں بیٹھا ہانے کر رہا تھا اور آتا نہ تھا۔ سلطان جنید برلاس کو دھول پور دیا۔ علول سلطان۔ محمدی کو کلاتاش۔ شاہ منصور برلاس۔ قتل قدم۔ ولی خازن بیگ۔ عبداللہ۔ پیر قلی اور شاہ حسین باریگی کو حکم دیا کہ دھول پور پر چڑھائی کر کے اس کو فتح کرو اور سلطان جنید برلاس کے سپرد کر کے بیانہ کی جانب چلو۔

نصیر خاں وغیرہ باغیان پورب پر یورش :- ان لشکروں کے مقرر کرنے کے بعد ترکی اور ہندی امراء سے مشورہ کیا۔ ان سے یہ بات کہی گئی کہ نصیر خاں لوخانی اور معروف فرملی جو باغیان پورب میں سے ہیں چالیس پچاس ہزار آدمی سمیت گنگا سے اتر کر قنوج پر قابض ہو گئے ہیں اور وہاں سے دو تین پڑاؤ باہر آن پڑے ہیں۔ رانا سانگا نے کنداز کو لے لیا اور وہ فتنہ اور فساد برپا کر رہا ہے۔ برسات بھی ختم ہونے کو ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کی طرف متوجہ ہونا لازم ہے۔ اور یہ جو گرد و نواح کے قلعوں کا معاملہ ہے بہت آسان ہے۔ ان بڑے دشمنوں کے دفع ہونے کے بعد یہ کہاں جا سکتے ہیں۔ سب نے رانا سانگا کی طرف زیادہ خیال نہ کیا اور متفق اللفظ عرض کیا کہ رانا سانگا تو بہت دور ہے اور ایسا ممکن نہیں ہوتا کہ وہ پاس ہی آجائے۔ پورب والے باغی بہت قریب آگئے ہیں ان کا استیصال مقدم ہے۔ میرا ارادہ ہوا کہ میں خود ان دشمنوں کی طرف چلوں اتنے میں ہمایوں نے عرض کیا کہ حضور کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس خدمت کو میں ادا کروں گا۔ یہ بات سب کو پسند آئی۔ امراء بھی اس پر راضی ہو گئے۔ ہمایوں کو اس مہم کا سپہ سالار مقرر کیا۔ جو فوج دھول پور کی طرف بھیجی گئی تھی اس کو احمد قاسم کے ہاتھ کھلا بھیجا کہ مقام چندوار میں ہمایوں سے

آن ملے۔ مدی خواجہ اور محمد سلطان مرزا کے ہمراہ جو فوج اٹلہ کی طرف بھیجی تھی اس کو بھی حکم دیا کہ ہمایوں کے پاس آجائے۔ جمعرات کے دن تیرہویں ذیقعدہ کو ہمایوں آگرہ سے چلا اور بطیسر نام ایک گاؤں جو آگرہ سے تین کوس ہے خیمہ زن ہوا۔ ایک دن وہ وہاں ٹھہرا۔ وہاں سے کوچ کر کوچ چلنا شروع کیا۔

نواح آگرہ میں باغ اور مکانات کا بنانا۔ اسی مہینہ کی بیسویں تاریخ جمعرات کے دن خواجہ کلال وغیرہ کو کتل جانے کی رخصت دی۔ بہت دن سے دل میں تھا کہ ہندوستان میں بڑا عیب یہ ہے کہ سر نہیں ہے۔ جہاں موقع کی جگہ ہو وہاں چرخ لگا کر پانی جاری کیا جائے اور خوش قطع جگہ بنائی جائے۔ آگرہ میں آنے کے بعد اسی کام کے لئے جمنا کے پار باغ لگانے کے واسطے مقامات ملاحظہ کئے۔ ایسے اجاڑ اور گندے مقامات تھے کہ بڑی کراہت اور ناخوشی کے ساتھ وہاں سے عبور کیا۔ گو ایسی جگہ چار باغ بنانے کو دل تو نہ چاہتا تھا مگر آگرہ کے قریب کوئی اور جگہ بھی دل خواستہ نظر نہ آئی۔ اس واسطے ضرور ہوا کہ اسی کو درست کر لیا جائے۔ پہلے ایک بڑا کنواں جس سے حمام میں پانی لیا جائے بنوایا۔ پھر وہ قطعہ زمین کا جہاں اہلی کے درخت اور دشمن حوض ہے درست کرایا۔ اس کے بعد بڑا حوض اور اس کی پڑی بنی۔ پھر بارہ دری کے آگے جو حوض ہے اور بارہ دری بنائی گئی۔ یہ بن چکے تو خلوت خانہ کا باغیچہ اور اس کے مکان بنے۔ پھر حمام تیار ہوا۔ غرض اسی بے ڈھنگی اور خراب جگہ پر ہندوستانی وضع کے خوبصورت باغ اور عمارتیں تیار ہو گئیں۔ ہر ککڑے میں معقول چمن بن گیا۔ ہر چمن میں طرح طرح کے گل بوٹے لگائے گئے۔ ہندوستان کی تین چیزوں سے مجھے نفرت ہے۔ ایک گرمی۔ دوسری آندھی اور تیسری گرد سے۔ حمام سے ان تینوں کا علاج نہ کیا۔ پھر حمام کے لئے کیا چاہئے۔ گرمی کی شدت میں ایسا ٹھنڈا ہوتا ہے کہ سردی کے مارے کانپنے کی نوبت ہو جاتی ہے ایک تجربہ۔ حمام اور حوض تینوں تمام سنگین بنے ہیں۔ اجارہ سنگ مرمر کا ہے۔ باقی کل فرش اور چھت سنگ سرخ کی ہے۔ جو بیانہ نا پتھر ہے۔ اس کے علاوہ خلیفہ شیخ زین اور پولس علی نے دریا کے کنارہ پر خوش قطع اور وضع دار باغات اور حوض بنوائے۔ لاہور اور دہلی میں جیسے رہٹ ہیں ویسے رہت کنوؤں پر لگائے۔ اور پانی جاری کیا۔ ہندوستانیوں نے جو اس طرح اور صورت کے مکان کبھی خواب میں نہ دیکھے تھے تو اس واسطے جمنا کے اس جانب کا نام جہاں یہ عمارتیں بنی ہیں کابل رکھ دیا۔

قلعہ اور ابراہیم کے محلات کے بیچ میں زمین کا ایک قطعہ خلی پڑا تھا وہیں بھی ایک بڑا مکان دس گز ہٹنے کا میں نے حکم دیا۔ ہندوستانیوں کی اصطلاح میں بڑے چھتے زینہ دار کو دائی کہتے ہیں۔ اس دائی کو چار باغ سے پہلے بنانا شروع کیا تھا۔ غنیمہ برسات میں بنیاد کھودی تھی۔ کئی دفعہ دیواریں گریں اور مزدور دب دب گئے۔ رانا ساگا کو شکست دینے کے بعد وہ عمارت بن کر تیار ہو گئی۔ چنانچہ اس غزوہ کے بعد تمام ہونا تاریخ میں لکھا گیا ہے۔ اچھا مکان بنا ہے۔ اس دائی میں سہ طبقہ مکان ہیں۔ سب سے نیچے کی منزل میں تین دالان ہیں اس سے کونئیں میں راستہ اتر جاتا ہے۔ راستہ کا زینہ تینوں دالانوں میں سے ہے۔ تینوں دالانوں کا راستہ ایک ہے۔ ہر دالان دوسرے سے تین میڑھی اونچا ہے۔ سب سے نیچے کے دالان میں پانی کھینچتے وقت ایک ہار پانی ضرور گرتا ہے۔ برسات میں جب پانی کونئیں میں چڑھتا ہے تو اوپر کے دالان میں آجاتا ہے۔ بیچ کے طبقہ میں دالان لداؤ کا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک برج ہے جس میں رہٹ کا چرخ پھرتا ہے۔ اوپر کے طبقہ میں ایک دالان ہے۔ مگن سے باہر کونئیں کے اوپر پانچ چھ میڑھی نیچا۔ زینہ کے دونوں طرف سے دالان میں سیدھی جانب راستہ جاتا ہے۔ راستہ کے سامنے تاریخ کا پتھر لگا ہوا ہے۔ اس کونئیں کے پہلو میں اور ایک کنواں بنایا ہے جس کی پہلے کونئیں سے گزر بھراؤچی ہے۔ اس گنبد میں جس کا اوپر ذکر ہوا ہے نل چرخ پھرتے ہیں۔ پہلے کونئیں سے اس کونئیں میں پانی آتا ہے۔ اس دوسرے کونئیں میں دوسرا چرخ لگا ہوا ہے۔ جس سے فصیل پر پانی پہنچتا ہے اور باغ میں جاتا ہے کونئیں کے زینہ سے نکلنے کی جگہ بھی سنگین عمارت بنائی ہے اس کونئیں کے احاطہ کے باہر ایک سنگین مسجد بنائی گئی ہے۔ مگر وہ کچھ عمدہ نہیں ہے۔ ہندوستانی وضع کی ہے۔ جس وقت ہمایوں یمل سے چلا ہے اس وقت نصیر خاں اور معروف وغیرہ جاج متو میں پڑے ہوئے تھے۔ ہمایوں نے پندرہ کوس سے مومن آتکھ کو خبر لینے کے لئے بھیجا۔ وہ لوٹ مار میں مصروف ہو گیا۔ پوری خبر نہ لاسکا۔ بہ باغی مومن آتکھ کے آنے کی سنتے ہی بھاگ گئے۔ مومن آتکھ کے بعد بابا حسین بو بکھ اور قسمائے کو خبر لانے کے واسطے روانہ کیا۔ انہوں نے غنیم کے بھاگنے اور منتشر ہونے کی خبر دی۔ ہمایوں نے جلت ہی جاج متو پر قبضہ کر لیا۔ وہیں سے چل کر جس وقت وہ نواح بلو میں آیا تو فتح خاں شروانی نے آکر ملاقات کی۔ فتح خاں کو ممدی خواجہ اور محمد سلطان مرزا کے ساتھ

میرے پاس روانہ کر دیا۔

خراسان پر عبید خاں کا حملہ :- اسی سال میں عبید خاں نے بخارا سے مرو پر چڑھائی کی مرو کے قلعہ میں دس پندرہ آدمی رعایا میں سے تھے ان کو قتل کر ڈالا اور چالیس پچاس دن تک مرو کا راستہ بند رکھا۔ سرخس میں تیس چالیس قزلباش تھے۔ دروازہ توڑ کر اڑبک اندر گھس گئے اور ان قزلباشوں کو مار ڈالا۔ سرخس کو فتح کر کے طوس اور مشہد پر چڑھ گئے۔ مشہد والے عاجز ہو کر مطیع ہو گئے۔ طوس کا آٹھ مہینے تک محاصرہ کیا۔ پھر صلح سے اس کو لے لیا۔ مگر عہد شکنی کی اور تمام مردوں کو قتل کر دیا۔ عورتوں کو قید کر لیا۔

سلطان مظفر گجراتی کا مرنا :- اسی سال سلطان مظفر گجراتی کا بیٹا بہادر خاں (جواب باپ کا جانشین اور بلو شاہ گجرات ہے) اپنے باپ سے خفا ہو کر سلطان ابراہیم کے پاس چلا آیا تھا۔ سلطان ابراہیم نے اس کا کچھ اعزاز نہ کیا۔ جب میں نواح پانی پت میں تھا تو اس کی عرضیاں میرے پاس آئیں۔ میں نے بھی عنایت آمیز شتے جواب میں بھیج دیئے۔ اور اس کو بلا لیا۔ اول تو اس کو میرے پاس آنے کا خیال ہوا۔ پھر اس کی رائے پلٹ گئی۔ ابراہیم کے لشکر سے علیحدہ ہو گجرات چلا گیا۔ اس اثناء میں اس کا باپ سلطان مظفر مر گیا اور اس کا بڑا بھائی سکندر شاہ جو سلطان مظفر کا بڑا بیٹا تھا گجرات کا بلو شاہ ہو گیا۔ اس کے غلام علاء الملک نے سکندر کی بیسودگیوں کے سبب سے سکندر کو قتل کر دیا اور بہادر خاں کو جو راستہ ہی میں تھا بلا کر باپ کی جگہ بٹھا دیا۔ اس کا لقب بہادر شاہ رکھا گیا۔ بہادر شاہ نے یہ بڑا عمدہ کام کیا کہ علاء الملک کو اس کی نمک حرامی کی پوری سزا دی۔ علاوہ اس کے اور بہت سے امراء کو بھی قتل کیا۔ کہتے ہیں کہ وہ بڑا سفاک اور ظالم تھا۔

۹۳۳ھ کے واقعات

فاروق کی پیدائش :- محرم کے مہینہ میں فاروق کے پیدا ہونے کی خبر لائے۔ اُتر چہ اس سے پہلے ایک پیادہ یہ خبر لایا تھا مگر بیک دلیں سیونچی کی حیثیت سے اسی مہینے میں آیا۔ بچہ تئیس ویں شوال پیدا ہوا تھا۔ اس کا نام فاروق رکھا۔

بڑی توپ ڈھالی گئی :- بیانہ کے قلعہ اور بعض اور قلعوں کے خیال سے ہنوز فتح نہ ہوئے تھے استلو علی قلی کو حکم دیا کہ ایک بڑی توپ ڈھالو۔ علی قلی نے بمٹی وغیرہ تیار کر کے مجھے اطلاع دی۔ ۲۵ محرم روز دو شنبہ کو میں توپ ڈھلنے کا تماشا دیکھنے گیا۔ جہاں توپ ڈھلنے کا سانچا تھا وہاں آٹھ بھٹیاں لگائی تھیں۔ ہر بمٹی کے نیچے سے ایک ٹلی سانچے تک بتا دی تھی۔ بھٹیوں کی ٹالیوں کا منہ کھولتے ہی ٹالیوں سے مصالحہ پانی کی طرح بہہ کر آیا۔ ابھی سانچا پورا نہ بھرا تھا کہ بھٹیوں سے مصالحہ کا آنا موقوف ہوا۔ یا تو بھٹیوں میں قصور رہا یا مصالحہ میں۔ بہر حال استلو قلی بہت ہی شرمندہ ہوا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ جو تانبا قالب میں پکھلا ہوا ہے اس میں جا پڑوں۔ میں نے اس کی دل جوئی کی اور غلعت دے کر اس شرمساری کو دور کیا۔ قالب خشک ہونے کے اور مٹی وغیرہ ہٹانے کے بعد خوشی خوشی کھلا بھیجا کہ توپ کے گولے کا گھر بہت خاصہ ہے۔ اس کا درست کر لینا سہل ہے۔ اس کو تو نکال کر درست کرنے کے لئے اوروں کے حوالے کیا اور آپ باقی کے بنانے میں مشغول ہوا۔

فتح خاں شروانی حاضر ہوا :- مددی خواجہ فتح خاں شروانی کو ہمایوں کے پاس لایا۔ وہ ہمایوں سے اثنائے راہ میں الگ ہو گیا تھا۔ میں فتح خاں سے اچھی طرح ملا۔ اس کے باپ اعظم ہمایوں کی جاگیر اس کو عطا کی۔ اور ایک کروڑ ساٹھ لاکھ کی جاگیر اس پر اور اضافہ کر دی ہندوستان میں دستور ہے کہ جن امراء کا مرتبہ دربار شہی میں بڑھایا جاتا ہے ان کو مقررہ خطاب بھی دیئے جاتے ہیں۔ ان ہی خطابوں میں سے ایک خطاب اعظم ہمایوں ہے۔ ایک خان جہاں ہے اور ایک خان خاناں ہے۔ اس کے باپ کا خطاب اعظم ہمایوں تھا۔ چونکہ شہزادہ کا نام ہمایوں تھا اس لئے اب اس خطاب کو میں نے موقوف کر دیا۔ فتح خاں شروانی کو خان جہاں خطاب دیا گیا۔ چار شنبہ کے دن آٹھویں صفر کو حوض کے کنارہ اوپر کی طرف شامیانہ استادہ کرا کر میں نے ایک بزم نشاط منعقد کرائی۔ فتح خان شروانی کو اس میں بلا کر شراب عنایت کی اور ملبوس خاص عطا فرمایا۔ اس عنایت اور مہربانی سے سرفراز کرنے کے بعد اس کو اپنی جاگیر پر جانے کی اجازت دی۔ اور یہ حکم دیا کہ اس کا بیٹا محمود خاں ہمیشہ ملازمت میں حاضر رہے۔

ہمایوں کو حاضر ہونے کا حکم :- محرم کی چوبیسویں تاریخ جمعہ کے دن محمد علی حیدر

رکب دار کو ہلیوں کے پاس بھیج کر تاکید اکھلا بھیجا کہ باغیوں کی فوج جون پور چلی گئی ہے۔ اس آدمی کے پہنچنے ہی تم چند سرداروں کو ادھر روانہ کرو اور خود مع فوج میرے پاس چلے آؤ۔ اس لئے کہ رانا سانگا قریب آگیا ہے۔ اس کا پورا تدارک کرنا ضرور ہے۔

بیانہ پر چڑھائی :- پورب کی جانب فوج بھیجنے کے بعد تردی بیگ، قوچ بیگ۔ اس کے چھوٹے بھائی شیر افغن، محمد جلیل آختہ بیگی۔ رستم ترکمن (معہ ان کے بھائیوں کے) کو اور امرائے ہندوستان میں سے دلی شروانی کو بیانہ کی نواح میں روانہ کیا۔ اور ان کو حکم دیا کہ اگر قلعہ والوں کو وعدے وغیرہ کر کے لاسکو تو لے آؤ۔ ورنہ لوٹ مار مچاؤ اور دشمنوں کو خوب ستاؤ۔ نظام خاں والی بیانہ کا بڑا بھائی عالم خاں تھنکر میں تھا۔ اس کے لوگ کئی بار آئے اور اطاعت کا اظہار کیا۔ اس عالم خاں نے ذمہ کیا کہ فوج شاہی اس جانب روانہ ہو۔ بیانہ کے ترکش بندوں کو سمجھا کر میں لے آؤں گا اور بیانہ فتح کرا دوں گا۔ تردی بیگ کے ساتھ جو سردار بھیجے گئے تھے ان کو حکم دیا گیا کہ تم سب عالم خاں کی صلاح پر چلو اس لئے کہ وہ صاحب ملک ہے۔ اس نے اطاعت قبول کر کے خدمت گزاری کا ارادہ کر لیا ہے۔ ہندوستان کے لوگ تلوار مارتی تو جانتے ہیں مگر سپہ گری کے فن سے اور سردار بننے سے ناواقف ہوتے ہیں۔ عالم خاں نے یہ کیا کہ ہماری فوج کے ساتھ آگھ بند کر کے ہو لیا۔ کسی کی اچھی سنی نہ بری۔ منہ اٹھائے ہوئے ہماری فوج کو بیانہ کے قریب پہنچا دیا۔ اس فوج میں ڈھائی تین سو کے قریب تو ترک تھے اور دو ہزار سے کچھ زیادہ ہندوستانی۔ نظام خاں کے پاس پٹھان وغیرہ ملا کر چار ہزار سے زیادہ سوار اور دو ہزار سے زیادہ پیدل موجود تھے۔ اتنے کثیر التعداد دشمن نے ہمارے لشکر کی کمی دیکھ کر ایک دفعہ ہی دھوا کر دیا۔ چونکہ حملہ آور زیادہ تھے اس لئے جوں ہی انہوں نے گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں اور تیروں کی بوچھاڑ کی فوراً ہماری فوج کے پاؤں اکٹڑ گئے۔ عالم خاں تھنکر کی گھوڑے سے گرا اور پانچ چھ آدمیوں سمیت پکڑا گیا۔ کچھ بمیر بھی پکڑی گئی۔ اس حرکت پر بھی اس نے استمات کی اور اگلی پچھلی خطائیں معاف کر کے فرمان بھیج دیئے۔ جب اس نے رانا سانگا کے چڑھے چلے آنے کی سنی تو گھبرایا۔ مجبوراً سید رفیع کے توسط سے شہر ہمارے آدمیوں کے سپرد کر دیا۔ اور خود سید رفیع کے ساتھ حاضر ہو کر شرف ملازمت حاصل کیا۔ میان دو آب میں بیٹ

لاکھ کی جاگیر اس کو عنایت ہوئی۔ چند روز کے لئے دوست ایٹک آقا کو بیانے کا حاکم مقرر کیا۔ پھر بیانا ممدی خواجہ کو دے دیا اور ستر لاکھ روپے اس کی تنخواہ کر دی۔

گوالیار پر قبضہ :- تاتار خاں سارنگ خاں جو گوالیار کو دبائے بیٹھا تھا۔ یوں تو بیشہ سے اس کے آدمی آتے جاتے تھے اور اظہار اطاعت کرتے تھے۔ مگر جب رانا ساٹگانے کندار چھین لیا اور نواح گوالیار کے راجاؤں میں سے درمگت اور ایک شخص خاں جہاں پانی نے اطراف گوالیار میں آکر گوالیار پھینے کے ارادہ سے فسلو پانے شروع کئے تو تاتار خاں تنگ ہوا۔ اور قلعہ دے دینے پر آمادہ ہو گیا۔ ہماری ساری فوج چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ امراء مسموں پر گئے ہوئے تھے۔ مجبوراً رحیم داد کو بہیرا اور لاہور کی فوج دے کر مستی جی منتقطار کو مع اس کے بھائیوں کے ہمراہ کیا اور گوالیار کی جانب روانہ کر دیا۔ شیخ گھورن کو بھی ساتھ کر دیا کہ رحیم داد کو گوالیار میں قائم کر کے چلا آئے۔ یہ سردار جب گوالیار کے قریب پہنچے تو تاتار خاں کی نیت پلٹ گئی۔ ان لوگوں کو قلعہ میں نہ بلایا۔ اس اثناء میں شیخ محمد غوث نے جو ایک بہت بزرگ درویش ہیں اور جن کے مرید و معتقد کثرت سے ہیں شہر میں رحیم داد کے پاس کھلا بھیجا کہ جس طور سے ہو سکے تم شہر میں داخل ہو جاؤ۔ اس لئے کہ اس شخص (تاتار خاں) کا خیال بدل گیا ہے اور یہ برسر فسلو ہے۔ رحیم داد نے یہ پیام سنتے ہی تاتار خاں سے کھلا بھیجا کہ باہر ہندوؤں کا بڑا خوف ہے۔ بہتر ہے کہ میں چند آدمیوں سمیت قلعہ میں چلا آؤں۔ اور باقی لشکر وغیرہ باہر رہے۔ تاتار خاں بڑے اصرار سے اس بات پر راضی ہو گیا۔ جس وقت رحیم داد تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ اندر آگیا۔ اس وقت اس نے کہا کہ دروازہ پر ہمارے سپاہیوں کا پہرہ رہے۔ ہتیا پول دروازہ پر رحیم داد کے سپاہیوں کے پہرے لگ گئے۔ اسی رات میں رحیم داد نے اپنی ساری فوج اندر بلا لی۔ صبح کو تاتار خاں کے چٹکے چھوٹ گئے۔ خواہی نخواستی قلعہ سوہنپ دیا اور خود میرے پاس آکرہ میں چلا آیا۔ اس کی پردریش کے لئے میں لاکھ کی جاگیر متعین کر دی۔

دھولپور پر قبضہ :- محمد زیتون بھی کچھ نہ کر سکا۔ آخر دھولپور ہمارے حوالے کر دیا اور خود ملازمت میں حاضر ہو گیا۔ اس کو بھی کئی لاکھ کی جاگیر عطا کر دی۔ دھولپور خلاصہ میں شامل کر لیا اور ابو اللتح ترکمن کو اس کا شق دار مقرر کر دیا۔

حصار فیروزہ کے باغیوں کا استیصال :- حصار فیروزہ کی نواح میں حمید خاں

سارنگ خلی کچھ پنی پھلن اور اوہر اوہر کے تین چار ہزار آدمی لئے ہوئے اودھم مچا رہا تھا۔ صفر کی پندرہویں تاریخ چار شنبہ کے دن چین تیمور سلطان۔ احمد پروانچی۔ ابو الفتح ترکمن۔ ملک داو کھلی اور حلد خاں ملتان کو ان پٹھانوں کی تنبیہ کے لئے میں نے معین کیا۔ یہ لوگ دور دراز راستہ سے یلغار کر کے ان پٹھانوں پر جا پڑے۔ اور ان کی خوب گت پٹائی۔ بہت سے آدمی قتل کئے اور بہت سوں کے سر کاٹ کر بھیجے۔

زہر خورانی کا واقعہ :- ماہ صفر کے آخر میں خواگی اسد جو شہر لعلپ صفوی کے پاس اہلی ہو کر عراق گیا تھا سلیمان نام ترکمن کو ساتھ لے آیا اور بہت سی سوغاتیں لایا۔ ان میں دو چرس لڑکیں بھی تھیں۔ ربیع الاول کی سترہویں تاریخ جمعہ کے دن عجیب واقعہ ہوا۔ چنانچہ میں نے اس کو کھل بھی مفصل لکھ بھیجا تھا اور یہاں بھی بے کم و کاست لکھتا ہوں۔ مفصل کیفیت یوں ہے کہ ابراہیم لودھی کی بد نصیبی میں نے سنا کہ ہندوستانیوں کے ہاتھ کا کھانا میں کھانے لگا ہوں اور بات یہ ہوئی تھی کہ میں نے کبھی ہندوستانی کھانے نہ کھائے تھے۔ اب سے تین چار مہینے پہلے میں نے حکم دیا کہ ابراہیم کے بلورچیوں کو بلاؤ۔ اس واسطے کہ مجھے ہندوستانی کھانوں کے دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ پچاس ساٹھ آدمی آئے۔ ان میں سے چار جن کر میں نے رکھے۔ اس کبخت (ابراہیم کی ماں) نے بھی یہ حل سنا۔ احمد چاشنی گیر۔ (ہندوستانی چاشنی گیر بکول کو کہتے ہیں) سے جو اٹھو سے آیا تھا سازش کر کے ایک لاما کے ہاتھ زہر کی پڑیا جس میں تولہ بھر (تولہ دو مشعل سے زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے) زہر تھا بھیجی۔ احمد نے بارہچی خانہ کے ہندوستانی بارہچی کو چار پرگنوں کے انعام کا لالچ دیا اور کہا کہ جس طرح ہو سکے بلا شاہ کو زہر دے دے۔ جس لاما کے ہاتھ احمد کے پاس زہر بھیجا تھا اس کے پیچھے پیچھے ایک اور لاما کو یہ دریافت کرنے بھیجا کہ پہلی لاما نے زہر احمد کے حوالے کر دیا یا نہیں۔ اور ہدایت کی کہ بہتر یہ ہے کہ چٹیلی میں زہر نہ ڈالا جائے بلکہ رکلی میں ڈالا جائے۔ اس لئے کہ میں نے بکولوں کو حکم دے دیا تھا کہ ہندوستانیوں سے غافل نہ رہنا۔ جب کھانا تیار ہو جاتا تو چٹیلی ہی میں چاشنی چکھا دی جاتی ہے۔ دسترخوان بچھنے کے وقت تالاق بکولوں کو ہوش نہیں رہتا۔ چینی کی رکلی میں رکھ کر پھلکے لائے جاتے ہیں۔ آدھے سے کم زہر تو اس پر چمڑکا اور آدھے سے زیادہ رکھ لیا کہ قلیہ کے پیالے میں ڈال دے یا چٹیلی میں۔ اگر ایسا کیا جاتا تو برا ہوتا۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور جو رہ گیا تھا گھبرا

کر اس کو چولے میں ڈال دیا۔

جمعہ کے دن عصر کے وقت دسترخوان بچھا۔ خرگوش پکا تھا کچھ وہ کھایا۔ کچھ انڈوں کا قلیہ کھایا۔ مگر کوئی چیز اچھی نہ معلوم ہوئی۔ قلق کے گوشت کی دو ایک بوٹیاں چکھیں۔ دل اکھل بکھل کرنے لگا۔ قلق کے گوشت کی بوٹیاں زیادہ بدمزہ معلوم ہوئی تھیں۔ میں سمجھا اسی سے دل اکھل بکھل کرتا ہے۔ ذرا ٹھہر کر پھر متلی ہونے لگی۔ غرض دو تین بار دسترخوان پر بیٹھے بیٹھے یہی حال ہوا۔ قریب تھا کہ قے ہو جائے۔ آخر میں کھڑا ہوا۔ آب دار خانہ تک جاتے جاتے ایک ابکائی آئی۔ آب دار خانہ کے پاس جا کر خوب استفراغ ہوا۔ میں نے کھانا کھا کر بلکہ شراب پی کر بھی کبھی قے نہ کی تھی۔ میرے دل میں اس طرح کی قے سے شک پیدا ہوا۔ میں نے حکم دیا کہ باورچی کو نظر بند رکھو۔ کھانا کتے کو کھلاؤ اور کتے کو بندھا رکھو۔ دوسرے دن پھر دن چڑھے تک کتے کا حال بگڑا رہا۔ اس کا پیٹ ابھر گیا۔ ہر چند اس کو مارتے تھے اور اٹھاتے تھے لیکن وہ ہلتا نہ تھا۔ دوپہر تک اس کا یہی حال رہا۔ پھر جیت گیا اور بیچ گیا۔ دو ایک چیلوں نے بھی اس کھانے میں سے کھایا۔ دوسرے دن وہ بھی قے کرتے رہے۔ ایک کی حالت تو بہت بگڑ گئی تھی مگر دونوں بیچ گئے۔ ع

رسیدہ بود بلائے دلے بخیر گذشت

اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندگی عنایت فرمائی۔ گویا میں پھر ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

موت کے منہ سے بیچ کے یہ جانا

زندگی بھی عجیب نعمت ہے

سلطان محمد بخشی کو میں نے حکم دیا کہ باورچی سے اچھی طرح حال دریافت کرو۔ اس نے سارا کچا چھایان کر دیا۔ پیر کے دن میں نے دربار کیا۔ حکم ہوا کہ تمام وزراء امراء اور عمائد وغیرہ حاضر دربار ہوں۔ سب حاضر ہوئے۔ ان دونوں مردوں اور دونوں عورتوں کو لائے۔ ان کے اظہار لئے گئے۔ سب نے پورا پورا واقعہ بیان کر دیا۔ چاشنی گیر کے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیئے گئے۔ باورچی کی زندہ کھال کھنچوا دی۔ ایک عورت کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا۔ دوسری کو گولی مار دی۔ کم بخت ہوا یعنی ابراہیم کی ماں کو قید کیا گیا۔ اس نے بھی اپنے کئے کی سزا پائی اور آئندہ پائے گی۔ ہفتہ کو ایک پیالہ دودھ کا میں نے پیا اور گل مخموم کو عرق میں حل کر کے پیا۔ دو شنبہ کو دودھ میں گل

مختوم اور تریاق فاروق ملا کر پیا۔ دودھ نے میرا کوٹھا خوب صاف کر دیا۔ دو شنبہ کو پہلے دن کی طرح پھرتے ہوئی۔ جلا ہوا صفرا کلاتے میں نکلا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب اچھی طرح ہوں۔ میں نہ جانتا تھا کہ جان ایسی عزیز چیز ہوتی ہے۔ سچ ہے جس کے مرنے کی نوبت آجاتی ہے وہی جان کی قدر جان جاتا ہے۔ اب بھی اس واقعہ کا اور اس حادثہ کا جب خیال آتا ہے تو بے ساختہ روتے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت تھی کہ اس نے دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔ اس کا شکر کس زبان سے ادا کروں۔ اگرچہ واقعہ ایسا خوفناک اور سخت تھا کہ زبان سے نہ نکل سکتا تھا مگر اس خیال سے کہ لوگ جلد واقف ہو جائیں جو کچھ گذرا تھا۔ وہ مفصل میں نے لکھ دیا اور لکھ دیا کہ کوئی دن اور زندگی کے باقی تھے کہ یہ بلا ساتھ خیر کے ٹل گئی۔ اب کوئی اندیشہ اور تردد لوگوں کو نہ رہے۔

یہ خیال کر کے ربیع الاول کی بیسویں کو جب کہ میں چار باغ میں تھا اس مضمون کا خط لکھ کر کاٹل بھیجا۔ چونکہ کبخت ہوا سے ایسا سخت جرم سرزد ہوا تھا تو یونس علی خواجگی اسد سے اس کو گرفتار کروایا۔ گرفتاری کے بعد اس کا مال اسباب۔ لونڈی اور غلام وغیرہ کو ضبط کر کے عبدالرحیم کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ سب کو حفاظت سے رکھے۔ ابراہیم کے پوتے نواسے کو بڑی عزت سے رکھا گیا تھا۔ جب ان لوگوں سے ایسی حرکت سرزد ہوئی تو ان کو یہاں رکھنا مجھے خلاف مصلحت معلوم ہوا۔ بیچ شنبہ اتیسویں ربیع الاول کو ملا سرسان کے ساتھ جو کامران کے پاس سے بعض کاموں کے لئے آیا تھا کامران کے پاس روانہ کر دیا۔ ہمایوں جو پورب کے باغیوں کی سرکوبی کے واسطے گیا تھا جون پور کو فتح کرتا ہوا نصیر خاں کے سر پر بھی غازی پور جا پہنچا۔ وہاں کے افغان بھی اس کے آجانے کی خبر سن کر دریائے سرد سے پار چلے گئے۔ ہمایوں کی فوج مقام فرید کو لوٹ کر واپس آئی۔ جس طرح سے حکم دیا تھا ہمایوں نے شاہ میر حسین اور سلطان جنید برلاس کو جون پور میں چھوڑا۔ قاضی حبیبہ کو اور شیخ بایزید کو ان کے ہمراہ مقرر کیا۔ اس کام کو انجام دے کر کڑا مانگ پور کی نواح میں گنگا سے پار ہو کالپی کے راستہ سے ہمایوں اس طرف چلا۔ عالم خاں اور جلال خاں بھگت کالپی میں تھے۔ ان کی عرضیاں آتی تھیں۔ ہمایوں نے کالپی کے قریب پہنچ کر ان دونوں کے پاس آدمی بھیجا۔ اور ان کا اطمینان کر کے ان کو اپنے ہمراہ لے آیا۔ اتوار کے دن تیسری ربیع الاخر کو باغ

بہشت بہشت میں ہمایوں نے ملازمت حاصل کی۔ آج ہی خواجہ دوست خاوند بھی کابل سے آیا۔

رانا سانگا پر چڑھائی کی تیاری تھی۔ انہی دنوں میں ممدی خواجہ کے پاس سے پے در پے قاصد آئے۔ اس نے کھلا بھیجا کہ رانا سانگا کا آنا صحیح طور سے معلوم ہو گیا۔ حسن خاں میواتی بھی ہمارے ساتھ ہے۔ اس کا معقول تدارک کرنا چاہئے۔ مناسب ہے کہ اس کے آنے سے پہلے بیانہ میں کمک پہنچ جائے۔ اب میں نے فوج کشی کرنی دل میں اچھی طرح ٹھان لی۔ محمد سلطان مرزا، یونس علی، شاہ منصور برلاس، سکد بیگ اور قسمی بوبکہ کو اپنے چلنے سے پہلے بطریق ایلغار بیانہ کی طرف روانہ کیا۔

حسن خاں کے بیٹے کا چھٹنا اور اس کا باغی ہونا تھی۔ حسن خاں میواتی کا بیٹا طاہر خاں ابراہیم کی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔ اس کو نظر بند رکھا تھا۔ اس وجہ سے حسن خاں میواتی ظاہر میں آتا جاتا تھا اور ہمیشہ اپنے بیٹے کی رہائی چاہتا تھا۔ بعض کی رائے ہوئی کہ اگر حسن خاں کی دل دہی کے لئے اس کے بیٹے کو بھیج دیا جائے تو اس کو اطمینان ہو جائے گا اور وہ خدمت گزاری میں قصور نہ کرے گا۔ طاہر کو خلعت دے کر اور حسن خاں سے وعدے لے کے اس کو رخصت دے دی۔ یہ مروک اپنے بیٹے کے چھٹنے کی راہ ہی دیکھ رہا تھا بیٹے کے چھٹنے کی خبر سنتے ہی بیٹے کے پہنچنے سے پہلے الور سے نکل رانا سانگا کے ساتھ ہو گیا۔ اصل میں اس کے بیٹے کو اس موقع پر چھوڑنا اچھا نہ تھا۔ ان دنوں میں بارش خوب ہوئی۔ ہم نے بہت سے جگہ کئے ہمایوں بھی ان جلسوں میں شریک ہوتا رہا۔ اگرچہ وہ متفرق تھا مگر ان جلسوں میں وہ بھی رہتا تھا۔ اسی زمانہ میں کئی بڑے واقعات گزرے۔ ایک واقعہ ان میں سے یہ ہے کہ جب ہمایوں قلعہ ظفر سے افگر ہندوستان میں آیا تھا تو اٹھائے راہ سے ملا بابا ساغری اور اس کا چھوٹا بھائی بابا شیخ بھاگ کر کتین قرائز سلطان کے پاس چلے گئے۔ جو لوگ بلخ میں تھے وہ مجبور ہو گئے۔ اور بلخ کتین سلطان کے قبضہ میں آ گیا۔ اس بیہودہ مروک نے اور اس کے چھوٹے بھائی نے ادھر کا انتظام وغیرہ اپنے ذمہ لیا۔ اور ایک و خرم سار بلخ کی نواح میں یہ آ گئے۔ شاہ سکندر بلخ میں ان کے گھس آنے سے ہڑ بڑا گیا۔ اس نے غوری کا قلعہ ازبک کے حوالے کر دیا۔ بابا شیخ مع تھوڑے سے آدمیوں کے قلعہ میں آتا تھا۔ چونکہ قلعہ مریمہ قریب تھا مجبوراً ازبک کے پاس چلا آیا۔ چند روز کے بعد مصلحہ "کچھ فوج

کے ساتھ بلخ کی طرف لے چلے۔ بابا شیخ ازبکوں کے ہمراہ قلعہ مریمہ میں جو گیا تو اس کو قلعہ میں اتارا۔ اور اوروں کو باہر ٹھہرایا۔ مریمہ والوں نے بابا شیخ کو قتل کر ڈالا اور اس کے ساتھیوں کو قید کر لیا اور ننگری بردی کے پاس قندز کی طرف آدمی دوڑایا۔

ننگری بردی نے یار علی اور عبداللطیف وغیرہ کو روانہ کیا۔ ان کے پہنچنے تک ما بابا ازبک کی فوج لے کر قلعہ مریمہ میں آیا۔ اور آمادہ جنگ ہوا۔ مگر وہ کچھ کر نہ سکا۔ ننگری بردی کے لوگوں کے ساتھ قندز میں آگیا۔ رحیم کو بابا شیخ سے کاوش تھی۔ اسی سبب سے وہ اس کا سر کاٹ کے اسی زمانہ میں مریمہ میں لایا۔ میں نے اس کو کمال عنایت اور مہربانی سے سرفراز کیا۔ اور ہم چشموں میں اس کی آبرو بڑھا دی۔ جب میں نے باقی شقاوت کو بھیجا ہے تو ان دونوں نمک حراموں کے باب میں ہر ایک کے سرے لئے میرے بھر سونا انعام دینے کا وعدہ کیا تھا اور عنایتوں کے علاوہ وعدہ کے موافق اس کو میرے بھر سونا بھی دیا۔ اسی زمانہ میں قتی ساغری جو بیانہ کی طرف فوج لے کر گیا تھا کچھ دشمنوں کے سر کاٹ لایا۔ قتی ساغری اور یو بک نے تھوڑے سے قزاق سپاہیوں کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہندوؤں پر حملہ کیا۔ اور ان کو شکست دے کر ستر اسی آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ یہ خبر تحقیق طور سے قتی ہی لایا تھا کہ حسن خاں میواتی سانگا کے ساتھ ہو گیا ہے۔ استاد علی قلی نے وہ توپ ڈھال کر تیار کر لی تھی۔ جس کے گولے کا گھر تو پہلے ہی ڈھل گیا تھا اور اس کی ٹال بعد میں درست ہو گئی۔ ہفتہ کے دن بیسویں تاریخ اس کے چھوڑنے کا تماشا دیکھنے میں بھی گیا۔ عصر کے وقت اس کو چھوڑا۔ چھ سو قدم تک گولا پہنچا۔ استاد کو میں نے خنجر اور خلعت وغیرہ انعام دیا۔

رانا سانگا کی جانب روانگی :- پیر کے دن جمادی الاولیٰ کی نویں کو جہاد کی نیت سے میں سوار ہوا۔ شہر سے نکل کر میدان میں خیمے ڈالے۔ تین چار روز تک فوج کے جمع ہونے اور انتظام کرنے کے لئے بیس ٹھہرنا ہوا۔ چونکہ ہندوستانیوں پر مجھے پورا بھروسہ نہ تھا اس لئے امرائے ہند کے نام چاروں طرف تاکید جاری کئے۔ عالم کو تنہا کہ جلد گوالیار میں آکر رحیم داد کی مدد کرے۔ مکھن قاسم سنبھلی اور حامد اور اس کے بھائیوں اور محمد زیتون کو فراہم بھیجے گئے انہی دنوں میں خبر آئی کہ رانا سانگا ساری فوج لئے ہوئے بیانہ کے قریب آکر لوٹ مار کر رہا ہے۔ جو لوگ قراولی کے لئے گئے تھے وہ خبر نہ لاسکے۔ بلکہ قلعہ میں بھی نہ جاسکے۔ قلعہ والی اگر قلعہ سے باہر تھوڑی دور بھی

نکل آتے ہیں تو دشمن اس کا سرتا برتا کر لیتا ہے۔ سکر خان جنجوعہ وہیں شہید ہوا۔ ایک دن کچھ غل جو مچا تو کد بیک بولا کر قلعہ سے باہر نکل آیا۔ ایک ہندو کو جا گھیرا۔ گرفتار کرنے کے موقع پر کد بیک کے آدمی کے ہاتھ سے اس نے تلوار پھینک ایک ہاتھ مارا جو کد بیک کے کندھے پر پڑا۔ ایسا زخم آیا کہ کد بیک رانا سانگا والے جلد میں شریک نہ ہو سکا۔ بہت دن بعد تندرست تو ہو گیا مگر ہاتھ کونڈا ہو گیا۔ قسی اور شاہ منصور وغیرہ جو بیانہ سے آئے تو نہ معلوم کہ خود ڈر گئے تھے یا لوگوں نے ڈرا دیا تھا۔ انہوں نے لشکر ہندو کی بڑی تعریف کی۔ میں نے اس منزل سے کوچ کر کے قاسم میر آخور کو تیل داروں سمیت آگے بھیجا کہ مندا پور کے علاقہ میں لشکر کے اترنے کے لئے بہت سے کنوئیں کھدوا رکھے۔

بدھ کے دن جمادی الاولیٰ کی دسویں کو نواح آگرہ سے چل کر اسی منزل میں جہاں کنوئیں کھودے گئے تھے ہم جا اترے۔ دوسرے دن وہاں سے کوچ کر دیا۔ میرے دل میں آئی کہ اس نواح میں ایسا مقام جہاں پانی زیادہ ہو اور لشکر کو کفایت کرے وہ سیکری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہندو پانی پر قبضہ کر لیں۔ اس خیال سے فوج کی جرائدار اور براندار وغیرہ کا انتظار کر کے روانہ ہوا۔ درویش محمد سارہاں کو سیکری کے تلاب کے کنارے کی طرف آگے روانہ کیا تاکہ وہاں اترنے کا بندوبست کرے۔ قسی وغیرہ کو جو بیانہ سے آتے تھے اور سب طرف سے واقف تھے اس کے ہمراہ کر دیا۔ منزل پر اترتے ہی مہدی خواجہ وغیرہ کو جو بیانہ میں تھے کھلا بھیجا کہ فوراً ہمارے پاس چلے آؤ۔ ہماروں کے ملازم بیک میرک مغل کو چند سپاہیوں سمیت دشمن کے لشکر کی خبر لانے کے لئے بھیجا۔ راتوں رات وہ گیا اور دوسرے دن خبر لایا کہ دشمن کا لشکر بساور سے کوس بھر آگے آکر ٹھہرا ہے۔ آج ہی مہدی خواجہ اور سلطان مرزا مع فوج بیانہ سے آگئے۔ امراء باری باری سے قراولی کے واسطے متعین ہوئے عبدالعزیز اپنی قراولی کے دن آنکھ بند کئے ہوئے مقام خانوا میں جو سیکری سے پانچ کوس ہے چلا آیا۔ ان کے اس طرح بے محابا چلے آنے کی خبر سنتے ہی لشکر ہندو میں سے جو آگے چلا آتا تھا چار پانچ ہزار آدمی چڑھ آئے۔ عبدالعزیز اور ملا ایاق ہزارہ کے ساتھ مساکر کے پانچ سو آدمی ہوں گے۔ ہمارا قراول غنیم کی فوج کا بے تحشہ کئے لڑائی اور مقابلہ پر جھک پڑا۔ قریب ہوتے ہی بہت سے لوگ پکڑے گئے۔ یہ خبر سنتے ہی میں نے محب علی خلیفہ کو اس کے ملازموں

سمیت ادھر روانہ کیا۔ ملا حسین وغیرہ سرداروں کو پیچھے کھک کے لئے بھیجا۔ پھر محمد علی جنگ جنگ کو بھی چلا گیا۔ میدان جنگ میں ان لوگوں کے پہنچنے سے پہلے عبدالعزیز کے پاؤں اکھڑ چکے تھے۔ دشمن نے اس کا نشان بھی چھین لیا تھا۔ ملا نعمت، ملا داؤد اور ملا ایاق کے چھوٹے بھائی وغیرہ کو شہید کر ڈالا تھا۔ محب علی کے وہاں پہنچتے ہی طاہر۔ پری طغائی اور محب علی نے دشمن پر حملہ کیا۔ ان کو کھک نہ پہنچی۔ طاہر وہاں گرفتار ہو گیا۔ محب علی اٹائے جنگ میں گھوڑے سے گرا۔ ہاتھوں نے آکر اسے اٹھایا۔ کوس بھر تک دشمنوں نے ان کا پیچھا کیا۔ جنگ جنگ کی فوج نمودار ہوتے ہی دشمن کی فوج ٹھہر گئی۔ مجھ کو متواتر خبریں آئیں کہ دشمن پاس آگیا ہے۔ میں حبیبہ پن گھوڑے پر سہم ڈولا اور ساز کسوا سوار ہوا۔ میں نے حکم دیا کہ اراہوں کو کھینچ لاؤ۔ میں کوئی کوس بھر یا تھا کہ غنیم کا لشکر الٹا پھر گیا۔

ہمارے پہلو میں ایک بڑا تالاب تھا۔ پانی کے خیال سے ہم وہیں ٹھہر گئے۔ اراہوں کو زنجیروں سے خوب کس دیا۔ اور ایک کو دوسرے سے زنجیر کے ساتھ باندھ دیا۔ ان کا فاصلہ آپس میں سات آٹھ گز کا تھا۔ یہ فاصلہ زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا۔ مصطفیٰ رومی نے رومی طریقہ پر اراہے بنائے تھے۔ نہایت مضبوط اور عمدہ اراہے تھے۔ چونکہ استاد علی قلی کو مصطفیٰ سے رشک تھا اس لئے مصطفیٰ رومی کو ہاپوں کے پاس برا نغار میں مقرر کیا۔ جہاں اراہے نہ جا سکتے تھے وہاں خراسانی اور ہندوستانی بیلداروں نے خندقیں کھودیں۔ ادھر تو اس تیزی کے ساتھ رانا کا لشکر آیا۔ ادھر جو لڑائی یہ نے میں ہوئی تھی اس کی تعریف شاہ منصور اور قسمی وغیرہم نے بیان کی۔ اب باتوں سے ہماری فوج میں ذرا بے دلی پیدا ہونے لگی۔ اسی نے عبدالعزیز کو شکست کھلوائی۔ لوگوں کے اطمینان اور لشکر کی امتیاض کے لئے جہاں اراہے نہ جا سکتے تھے وہاں یہ کیا کہ کٹ کی تپائیاں آٹھ آٹھ سات سات گز کے فاصلہ پر کھڑی کر دیں اور ان کو چڑب کی رسیوں سے جکڑ دیا۔ اس سلمان کے درست کرنے میں پچیس دن لگے۔ اسی زمانہ میں کانٹل سے سلطان حسین مرزا کا نواسا مرزا قاسم حسین سلطان۔ احمد یوسف۔ سید یوسف مع اہل قوم اور اور لوگ ایک ایک دو دو کر کے قریب پانچ سو آدمی کے آگئے۔ محمد شریف منجم منخوس بھی اس کے ہی ساتھ آیا۔ بلا دوست سوجی جو شراب لانے کے لئے کابل گیا ہوا تھا۔ وہ بھی غزنی کی شراب اونٹوں کی تین قطاروں پر لاد کر ان ہی کے ہمراہ

آیا۔ اس موقع پر کہ گذشتہ حالات اور بیہودہ باتوں سے جیسا کہ اوپر بیان کیا ہے ہمارے لشکر میں کمال درجہ تردد اور وہم ہو رہا تھا محمد شریف مخم کبغت کو مجھ سے کہنے کی تو مجال نہ رکھتا تھا مگر جس سے ملتا تھا اصرار سے، بک دیتا تھا کہ آج کل مرغ مغرب میں ہے جو اوھر لڑے گا وہ مغلوب ہو گا۔ اس ناشدنی سے پوچھتا کون تھا۔ اس کی بیہودہ سرائی سے اور بھی لوگوں کے دل چھوٹتے تھے۔ میں نے ان باتوں پر ذرا خیال نہ کیا۔ جو کام کرنے کا تھا وہ کیا۔ اور اسی کا کرنا مقدم جانا۔ میں جنگ اور مقابلہ پر مستعد ہو گیا۔ ۲۱ تاریخ اتوار کے دن شیخ جمالی کو روانہ کیا کہ میان دو آب اور دلی سے جتنے ترکش بند اکٹھے ہو سکیں ان کو لے کر میوات کے علاقہ کو لوٹنا اور مارنا شروع کرو اور جو ہو سکے اس میں کمی نہ کرنا تاکہ غنیم کو اوھر کی طرف سے کھٹکا پیدا ہو جائے۔ ملا ترک علی کو شیخ جمالی کے ساتھ کر دیا۔ اور تاکید سمجھا دیا کہ میوات کے ستیاناس کرنے میں ہرز کسر نہ کرنا۔ مغفور دیوان کے نام بھی یہی حکم بھیجا کہ سرحدی مواضعات کو لوٹ لو۔ دیران کر دو اور لوگوں کو گرفتار کر لو۔ افسوس! انہوں نے اس حکم کی تعمیل پورے طور پر نہ کی۔ اس لئے دشمن کو اس طرف کا اندیشہ نہ پیدا ہوا۔

شراب سے توبہ :- منگل کے دن تیسویں جمادی الثانی کو میں سیر کرنے سوار ہوا۔ اثنائے راہ میں خیال آیا کہ ہمیشہ سے دل میں توبہ کرنے کی تھی اور خلاف شرع فعل کرنے سے دل خوش نہ تھا۔ میں نے کہا اے نفس۔

دور ساز از جملہ منہای خود را

پاک ساز از ہمہ گنہای خود را

اسی سوچ میں یہاں سے جا کر میں نے تو شراب سے توبہ کی۔ تفرقی اور طلائی صراحیوں اور گلاس وغیرہ تمام سالن بزم اسی وقت منگا کر تروا ڈالا۔ ساری شراب پھٹکوا دی اور اپنے دل کو پاک کر لیا۔ ٹوٹا ہوا سالن محتاجوں اور مستحقوں کو بانٹ دیا۔ سب سے پہلے میرے ساتھ عس نے توبہ کی اس نے ڈاڑھی منڈانے اور رکھنے میں بھی ساتھ دیا۔ اس رات میں اور دوسرے دن امراء مصاحبین۔ سپاہی اور لوگوں میں سے تقریباً تین سو آدمی نے توبہ کی اور شراب انڈھا دی۔ بابا دوست کی لائی ہوئی شراب میں نمک ڈلوا دیا گیا تاکہ وہ سرکہ ہو جائے۔ ایک گڑھا کھدوا کر شراب کی باتلیں اس میں انڈھوا دی تھیں۔ میں نے حکم دیا کہ اس جگہ ایک پتھر نصب کر دیا

جائے اور ایک مکان اس کے پہلو میں بنا دیا جائے۔ ۹۳۵ھ میں گوالیار کی سیر سے جب میں پلٹ کر دھوپور سے سیکری میں آیا تو یہ مکان تیار ہو گیا تھا۔ میں نے پہلے نیت کی تھی کہ اگر رانا سانگا پر مجھے فتح حاصل ہوئی تو میں مسلمانوں سے محصول لینا معاف کر دوں گا۔ اثنائے توبہ میں محمد ساربان اور شیخ زین نے یاد دلایا۔ میں نے کہا خوب یاد دلایا۔ اس وقت جو ملک میرے پاس ہے اس میں مسلمانوں سے محصول لینا معاف کر دیا۔ منشیوں کو حکم دیا کہ ان دونوں عظیم الشان باتوں کے مشہر ہونے کے فرائض لکھو۔ شیخ زین نے فرمانوں کا مسودہ لکھا اور فرمان تمام قلعوں میں بھیجے گئے۔ یہ فرمان یہ ہے۔

فرمان ظہیر الدین محمد بابر

ان الله يحب التوابين ويحب المتطهرين ونشكر هادي المؤمنين
وغافر المستغفرين وصلی علی خیر خلقه محمد والہ الطیبین
الطاہرین۔ ہدایئے آرائے ارباب الباب کہ محاسن مجالی صور اسباب و مخازن الی
نقوس صدق و صواب است نقش پذیر جواہر زواہر ایں معنی خواہد بود کہ طبیعت انسانی
بمقتضائے فطرت ماکل لذات نفسانی است و ترک منہیات متفق بر توفیق یزدانی و تائید
آسمانی۔ نفس بشر از میل بشر دور نیست۔ وما ابرئ نفسی ان النفس الامارة
بالسوء واجتنب آل جزاافت ملک غفور نے۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء اللہ
ذالفضل العظیم غرض از تصویر ایں مقالات و تقریر ایں مقولہ آنکہ بمقتضائے
بشریت ہر حسب مراسم بادشاہان و لوازم بادشاہی و بنا بر عادت صاحب جاہان از شاہ و سپاہی
در غنغوان ایام شباب بعضی از منہای و برنے از مہای ارتکاب نموده می شد۔ و بعد از چند
روزے ندامت و حسرت تمام حاصل آمد۔ ویک یک ازاں منہای را ترک نمود۔ و
بتوبہ نصوح باب رجوع بدار مسدود گشت۔ اتاوبہ شراب کہ اہم مطالب آل متہد۔
واعظم مارب آل مقصود است در حجاب الامرار مرہونہ باوقاتہا محجوب ماندہ روئے
نئے نمود۔ تا آنکہ دریں اوقات فرخندہ ساعات کہ بعد تمام حرام جہادست باعساکر اسلام
ماثر در مقابلہ کفار بمقتاتہ نشت بودیم۔ از غم غمی و ہاتف الارسی مضمون میمون لم بان
للذین امنوا ان یخشم قلوبہم بکواللہ شنودہ۔ جت قلع اسباب معصیت بجد

تمام قرع ابواب ثابت نمودیم و ہادی توفیق حسب المضمون ممن قرع ما ما ولیح ولیح در اقبال کشود۔ اقبال این جہاد بجا آکبر کہ مخالفت نفس است امر فرمود۔ القصہ ربنا ظلمنا انفسنا بر زبان اخلاص بیان آورده ثبت الیک وانا اول المسلمین را بر لوح دل منقش گردانیدم۔ وداعیہ توبہ شراب را کہ کنون خزیبہ عینہ بود با مضار سانیدم۔ و خدا م ظفر احتشام بموجب حکم فرزندہ فرجام صراحی و جام و ساز ادوات طلاؤ نقرہ کہ بکثرت زرینت چوں کہ اکب سپہ رفیع مزین مجلس بدائع بود۔ عشرت شریعت بزین خواری و بذلت زده مانند اصنام کہ انشاء اللہ تعالیٰ عنقہیب بکمرشان موفق شویم پارہ پارہ ساختہ۔ دہر پارہ رازد مسکینے و بیچارہ انداختہ بہمن این اثابت قریب الابایت بسیاری از مقربان در گاہ بمقتضائے الناس علی دین ملوکھم درہماں مجلس شرف توبہ شرف کشد۔ و بے تکلف از سر شرب خمر در گزر گز شد۔ و هنوز فوج فوج از مطیعان اوامر و نواہی سائے فضاۃ بدیں سعادت مستعدی کردند۔ امید کہ بمقتضائے الدل علی الخیر کفاعلہ ابواب این اعمال بروزگار باقبال نواب نجات مال بادشاهی عائد گردد۔ و محنت این سعادت فتح و نصرت یزافیمو متزاید آید۔ و بعد از تمام این نیت و تکمیل این منت فرمان عالم مطیع شرف نفاذ یافت کہ در ممالک محروسہ حرسا اللہ عن الافات و الخافات مطلقا بیچ آفریدہ ہر مکتب شرب خمر نشود۔ در تحصیل آن نکوشد۔ و خمر نازد۔ و نہ فروشد۔ و نہ خورد۔ نہ دارد بہ زرو دینار۔ فاجتنبوا العلمکم تفلحون و شکرا علی هذا الفتوح و تصدقا بقول ملک التوبۃ النصوح بحر بخشایش بادشاهی در جوش آمدہ امواج کرم کہ سبب آبادائی عالم و آبروئی بنی آدم است ظاہر ساخت و تمغائے جمیع ممالک را از مسلمانان کہ حاصل آن از حد حصر فراوان است باوجود استمرار ازمنہ سلاطین سابق بگرفتار آن از ضوابط شریعت سید المرسلین بیرون بود برانداختہ فرمان صادر شد در بیچ شر و بلدہ دراہ گزر و مر تمغا گیرند و نستانند و تغیر و تبدل درین حکم راہ ہند و من بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الدین تبدلوا بہ۔ سپاہیان ظلال عاطف بادشاهی از ترک و تاجیک و عرب و عجم و ہندی و فارسی و رعیت و سپاہی و کافہ امم و عامہ طوائف بنی آدم آنکہ بدیں عارف مویدہ مستنظرہ و امید وار بودہ بدعائے دولت ابدی الاتصال اشغال نمایند و از لوازم این احکام محنت انجام در نگذرد و انحراف نہ تورزند۔ می باید کہ بر حسب فرمان اعلیٰ عمل نموده بہتقدم رسانند۔

چوں توقع اشرف و اعلیٰ رسد اعتماد نمایند۔ کتب بالامر اللہ اعلاہ اللہ العالیٰ
متعالیٰ و خلد نفاذہ فی بست و چهارم جمادی الاولیٰ ۹۳۲ نہ صدوسی
وسیہ

ان ہی دنوں میں گذشتہ واقعات کے سبب سے جیسا کہ بیان ہوا چھوٹے بڑے
سب بہت ہی ہراساں اور اندیشہ ناک تھے۔ کسی سے کوئی بہادری کی بات اور دلیرانہ
رائے سننے میں نہ آتی تھی۔ دُزیروں اور امیروں کا بھی یہی حال تھا کہ ایسی بات نہ
کرتے تھے جس سے جوانمردی ظاہر ہو اور نہ کوئی رائے ایسی دیتے تھے جس سے ہمت
بندھے۔ البتہ ایک خلیفہ اس یورش میں مستقل رہا۔ اس نے انتظام وغیرہ میں بہت
کوشش کی۔ آخر لوگوں کی اتنی بے دلی اور اس قدر کم ہمتی دیکھ کر میں نے ایک تدبیر
سوچی میں نے سب امیروں اور سرداروں کو جمع کیا اور ان سے کہا:-

تقریر:- اے امراء اور سرداران فوج!

ہر کہ آمد بھلا اہل فنا خواہد بود

آنکہ پایندہ و بقی است خدا خواہد بود

جس نے مل کا پیٹ دیکھا ہے وہ ضرور ایک دن قبر بھی دیکھے گا۔ جو دنیا میں آیا

ہے وہ یہاں سے جائے گا بھی۔ بدنام ہو کر جینے سے نیک نام مرنا بہتر ہے۔

بنام نگو مگر میرم رداست

مرا نام باید کہ تن مرگ راست

اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ سعادت عطا کی ہے اور یہ دولت عنایت فرمائی ہے کہ جو

اس میں مرے وہ شہید ہو اور جو مارے وہ غازی ہو۔ اب سب کو حلف کرنا چاہئے تاکہ

کوئی اس موت سے نہ بھاگے اور جب تک دم میں دم ہے اس لڑائی سے منہ نہ

پھیرے۔ سارے سردار، فوج، چھوٹے اور بڑے سب نے قرآن شریف ہاتھوں پر لے

کر اسی بات کا عہد کیا اور قسمیں کھائیں۔ یہ ایسی تدبیر ہوئی جس سے سب یک دست

ہو گئے۔ اسی زمانہ میں اور طرف بھی فتنے اور فساد برپا ہو گئے۔ حسن نے اپنی کو

آدھایا۔ قطب خاں کے لوگوں نے چندار پر قبضہ کر لیا۔ رستم خاں نام ایک مروک نے

میان دو آب کے ترکش بندوں کو اکٹھا کر کول کو چھین لیا۔ اور کبچک علی کو گرفتار

لیا۔ سنبھل کو زاہد چھوڑ کر بھاگ آیا۔ قنوج کو سلطان محمد دلدی چھوڑ کر چلا آیا۔

گوالیار کو ہندوؤں نے آن گھیرا۔ عالم خاں کو گوالیار بھیجا تھا وہ گوالیار سے اپنے علاقہ میں بھاگ کر چل دیا۔ روز ادھر ادھر سے ایک بری خبر آجاتی تھی۔ لشکر میں سے بعض ہندوستانی سردار بھاگ نکلے۔ ہیبت خاں کرک انداز سنبھل چل دیا۔ حسن خاں باری دال ہندوؤں سے جا ملا۔

میں نے ان باتوں پر ذرا خیال نہ کیا اور باوجود اس کے آگے بڑھا۔ ارابے پیٹے دار۔ تپائیاں اور اور جو سلمان جنگ تیار ہو گیا تھا سب کو لے کر منگل کے دن جمادی الاخریٰ کی نویں کو جس دن نو روز بھی تھا میں نے کوچ کر دیا۔ لشکر کی صفیں۔ براغار، جراغار اور قول وغیرہ درست کر لی تھیں اپنے آگے ارابوں اور پیٹے دار تپائیوں کو رکھ۔ ان کے پیچھے استلو علی قلی کو تنگ اندازوں کے دست کے ساتھ معین کیا۔ اور تخم دیا کہ پیادے ارابوں کے پیچھے سے ذرا نہ ہٹنے پائیں۔ تاکہ صفیں بندھی ہوئی روانہ ہوں۔ صفوں کے آنے کے بعد ہر ایک صف اپنی جگہ پر ایک تیر کے فاصلہ سے کھڑی ہوئی۔ تمام صفوں کے امراء اور سپاہیوں کو تشفی دے کر ہر گروہ کے کھڑے ہونے کے لئے جگہ مقرر کر دی اور ہر شخص کو سمجھا دیا کہ یوں پلٹنا اور یوں لڑنا۔ اسی ترتیب اور انتظام کے ساتھ کوس بھر چل کر ہم ٹھہرے۔ ہندوؤں کو بھی ہمارے آنے کی خبر ہوئی۔ اس کی فوج صفیں درست کر کے آگے بڑھی۔ لشکر ٹھہرنے کے بعد لشکر کا آگاہ ارابوں اور خندقوں سے مضبوط کر لیا تھا۔ چونکہ آج لڑائی کا گمان نہ تھا اس لئے تھوڑی سی فوج نے پیش قدمی کر کے بطریق شگون غنیم پر پیش دستی کی۔ چند ہندو ہاتھ آئے۔ ان کا سر کاٹ لائے۔ ملک قاسم بھی کئی کا سر کاٹ لایا۔ ملک قاسم نے یہ بہت ہی اچھا کیا۔ اتنی سی بات سے ہماری فوج کا دل بڑھ گیا۔ لوگوں کے حوصلے کچھ اور ہی ہو گئے۔ دوسرے دن میں سے کوچ کیا۔ آج ہم کو جنگ کا خیال تھا۔ خلیفہ وغیرہ نے عرض کیا کہ جو پڑاؤ مقرر ہوا ہے وہ قریب ہے۔ مناسب ہے کہ اس کی خندق کھود کر اس کو محفوظ کر لیا جائے۔ اس کے بعد چلنا چاہئے۔ خندق کے انتظام کے واسطے خلیفہ آگے روانہ ہوا۔ جہاں خندق کھودنے کی جگہ تھی وہاں بیلداروں کو لگا کر اور ان پر محصل مقرر کر کے واپس چلا آیا۔ ہفتہ کے دن تیرہویں جمادی الاخریٰ کو ارابے آگے روانہ ہوئے۔ پھر لشکر کی صفیں روانہ ہوئیں اور تقریباً ایک کوس بھر چل کر لشکر مقام مقرر ہوئے۔ بعض خیمے نصب ہو گئے تھے اور کچھ خیمے گزرتے تھے کہ اتنے میں جاسوس خبر

لائے کہ دشمن کا لشکر نمودار ہوا ہے۔ اس وقت میں سوار ہوا اور حکم دیا کہ براہِ غار
براہِ غار کی جگہ پر جرائنِ غار جرائنِ غار کی جگہ پر۔ غرض ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر چلا جائے۔
ارابوں کو مضبوط کر دیا جائے اور صفیں مرتب ہو جائیں۔ اس لڑائی کے بعد شیخ زین
نے جو فتح نامہ لکھا ہے چونکہ اس سے لشکرِ اسلام کی کیفیت اور فوجِ ہندو کی حالت
لشکروں کی صف آرائی اور مسلمانوں اور ہندوؤں کی لڑائی کا حال مفصل معلوم ہو جاتا
ہے اس لئے بے کم و کاست وہی یہاں لکھ دیا جاتا ہے۔

فتح نامہ ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی

الحمد لله رب العالمین وصلى الله على خير خلقه محمد سيد
الفرات والمجاہدین وعلى اصحابه الهدى الى يوم الدين۔ تواتر نعمائے سبحانی
باعث تکاثرِ شکر و ثنائے یزدانی است و تکاثرِ شکر و ثنائے یزدانی مورث تواترِ نعمائے
سبحانی۔ برہر نعمتے شکر۔ مرتب است دہر شکرے را نعمتے عقب۔ اولے نوازم
شکر از قدرت بشر متجاوز است۔ و اہل اقتدار از استیغائے مراسم آل عاجز۔ علی الخصوص
شکرے کہ در مقابل نعمتے لازم آید۔ کہ نہ دردِ نیا دوتے عظیم تر باشد و نہ در عقبی
سعادتے ازاں جہیم تر نماید۔ و اس معنی جز نصرتِ براقویا کے کفار و استیلائے براغنیائے قہار
کہ اولئک ہم الکفرة الفجرة و در شان امثال ایشاں نازک است نخواہد بود۔ و در نظر
بصیرت ارباب الباب احسن ازاں سعادتے نخواہد نمود۔ المنتہی اللہ کہ آل سعادتِ عظمیٰ
و موہبتِ کبریٰ کہ من المہدائے ہذا العہد مطلوبِ اصلی و مقصودِ حقیقی ضمیرِ خیر اندیش
درائے صواب کیش بود دریں ایام فرخندہ فرجام از کمن عواطف حضرت ملک عالم
روئے نمود۔ فتح بے منت و فیاض بے علت مجدداً محتاج فتح ابواب فیض برجہ مال
نواب نصرت مال ماکشور، اسامی نامی افواج باہتاج داور و دفتر غرات منشبت گردید و وئے
اسلام بامداد لشکر یان ظفر انبام مایادج رفعت و ارتفاع رسید۔ کیفیت صدور اس سعادت
و تصور اس دولت آنکہ چون اشعد میوف سپاہ اسلام پناہ ماممالک ہند بلمعت افواج
ظفر منور ساخت۔ و چنانچہ در فتح نامہائے سمت تحریر یافتہ بودا بادی توفیق ریات ظفر بہت
مارا در دلی و آکرہ و جون بہر و خرب و بہار و غیر ذلک برافروخت اکثر طوائف ادا از

اصحاب کفر و ارباب اسلام اطاعت و انقیاد نواب فرخندہ فرجام مارا اختیار نموده طریق عبودیت را بقدم صدق و اخلاص پیوندند۔ امانگائے کافر کہ در سوابق ایام دم از اطاعت نواب نجات انجام مای زواکتون مضمون ابی وائستکبر او کان من الکافرین عمل نموده شیطان صفت سرکشید و قاید لشکر دوراں و سرخیل سپاہ مجبوران گشت باعث اجتماع طوائف گردید۔ کہ بعضی طوق لعنت زناں در گردن و برے خار محنت ارتداد در دامن داشتند۔ و استیلائے آن کافر لعین خذلہ فی یوم الدین در ولایت ہند بمرتبہ بود کہ پیش از طلوع آفتاب دولت بادشاہی و قبل از سطوع نیز خلافت شہنشاہی با آنکہ را جمائے درایان بزرگ نہاد کہ دریں مقابلہ اطاعت فرمائش نمودند و حاکمان و پیشوایان متصف بارتداد کہ دریں محاربہ در عنانہں بودند بزرگی خود را منظور داشتہ در پیچ قتالے متابعت بل موافقت وے نکرده اند و در پیچ مسافرت طریق مصاحبت او امرافت اونسپر وند۔ تمامی سلاطین رفیع این خطہ و سبع چون سلطان دہلی۔ و سلطان گجرات و سلطان مندہ و غیر ہم از مقاومت آن بد سیربے موافقت کفار دیگر عاجز بوده اند۔ و بطائف الحس بلاد را و مواسائے نموده اند اولائے کفر در قریب و دیت شہر از بلاد اسلام افزاختہ بود۔ و تخریب مساجد و محلہ نموده عیال و اطفال مومنان آن مدن و امصار را اسیر ساختہ۔ و قوت وے از قرار واقع بجائے رسیدہ کہ نظر بقاعدہ مستمرہ ہند کہ یک لک ولایت راصد سوار و کوری رادہ ہزار سوار اعتبار می کنند بلاد مسخرہ آن سرخیل کفرہ بدہ کر در رسید کہ جائے یک لک سوار باشد۔

دریں ایام بے از کفار نامی کہ ہرگز در پیچ معرکہ۔ یکے از ایشان امدادش نہ نموده اند بنابر عداوت عسکر اسلامی بر لشکر شقاوت اثر دے افزودند۔ چنانچہ و حاکم باستقلال کہ ہر یک چون نمود دعوے سرکشی می نمودند۔ و در قطرے از اقطار قاید جمع از کفار بودند۔ مانند اغلال و سلاسل بداں کافر فاجر متصل گشتند۔ و آن عشرہ کفرہ کہ بر تقیض عشرہ مبشرہ وائے شقاوت فزائے فبشہم بعذاب الیم می افزاشتند۔ توابع و عساکر بسیار و پرگنت و سبع الاقطار داشتند۔ چنانچہ صلاح الدین سی ہزار را ولایت داشت در اول۔ اودے سنگھ لیسری د وازدہ ہزار سوار۔ و میدنی رائے دو ہزار سوار و حسن خاں میواتی دوازدہ ہزار وار و بارمل یدری چار ہزار سوار نہ تربت ہاذا ہفت ہزار سوار و ستردی کچی شش ہزار سوار و ہردم دیو چار ہزار سوار و نرسنگ دیو چار ہزار سوار۔ و محمود خاں ولد سلطان

سکندر اگرچہ ولایت و پرگنہ نداشت مادہ ہزار سوار تخمیناً "بامید داری سروری جمع آمدہ بود کہ مجموعہ جمعیت آل مجبوران را روئے سلامت و انیست نظر بقاعدہ پرگنہ و ولایت دولک و یک ہزار باشد

القصد آل کافر مغرور باطن کورو لہا پاکسات کفار سیاہ روزگار کہ ظلمات . عنہما فوق بعض بایکدگر موافق ساختہ در مقام مخالفت و محاربہ اہل اسلام و ہدم اساس شریعت سید اہم علیہ الصلوۃ والسلام در آمد۔ مجاہدان عساکر پادشاہی مانند قضائے الہی بر سر آں وجل اعور آمدہ اذا جاء القضاء عمی البصر را منظور نظر بصیرت اصحاب سیرت گردانیدند۔ وآیہ کریمہ من جاهدنا فانما یجاہلہ لنفسہ را لحوظ و اشتہ فرمان واجب الاذعان جاهد الکفار والمنافقین را با مضار سائیدند۔ روز شنبہ سیزدہم جمادی الاخری ۹۳۳ھ کہ بارک اللہ فی سبتکم نشان مبارکی آں روز است در نواحی موضع خانوہ مضافت بیانہ حوالی کو ہے کہ وہ گروہی اعدائے دین بود مضرب خیام نصرت انجام لشکر اسلام گردید۔ چون کوکبہ و دیدہ موکب اسلامی بگوش اعدائے دین و کافران لعین رسید مخالفان ملت محمدیؐ کہ مانند اصحاب فیل در پے انہدام کعبہ اہل اسلام بودند فیلان کوہ پیکر عقربت منظر را اعتضاد و خود ساختند و ہمہ متفق و یک دل گشتہ لشکر شقاوت اثر خود را فوجہا پرداختند۔ مشغولی

بال	فیلا	ہندوان	ذلیل
شدہ	غزہ	مانند	فیل
چو	شام	اجل	دشوم
سہ	ترز	شب	نجوم
ہمہ	ہم	چو	چودود
کشیدہ	سراز کیں	پہنخ	کبود
چو	مور	آمدند	از
سوار	و	پیادہ	ہزاراں
		ہزاراں	ہزار

و . حرم قاتلہ و کارزار متوجہ اردوئے اسلام کو اشجار ریاض شجاعند صنوبر صفت صفہا کشیدند۔ و نوک صنوبر صفات آفتاب شعاع را چوں قلوب مجاہدان فی اللہ باوج ارتقا رسائیدند صفے چوں سید سکندری آمین فام و مانند طریق شریعت پیغمبری باستقامت

و استحکام دین میں قوت و نفاذ کا انہم بنیان مرصوص و فلاح و فیروزی
بمقتضائے اولئک ہدی من ربہم و اولئک ہم المفلحون بالہی آل صف
مخصوص نظم

در آل رخنہ نے از طبائع و
چورائے شہنشاہ و دین قویم
طبائے او عرش فرسا ہم
الضائے انا فتنا ہم

رعایت حزم را مرغی داشت بطریق غزات روم بخت بگلیان درعہ اندازاں کہ
در پیش سپاہ بودند صفہ ازارا بہ ترتیب نمودہ بآیک دیگر بزنجیر اتصال دادہ شد۔ القصہ
جیوش اسلام چنان انتظام و استحکام پدید آورد کہ عقل پیر و چرخ اشیر تدبیر و مرتبش را
آفرین کرد۔ دریں ترتیب و انتظام و تشدید و استحکام مقرب الحفرت السلطانی اعتماد
الدولہ الحاقانی نظام الدین علی خلیفہ داد سعی و اجتہاد دادہ ہمہ تدبیرانش موافق تقدیر و جملہ
سرمداری ہاد کار گزار یہائے او پسندیدہ رائے منیر افتاد۔ مقرر عزت بادشاہی در قول مقرر
گشت و بروست راست برادر عزیز ارشد ارجمند سعادت یار المصختص بعواطف
الملک المستعان حسین تیمور سلطان و فرزند اعز ارشد منظور انظار حضرت الہ سلیمان
شاہ و جناب ہدایت ماب ولایت انتساب خواجہ دوست خاوند و معتمد السلطنت العلیہ و
مؤمن العتبہ السنیہ مقرب خاص و زبدۃ اصحاب اختصاص یونس علی عمدۃ الخواص
کامل الاخلاص شاہ منصور ہرلاس۔ زہدی اصحاب اختصاص درویش محمد ساربان و عمدۃ
الخواص صادق الاخلاص عبداللہ کتاب ار۔ و دوست ایٹک آقادر محل خد جا گرفتند۔ و
بر دست چپ قول سلطنت ماب و خلافت انتساب سلطان علاؤ الدین عالم خان ابن
سامان بملول لودی و مقرب الحفرت سلطانی مشار الیہ و دستور اعظم الصدور و بین الانام
لا: البہور و موید السلام شیخ زین خوانی۔ و عمدۃ الخواص کامل الاخلاص محب علی ولد
مقرب الحفرت السلطانی مشار الیہ۔ و عمدۃ الاخلاص تردی بیک برادر قوج بیک مرحوم
مہرور۔ و شیر انگن ولد قوج بیک مرحوم مذکور عمدۃ الاعظم والاعیان خان معظم آرایش
خان۔ و دستوار عظم الانوز راء بیان الامم خواجہ حسین۔ و جماعت دیوانیان عظام ہیک در
وضع مقرر اسودند۔ دور براغفار فرزند اعز و ارشد ارجمند سعادت یار منظور عنایات

حضرت آفرید گار اختر برج سلطنت و کامکاری مرہر خلافت و شہریاری الممدوح بلسان العبد والحر معز السلطنت و خلافت محمد ہمایوں بہادر متمکن گشتہ ہمکن سعادت قرین العزیز فرزند جناب سلطنت ماب التخلص بعواطف ملک الدیان قاسم حسین سلطان۔ و عمدۃ الخواص احمد یوسف اوغلاہی و معتمد الملک کامل الاخلاص ہندو بیگ قوجین۔ و معتمد صلوٰۃ الاخلاص خسرو کوکلتاش۔ و معتمد الملک قوام بیگ اور دوشاہ۔ و معتمد الخواص کامل العقیدۃ والاخلاص ولی خازن و فراوری۔ و عمدۃ پیر قلی سیتانی۔ و عمدۃ الوزراء بین الامم خواجہ بسلول بدخشی۔ و معتمد الخواص۔ سلیمان آقا اپلجی عراق۔ و حسین اپلجی سیتانی مقرر گشتہ۔ برہنہ ظفر آثار فرزند کامگار مشار الیہ عالی جناب سیادت ماب مرتضوی انتساب میرہم۔ و عمدۃ الخواص کامل الاخلاص محمدی کوکلتاش و خواجگی اسد جام دار تعین یا خند و برانغار از امرائے ہند عمدۃ الملک خان خانان ولادر خان و عمدۃ الاعیان ملک داہ کرزانی۔ و عمدۃ الاعیان شیخ المشائخ شیخ کورن ہریک در مقامے کہ فرمان شدہ بود۔ استاند۔

در جر انغار عساکر اسلام عالی جاہ نقابت پناہ افتخار آل طہ و یاسین سید ممدی خواجہ۔ و برادرز ارشد کامگار منظور انظار عنایت حضرت آفرید گار محمد سلطان مرزا۔ سلطنت ماب خلافت انتساب عادل سلطان بن ممدی سلطان۔ و معتمد الملک کامل الاخلاص عبدالعزیز میر آخور۔ و معتمد الملک صادق الاخلاص محمد علی بیگ بیگ۔ و عمدۃ الخواص کامل الاخلاص خلق قدم قراول۔ و شاہ حسین باریکی مغل غانچی۔ و جانی بیگ۔ آنکہ صف کشیدند۔ و ورین از امرائے ہند نتیجہ السلاطین جلال خاں و کمال خاں اولاد سلطان علاؤ الدین مذکور عمدۃ الاعیان علی خان شیخ زاہد فریل۔ و عمدۃ الاعیان نظام خان بیانہ تعین شدہ بودند۔ و جت تو نفع معتمد الخواص تودی بیگ و ملک قاسم برادر بابا قشتہ بانجمہ از فرقہ مغل در جانب برانغار معتمد الخواص مومن آنکہ و رستم خان ترکمان با شلیخ بابا جماعتے۔ از تابیان خاصہ در طرف جرائغار نامزد شدند۔ و عمدۃ الخواص کامل الاخلاص زبدۃ اصحاب اختصاص سلطان محمد بخشی اعیان و ارکان غزوات اسلام را در موضع و محال مقررۃ ایشان داشتہ خود باستماع احکام ماستعد بود۔ و تواجیان و سیاہ ولان را با طرف و جواب ارسال می گردانید و احکام مشاعد را در ضبط و ربط سیاہ و سپاہی سلاطین با و امرائے کرام و ساز غزاة ذوی الاحترام می رسانید چوں ارکان لشکر قائم گشتہ ہر کس

بجائے خود شتافت۔ فرمان واجب الاذعان لازم الاثمان شرف اصدار یافت کہ بیچ کس بے حکم از محال خود حرکت ننماید و بے رخصت دست محاربه نکشاید داز و زند کور تخمینا یک یاس و دو گھڑی گزشتہ بود کہ فریقین مقابلین متقارب یک دیگر گشتہ بنیاد مقاتلہ و کارزار شد قلین عسکرین مانند نور و ظلمت و برابر یک دیگر استاود۔ در براغار و جر انغار چنان عظیم قتالے واقع شد کہ زلزلہ در زمین و دلولہ در سپہر برین افتاد جرا انغار کفار شقاوت شعار بجانب براغار مہمت آثار عساکر اسلام شعار متوجہ گشتہ بر سر خسرو کوکبتاش و ملک قاسم باقشدہ حملہ آوردند۔ برادر اعزاز ارشد چین تیمور سلطان حسب القرمان بکملک ایشان رفتہ مردانہ قتالے آغاز نہاد۔ کفار را از جابر داشتہ قریب بعقب قلب ایشان رسانید و جلد و بنام آل عزیز برادر شد۔ و تاور العصر مصطفیٰ رومی از غول فرزند اعز ارشد کامگار منظور انظار حضرت آفریدگار المختص بعواطف الملک الذی نیسہی و یا مر محمد ہمایوں بہادر ارا بہارا پیش آوردہ صفوف سپہ کفار را بہ تفنگ و ضرب زن مانند قلوب شال منکسر گردانید۔ و در عین محاربه سلطنت ماب قاسم حسین سلطان و عمدۃ الخواص احمد یوسف و قوام بیگ فرمان یافتہ ملا ایشان شتافتند

چون زمان زمان اہل کفر و طغیان متعاقب و متواتر با مدار مردم خودی آمدند مایز معتمد الملک ہندو بیگ توچین را۔ و از عقب او عمدۃ الخواص کامل الاخلاص شاہ منصور برلاس و عمدۃ الخواص صادق العقیدہ عبداللہ کتاب وار داز پے ایشان عمدۃ الخواص دوست ایٹک آقا و محمد خلیل آخت بیگی را بکملک فرستادیم۔ و براغار کفرہ بکرات و مرات حملہاں بر بنائب جرا انغار لشکر اسلام آوردند۔ و خوایغزات ذوی النجاہ رسانیدند۔ و ہر نوبت غازیان عظام بعضے را بزخم سہام ظفر فرجام بدار البوار یصلونہا و شس الفرار فرستادہ و بر خے را بر گردانیدند۔ و معتمد الخواص مومن آتکدہ در ستم ترکمان بجانب عقب سپاہ ظلمت دست گاہ با کفار شقاوت پناہ توجہ نمودند۔ و معتمد الخواص ملا محمود علی آتکدہ با شلیق نو ان مقرب الحضرت السلطانی اعتماد الدولہ الحاقانی نظام الدین علی خلیفہ را بکملک مشار الیہ فرستادیم و برادر اعز ارشد محمد سلطان مرزا سلطنت ماب عادل سلطان و معتمد الملک عبدالعزیز و مقلق قدم قراول و محمد علی جنک جنک و شاہ حسین یار کی مغل غانچی دست محاربه کشادہ پائے محکم کردند۔ و دستور الاعظم الوزراء بین الامم خواجہ حسین را با جماعتہ و انیاں بہ کمک ایشان فرستادیم ہمہ اہل جماد در غایت جدوجہت راغب مقابلہ آمدہ آید

کریمہ قل هل یتربصون بنا الا احدی الحسنین و اشہد منظور عزیمت جانفشانی کردہ لوئے جل ستلی افزا شد۔ و چون محاربه و مقابلہ و یر کشید و بتغویل انجامید فرین واجب الازعان بنغاز سیدہ کہ ازنا بیان خاصہ بلوشانی جوانان جنگی و ہزیران بیش یک رنگی کہ در پس ارا بہا مانند شیر در زنجیر بودند از راست و چپ قول ہیروں آیند و جائے تنگی در میان گزارند۔ و از ہر دو جانب کازار نمایند۔ از پس ارا بہا مانند طلحہ صبح صلاق از پیش افق ہیروں تاختند دفون شفق گون کفار تا میمون را در معرکہ میدان کہ نظر سپر گردوں بود رنختہ بسیاری از سرہائے سرکش راستلہ صفت از فلک وجود محو ساختند۔ و تا دار العصر استد علی قلی بتوالی خود در پیش قول استلہ بود مردا گیہا گردہ سکمائے عظیم القدر کہ چون در پلہ میزان اعمالش نبتہ صاحبش فاما من ثقلت موازینہ فہو فی عیشۃ الراضیۃ نام بر آورد و اگر بر کوہ راح و جبل شامش اندازند کالمن المنفوش از پاور آورد۔ و بجانب حصار آہن آثار صف کفار انداخت۔ و باندان حق سنک و ضرب زن و تنگ بسیاری از انبیہ امشام کفار منہدم ساخت۔ تنگ اندازان بلوشانی حسب القریں از رابہ عین معرکہ آمدہ ہر یک از ایشان بسیاری کفار راز ہر حمت چشاندند۔ و پیادہ در محل عاطرۃ عظیم در آمدہ نام خود را در میان شیران بیشہ مروی و دیری معرکہ جوان مروی ظاہر گردانیدند۔

و مقارن این حالت قریں حضرت خاقانی بہ پیش راندن ارا بہائے قول نبتلہ رسید۔ و بہ نفس نفیس بلوشانی فتح و دولت از یمن اقبال و نصرت از بسیار بجانب کفار متحرک گردید۔ و از اطراف و جوانب عساکر ظفر مناقب این معنی را مشہدہ نمودہ تمامی بحر ذخار سپاہ نصرت شعار تہویج عظیم بر آورد۔ و شجاعت ہم نہنگان آن بحر را از قوت مفل درو آوردہ ظلام غبار غلام کروار چون سحاب مظلوم در تمامی معرکہ متراکم گشت و بریق لمعات سیوف دوراں درال جاک خوں ریز از لعلان برق در گزشت تہیج گردہ روئے خورشید را چون پشت آئینہ از نور عاری کرد۔ و ضارب مغرب و غالب مغلوب آئینہ ست امتیاز از نظر متوازی شد۔ سحر زمانہ چنل شے در نظر آورد کہ ستارہ دوراں غریب تر نبود۔ و کواکب ثواب تبش جز مواکب ثابت الاقدام نمی نمود۔ مثنوی

فرو رفت و بروقت روز نبرد
نم خوں بملای و برہا گرد

زم ستوراں دریاں پہن دشت زمیں شش شد و آسمن گشت ہشت

مجاہدان غازی کہ در عین سراندازی و جلی بازی بودند از ہاتف نبی نوید لا
نہنوا ولا تحزنوا وانتم الا علون می بشنودند۔ داز منی لاری مژدہ نصر من اللہ
و فتح قریب و یشر المومنین استماع می نمودند۔ چنان بشوق محاربه می کردند کہ از
تدسیان ملاء اعلیٰ ندائے تحسین بدیش می رسید۔ و ملائک مقرب پروانہ صفت برگرو
سرایش می گردید۔ و مابین العلوتین تازہ قتل چنان اشتعل یافت کہ مشعل آن علم
بر افلاک می افراشت و مہند و میرہ لشکر اسلام میرہ و مہند کفار نافر جام را با قلب شل
در یک محل مجتمع گردانید۔ چون آثار غایت مجاہدان نامی و ارتقاء لوائے اسلامی ظاہر
شدن گرخت ساعتی آن کفار لعین و اشرار بے دین در حال خود متحیر ماندند۔ و آخہ لما
از جاں برکنده بر جانب راست و چپ نول حملہ آوردند۔ و در جانب چپ بیشتر هجوم کردہ
خود را نزدیک رسانیدند اما غزات شجاعت نہات ثمرہ ثواب را منظور داشتہ بہن نیزہ در
زمین سینہ ہر یک نشانند۔ و ہمہ را چون بخت سیاہ ایشاں برگزیدند۔ قرن این حل نسایم
نصرت و اقبال برچمن دولت نواب نجمت مل ماوید و مژدہ انا فتحنا لک مبینا
رسانید۔ بشاہد فتح جمل عالم آرائش بطرہ و وینصرک اللہ نصرا عزیزا قرین گشت
استقبال در ستر اخفا بود یاری نمودہ قرین حال گردید۔ ہندوان باطل حل خود را مشکل
انستہ کا لہمن المنفوش متفرق شدند و کافراش المبتوث متلاشی گشتہ بسیاری کشتہ در
حرکہ افتادند۔ و کثیرے از سر خود گزشتہ سرور بیابان آوارگی نہلند و طعمہ زاغ و زغن
گرویدند۔ و از کشتہا ہشتا افراختہ شد۔ را از سرمایہ ہاردا پرداختہ حسن خل میواتی بہرب
تفنگ در سلک اموات و رآمدہ ہم چنین بیشترے از اں سرکشان ضلالت نشان را کہ
سرآمد آن فوج بودند تیر و تفنگ رسیدہ روز حیات سرآمد۔

از جملہ راول اودے سنگھ مذکور کہ والی ولایت ڈوگر پور بود و دوازده ہزار سوار
داشتہ۔ و رائے چند بھان چوہان کہ چار ہزار سوار داشتہ۔ مانک چند چوہان و دیپ راؤ کہ
صاحب چہار ہزار سوار بودہ اند و کنور کرم سنگھ ڈوگری کہ سی ہزار سوار داشتہ و جمعے
گیر کہ ہر یک از ایشاں سرخیل بزرگ گروہے و سردار قاطبہ ذی شوکت و شکوہے۔ بودہ
اند راہ دونخ پیودند۔ و ازیں دارو حل بدرک الاسفل انتقال نمودند۔ و راہ دارالحرب

لذخیمان و در راہ نام برود مانند جنم پر شدو درک الاسفل از منافقان جل بمالک دوزخ
سپردہ مملوک گردید۔ از عساکر اسلامی ہر کس بسر جانب کہ شتافتہ در ہر گامے خود کاسے
را آشتہ یافتہ۔ وار دوئے نامی از عقب فزائل ہر چند کوچ نمودے پچ قدمے از فرسودہ
مٹے غلی یافتہ۔

ہمہ ہندواں گشتہ خوار و ذلیل
سنگ و تنگ ہم چو اصحاب قیل
ز تھا بے کوہ باشد عیاں
بر کوہ ازان چشمہ خوں رواں
ز سم بہام صف پر شکوہ
گرا زان گریزاں بر دشت و کوہ

ولو اعلیٰ ادبار ہم نفورا ولو کان امر اللہ قدرا مقدورا۔ فالحمد لله
السمیع العلیم وما النصر الا من عند اللہ العزیز لحکیم تحریر فی شہر جمادی
الاخریٰ سنہ ۹۳۳ھ

لڑائی فتح ہونے کے بعد مراجعت :- اسی فتح کے بعد سے فرمانوں پر جو طغرا لکھا
جاتا ہے اس میں غازی کا لفظ لکھنا شروع ہو گیا۔ اس فتح نامہ میں طغرے کے نیچے یہ
رباعی میں بنے لکھ دی۔ رباعی

اسلام از چوں اوارہ پاوی بولدوم
کفار بنود حرب سازی بولدوم
جزم ایلاب آیدم اوردم شہید
او لماقاتہ الفتہ اللہ کہ غازی بولدوم

یعنی میں اسلام کے لئے جنگل جنگل پھرا۔ ہندوستان کے کفار سے نبرد آزما ہوا۔
میں نے اپنے شہید ہونے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر خدا کا احسان ہے کہ میں غازی ہو گیا۔
شیخ زین نے اس فتح کی تاریخ ”فتح بادشاہ اسلام“ لکھی تھی۔ میر گیسو کے ہاتھ بھی یہی
ماوہ لگا۔ جو لوگ کابل آئے تھے ان کے ہاتھ اسی ماوہ کو تقصین کر کے ایک رباعی اس
نے بھیجی۔ دونوں کو تو ارو واقع ہوا۔ ایک دفعہ اور بھی ایسا ہوا ہے۔ دیبل پور کی فتح کا
ماوہ شیخ زین نے ”وسط شہر ریح الاول“ نکالا تھا۔ میر گیسو نے بھی یہی ماوہ نکالا۔ الغرض
دشمن کو شکست دے کر ہم آگے بڑھے۔ ہندوؤں کے ڈیرے ہم سے دو کوس کے

فاصلہ پر تھے ان میں پہنچے۔ محمدی۔ عبدالعزیز اور علی خان وفیوہ کو فراریوں کے پیچھے روانہ کیا۔ میں نے ذرا سستی کی۔ مجھے خود جانا چاہئے تھا دو سروں پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے تھا۔ لشکر گاہ ہنود سے کوئی کوس بھر میں گیا ہوں گا کہ رات ہو گئی۔ اسی سبب سے میں الٹا پھر آیا۔ عشاء کے وقت اپنے لشکر میں آگیا۔ محمد شریف منجم جس نے وہ منحوس باتیں بکی تھیں، فتح کی مبارکباد دینے آیا۔ میں نے بھی خوب ہی برا بھلا کہہ کر دل کا بخار نکالا۔ اگرچہ وہ بڑا بے ایمان۔ بد نفس۔ بڑا مغرور اور بے استہار تھا۔ مگر چونکہ قدیمۃ الحدیث تھا اس لئے ایک لاکھ انعام دے کر اس کو رخصت کیا اور حکم دیا کہ میری قلمرو میں نہ ٹھہرنے پائے۔

دوسرے دن یہیں قیام کیا۔ محمد علی جبک جبک شیخ گورن اور عبدالملک قورچی وغیرہ کو ایک بڑی فوج دے کر الیاس خان کی گوشلی کے لئے بھیجا۔ اس شخص نے دو آبہ میں فساد مچا رکھا تھا۔ کول کو دبا لیا تھا۔ اور جبک علی کو قید کر لیا تھا۔ اس لشکر کے وہاں پہنچتے ہی بے لڑے بھڑے الیاس خان بھاگ گیا۔ اس کی فوج منتشر ہو گئی۔ جب میں آگرہ میں آگیا تو اس کے چند روز بعد پکڑا آیا۔ میں نے اس کی مکمل کھنچوا ڈالی۔ جو پہاڑی ہمارے لشکر کے سامنے تھی اور جس کے پاس ہی لڑائی ہوئی تھی اس پر مقتولوں کے سروں کا منارہ بنا دینے کا میں نے حکم دیا۔ یہاں سے دو منزل چل کر بیانہ پہنچے۔ بیانہ بلکہ الور اور میوات تک کفار اور مرتدوں کا مل و اسباب بے نہایت پڑا ہوا تھا۔ میں نے جا کر بیانہ کی سیر کی۔ پھر لشکر میں آیا۔ اور امرائے ہند سے اسی کافر کے ملک پر چڑھائی کر دینے کی صلاح کی۔ چونکہ راستہ میں پانی کی کمی تھی اور گرمی شدت سے پڑ رہی تھی اس لئے یہ یورش ملتوی رہی۔

میوات اور حسن میواتی کا محل اور اس کے ملک پر یورش :- میوات کا ملک دلی کے قریب ہے۔ اس کی آمدنی تخمیناً تین چار کروڑ ہوگی۔ حسن خان کے آباؤ اجداد تقریباً دو سو برس سے میوات میں مستقل حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ دلی کے بادشاہوں کی یونہی سی اطاعت کرتے تھے۔ شہنشاہ ہند اپنے ملک کی وسعت یا اپنی عدم الفرصتی یا ملک میوات کے پہاڑی ہونے سے اس کے چین لینے کے در پے نہیں ہوئے۔ اور وہاں کے حاکم نے جتنی اطاعت کی اسی پر اکتفا کیا۔ میں نے بھی ہندوستان فتح کرنے کے بعد اگلے بادشاہوں کی طرح حسن خان کی رعایت کی۔ جیسا کہ بیان ہو چکا

ہے۔ اس حق ناشناس۔ کافروش اور لٹھ نے میری عنایت و مہربانی کو کچھ نہ سمجھا اور اس کا ذرا شکریہ ادا نہ کیا۔ بلکہ سارے جھگڑوں اور فسلوں کا پانی دیتی تھا۔ اور ساری آگ اسی کی لگائی ہوئی تھی۔ چنانچہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ جب رانا سانگا والی پورش کی نہ ٹھہری تو میوات کی طرف میں متوجہ ہوا۔ چار منزلیں طے کر کے الور سے جو آج کل اس ملک کا دار الحکومت ہے چھ کوس ادھر ہاتھ می ندی کے کنارہ پر لشکر اترا۔ حسن خاں کے اجداد تجارت میں رہتا تھا۔ جس سل میں نے ہندوستان کی طرف رخ کیا ہے اور ہمارا خاں کو زیر کر کے لاہور اور دیبل پور کو لے لیا ہے تو میرے خوف سے براہ دور اندیشی حسن خاں نے الور کے قلعہ کو درست کر لیا۔ اور اسی کو اپنا مستقر ٹھہرایا۔ کرم چند حسن خاں کا ایک معتبر اہل کار جو اس کے بیٹے کے ساتھ آگرہ میں بھی آیا تھا اس کے بیٹے کی طرف سے امان طلب کرنے حاضر ہوا۔ عبدالرحیم شہتول کو کرم چند کے ہمراہ مع فرماں استمات روانہ کیا۔ وہ ظاہر خاں پر حسن خاں کو ساتھ لے لیا۔ میں نے پھر اس پر رحم کیا اور کئی لاکھ روپے کا ملک اس کو عنایت کیا۔ خیال تھا کہ لڑائی کے موقع پر اس نے کچھ کارگزاری بھی کی ہے اس واسطے الور اور پچاس لاکھ روپے کا علاقہ دیا۔ بد نصیبی سے اترا کر اس عطیہ پر اس نے ناک چڑھائی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کام حسین تیمور سلطان نے کیا۔ اس لئے صلہ کا مستحق سلطان ہوا۔ تجارتہ جو صدر مقام تمام پچاس لاکھ کے ملک کے تیمور سلطان کو عطا کیا۔

تردی بیگ کو جو رانا سانگا کی اس لڑائی میں دست راست کا تو نغمہ تھا اور اس نے اوروں کی نسبت بہت تن دہی کی تھی پندرہ لاکھ کا ملک اور الور کا قلعہ عنایت ہوا۔ الور کے قلعہ میں جتنے خزانے تھے اور جو کچھ تھا وہ ہایوں کو بخش دیا۔ وہاں سے رجب کی پہلی تاریخ بدھ کے دن چل کر الور سے دو کوس کے فاصلہ پر لشکر کا قیام ہوا۔ میں نے الور کی سیر کی۔ رات کو میں وہیں رہا۔ صبح لشکر میں آیا۔ لڑائی سے پہلے جب سب سے حلف لیا گیا ہے تو یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ اس فتح کے بعد جو شخص جانا چاہے گا اس کو رخصت مل جائے گی۔ ہایوں کے ملازم اکثر بد خشنی تھے۔ کبھی مینے دو مینے کے راستے پر نہ گئے تھے۔ اور لڑائی سے پہلے ذہل کمرے ہو رہے تھے وعدہ رخصت بھی تھا۔ اور کلہا خلی بھی تھا۔ اس واسطے سب کی رائے ہوئی کہ ہایوں کو کلہا بھیج دینا چاہئے۔ یہ بات ٹھہرا کر جمعرات کے دن رجب کی نویں تاریخ الور سے کوچ کیا۔ پانچ

چار کوس چل کر باتش می ندی کے کنارہ پر ٹھہرے۔ مددی خواجہ بھی بے چین تھا۔ اس کو بھی کلکل جانے کی اجازت دی گئی۔ بیانے کی شہداری ایک آقا کو دی۔ اس سے پہلے چونکہ اٹھو کو مددی خواجہ کے بیٹے جعفر خواجہ کو دے دیا گیا۔ ہمایوں کے رخصت کرنے کے لئے چار روز میں اس جگہ ٹھہرا۔ اسی منزل سے مومن علی توابعی کو فتح نامہ دے کر کلکل روانہ کیا۔ بدو پور کے چشمہ کی اور کوتہ کے بڑے تلاب کی بہت تعریف سنی تھی۔ ہمایوں کی مشاہدت کے لئے بھی اور ان مقاموں کی سیر کے لئے بھی ہفتہ کو ہم لشکر سے سوار ہوئے اور لشکر کو یہیں چھوڑا۔ اسی دن بدو پور پہنچ کر وہاں کی اور چشمہ کی سیر کر کے معجون کا استعمال کیا۔ جس درہ میں چشمہ کا پانی بہہ کر آتا ہے اس میں تمام کنیر کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ اگرچہ جیسی تعریف سنی تھی ویسا تو نہ تھا مگر پھر بھی غیبت تھا۔ اسی درہ میں جہاں چشمہ کا پانی زیادہ بہتا تھا۔ اس جگہ کو پتھر سے درہ بنانے کا میں نے حکم دیا۔ رات بھر میں درہ ہی میں رہا۔ دوسرے دن سوار ہو کر کوتہ کے تلاب کی سیر کی۔ تلاب کا ایک کنارہ پہاڑ کا دامن ہے۔ باتش می ندی کا پانی اس تلاب میں آتا ہے۔ یہ بڑا تلاب ہے۔ ادھر سے دیکھو تو ادھر کا کنارہ نظر نہیں آتا۔ تلاب میں بہت سی چھوٹی چھوٹی کشتیاں پڑی ہوئی تھیں۔ تلاب کے گرد نواح والے جب کبھی غل غپاڑہ ہوتا ہے تو ان کشتیوں میں بیٹھ تلاب میں نہا لیتے ہیں۔ میرے آنے کے وقت بھی بہت سے لوگ کشتی میں بیٹھ بیچ تلاب میں چلے گئے۔ میں تلاب کی سیر کے لئے ہمایوں کے لشکر میں اترا۔ وہاں استراحت کی۔ کھانا کھایا اور مرزا کو مع اس کے امراء کے خلعت دیئے۔ عشاء کے وقت ہمایوں کو رخصت کر کے میں سوار ہو گیا۔

راستہ میں ایک مقام پر سو رہا۔ صبح وہاں سے سوار ہو پرگنہ کھیری سے نکل تھوڑی دیر سو رہا۔ پھر لشکر میں جو تودہ کے قریب آپڑا تھا آگیا۔ تودہ سے کوچ کیا۔ سوکر میں آئے تو طاہر خاں پسر حسن خاں جو عبدالرحیم کے سپرد تھا بھاگ گیا۔ یہاں سے ایک منزل چل کر اس چشمہ کے قریب جو پشاور اور جوہا کے بیچ دالی بنی کاہ کوہ میں ہے اترے۔ شامیانہ کھڑا کر کے وہاں معجون کھائی۔ لشکر کے چلتے وقت تودی بیک خاکسار نے چشمہ کی بہت تعریف کی۔ میں نے سرسواری اس کو جا کر دیکھا۔ اچھا چشمہ ہے۔ ہندوستان میں جب دریاؤں میں ہمیشہ پانی نہیں رہتا تو چشمہ کیا چیز ہے۔ الا ماشاء اللہ کوئی

چشمہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو سر جیون ہوتا ہے۔ ریگستان میں تو چشموں کے پانی زمین سے جوش مار کر نکلتے ہی نہیں۔ غرض اس چشمہ میں نیم آسیا پانی ہو گا۔ دامن سے اہل کر پانی آتا ہے۔ چشمہ کے گرد تمام مرغزار ہے۔ نہایت ہی عمدہ۔ میں نے حکم دیا کہ اس چشمہ کا ٹمن سنگین حوض بنا دیا جائے۔ چشمہ کے کنارہ پر مجون کھانے کے وقت تروی بیک بار بار فخر کے ساتھ کستا تھا کہ یہ جگہ نہایت عمدہ ہے۔ اس کا کوئی نام تجویز کرنا چاہئے۔ عبداللہ نے کہا۔ چشمہ ہدشانی تروی بیک۔ کہو اس پر خوب قیمتی اڑے۔ دوست ایک آقا نے بیان سے آکر اسی چشمہ پر ملازمت حاصل کی۔ یہاں سے ہم بیانے گئے اور وہاں سے سیکری میں آئے۔ اسی بلغ کے پاس جہاں پہلے ٹھہرے تھے اترے۔ دو دن تک یہیں قیام کیا۔ بلغ کو درست کرایا۔ رجب کی تیسویں کو جمعرات کی صبح ہی آگرہ میں داخل ہوئے۔

گرد و نواح کی فتوحات اور تقسیم جاگیرات :- چندوار اور راہری کو اس موقع پر مخالفوں نے چھین لیا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ محمد علی جنک جنک۔ تروی بیک۔ قوج بیک۔ عبدالملوک قورچی اور حسین خاں مع دریا خانیوں کے چندوار اور راہری کی طرف بھیجے گئے۔ یہ لشکر چندوار کے قریب ہی پہنچا تھا کہ ان کی خبر سن کر اندر والے جو قطب خاں کے آدمی تھے۔ بھاگ نکلے ہمارے سرداروں نے چندوار پر قبضہ کر لیا اور راہری کی طرف رخ کیا۔ حسین خاں نوحانی کے سپاہی کوچہ بند لڑائی کے خیال میں تھے۔ جوں ہی ہماری فوج نے حملہ کیا اور وہ قریب پہنچی دشمنوں کے پاؤں اکٹھے گئے۔ حسین خاں ہاتھی پر سوار ہو مع چند رفقاء دریا میں اترا اور غرق ہو گیا۔ قطب خاں اس خبر کے سنتے ہی اٹھو کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اٹھو پہلے تو ممدی خواجہ کو دیا گیا تھا۔ اب اس کے بیٹے جعفر خواجہ کو وہاں بھیج دیا گیا۔ رانا سانگا کے خروج کے زمانہ میں اکثر ہندوستانی اور افغان سرکش ہو کر پشتر تمام ملک پر متصرف ہو گئے تھے۔ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں۔ سلطان محمد وولڈی ڈر کے مارے قوج چھوڑ کر چلا آیا تھا۔ پھر قوج جانے سے اس کو شرم آئی۔ قوج کی تیس لاکھ کی جاگیر کے بدلے سرہند کی پندرہ لاکھ کی جاگیر اس کو دی گئی اور قوج محمد سلطان مرزا کو عنایت کیا۔

اس کو تیس لاکھ کا جاگیردار کر دیا۔ قاسم حسین سلطان کو بدایوں دے کر اور امرائے ترک میں سے ملک قاسم۔ بابا قشقہ (مع اس کے عزیزوں اور مغلوں کے) ابو

المحمد نیزہ باز۔ نوید۔ سلطان محمد دولہائی اور حسین خاں کو اور امرائے ہند میں سے علی خاں فرلی۔ ملک داد کررانی۔ شیخ محمد۔ شیخ بھکاری۔ تاتار خاں اور خاں جہاں کو محمد سلطان مرزا کے ساتھ کر کے ہین کی تنبیہ کے لئے جس نے ساٹھ کے فسلا کے زندہ میں کھنڈ کا محاصرہ کر لیا تھا بھیجا۔ جس وقت یہ فوج گنگا سے پار ہوئی اور ہین کو اس کا آنا معلوم ہوا اس وقت وہ اپنی ہمیر و بنگہ کو چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ یہ فوج اس کے پیچھے خیر آباد تک پہنچی۔ کچھ دن خیر آباد میں ٹھہر وہاں سے واپس آئی۔ خزانے تو ہٹا دیئے تھے مگر ملک تقسیم کرنے کی فرصت نہ ملی تھی اس لئے کہ ساٹھ پر جہاد کرنے کی مہم پیش آگئی۔ اس غزوہ سے فارغ ہو کر ملک اور پرگنوں کو تقسیم کیا۔ چونکہ برسات آگئی تھی اس لئے میں نے حکم دے دیا کہ ہر شخص اپنی اپنی جاگیر میں جائے اور سلطان درست کر کے برسات بعد حضور میں حاضر ہو۔ اس اثناء میں خبر آئی کہ ہمایوں نے دلی پہنچ کر دلی کے خزانوں میں سے کئی کوٹھے بے حکم لے لئے۔ مجھے اس سے ایسی توقع نہ تھی۔ میں نے بہت سخت کلمات اس کو لکھے۔ جمعرات کے دن پندرہویں شعبان کو خواجہ اسد جو عراق کی سفارت پر بھیجا گیا تھا اور سلیمان ترکمان کے ساتھ لایا تھا پھر سفیر ہو کر سلیمان کے ساتھ روانہ ہوا۔ اور اس کے ساتھ شہزادہ ہملہسپ کے لئے بہت سے تحائف بھیجے گئے۔ تروی بیگ خاکسار کو میں نے فقیری چھڑا کر سپاہی بنایا تھا۔ کئی برس وہ ملازمت میں رہا۔ اب پھر اس کے سر میں فقیری کا دھواں گھٹا۔ اس واسطے اس نے رخصت چاہی میں نے رخصت دے دی۔ اور کامران کے پاس سفیر کر کے بھیج دیا۔ تین لاکھ روپے بھی کامران کو بھجوائے جو لوگ اگلے سال کابل چلے گئے تھے ان کے حسب حل ایک قطعہ ملا علی خاں کو مخاطب کر کے لکھا اور تروی بیگ کے ہاتھ ملا کو بھیجا۔ قطعہ جس کا مطلب یہ ہے۔

”جنہوں نے یہاں کے رنج و مصیبت کے خوف اور کلیل کی عمدہ آب و ہوا کے خیال سے ہندوستان چھوڑا تھا ان کو ظاہر عیش و آرام حاصل ہو گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم بھی زندہ ہیں۔ اگرچہ بہت سے رنج اٹھائے اور مصیبتیں میں۔“

یہ رمضان بلغ ہشت بہشت میں گزارا خاص اس لئے کہ تراویح غسل کے ساتھ پڑھی جائے۔ گیارہ برس کی عمر سے آج تک دو عیدیں کسی سال ایک مقام پر

کرنی نصیب نہیں ہوئیں۔ اتفاقاً اگلے رمضان کی عید آگرہ میں ہوئی تھی اس خیال سے کہ جو بہت بندھ گئی ہے اس میں فرق نہ آئے۔ اتوار کی شب کو کہ سلاخ تھی عید کرنے کے لئے میں سیکری گیڈ۔ بلخ فتح کے شمال مشرق کی طرف ایک سنگین چوترہ تیار ہوا تھا۔ اسی پر سفید نمگیر اکھڑا کر کے عید کی نماز پڑھی جس رات میں آگرہ سے سوار ہوا اسی رات میر علی قوری کو شہد حسین کے پاس لٹھے روانہ کیا۔ چونکہ اس کو گنجفہ کا بڑا شوق تھا اور اس نے منگایا بھی تھا اس لئے ایک گنجفہ اس کے لئے بھیجا۔ ذیقعدہ کی پانچویں تاریخ اتوار کے دن علیل ہو گیا۔ سترہ دن بیمار رہا۔ جمعہ کے دن چوبیسویں تاریخ دھولپور کی سیر کے لئے روانہ ہوا۔ رات کو آدھے راستہ پر پہنچ کر سو رہا۔ صبح سلطان سکندر کے بند پر آکر ٹھہرا۔ بند کے آخر میں تمام پہاڑ سرخ پتھر کا ہے۔ جس سے ایک پتھر کا مکان تیار ہو جائے۔ میں نے استاد شہ محمد سنگ تراش کو حکم دیا کہ اگر ایک پتھر کا مکان تراش کر بنا سکو تو بناؤ۔ اور جہاں گڑھا ہو جائے وہاں حوض بنا دو۔ دھولپور سے باری کی سیر کرنے گیا۔ دوسرے دن باری سے سوار ہو اس پہاڑ سے دو جنبل ندی اور باری کے بیچ میں سے ہوتا ہوا اور جنبل کا تماشا دیکھتا ہوا واپس آیا۔ اس پہاڑ میں آبنوس کے درخت دیکھنے میں آئے۔ اس کے پھل کو تیندو کہتے ہیں۔ سنتے تھے کہ آبنوس سفید بھی ہوتا ہے۔ اس پہاڑ میں دیکھا کہ بہت سفید آبنوس ہے۔ باری سے سیکری کی سیر کرتا ہوا میں جمعرات کے دن انتیسویں تاریخ آگرہ میں آیا۔ انہی دنوں میں شیخ بایزید کی نسبت متوحش خبریں سننے میں آئیں۔ سلطان قلی ترک نو بیس دن کی میعاد لگا کر شیخ بایزید کے پاس بھیجا۔ جمعہ کے دن ذی الحجہ کی دوسری تاریخ سے وظیفہ پڑھنا شروع کیا جو آتالیس دفعہ پڑھا جاتا ہے۔ اسی زمانہ میں اپنے اشعار کو دو پائے چار وزنوں میں لکھے تھے مدون کیا۔ ان دنوں میں میری طبیعت پھر علیل ہو گئی۔ نو دن تک ناساز رہی۔ ہفتہ کے دن انتیسویں ذی الحجہ کو کوئل اور سنبل کی طرف روانہ ہوا۔

۹۳۴ھ کے واقعات

حرم کی پہلی تاریخ کو قتل میں ہم پہنچے۔ ہمایوں نے درویش اور علی بے سف و

سنبھل میں متعین کیا تھا۔ انہوں نے ایک دریا سے پار ہو کر قطب خل شروانی اور کئی راجپوتوں کی خوب خبر لی۔ ان کے بہت لوگ قتل کئے۔ کچھ لوگوں کے سر اور کئی ہاتھی حضور میں بھیجے۔ میں کو قتل ہی میں تھا کہ یہ چیزیں پیش ہوئیں۔ دو دن کو قتل کی سیر کی اور شیخ گورن کی استدعا سے اس کے مکان میں ٹھہرا۔ اس نے دعوت بھی کی اور پیش کش بھی کی۔ کو قتل سے اترو لی میں آیا۔ چار شنبہ کو گنگا سے اتر کر منجھنبہ کو سنبھل میں داخل ہوا۔ دو دن تک سنبھل کی سیر کرتا رہا۔ ہفتہ کے دن صبح کو سنبھل سے مراجعت کی۔ یک شنبہ کو سکندرے میں آگیا۔ اور داؤد شروانی کے مکان میں فروکش ہوا۔ اس نے آتش حاضر کی اور وہ بہت خدمت گزاری کرتا رہا۔ وہاں سے اندھیرے منہ سوار ہوا۔ راستہ میں ایک بہانہ کر کے سب سے جدا ہوا۔ اور گھوڑا دوڑا کر آگرہ سے کوس بھر دورے تک تنہا آیا۔ پھر ساتھ والے پیچھے سے آگئے۔ دوپہر بعد آگرہ میں داخلہ ہو گیا۔ محرم کی آٹھویں تاریخ اتوار کے دن مجھے جاڑے سے بخار چڑھا اور بخشیں چھبیں دن تک رہا۔ بے خوابی اور تشنگی سے بہت تکلیف اٹھائی۔ تب روز ترقی پکڑتی جاتی تھی۔ رات کی نیند بالکل اڑ گئی تھی۔ اور رات بھر بے قراری رہتی تھی۔ جو نسخہ تجویز ہوا تھا۔ وہ پیا گیا۔ اور آخر اسی سے آرام ہو گیا۔ ہفتہ کے دن اٹھائیسویں تاریخ نخر جہاں بیگم وغیرہ آئیں۔ کشتی میں سوار ہو سکندر آبلو سے اوپر کی جانب سب سے جا کر ملا۔ اتوار کے دن استبد علی قلی نے بڑی توپ چھوڑی۔ اگرچہ گولا دور تک گیا لیکن توپ کے ٹکڑے اڑ گئے۔ اس کا ہر ٹکڑا ادھر ادھر لوگوں میں جا کر گرا۔ آٹھ آدمی مرے۔ پھر کے دن ساتویں ربیع الاول کو سیکری کی سیر کرتے گیا۔ وہاں کے گلاب میں جو ہشت پہلو چوترا بنانے کا حکم دیا تھا وہ تیار ہو گیا تھا۔ کشتی میں بیٹھ کر چوترا پر گیا۔ شامیانہ کھنچو کر بیٹھا اور معجون کھالی۔ پھر سیکری سے واپس آیا۔

چند یری پر یورش :- چودھویں ربیع الاول شب دو شنبہ کو جلو کی نیت ہے چند یری کی طرف جانے کا قصد کیا۔ تین کوس کی منزل کر کے بلیر میں قیام ہوا۔ سلطان اور اسباب درست کرنے کے لئے دو دن تک یہاں قیام رہا پنج شنبہ کو کوچ کیا اور الودر میں لشکر اترا۔ الودر سے کشتی میں بیٹھ کر میں چند دار میں آیا۔ چندار سے کوچ در کوچ چلے۔ اور پھر کے دن اٹھائیسویں تاریخ کنار کے گھاٹ پر اترے۔ جمعرات کے دن دوسری ربیع الاخر کو میں نے دریا سے عبور کیا۔ چار پانچ دن تک دریا کے اس کنارہ اور

اس کنارہ پر اہل لشکر کے اترنے کے واسطے ٹھہرنا پڑا۔ ان چند دنوں میں متواتر میں کشتی میں سوار ہوا اور مجنوں کا استعمال کیا۔ کنار کے گھاٹ سے چنبل ندی کے طے کی جگہ دو ایک کوس اوپر کی جانب ہے۔ جمعہ کے دن دریائے چنبل میں کشتی میں سوار ہو کر میں چلا اور اس کے طے کی جگہ ہوتا ہوا لشکر میں آیا۔ اگرچہ شیخ یزید نے کھلم کھلا تو کوئی مخالفت نہ کی تھی مگر اس کی ترکیب سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کے دل میں کھوٹ ہے۔ اسی خیال سے محمد علی جنک جنک کو لشکر سے جدا کر کے بھیجا کہ قنوج سے محمد سلطان مرزا کو اور اس کی نواح سے اور امراء (جیسے قاسم سلطان۔ تیمور سلطان۔ ملک قاسم کوئی۔ ابو المہدیہ باز۔ منوچر خاں اور اس کے بھائی بند دریا خاں) کو اکٹھا کرے اور سب مل کر باغی افغانوں پر چڑھائی کریں۔ شیخ یزید کو بلائیں۔ اگر سچے دل سے چلا آئے تو ساتھ لے لیں اور نہ آئے تو پہلے اسی کی خبر لیں۔ محمد علی نے کئی ہاتھی مانگے۔ دس ہاتھی اس کو دیئے۔ محمد علی کے ساتھ بابا چہرہ کو بھی جانے کا حکم دیا۔ کنار سے ایک منزل کشتی میں چلنا ہوا۔ چار شنبہ آٹھویں ربیع الثانی کو کالپی سے ایک کوس پر ڈیرے ہوئے۔ بابا سلطان (سلطان سعید کا سگا بھائی اور سلطان خلیل کا بیٹا) اسی منزل میں حاضر ہوا۔ اگلے برس اپنے بھائی کے پاس سے بھاگا تھا۔ مگر پشیمان ہو کر اندراب کی حد سے الٹا پھر گیا تھا۔ جب وہ کاشغر کے پاس پہنچا تھا تو خان نے حیدر مرزا کو بھیج کر واپس بلا لیا تھا۔ دوسرے دن لشکر کالپی میں پہنچا۔ میں خان عالم کے مکان میں اتر۔ ہندوستانی طرز سے اس نے آتش وغیرہ کی دعوت کی اور نذر دی۔

پیر کے دن تیرہویں تاریخ کالپی سے کوچ ہوا۔ جمعہ کے دن ایرج پور میں لشکر اتر۔ اور ہفتہ کو ہاتھیر میں پہنچا۔ اتوار کے دن انیسویں تاریخ چھ سات ہزار فوج چہین تیمور سلطان کے زیر حکم اپنے سے آگے چندیری کی طرف روانہ کی گئی۔ باقی۔ ملنگ بیٹی۔ تردی بیگ۔ قوچ بیگ۔ عاشق بکاول۔ ملا ایاق۔ محسن دولئی اور شیخ کھورن (امراء ہند میں سے) سردار اس لشکر میں شامل تھے۔ جمعہ کے دن چوبیسویں تاریخ کجوا کے قریب لشکر اتر۔ کجوا والوں کو امن دیا گیا اور کجوا بدر الدین کے بیٹے کو دیا۔ کجوا دلچسپ جگہ ہے۔ اس کے گرد چھوٹے چھوٹے پہاڑ ہیں۔ کجوا سے شمال مشرق کی جانب پہاڑ میں ایک بند باندھا ہے جس سے ایک بڑا تالاب ہو گیا ہے۔ اس کا گرد اولا پنج چھ کوس کا ہو گا۔ اسی تالاب نے کجوا کو تین طرف سے گھیر لیا تھا۔ مغرب اور

شہل کی طرف کسی قدر زمین خشک ہے۔ اسی طرف کبوا کا دروازہ ہے۔ اس تلاب میں ایسی چھوٹی چھوٹی کشتیاں پڑی رہتی ہیں جن میں تین چار آدمی مشکل سے بیٹھیں۔ جب یہاں والے بھاگتے ہیں تو ان کی کشتیوں میں بیٹھ کر پانی میں آجاتے ہیں۔ کبوا کے راستہ میں دو جگہ اسی طرح بند باندھ کر اور دو تلاب بنا دیئے ہیں جو کبوا کے تلاب سے بہت چھوٹے ہیں۔ کبوا میں سے ایک دن ٹھہرا۔ تیل داروں وغیرہ کو حکم دیا گیا کہ راستہ درست کر دیں اور جھاڑی کے درخت کٹ ڈالیں تاکہ توپوں اور چھکڑوں کے لئے رستہ ہو جائے۔ کبوا اور چندیری کے بیچ میں بڑی جھاڑی ہے۔ کبوا سے ایک منزل چل کر چندیری سے تین کوس درے دریائے برہن پور ہم پار ہوئے۔ چندیری کا قلعہ پہاڑ پر ہے۔ شہر کی چار دیوادی پہاڑ سے باہر ہے۔ اور شہر پہاڑ کے اندر بستا ہے۔ ایسا صاف راستہ جس میں چھکڑا وغیرہ چل سکے شہر کی دیوار کے نیچے سے ہے۔ برہن پور سے کوچ ہوا اور اراہوں کے سبب سے چندیری کے کوس بھر نیچے کی جانب جانا پڑا۔ ایک منزل بیچ میں کی۔ منگل کے دن اٹھائیسویں تاریخ حوض بہجت خاں کے کنارہ پر بند کے اوپر کی طرف ڈیرے ڈالے گئے۔ دوسرے دن سوار ہو کر شہر کے گرد قول۔ جرائنغار اور برانغار کے مورچوں کی جگہ مقرر کر دی۔ استد علی قلی نے گولے برسائے کے لئے ایک نیچی جگہ تجویز کی۔ تیل دار محصل معین ہوئے کہ جہاں توپیں کھڑی کی جائیں وہاں مورچے بنا دو۔ تمام اہل لشکر کو حکم دیا کہ بیڑھیاں اور کندیں جو اسباب قلعہ گیری ہیں تیار کر لو۔

چندیری کی حکومت کا مختصر حال :- پہلے چندیری بادشاہان ہندوستان کے تحت میں تھی۔ سلطان ناصر الدین جب مرا تو اس کا ایک بیٹا سلطان محمود مندو کا بادشاہ ہوا جواب وہاں موجود ہے اور دوسرا بیٹا محمد شاہ چندیری کو دبا بیٹھا۔ محمد شاہ نے سلطان سکندر سے التجا کی۔ سلطان نے اپنی بہت سی فوج اس کی مدد کے لئے بھیج دی۔ سلطان سکندر کے بعد سلطان ابراہیم کے زمانہ میں محمد شاہ فوت ہو گیا۔ اس کا خور و سل بیٹا احمد شاہ جانشین ہوا۔ سلطان ابراہیم نے اس سے چندیری چھین لی اور اپنی طرف سے وہاں حاکم مقرر کر دیا۔ جب میں نے سلطان ابراہیم پر فوج کشی کی اور میں دھوپور تک آگیا اور امرائے ابراہیم نے مجھ سے مخالفت کی تو اسی زمانہ میں چندیری کو رانا سانگا نے دبا لیا اور اپنے ایک سردار میدنی راؤ کو دے دی۔

میدنی راؤ سے صلح ہوئی۔ ان دنوں میں میدنی راؤ چار پانچ ہزار فوج ہنود کے ساتھ چندیری میں تھا اور آرائش خان سے اس کی دوستی تھی۔ آرائش خان کو شیخ مگھورن کے ہمراہ بھیج کر اس کی فہمائش کی گئی۔ چندیری کے بدلے میں شمس آباد دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے بھی دو ایک سردار آئے۔ مظلوم نہیں کہ اس کو اعتبار نہ آیا۔ قلعہ پر بھروسہ ہوا۔ مدعا یہ کہ کوئی صلح کی صورت نہ نکلے۔ منگل کے دن جملوی اولائے کی چھٹی کو چندیری پر حملہ کرنے کے لئے بہت خان کے حوض سے ہم نے کوچ کیا۔ اور جو حوض درمیان میں شہر کی فصیل کے قریب تھا اس کے کنارے پر ہمارا لشکر ٹھہرا۔ اسی دن خلیفہ دو ایک خط لئے ہوئے آیا۔ خطوں کا مضمون یہ تھا کہ جو فوج پورب کی جانب گئی تھی وہ دہلی جا کر اندھا دھند لڑی۔ آخر اس نے شکست کھائی۔ اور لکھنؤ چھوڑ توج میں آگئی۔ میں نے دیکھا کہ خلیفہ اس خبر سے سٹپٹایا ہوا ہے۔ میں نے کہا تردد اور اندیشہ واہلیت ہے۔ جو خدا چاہے گا وہ ہو گا۔ چونکہ یہ مہم درپیش ہے اس لئے دم نہ مارو اور خاموش رہو۔ کل اس شہر پر تو حملہ کرتے ہیں بعد اس کے دیکھا جائے گا۔ دشمنوں نے قلعہ کو بھی مضبوط کر لیا تھا۔ اور شہر کی دیوار پر بھی اکا دکا آدمی موجود رہتا تھا۔ رات کو ہر طرف سے ہمارے لشکر والوں کے مقابلہ میں شہر سے لوگ نکلے۔ مگر تھوڑے تھے کچھ معرکہ آرائی نہیں ہوئی۔ سب بھاگ کر قلعہ میں چلے گئے۔

چندیری کی لڑائی اور فتح :- بدھ کے دن جملوی اللولے کی ساتویں کو میں نے حکم دیا کہ فوج آراستہ ہو کر اپنے اپنے مورچوں پر جائے اور لڑائی شروع کر دے۔ جس وقت میں نشان اور نقارہ کے ساتھ سوار ہوں اس وقت ہر طرف کی فوج حملہ کرے۔ مذہبیڑ ہونے تک نقارہ اور علم موقوف رکھ کر استلو علی قلی کی گولہ اندازی کی میں سیر کرنے گیا۔ تین چار گولے مارے۔ یہ مقام پست تھا اور قلعہ کی سنگین دیوار اونچی تھی۔ اس واسطے گولوں نے کام نہ دیا۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ چندیری کا قلعہ پہاڑ پر ہے۔ اس کی ایک سمت کی فصیل دریا کے سبب سے دہری بنائی ہے۔ یہ دہری فصیل پہاڑ سے نیچے ہے۔ یہی جگہ ایسی ہے جہاں سے دھلوا کر سکتے ہیں۔ قول کے چپ دراست اور پاتین خاصہ کے مورچے یہیں تھے۔ لڑائی تو چاروں طرف ہونے لگی مگر ادھر حملہ کے ارادہ سے زور دیا گیا۔ ہر چند ہندوؤں نے فصیل پر سے پتھر پھینکے اور آگ لگا کر پھینکی لیکن ہمارے جواں مرد سپاہیوں نے منہ نہ پھیرا۔ آخر جہاں شہر کی فصیل دہری

فصیل سے ملی ہوئی تھی وہاں سے شاہم نواز بیک اوپر چڑھ گیا۔ دو تین جگہ سے اور سپاہی بھی جو قریب تھے چڑھ گئے۔ دہری فصیل پر جتنی ہندی فوج تھی وہ بھاگ گئی۔ یہ مقام ان سے چھین لیا گیا اوپر کے قلعہ والے بھی زیادہ نہ ٹھہر سکے اور بھاگ نکلے۔

ہمارے بہت سے سپاہی قلعہ پر چڑھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہندو لوگ ننگے ہو کر لڑنے لگے۔ ہمارے اکثر سپاہیوں کے منہ پھیر دیئے اور فصیل پر چڑھ آئے۔ بہت آدمی اس موقع پر مارے گئے۔ ہندو فصیل پر سے جلد اس لئے بھاگ گئے تھے کہ ان کو اپنے اور متعلقوں کے گرفتار ہونے کا خوف ہو گیا تھا۔ بال بچوں کو قتل کر اپنے مرنے کی ٹھان ننگے ہو کر لڑنے کے لئے آ موجود ہوئے۔ ہماری فوج نے بھی اور انہوں نے بھی دل توڑ کر لڑنا شروع کیا۔ آخر فصیل پر سے ان کو بھگا دیا۔ دو سو تین سو ہندو میدنی راؤ کے محل میں گھس آئے۔ یہاں اکثروں نے ایک دوسرے کو قتل کیا۔ چنانچہ ایک تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اور دوسروں میں سے ایک ایک نے خوشی خوشی اس کے آگے گردن رکھ دی اس طرح بہت ہندو مارے گئے۔ عنایت الہی سے ایسا قلعہ بے علم و نقارہ لائے اور بغیر سخت لڑائی کے دو تین گھڑی میں فتح ہو گیا۔ چندیری کے غرب و شمال میں جو پہاڑ ہے اس پر مقتولوں کے سروں کا کلمہ منارہ چنوا دیا گیا۔ اس فتح کی تاریخ کا مادہ فتح دارالحرب نکلا۔ میں نے اس کو یوں موزوں کیا۔ تاریخ

بود	چندے	مقام	چندیری
پرز	کفار	داو	حربی
فتح	کردم	بہ	قلعہ
گشت	تاریخ	فتح	دارالحرب

چندیری کا مختصر حال :- چندیری عمدہ ملک ہے۔ اس کی نواح میں بہت آبشاریں ہیں۔ اس کا قلعہ پہاڑ پر ہے۔ قلعہ میں پتھر کا ایک بڑا حوض بنا ہوا ہے۔ جس دہری

فصیل کے مقام سے ہم نے حملہ کیا ہے وہاں بھی ایک بڑا حوض ہے۔ شر کے تمام شرفا اور مقدور داروں کے مکانات تو ترشے ہوئے پتھر سے بنے ہوئے ہیں اور غربا کے مکان بھی پتھری کے ہیں۔ اتنا ہے کہ غریبوں کے مکان تراشیدہ پتھر کے نہیں ہیں۔ کپہرل کی جگہ چھتیں سلوں سے پٹی ہوئی ہیں۔ قلعہ کے سامنے تین بڑے حوض ہیں۔ اگلے حاکموں نے ادھر ادھر بند باندھ کر اونچے مقاموں پر یہ حوض بنا دیئے ہیں۔ ایک ندی ہے جس کو نبنوی کہتے ہیں۔ یہ ندی چندیری سے تین کوس پر ہوگی۔ اس کا پانی مزے اور عمدگی میں مشہور ہے۔ وہ ایک خاصا چھوٹا دریا ہے۔ اس میں مکان بنانے کے قابل ایک ٹیلا ہے۔ چندیری آگرہ سے نوے کوس جنوب میں ہے۔ چندیری میں ارتفاع حدی پچیس درجہ کا ہے۔ دوسرے دن جمعرات کو قلعہ سے کوچ ہوا اور ملو خاں کے حوض کے قریب لشکر اترا۔ آگرہ سے چلتے وقت میری نیت تھی کہ چندیری فتح ہو جانے کے بعد رائے سین کے ملک اور راؤ سکھدین کے ملک پر جو۔ یلہ اور سارنگ پور ہے چڑھائی کروں گا۔ ان کو مار لوں گا تو پھر چتور میں رانا ساگا کے سر پر جادو محکموں گا۔ مگر پورب کی پریشان خبریں سن کر امراء سے مشورہ کیا۔ باتفاق آرا پورب کے باغیوں کی سرکوبی زیادہ مناسب معلوم ہوئی۔ چندیری احمد شاہ کو جو سلطان ناصر الدین کا پوتا تھا۔ دے دی اور پچاس لاکھ کا ملک چندیری کے علاقہ میں داخل خالصہ کر لیا گیا اور ملا آفاق کو وہاں کا مستدار کر دیا۔ دو تین ہزار فوج کی چھاؤنی احمد شاہ کی مدد کے لئے وہاں ڈال دی گئی۔

پورب کے باغیوں پر یورش اور فتح :- اس جانب سے فارغ ہو کر اتوار کے دن گیارہویں جمادی الاولیٰ کو مراجعت کے قصد سے ملو خاں کے حوض پر سے اٹھ کر دریائے برہان پور کے کنارہ پر ڈیرے ہوئے پھر باندیر سے ایک آدمی آتکھ خواجہ اور جعفر خواجہ کے پاس بھیجا۔ اور کہلا بھیجا کہ کالپی سے کنار کے گھاٹ پر کشتیاں لے آؤ۔ ہفتہ کے دن چوبیسویں تاریخ کنارہ پر ٹھہر کر میں نے حکم دیا کہ لشکر عبور کرنا شروع کرے۔ ان دنوں میں خبر آئی کہ ہماری فوج نے قنوج کو بھی چھوڑ دیا۔ وہ رابری میں

آگنی ہے۔ جس آہلو کو ابو الحمد نیزہ ہانے مستحکم کر لیا تھا۔ مگر دشمنوں کی فوج کثیر نے حملہ کر کے چھین لیا۔ لشکر کے عبور کرنے کے واسطے تین چار دن دریا کے اس طرف اور اس طرف قیام کرنا پڑا۔ دریا سے پار ہو منزل در منزل قنوج کی طرف ہم چلے۔ قزاقوں کا ایک دستہ دشمنوں کی من گن لینے کے لئے آگئے روانہ کیا۔ قنوج ان سے دو تین کوس کے فاصلہ پر رہا ہو گا جو خبر آئی کہ اس دستہ فوج کے سپاہی دکھائی دیتے ہی قنوج سے معروف کا بیٹا بھاگ نکلا اور ہارید بین اور معروف ہمارے آنے کی من کر گنگا کے پار ہو قنوج کے قریب گنگا کے شرقی کنارہ پر رستہ روکنے کے خیال سے پڑے ہوئے ہیں۔ جمہرات چھٹی جملوی الاخریٰ کو قنوج سے چلے اور گنگا کے غری کنارہ پر ہم اترے۔ ہماری فوج کے کچھ سپاہی گئے اور مخالفوں کی کشتیاں زبردستی چھین لائے۔ تیس چالیس کشتیاں چھوٹی بڑی ادھر ادھر سے ہاتھ لگیں۔ میر محمد جاربہ کو حکم دیا کہ جائے اور پل باندھنے کے لئے مناسب جگہ تجویز کرے۔ جہاں لشکر پڑا ہوا تھا وہاں سے کوس بھر نیچے کی جانب عمدہ جگہ تجویز کر کے وہ آیا۔ پل باندھنے کا سامان واسباب مہیا کرنے کے لئے محصل مقرر کئے۔ جس جگہ پل باندھنے کی تجویز ہوئی تھی اس جگہ استلو علی قلی نے ایک توپ لاکھڑی کر دی اور گولے مارنے شروع کر دیئے۔ مغرب کے بعد بلا سلطان اور درویش سلطان دس پندرہ آدمی کو ساتھ لے اور کشتی میں بیٹھ بے دیکھے بھالے پار چلے گئے۔ یہ بے لڑے بھڑے واپس آئے۔ میں نے ان کی اس حرکت پر ان کو بہت جھڑکا دو ایک بار ملک قاسم مغل مع کچھ سپاہیوں کے کشتی میں بیٹھ کر پار ہو گیا۔ اس سے خفیف سی لڑائی بھی ہوئی۔ جہاں پل باندھ رہے تھے وہاں سے نیچے کی طرف توپوں کے ارابوں میں سے ایک ارابہ اتار دیا اور ایک ٹاپو میں جا کر وہاں سے گولے مارنے شروع کئے۔

پل سے اوپر کی جانب مورچے باندھ دیئے۔ مورچوں کی دیواروں پر سے بندوقیوں نے گولیاں برسائیں۔ آخر دھوا کر کے تھوڑے سے آدمیوں سے ملک قاسم نے دشمنوں کو مار کر خیموں تک ہٹا دیا۔ دشمن کے بہت سے سپاہی ایک ہاتھی سمیت ان پر حملہ آور ہوئے اور ان کو پیچھے ہٹایا یہ لوگ کشتی میں آگئے۔ کشتی کے روانہ ہوتے ہوتے ہاتھی نے آکر کشتی ڈبو دی۔ ملک قاسم اس لڑائی میں کلام آیا۔ پل باندھنے تک کے زمانہ میں استلو علی قلی نے خوب گولہ باری کی۔ پہلے آٹھ گولے مارے۔

دوسرے دن اٹھارہ گولے مارے۔ تین چار دن تک اسی طرح گولے مارتا رہا۔ یہ گولے غازی نام توپ سے مارے تھے۔ اسی توپ سے سانگا کی لڑائی میں کام لیا تھا۔ اور لڑائی فتح ہونے کے سبب سے اس کا نام غازی رکھا تھا۔ ایک توپ اس سے بڑی تھی۔ ایک ہی وفد چھٹ کر وہ پھٹ گئی۔ بندو قیوں نے بھی گولیوں کی بوچھاڑ خوب رکھی۔ بہت لوگ اور بہت گھوڑے گرائے۔ پل تیار ہوتے ہی بدھ کے دن انیسویں جملوی الاخریٰ کو ہمارے ڈیرے پل کے پاس آ پڑے۔ افغانوں نے پل باندھنے پر بڑے قہقہے مارے۔ جہرات کو پل بالکل تیار ہو گیا۔ پنجابی فوج کے کچھ سپاہی پل سے اترے۔ کسی قدر لڑائی بھی ہوئی۔ جمعہ کے دن فوج خاص۔ قول کے دست راست اور دست چپ میں سے کچھ سپاہی اور بندو قی پل سے اترے۔ افغانوں نے مسلح ہو کر اور ہاتھوں کو ساتھ لے کر ہم پر حملہ کیا کہ ایک وفد ہی ہمارے دست چپ والوں کے پاؤں اکھیڑ دیئے۔ قول اور دست راست والے قائم رہے اور انہوں نے دشمنوں کو مار ہٹا دیا۔ دو آدمی ہماری فوج میں سے جدا ہو کر دور رہ گئے تھے ان کو آن گھیرا۔ ایک کو تو گرفتار کر لیا۔ دوسرے کو اس کے گھوڑے سمیت خوب مارا۔ اس کا گھوڑا گرتا پڑتا اپنے لشکر میں آن ملا۔ اسی دن ہمارے سپاہی سات آٹھ آدمیوں کے سر کاٹ لائے۔ دشمنوں کے بہت لوگ تیروں اور بندو قیوں سے زخمی ہوئے۔ ظہر کے وقت تک ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ شام ہوتے ہی پل پر سے اترنے والی فوج کو پلنا لیا۔ اگر اس رات وہیں رہ جاتے تو احتمال تھا کہ اکثر لوگ گرفتار ہو جاتے۔ مجھے خیال آیا کہ اگلے برس ہفتہ کو نوروز ہوا تھا۔ اسی دن سیکری سے سانگا کی لڑائی کے لئے میں نے کوچ کیا تھا اور فتح پائی تھی۔ اس سال چار شبہ کو نوروز کے دن ان دشمنوں کے مقابلہ کے واسطے روانگی کا قصد کیا ہے۔ اگر اتوار کو میری فتح ہو جائے تو عجیب بات ہے۔ اسی واسطے ایک کو بھی پل کے پار نہ ہونے دیا۔

ہفتہ کے دن غنیم مقابلہ پر نہ آیا۔ دور ہی دور رہا۔ آج میں نے ارابے پار اترا دیئے۔ فوج کو حکم دیا کہ صبح لوگ عبور کرنا شروع کر دیں۔ نقارہ کے دقت خبر آئی کہ غنیم بھاگ گیا۔ چین تیمور سلطان کو حکم دیا کہ لشکر تیار کر کے غنیم کے تعاقب میں جائے۔ محمد علی جنک جنک جسام الدین علی خلیفہ۔ محب علی خلیفہ۔ کوکی۔ بابا قشقہ۔ دوست محمد۔ بابا تاشقندی اور دلی قربلاش کو حکم دیا کہ سلطان کے ساتھ جاؤ اور سلطان

حکم مانتے رہے۔ رات کو میں بھی دریا سے پار اتر۔ اونٹوں کے لئے حکم ہوا کہ وہ اس گھاٹ کے نیچے کی جانب سے اتریں جو تجویز ہوا ہے۔ اتوار کے دن ہم سن کر مود سے ایک کوس کے فاصلہ پر ایک بڑے دریا کے کنارے پر اترے۔ جو فوج دشمن کے پیچھے پیچھے جانے والی تھی وہ تیار نہ ہوئی تھی۔ آج ظہر کے وقت وہ فوج سکر مود سے روانہ ہوئی۔ دوسرے روز سکر مود والے تلاب پر لشکر اتر۔ آج ہی تو غنیمہ بونغان سلطان (میرے چھوٹے دادا کا بیٹا) مجھ سے آکر ملا۔ ہفتہ کے دن انتیسویں جمادی الاخریٰ کو لکھنؤ کی سیر کر کے دریائے گومتی سے پار ہم اترے۔ میں دریائے گومتی میں نہایا۔ نہ معلوم کلاں میں پانی چلا گیا یا ہوا لگی۔ کسی سبب سے میرا سیدھا کلاں گنگ ہو گیا۔ مگر چند روز رہا۔ اور بہت درد نہیں ہوا۔ چمن تیمور سلطان لشکر سے دو تین منزل آگے گیا ہو گا کہ اس نے کھلا بھیجا غنیم سرود دریا کے اس طرف پڑا ہوا ہے۔ جلدی ملک بھیجے۔ ایک قزاق سردار ہزار آدمیوں کے ساتھ قول میں سے مدد کے لئے روانہ کیا۔ ہفتہ کے دن ساتویں رجب کو اودھ سے دو تین کوس اوپر کی جانب گھاگرا اور سرود دریاؤں کے ملنے کی جگہ لشکر کا قیام ہوا۔

سرود دریا کے پار اودھ کے سامنے آج تک شیخ بازید پڑا رہا اور سلطان سے خط و کتابت میں گفتگو کرتا رہا۔ سلطان اس کی چال سمجھ گیا۔ ظہر کے وقت اس نے پار ہونے کا انتظام کیا۔ اور ارادہ کر لیا کہ انتظام ہوتے ہی پار ہو جائیں گے۔ اول کوئی پچاس سوار اور اور تین چار ہاتھی اودھ روانہ کئے۔ دشمن نہ ٹھہر سکا۔ بھاگ نکلا۔ ان لوگوں نے چند آدمیوں کے سرکٹ لئے۔ چمن تیمور سلطان۔ تروی بیک۔ قوچ بیک۔ بابا چہرہ اور باقی شقاول وغیرہم بھی ان کے بعد جا پہنچے آگے اترنے والوں نے شیخ بازید کو آگے رکھ لیا۔ شام تک اس کا پیچھا کیا۔ آخر شیخ بازید تو بن میں جا گھسا اور یوں اس نے اپنا پیچھا چھڑایا۔ چمن تیمور سلطان شام کو دریا کے کنارے پر ٹھہرا۔ پھر آوی رات کو سوار ہو کر غنیم کے پیچھے گیا۔ چالیس کوس کا راستہ طے کر کے جہاں غنیم کا پڑاؤ تھا۔ وہاں پہنچا۔ لوگ بھاگ گئے تھے یہاں سے فوج کی ٹکڑیاں الگ الگ ہو کر چاروں طرف چلی گئیں۔ باقی شقاول کچھ سپاہیوں کو ہمرا لے دشمن کے پیچھے چلا۔ ان کے پڑاؤ پر پہنچا اور ان کے بال بچے گرفتار کر لایا۔ یہاں کے انتظام کے لئے چند روز اسی منزل میں قیام رہا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ اودھ سے سات آنھ کوس اوپر کی جانب سرود دریا کنارے

پر ایک عمدہ شکار گاہ ہے۔ میں نے میر محمد جلد بان کو گھاٹ دریافت کرنے بھیجا۔ وہ دریائے گھاگرا اور سرود کے گھاٹوں کو دیکھ آیا جسرات کے دن بارہویں تاریخ شکار کھیلنے کے لئے میں سوار ہوا۔

۹۳۵ھ کے واقعات

جمعہ کے دن محرم کی تیسری تاریخ عسکری آیا۔ اور خلوت خانہ میں اس نے ملازمت حاصل کی۔ میں نے اسے ملتان کی ضرورت کے لئے بلایا تھا۔ دوسرے دن میر سورخ۔ مولانا شہاب الدین معالیٰ اور میر ابراہیم قانونی (یونس علی کا قرابت دار) جو مدت سے میرے ملنے کے لئے ہری سے چلے آئے تھے مجھ سے ملے۔

گوالیار کی سیر کو جانا۔ پانچویں تاریخ اتوار کے دن عصر کے وقت گوالیار کی سیر کے خیال سے جس کو کتابوں میں کالیور لکھا ہے جتنا سے پار ہو کر آگرہ میں آیا۔ فخر جہاں بیگم اور خدیجہ بیگم کا ارادہ ان دو تین ہی دن میں کابل جانے کا تھا۔ ان کو رخصت کیا اور میں سوار ہو گیا۔ محمد زمان مرزا اجازت لے کر آگرہ میں رہ گیا۔

میں رات کو پانچ کوس کی منزل طے کر کے ایک بڑے تلاب کے کنارے پر اترا اور سو رہا۔ صبح کی نماز اول وقت پڑھ کر سوار ہو گیا۔ کیسرندی کے کنارہ پر دوپہر گزاری۔ ظہر کے وقت وہاں سے چل کھڑا ہوا۔ ملا رافع نے جو سنوف کیف کے لئے تیار کیا تھا وہ تلورقان کے ساتھ پھانکا۔ بہت ہی بد مزہ معلوم ہوا۔ عصر کے بعد ہم دھوپور پہنچے۔ دھوپور سے کوس بھر مغرب کی جانب جس باغ کو تیار کروایا تھا اس میں اترے۔ اس جگہ پہاڑ کی پوری بنی گاہ ہے اور یہ بنی گاہ ساری سنگ سرخ کی اور ایک پتھر کی ہے جو قابل مکان بنانے کے ہے۔ میں نے حکم دیا تھا کہ اس پہاڑ کو کھود کر زمین تک پہنچا دو۔ اگر ایک پتھر اتنا اونچا رہے کہ ایک پتھر کا ترشا ہوا مکان بن سکے۔ تو بناؤ اور اگر اتنا بلند نہ ہو تو اس پتھر کا ایک حوض بنا لو۔ اتنا اونچا پتھر نہ نکلا کہ مکان بن جاتا۔ استاد شاہ محمد سنگ تراش کو حکم دیا کہ ایک مٹھن حوض اس پتھر پر جو صحن ہو گیا ہے تیار کرو۔ تاکید کی گئی کہ سنگ تراش جلدی جلدی کام کریں۔ اس جگہ کے شمال میں آم۔ جامن اور دوسرے قسم کے بہت درخت ہیں۔ ان درختوں میں ایک وہ درہ

لنواں تیار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ کنواں تیار ہونے کو تھا۔ اسی کنوئیں سے حوض میں پانی جائے گا۔ اس حوض کے مغرب میں سلطان سکندر والا بند تھا۔ بند پر سلطان کے بنائے ہوئے مکان ہیں۔ بند کے اوپر بڑا تلاب بن گیا ہے۔ جس میں برسات کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ تلاب کے گرد پہاڑ ہے۔ اس تلاب کے مشرق کی طرف ایک پتھر کا چوترہ تیار کرنے کے لئے میں نے حکم دیا۔ اس کے مغرب میں ایک مسجد بنانے کے لئے کہہ دیا۔ سہ شنبہ اور چہار شنبہ کو اسی کلام کے واسطے ٹھہرا رہا۔

پنج شنبہ کو سوار ہو گیا۔ دریائے چنبل سے اتر کر ظہر کی نماز دریا کے کنارہ پر پڑھی اور عصر کے درمیان میں چنبل کے کنارہ سے چلا اور مغرب و عشاء کے درمیان میں کواری ندی سے پار ہو کر مقام کیا۔ بارش کی وجہ سے دریا چڑھا ہوا تھا۔ گھوڑے تیر کر اور میں کشتی میں بیٹھ کر پار ہوا۔ دوسرے دن جمعہ کو عشرہ تھا۔ یہاں سے کوچ کیا اور دوپہر ایک گاؤں میں کٹی۔ عشاء کے وقت گوالیار میں داخل ہوا۔ اگلے سال میں نے شہر کے شمال میں کوس بھر کے فاصلہ پر ایک چار باغ تیار کرنے کا حکم دیا تھا اسی میں میں اترا۔ دوسرے دن ظہر سے پہلے سوار ہوا اور شہر کے شمال میں جو پہاڑ ہیں ان کی اور عید گاہ کی سیر کی۔ شہر کے ہتیا پول دروازہ سے جس کے قریب راجہ مان سنگھ کے محلات ہیں شہر میں آیا۔ وہاں سے راجہ بکماجیت کے محلوں میں جن میں رحیم دادا رہتا ہے عصر کے بعد آکر ٹھہرا۔ رات کو تھکان رفع ہونے کے لئے میں نے افیون کھالی۔ دوسرے دن افیون کے نشہ نے بہت تکلیف دی۔ کئی بار قے ہوئی۔ بلوچ اس نشہ کے مان سنگھ اور بکماجیت کے تمام محلوں میں پھر کر میں نے سیر کی۔ عجیب مکانات ہیں۔ اگرچہ بے ڈول ہیں مگر سب پتھر کے ترشے ہوئے۔ سب سے راجہ مان سنگھ کے محل عمدہ اور عالی شان ہیں۔ مان سنگھ کے محل کے اور اضلاع کی نسبت شرقی ضلع بڑا پر تکلف ہے۔ اس کی بلندی تخمیناً چالیس پیاس گز ہوگی۔ سب عمارت پتھر کی ترشی ہوئی ہے۔ اوپر چونا پھرا ہوا ہے۔ بعض جگہ جو منزلہ مکان ہے۔ اور اس کے نیچے کی منزل میں اندھیرا گھپ ہے۔ بہت دیر ٹھہرنے کے بعد ذرا اجلا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے شمع کی روشنی میں سیر کی۔ اس عمارت کے ہر ضلع میں پانچ برج ہیں۔ ہر برج میں چار طرف ہندوستانی طریقہ سے چار برجیاں ہیں۔ ان پانچوں پر سنہری کلیں ہیں۔ ان کی دیواروں پر باہر کی طرف سبز چینی کا کلام کیا ہوا ہے۔ اس کے گرد منبر چینی سے

کیلوں کے درخت بنا دیئے ہیں۔ شہر ضلع کے برج ہیں ہتیا پول ہے۔ ہندی میں فیل کو ہاتھی اور دروازہ کو پول کہتے ہیں۔ دروازہ کے باہر کے رخ پر ہاتھی کی سنگین مورت کھڑی کر دی ہے۔ اور اس پر ہاتھی بن بھی بیٹھا ہوا ہے۔ یہ مورت بالکل ہاتھی معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے اس کو ہتیا پول کہتے ہیں۔

جو چو منزلہ مکان ہے اس کے نیچے کی منزل ہاتھی پر اتنی جھکی ہوئی ہے کہ ہاتھی اس سے ملا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اوپر کی منزل میں وہ برج ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ دوسری منزل میں نشست کی جگہ ہے۔ یہ بھی جگہ جگہ سے جھکے ہوئے بنائے ہیں۔ اگرچہ اور نکلفات ہندوستانی طرز کے کئے ہیں مگر مکان گھٹے ہوئے ہیں۔ راہ مان سنگھ کے بیٹے بکما جیت کے محل قلعہ کے محل میں ایک جگہ کے بیچ میں ہیں۔ بیٹے کی عمارت باپ کی عمارت جیسی نہیں ہے۔ یہاں ایک بڑا برج بنا دیا ہے۔ جس میں اتنا اندھیرا ہے کہ بہت دیر ٹھہرے رہنے کے بعد روشنی معلوم ہوتی ہے۔ اس بڑے گنبد کے نیچے ایک چھوٹا سا مکان ہے۔ اس تاریک مکان میں کہیں روشنی نہیں آتی۔ رحیم داو نے اسی برج میں ایک چھوٹا سا دالان بنایا ہے۔ رحیم داو اسی بکما جیت کے محل میں رہتا ہے۔ بکما جیت کے محل میں سے اس کے باپ کے محل میں جانے کا راستہ ہے۔ مگر اندر ہی اندر ہے۔ باہر سے معلوم نہیں ہوتا۔ یہ راستہ کہیں کہیں سے روشن بھی ہے۔ خاصہ راستہ ہے۔ ان عمارتوں کی سیر کرنے کے بعد رحیم داو نے جو مدرسہ بنایا ہے میں اس میں گیا۔ رحیم داو نے قلعہ کے جنوب میں ایک بھی بنایا ہے۔ تالاب کے کنارہ پر اس کی بھی میں نے سیر کی۔ گلاب اور سرخ کنیر بہت عمدہ ہوتا ہے۔ یہاں کی کنیر کے پھول کا رنگ گل شفتالو ہوتا ہے۔ گوالیار کا لال کنیر بڑا ہی خوش رنگ ہوتا ہے۔ میں نے گوالیار کا کنیر آگرہ کے باغ میں بھی لگایا۔

عالی شان بت خانہ :- اس پہاڑ میں ایک جانب بڑا تالاب ہے۔ برساتی پانی اس میں جمع ہوتا ہے۔ تالاب کے مغرب میں ایک عالی شان بت خانہ ہے۔ سلطان شمس الدین اتش نے اس بت خانہ کے پہلو میں ایک مسجد بنائی ہے۔ یہ بت خانہ اتنا بلند ہے کہ قلعہ میں اس سے اونچی کوئی عمارت نہیں ہے۔ دھولپور کے پہاڑ پر سے گوالیار کا قلعہ اور یہ بت خانہ خوب نظر آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس بت خانہ کا سارا پتھر اسی تالاب کو کھود کر لیا ہے۔ باغ میں ایک چوٹی والاں ہے۔ پست تو ہے مگر بڑا ہے۔ اس بارغ میں

ہندوستانی قطع کے یہودہ مکانات بنے ہوئے ہیں۔

قلعہ کے باہر کی عمارتیں :- دوسرے دن ظہر کے وقت گوالیار کے قاتل دید مقامات کی سیر کرنے کے لئے سوار ہوا۔ قلعہ کے باہر کی عمارت جس کا نام بارل کر ہے دیکھی۔ ہتیا پول دروازہ سے نکل اود نام مقام کی سیر کی۔ اود نام جس جگہ کا نام ہے وہ قلعہ کے مغرب میں ایک درہ ہے۔ اگرچہ یہ درہ قلعہ کی اس فصیل سے جو پہاڑ پر ہے۔ باہر سے مگر اسی درہ کے منہ پر دہری فصیل بنا دی ہے۔ اس فصیل کی بلندی تیس چالیس گز کی ہو گی۔ اندر کی فصیل بہت لمبی ہے۔ یہ فصیل اس طرف اور اس طرف کی فصیل سے جا ملی ہے۔ اس فصیل کے بیچ میں اس سے نیچی ایک اور فصیل بنا دی ہے۔ یہ فصیل پوری نہیں ہے۔ صرف حفاظت کے لئے کسی قدر بنائی ہے۔ اس تفصیل کے اندر ایک باؤلی ہے۔ دس پندرہ میڑھیوں کے نیچے بنی ہے۔ باؤلی والی فصیل اور بڑی فصیل سے اس میں پانی آتا ہے۔ اس کے دروازہ پر سلطان ٹمس الدین اتش کا نام پتھر کھود کر لگا دیا ہے۔ ۷۷۳ھ لکھے ہوئے ہیں۔ باہر کی فصیل کے نیچے قلعہ کے باہر بڑا تلاب ہے۔ اس میں پانی کم رہتا ہے۔ غالباً اس کا پانی اود کے پانی میں چلا جاتا ہے۔ اود اور اس بڑے تلاب کے بیچ میں اور تلاب ہیں۔ شہر والے ان تلابوں کے پانی کو سب سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اس اود کی تین طرفوں اور بڑے تلاب کے قریب ایک پہاڑ ہے جس کے پتھر کا رنگ بیاضہ کے پتھر جیسا سرخ نہیں ہے۔ بلکہ ایک بدرنگ پتھر ہے۔ اود کے اطراف کے پہاڑ کا ایک ٹکڑا تراش کر چھوٹے بڑے بتوں کی صورتیں بنائی ہیں۔ اس کے جنوب میں ایک بڑے بت کی صورت ہے۔ جو تقریباً بیس گز کی ہو گی۔ ان سب بتوں کو چم ننگا بنایا ہے۔ ان دو بڑے تلابوں کے بیچ میں اود کے اندر پانی کنویں بنائے ہیں۔ اس میں چمن بندی بھی کی ہے۔ پھلواری لگائی ہے۔ یہ منوں میں انہی کنوؤں سے پانی دیا جاتا ہے۔ اود دلچسپ جگہ ہے۔ اتنا عیب ہے کہ چاروں طرف اس میں بت ہی بت ہیں۔ میں نے حکم دیا کہ ان بتوں کو توڑ ڈالو۔ اود سے پھر میں قلعہ میں آیا۔ سلطانی پول ہو ہنود کے عہد حکومت سے آج تک بند ہے۔ اس کی سیر کی۔ شام کو رحیم داد کے باغ میں آیا۔

بلکہ بحیثیت پسر رانا ساٹگا سے مصالحت :- سہ شنبہ چودھویں تاریخ رانا ساٹگا کے سرے بیٹے بکماجیت کے پاس سے جو اپنی ماں پدماوتی کے ساتھ قلعہ رنتھپور میں تھا

لوگ آئے۔ جب میں گوالیار آنے لگا ہوں تو اس سے پہلے اشوک و کماہجیت کا ایک معتبر سردار ہے) کے پاس سے اطاعت اور خدمت گزاری کے پیغام آئے تھے اور ستر لاکھ کے ملک عطا کرنے کی استدعا کی تھی۔ ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ اگر رننہپور کا قلعہ خالی کر دے تو اس کی خواہش کے موافق جاگیر و اگذاشت کر دی جائے گی۔ یہ بات مقرر کر کے اس کے آدمیوں کو رخصت کر دیا تھا۔ اور چونکہ میں گوالیار جا رہا تھا اس لئے کہہ دیا تھا کہ فلاں دن گوالیار میں حاضر ہو۔ یہ لوگ وقت مقررہ سے کئی دن پیچھے آئے۔ اسواک پدموتی کا رشتہ دار ہے۔ اس نے یہ کیفیت دونوں ماں بیٹوں سے بیان کی۔ دونوں نے اسواک سے متفق رائے ہو کر اطاعت اور شرط قبول کر لی۔ رانا سانگا کے پاس سلطان محمود کا ایک تاج۔ کلاہ زریں کمر بند تھا۔ جب اس نے سلطان محمود کو پکڑا ہے تو یہ چیزیں لے کر چھوڑ دیا۔ وہ تاج وغیرہ کماہجیت کے پاس تھا۔ اس کے بڑے بھائی نے جواب اپنے باپ رانا کا جانشین ہے اور چتور پر قابض ہے۔ ان چیزوں کے بھیجنے اور رننہپور کے بدلے میں بیانیہ لینے کو کہلا بھیجا۔ میں نے بیانا دینا تو منظور نہ کیا مگر شش آباد عوض میں دینا قبول کر لیا۔ اسی دن کماہجیت کے آدمیوں کو خلعت دے کر رخصت کیا اور کہہ دیا کہ نو دن میں بیانیہ آ جاؤ۔

گوالیار کا بت خانہ :- میں نے اس بلغ سے سوار ہو کر گوالیار کے بت خانہ کی سیر کی۔ بت خانہ میں بعض جگہ دہرے اور بعض جگہ ترے والان ہیں۔ مگر اگلی وضع کے نیچے نیچے۔ ان کے ازارہ کے پتھروں میں مجسم بت کندہ کئے ہوئے ہیں۔ بت خانے کے بعض ضلعے مدرسوں کی وضع کے ہیں۔ صدر مقام میں ایک بڑا اونچا برج ہے جس کے حجرے ایسے ہیں جیسے مدرسوں کے حجرے ہوتے ہیں۔ ہر حجرے کے اوپر پتھر کی تراشی ہوئی چھوٹی چھوٹی برائیاں ہیں۔ حجروں میں نیچے کی جانب پتھروں میں بت تراشے ہیں۔ ان مقاموں کی سیر کر کے گوالیار کے غربی دروازہ سے نکل قلعہ گوالیار کے جنوب میں ہوتا ہوا رحیم داد کے چار بلغ میں چوتھا پول دروازہ کے سامنے ہے۔ آکر ٹھہرا۔ رحیم داد نے نیافت کا سامان کر رکھا تھا۔ عمدہ عمدہ کھانے کھلائے اور بہت کچھ نذر کیا۔ آقیا چالیس لاکھ کا نقد و جنس پیش کیا۔ شام کو میں یہاں سے اپنے چار بلغ میں آ گیا۔

آبشار :- بدھ کے دن پندرہویں تاریخ ایک آبشار کی سیر کی۔ یہ مقام گوالیار کے جناب مشرق میں چھ کوس کے فاصلہ پر ہو گا۔ میں فرو گاہ سے بہت رات سے سوار ہوا

تھا۔ آبشار پر ظہر کے بعد پہنچنا ہوا۔ اس آبشار کی کیفیت یہ ہے کہ ایک پہاڑ کے اونچے ٹکڑے سے جو گاچی کے برابر اونچا ہو گا ایک آسیا سے کچھ زیادہ مقدار پانی گرتا ہے۔ جہاں پانی گرتا ہے وہاں نیچے کو خاصہ تلاب بن گیا ہے۔ اس آبشار کے اوپر پہاڑ کے ٹکڑے سے پانی ایک دفعہ گرتا ہوا آتا ہے۔ جس جگہ پانی گرتا ہے اس جگہ کے نیچے پتھر کی چٹان ہے۔ اس چٹان سے پانی اس طرح گرتا ہے کہ جگہ جگہ گڑھے ہو گئے ہیں۔ پانی بننے کے مقام کے کناروں پر چٹانیں ہیں جو بیٹھنے کے لائق ہیں۔ یہ پانی ہمیشہ جاری نہیں رہتا۔ اس حجرے پر بیٹھ کر میں نے مجھون کھائی۔ پھر اوپر جا کر اس جگہ کو دیکھا جہاں سے پانی بہنا شروع ہوا۔ وہاں کی سیر کر کے ہم پلٹے اور ایک ٹیکرے پر دیر تک بیٹھے رہے۔ سازندے ساز بجانے لگے اور گویے گانے لگے۔ ہمراہیوں میں سے جنہوں نے آبنوس (جس کو اہل ہند تیندو کہتے ہیں) نہ دیکھا تھا اس کو دکھایا۔ وہاں سے اٹھے اور پہاڑ کے نیچے آئے۔ مغرب اور عشاء کے درمیان میں کوچ کر دیا۔ آدھی رات کو ایک مقام پر میں سو رہا۔ پھر دن چڑھا ہو گا جو چار باغ میں آگیا۔ جمعہ کے دن سترہویں تاریخ سوقچہ نام ایک گاؤں کی (جو صلاح الدین کا وطن ہے) اور گاؤں کے اوپر کی جانب کے باغ لیموں وغیرہ (جو پہاڑ اور پہاڑ کی گھاٹی کے درمیان میں ہے) کی سیر کی۔ پھر بھر کے بعد وہاں سے چار باغ میں آگیا۔ اتوار کے دن انیسویں کو اندھیرے منہ چار باغ سے سوار ہوا۔ اور کواری ندی سے اتر ایک جگہ پر دوپہر گزاری۔ ظہر کے وقت چل کھڑا ہوا جھینٹا تھا کہ چنبل ندی سے عبور کیا۔

مغرب اور عشاء کے بیچ میں داخل دھولپور ہوا۔ ابو الفتح نے چراغ تمام بتایا ہے اس کی سیر دیکھی اور یہاں سے اس چار باغ میں آیا جو بند پر نیا بنا ہے۔ دوسرے روز ان ان مقاموں کو ملاحظہ کیا جن جن کی تعمیر کا حکم دے گیا تھا۔ جس سنگین حوض بنانے کے لئے میں کہہ گیا تھا اس کا منہ اوپر کی طرف کا بن گیا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ سنگ تراشوں کی مدد بڑھا کر اس کے نیچے کی طرف کا رخ بھی درست کر دو تاکہ اس میں پانی چھوڑ کر ٹاپ تول دیکھ لی جائے۔ عصر کے بعد تک حوض کا یہ رخ بھی پورا ہو گیا۔ میں نے کہا پانی بھر کر دیکھو۔ پانی بھر کر اطراف کی ٹاپ تول کی۔ اور نپسال درست کر لی۔ اب کی بار میں نے حکم دیا کہ ایک جل محل بنے ایک پتھر کا ترشا ہوا اور اس کے اندر کا حوض بھی ایک ہی پتھر کا ہو۔ پیر کے دن مجھون ڈوری کا جلسہ ہوا۔ منگل کو بیس

رہا۔ چار شنبہ کے دن روزہ کھولنے کے بعد کچھ کھایا پیا۔ اور سیکری چلنے کے لئے سوار ہو گیا۔ آدھی رات گئے ایک مقام پر اتر کر سو رہا۔ رات کو کھن میں بہت درد رہا۔ شاید سردی نے کچھ اثر کیا ہو۔ درد کی شدت سے رات بھر نیند نہ آئی۔ سویرے ہی محل سے کوچ کر دیا۔ کوئی پہر دن چڑھا ہو گا۔ جو سیکری والے بلخ میں آن اتر۔ میر عمارت کو بہت ڈانٹا اور تاکید کی کہ بلخ کی دیواریں مکانات اور کنواں میری طبیعت کے موافق جلد تیار کرو۔ سیکری سے عصر اور مغرب کے مابین سوار ہو۔ بدھا کور سے نکل ایک جگہ پر ٹھہر کر آرام کیا۔ وہاں سے پہر بھر میں آگرہ میں داخل ہو گیا۔

فخر جہاں بیگم چلی گئی تھیں اور خدیجہ سلطان بیگم بعض کلموں کے سبب سے رہ گئی تھیں۔ ان سے شہر میں جا کر ملا۔ پھر جہاں کے پار ہشت بہشت بلخ میں آ گیا۔ سہ شنبہ تیسری صفر کو بڑی بیگمات میں سے حبیبہ بیگم۔ مہر شاد بیگم اور بدیع الجہاں بیگم۔ چھوٹی بیگمات میں سے خانزادہ بیگم (سلطان مسعود مرزا کی بیٹی) سلطان لخت بیگم کی بیٹی۔ تیکہ جہاں کی پوتی (ذہیب سلطان بیگم) آئی ہوئی تھیں اور دریا کے کنارہ پر جو محلات ہیں ان کے پاس اتری تھیں۔ ان سے عصر اور مغرب کے بیچ میں جا کر ملا۔ وہاں سے کشتی میں بیٹھ کر آیا۔ پیر کے دن صفر کی پانچویں کو بکراجیت کے پہلے اور دوسرے ایلچی کے ساتھ پرانے ہندوؤں میں سے دیوا کے بیٹے سرہ پوسی کو روانہ کیا تاکہ بکراجیت رنتھہبور کو سو تپ دے اور اطاعت قبول کرنے کا وعدہ کر لے۔ یہ ہمارا آدمی آدی جائے اور اچھی طرح دیکھ بھال کر آئے۔ اگر وہ اپنے قول پر قائم رہے تو ہم بھی وعدہ پورا کرنے کو تیار ہیں۔ خدا چاہے تو چتور میں ہم اس کو اس کے باپ کا جانشین کر دیں گے۔ ان ہی دنوں میں سلطان سکندر اور ابراہیم کے ولی اور آگرہ والے خزانے ہو چکے تھے۔ پنجشنبہ کے دن صفر کی آٹھویں تاریخ حکم دیا کہ لشکر کے سلمان و حنخواہ وغیرہ کے لئے تمام مننظمان اضلاع سے ایک کروڑ تیس لاکھ روپے دیوانی علاقہ میں منگائے جائیں۔ اور اخراجات ضروری میں صرف کئے جائیں۔ ہفتہ کے دن دسویں تاریخ شاہ قاسم نام (سلطان محمد بخش کے علاقہ کا پیادہ) جو پہلے بھی ایک دفعہ خراسان والوں کے نام استمالت کے فرامیں لے گیا تھا پھر اس مضمون کے فرمان لے کر روانہ ہوا کہ ہندوستان کے مشرقی اور مغربی باغیوں اور ہندوؤں کی طرف سے عنایت الہی سے خاطر جمع ہو گئی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اسی بہار کے موسم میں جس طرح ممکن ہو گا میں وہاں آؤں گا۔

احمد افشار کے نام بھی فرمان بھیجا گیا اور اس کے حاشیہ پر اپنے ہاتھ سے لکھا کہ فرید دن قوری کو بھیج دو۔ آج ہی ظہر کے وقت سے پارہ کھانا شروع کیا۔ بدھ کے دن انیسویں تاریخ ایک ہندوستانی پاجی کامران اور خواجہ دوست کی عرضیاں لایا۔ خواجہ دوست خاوند ذی الحجہ کی دسویں کو کھل گیا تھا۔ اور ہمایوں سے پہلے روانہ ہوا تھا۔ اسی موقع پر کامران کا آدمی خواجہ پاس آیا۔ اور کہا کہ خواجہ آئیں اور جو حکم ہوا ہو وہ بیان کریں اور جو باتیں کرنی ہوں کر کے چلے جائیں۔ سترہویں ذی الحجہ کو کامران کابل میں آیا۔ خواجہ سے باتیں کیں اور خواجہ کو اٹھائیسویں تاریخ قلعہ ظفر کی طرف چلتا کیا۔ ان عرضیوں میں کچھ اچھی خبریں لکھی تھیں۔ لکھا تھا کہ شاہزادہ مہملک نے ازبک کے استیصال پر کمر باندھ کر ازبکوں کے سردار کو وامغان میں گرفتار کر کے مار ڈالا۔ اس کے لشکر کو عام طور سے قتل کیا۔ عبید خاں قزلباش کی خبر سنتے ہی ہری کو چھوڑ کر مرو چلا گیا۔ سمرقند وغیرہ کے سلاطین کو اس نے مرو میں بلایا ہے۔ ماوراء النہر کے سب سلاطین مدد دینے کے لئے جانے پر تیار ہیں۔ اسی قاصد نے بیان کیا کہ یادگار طغائی کی بیٹی سے ہمایوں کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ اور کامران نے بھی اپنے ماموں سلطان علی مرزا کی بیٹی سے کابل میں شادی کر لی ہے۔ انہی ایام میں سید اکئی شیرازی حبیبہ مگر کو انعام دے کر میں نے حکم دیا کہ ایک کنواں فوارہ دار نہایت عمدہ تیار کرو۔

جمعہ کے دن تیسویں تاریخ جسم میں ایسی حرارت معلوم ہوئی کہ جمعہ کی نماز مسجد میں مشکل سے پڑھی گئی۔ ظہر کے بعد میں احتیاطاً کتب خانہ میں آگیا۔ بہت دیر تک بے چینی رہی۔ دوسرے دن ہفتہ کو بخار ہوا۔ کچھ جاڑا بھی چڑھا۔ سہ شنبہ سترہویں صفر کی رات کو دل میں آیا کہ خواجہ عبید کی والدہ والا رسالہ نظم کروں۔ حضرت خواجہ کی روح سے ملتی ہوا۔ اور دل میں دعا کی کہ یہ نظم آنحضرت کو مقبول ہو۔ اس کے قبول ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح قصیدہ بردہ والے کا قصیدہ مقبول ہوا اور وہ مرض فالج سے اچھا ہو گیا اسی طرح میں بھی اس علالت سے تندرست ہو جاؤں۔ اسی نیت سے وزن رمل مدس مجنوں و ضرب کبھی ابتر کبھی مجنوں محذوف میں جس میں مولانا عبدالرحمن جاہی کا کلام بھی ہے رسالہ نظم کرنا شروع کیا۔ اسی رات میں نے تیرہ شعر لکھ ڈالے۔ بطریق التزام ہر روز دوس بیویوں سے کم نہ لکھیں۔ شاید کوئی دن ناغہ ہوا ہو۔ اگلے سال بھی اور کئی بار بھی ایسا بخار کم سے کم چالیس دن تک

رہا ہے۔ خدا کی عنایت اور حضرت خواجہ کی برکت سے جمعرات کے دن اسیسویں کو ذرا افادہ ہو گیا اور پھر صحت ہو گئی۔ ہفتہ کے دن ربیع الاول کی اٹھارہویں تاریخ نظم تمام ہو گئی۔ بلون شعر ہوئے۔ بدھ کے دن اٹھائیسویں تاریخ ہر جانب کے لشکروں میں حکم بھیجا کہ بہت جلد ساز و سامان درست کر کے اس طرف روانہ ہوں۔ میرا ارادہ کہیں چلنے کا ہے۔ ہفتہ کے دن ربیع الاول کی نویں تاریخ بیک محمد تعلیق پتی آیا۔ یہ اگلے سال محرم کے آخر مہینے میں ہمایوں کے لئے غلعت اور گھوڑا لے گیا تھا۔ اتوار کے دن دسویں تاریخ بتکلکسر انگری اور بیان شیخ (ہمایوں کا نوکر) دونوں حاضر ہوئے۔ بتکلکسر ہمایوں کے بیٹے کی خوش خبری لایا۔ لڑکے کا نام الامان رکھا تھا۔ شیخ ابو الواجد نے اس کی تاریخ ولادت ”شیر سعادت“ لکھی۔ شیخ بیان بتکلکسر سے بہت پیچھے چلا تھا۔ جمعہ کے دن صفر کی نویں تاریخ کو اس نے ہمایوں کے لشکر کو مقام شینہ سے چھوڑا تھا۔ پیر کے دن ربیع الاول کی دسویں کو آگرہ میں آگیا۔ سچ یہ ہے کہ بہت جلد آیا۔ ایک دفعہ اور بھی یہی بیان شیخ قلعہ ظفر سے قندھار میں گیارہ دن میں آیا تھا۔ اسی نے شہزادہ ہمسپ کا آنا اور ازبک کا شکست کھانا مفصل بیان کیا۔

شہزادہ ہمسپ اور ازبکوں کی لڑائی :- اس کی تفصیل یہ ہے کہ شہزادہ ہمسپ عراق سے چالیس ہزار فوج بندو بٹی رومی طریقہ سے آراستہ کر کے جھپٹ کر آگیا۔ وہ سلطام اور دامغان میں ازبک کا آکا روکتا اور ازبکوں کو قتل کرتا ہوا یوہی بدستار چلا گیا۔ بیک لی کے بیٹے قنبر علی کو قزلباشوں نے زیر کر لیا۔ عبید خان تھوڑے سے لشکر کے ساتھ نواح ہری میں نہ ٹھہر سکا۔ بلخ۔ حصار۔ سمرقند۔ اور تاشکند کے تمام خوانین و سلاطین کو تاکید سے بلا بھیجا اور آپ مرو میں آگیا۔ تاشکند سے ماراق سلطان اور سیبو بلک خان چلے سمرقند وغیرہ سے کو جو خاں اور ابو سعید سلطان اور پور سلطان مع فرزند ان جانی بیک چلے۔ حصار سے حمزہ سلطان اور مہدی سلطان آئے۔ بلخ سے قرار سلطان چلا۔ یہ سب مارا بار مرو میں عبید خاں کے پاس آکر اکٹھے ہوئے۔ فوج بھی ڈیڑھ لاکھ کے قریب جمع ہو گئی۔ مخبر کا بیان ہے کہ شہزادہ ہمسپ صفوی کو خیال تھا کہ عبید خاں کے پاس بہت فوج نہیں ہے۔ اسی سبب سے چالیس ہزار آدمی لئے ہوئے بے دھڑک چلا آیا۔ جب اسے اس اجتماع کا حال معلوم ہوا تو اولاً تک زادگان میں ہمسر گیا اور لشکر کے گرد خندق کھود لی۔

ازبکوں کو یہ خبر لگی وہ غنیم کو حقیر سمجھے۔ انہوں نے صلاح کی کہ ہم سب تو مشد میں ٹھہرے رہیں۔ اور چند سلاطین کو بیس ہزار فوج کے ساتھ مقرر کیا جائے کہ قزلباشوں کے لشکر کے گرد جا پڑیں اور ان کو سر نہ اٹھانے دیں۔ اسی طرح ان کو عاجز کر کے پکڑ لیں۔ یہ تجویز کر کے مرو سے سب چلے۔ اٹھارویں تاریخ مشد سے نکل کے نواح جام میں مقابلہ ہوا۔ ازبکوں کو شکست فاش ہوئی۔ بہت سے سلاطین پکڑے گئے اور قتل ہوئے۔ ایک خاص خط میں لکھا تھا کہ سوائے کو جوہم کے کسی سلطان کا پتا نہیں ہے۔ فوج میں سے کچھ لوگ بچ گئے۔ جو سلطان حصار میں تھے وہ حصار کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ چلے (جس کا اصلی نام اسماعیل ہے اور جو ابراہیم کا بیٹا ہے) وہ گیا تھا۔ اسی نے اس بیان شیخ کے ہاتھ ہمایوں کو اور کامران کو خطوط بھیجے۔ جمعہ کے دن چودھویں تاریخ میں نے ہمایوں اور کامران کے نام خطوط لکھے اور اسی بیان شیخ کے سپرد کر کے اس کو رخصت کیا اور ہفتہ کے دن پندرہویں تاریخ آگرہ سے روانہ کر دیا۔ اسی مضمون کا خط خواجہ کلاں کو بھی بھیجا۔

فوج کشی کی صلاح :- بدھ کے دن انیسویں کو مرزاؤں۔ سلاطینوں اور امراء ترک و ہند کو جمع کر کے مشورہ کیا اور یہ بات ٹھہرائی کہ اس سال کس طرف فوج کشی کرنی چاہئے۔ مجھ سے پہلے عسکری مرزا پورب کی طرف جائے۔ آں روئے گنگ کے امراء اور سلاطین اپنے اپنے لشکروں سمیت عسکری کے ہمراہ ہوں۔ پھر جدھر مناسب ہو ادھر کا رخ کیا جائے۔ ہفتہ کے دن بائیسویں تاریخ اسی مضمون کے خط لکھ کے اور بائیس دن کی میعاد مقرر کر کے غیاث الدین قورچی کے ہاتھ سلطان جنید برلاس وغیرہ کے پاس روانہ کئے اور زبانی بھی اس کو سمجھا دیا۔ توپوں، ارپوں اور بندوقوں وغیرہ اسباب و آلات جنگ کے تیار ہونے تک اپنے آگے عسکری کو روانہ کیا۔ اور گنگا کے اس جانب کے سرداروں کو حکم دیا کہ سب عسکری کے پاس حاضر ہوں اور جس طرف کی صلاح ٹھہرے خدا پر بھروسہ کر کے اسی طرف روانہ ہو جاؤ۔ تم سب بالاتفاق صلاح کرو۔ اگر میرے آنے کی ضرورت ہوگی تو غیاث الدین کے آتے ہی جو میعاد مقررہ پر گیا ہے انشاء اللہ توقف میں آن پہنچوں گا۔ اور اگر اہل بنگالہ مخالفت نہ کریں اور میرے آنے کی ضرورت نہ ہو تو مجھے مفصل لکھنا۔ میں اور طرف کا قصد کروں گا۔ بیٹھنے کا نہیں اور تم لوگ جو خیر خواہ ہو باہمی مشورہ سے عسکری کے ساتھ ادھر کی

سمات کو انجام دینا۔

عسکری کو عطاءئے خلعت و منصب :- ہفتہ کے دن ربیع الاول کی انتیسویں تاریخ عسکری کو شاہانہ خلعت معہ کربندہ خنجر۔ علم۔ توغ۔ نقارہ۔ بہت سے گھوڑے۔ ہاتھی۔ اونٹ۔ فخریں اور بادشاہی سامان و اسباب دے کر دربار میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ ملا داؤد آتکہ کو تھکے دوڑ بکھنائے اور عسکری کے اور نوکروں کو تین تین پارچے کے خلعت عطا ہوئے۔ اتوار کے دن سلاخ کو محمد بخشی کے مکان میں میں گیا۔ اس نے پالانداز بچھایا اور کشتیاں پیش کیں۔ دو لاکھ کے قریب کی نقد و جنس نذر کی۔ نذر لینے اور آش نوش کرنے کے بعد اس کے دوسرے حجرہ میں جا کر میں بیٹھا۔ وہاں معجون کھائی۔ تیسرے پہر کو وہاں سے رخصت ہوا اور دریا سے پار ہو کر اپنے خلوت خانہ میں آگیا۔

ڈاک چوکی کا تقرر :- پنج شنبہ چوتھی ربیع الاخر کو یہ تجویز کی کہ چتملاق بیگ شاہی تمغاچی محروں کو ساتھ لے کر آگرہ سے کلل تک جریب سے پینائش کرے۔ ہر نو کوس پر ایک مینار بنا دی جائے جس کی بلندی بارہ گز کی ہو۔ اس مینار پر چودری بنائی جائے۔ ہر اٹھارہ کوس پر چھ گھوڑوں کی ڈاک چوکی بٹھائی جائے۔ ان گھوڑوں کے دانہ گھاس کی یہ تجویز کہ اگر چوکی کا مقام خالصہ کے پرگنہ میں ہو تو دانہ گھاس وہاں سے ملے اور اگر کسی کی جاگیر میں ہو تو جاگیردار کے ذمہ۔ چتملاق بیگ اسی دن آگرہ سے روانہ ہو گیا۔ اس کوس کی پینائش میل کے موافق مقرر کی گئی۔ گز نو ملھی کا۔ جریب چالیس گز کی۔ کوس مو جریب کا معین کیا۔

جشن :- پیر کے دن چھٹی تاریخ باغ میں جشن ہوا۔ میں اس ہشت پہلو بنگلہ کے شمالی ضلع میں بیٹھا جو نیا بنایا ہے۔ میرے سیدھے ہاتھ کی طرف پانچ چھ گز کے فاصلہ پر توختہ بوغا سلطان۔ عسکری۔ خواجہ عبد الشہید اولہ۔ خواجہ کلاں تولہ۔ خواجہ حسین۔ خلیفہ۔ علماء اور حفاظ (جو خواجہ کے تابعین میں سے تھے اور سرقند سے آئے تھے) بیٹھے۔ اگلے ہاتھ کی طرف پانچ چھ گز ہٹ کر محمد زمان مرزا۔ مالک اعش۔ سلطان۔ سید رفیع۔ سید ودی۔ شیخ ابو الفتح۔ شیخ جمالی۔ شیخ شہاب الدین عرب اور سید رکنی بیٹھے۔ قزلباش۔ ازبک اور راجاؤں کے ایلچی بھی اس جشن میں شریک تھے۔ دائیں ہاتھ کی طرف ستر اسی گز کے فاصلہ پر شامیانہ تین کے قزلباش کے سفیر کو اس کے نیچے بٹھایا۔ اور اس کے ساتھ بیٹھنے کے لئے یونس علی کو حکم دیا۔ اسی طرح دائیں ہاتھ کی جانب ازبک کے سفیر کو بٹھایا اور اپنے امراء میں سے عبداللہ اس کے ساتھ بیٹھنے کے لئے معین ہوا۔ آتش خوری سے پہلے تمام سردار۔ امراء اور اکابر نے روپوں۔ اشرفیوں۔ کپڑوں اور اجناس کی کشتیاں پیش کیں۔ میں نے حکم دیا کہ میرے روبرو زیر انداز بچھاؤ۔ اور اس کے ایک طرف روپوں اشرفیوں کا ڈھیر لگا دو۔ دوسری طرف کپڑے اور جنس کا ڈھیر لگا دو۔ اسی وقت مست اونٹوں اور ہاتھیوں کی لڑائی شروع ہوئی۔ چند نو قہار کی لڑائی بھی ہوئی۔ پھر پہلوانوں کی کشتیاں ہوئیں۔ اس کے بعد آتش نوش ہوئی۔

آتش نوشی سے فارغ ہو کر خواجہ عبداللہ شہید اور خواجہ کلاں کی اولاد کو کیش ابرہ کے جھپٹے اور اور توپک مع مناسب خلعتوں کے عطا کئے۔ ملا فرخ کو اور اس کے ہمراہیوں کو اور حافظوں کو اچکنیس دی گئیں۔ کوجوم خاں اور اس کے بھائی حسن ہلمی کے دو بڑے ملازموں کو نفرتی بٹ سے سونا اور طلائی بٹ سے چاندی تول کر عنایت کی۔ (نفرتی بٹ ڈھائی سے مثقال کا ہوتا ہے جو کلیل کا آدھ سیر ہوا۔ اور طلائی بٹ پانے مثقال کا ہوتا ہے جو کلیل کا سیر ہوا) خواجہ میر سلطان کو مع فرزند ان۔ حافظ تاجکندی۔ مولانا فرخ کو مع ہمراہیان و ملازمان اور اہلیوں کو بھی چاندی سونا عنایت ہوا۔ یادگار ناصر مرزا کو خنجر انعام ہوا۔ میر محمد جالہ بان گزٹا پر پل باندھنے سے امید دار عنایت ہوا تھا اس کو اور پہلوانوں میں سے حاجی محمد۔ پہلوان بسلول اور ولی وغیرہ کو ایک ایک خنجر عطا ہوا۔ سید داؤد کو روپے و اشرفیاں ملیں۔ اپنی بیٹی (جو معصومہ بیگم کے بیٹ سے تھی) اور اپنے بیٹے ہندال کے نوکروں کو تھک دار اچکنوں کے خلعت مرحمت

کئے۔ سونا چاندی اور ہر قسم کی اجناس عنایت کی۔ تمام ملازموں اور رعایا کے لئے عنایت آمیز فرامین جاری کئے۔

اس کے بعد حکم دیا کہ ہندوستان کے نٹ اور بازی گر تماشے دکھائیں۔ ان لوگوں نے تماشے کرنے شروع کئے۔ ہندوستانی نٹ اور بازی گر بعض تماشے ایسے کرتے ہیں کہ ہماری ولایت والے نہیں کرتے۔ ان میں سے ایک تماشہ یہ ہے کہ اپنی پیشانی اور ران پر سات حلقے چمکاتے ہیں۔ چار حلقے ہاتھ کی انگلیوں اور پاؤں کی انگلیوں کے گرد چمکاتے ہیں۔ ان کے علاوہ چار حلقے اور لیتے ہیں۔ ان میں سے دو کو ہاتھ کی دو انگلیوں سے اور دو کو پاؤں کی دو انگلیوں سے اور دو کو پاؤں کی دو انگلیوں سے آہستہ چکر دیتے ہیں۔ دوسرے مورچال کی طرح اپنا ایک ہاتھ زمین پر ٹیکا اور دوسرے ہاتھ اور دونوں پاؤں سے تین حلقوں کو جلدی جلدی چکر دیا۔ تیسرے یہ کہ وہاں کے نٹ دو لکڑیوں کو دونوں پاؤں میں باندھتے ہیں اور ان چوبین پاؤں سے چلتے ہیں۔ یہاں کے نٹ پاؤں کو باندھتے نہیں۔ چوتھے یہ کہ ان ولایت کے دونوں میں سے ایک دوسرے کو کاندھے پر کھڑا کر کے چلتا ہے۔ ہندوستانی نٹ اسی طرح تین چار کو معلق لے کر چلتا ہے۔ پانچویں یہ کہ سات گز کا بانس ایک نٹ اپنی کمر پر رکھ کر بانس کو پکڑے ہوئے کھڑا رہتا ہے اور دوسرا اس پر قلائیں کرتا ہے۔ چھٹے یہ کہ جھوٹی عمر کا نٹ بڑی عمر کے نٹ کے سر پر قلائیں کرنے لگتا ہے تو نیچے والا کھڑا ہو جاتا ہے اور ذرا نہیں ہلتا ہے۔ اس کے بعد پاتروں کا ناچ ہوا۔ مغرب کے وقت تک جلسہ رہا۔ بہت روپیہ بانٹا۔ اور بڑا غل شور رہا۔ مغرب اور عشاء کے بیچ میں چند مصاحبوں کا جلسہ ہوا۔ جلسہ پہر بھر سے زیادہ رہا۔ دوسرے دن کشتی میں بیٹھ کر میں باغ ہشت بہشت میں آیا۔

عسکری کا پورب اور ہمارا دھولپور کو روانہ ہونا تھا۔ دو شنبہ کو عسکری سفر کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ حمام میں آیا اور رخصت ہو کر پورب روانہ ہوا۔ سہ شنبہ کو میں دھولپور کی طرف اس باغ وغیرہ کے دیکھنے کے لئے گیا جس کے بنانے کا حکم دیا تھا۔ پہر ایک گھڑی گزری جو باغ سے سوار ہوا۔ رات کے پہلے پہر سے پانچ گھڑیاں گزری تھیں کہ دھولپور والے باغ میں جا اترا۔ سنگین کنواں، تما جھیمیں پتھر، ستون اور کڑیاں جن کو پہاڑ میں سے ایک پتھر کا تراشا تھا تیار ہو گئے تھے ان سب کو بجھنے کے دن گیارہویں تاریخ ملاحظہ کیا اور آج ہی تیسرے پہرے کنویں کا پانی نکلوانا شروع کیا۔

آگرہ کے سک تراشوں۔ معماروں اور مزدوروں کو بہت کچھ انعام دیا گیا۔ چونکہ کنوئیں کے پانی میں ذرا بو تھی اس لئے میں نے حکم دیا کہ احتیاطاً ”پندرہ دن تک رات دن دم نہ لو اور پانی نکالے جاؤ۔“

قزلباشوں اور ازبکوں کی لڑائی کی خبر۔ جمعہ کے دن پہلے پہر سے ایک گھڑی باقی رہی تھی کہ دھولپور سے سوار ہو کر آفتاب غروب نہ ہونے پایا تھا جو دریا سے عبور کیا۔ ایک شخص دیود سلطان کا نوکر ازبکوں اور قزلباشوں کی لڑائی میں موجود تھا منگل کے دن سولہویں تاریخ آیا۔ اس نے بیان کیا کہ جام اور خسر کو کی نواح میں عشرہ کے دن ترکمانوں اور ازبکوں میں جنگ عظیم واقع ہوئی۔ صبح کی نماز سے ظہر کے وقت تک مقابلہ ہوتا رہا۔ اس لڑائی میں ازبک تین لاکھ کے قریب تھے اور قزلباش چالیس پچاس ہزار۔ ازبکوں کا بیان ہے کہ قزلباش ایک لاکھ تھے اور ازبک کم تھے۔ قزلباشوں نے رومی قلعہ سے ارابے۔ توپیں اور بندوقیں تیار کی تھیں۔ ان کے پاس ہزار ارابے اور چھ ہزار بندوقیں تھیں۔ شاہزادہ اور خواجہ سلطان بیس ہزار چیدہ سپاہیوں سمیت ارابوں کے بیچ میں ہو بیٹھا اور امراء کو چمکھوں کے باہر برانغار اور جرانغار کی صفوں میں کھڑا کیا۔ ازبکوں نے حملہ کرتے ہی باہر والوں کو شکست دی اور بھیر کو لوٹنا شروع کیا۔ آخر قزلباش چمکھوں کی زنجیریں کھول باہر نکل آئے۔ خوب لڑائی ہوئی۔ ازبک تین دفعہ حملہ کر کے لڑے۔ مگر خدا کی عنایت سے قزلباشوں نے ازبکوں کو شکست دی۔ سرداروں میں کوجوم خاں۔ عبید خاں۔ ابو سعید سلطان اور آٹھ اور سلطان گرفتار ہوئے۔ صرف ایک ابو سعید سلطان بچا۔ باقی آٹھ سلاطین مارے گئے۔ عبید خاں کا سر نہ مارا دھڑلا۔ غرض ازبکوں کے پچاس ہزار کے قریب اور قزلباشوں کے بیس ہزار آدمی کام آئے۔

غیاث الدین کی پورب سے واپسی :- آج غیاث الدین قورچی جو اٹھارہ دن کی میعاد پر جونپور گیا تھا آیا۔ سلطان جنید برلاس وغیرہ خرید پر چڑھائی کرنے گئے ہوئے تھے۔ اسی سبب سے قاصد مقرر پر نہ آسکا۔ سلطان جنید نے زبانی کہلا بھیجا کہ عنایت الہی سے ادھر پادشاہ کی توجہ کرنے کے لائق کوئی کام معلوم نہیں ہوتا۔ فقط مرزا تشریف لے آئیں اور اس طرف کے امراء کو حکم ہو جائے کہ سب مرزا کی خدمت میں حاضر رہیں۔ امید ہے کہ سارے کام با آسانی انجام پا جائیں گے۔ گو سلطان جنید کا یہ جواب

آیا مگر چونکہ ملا محمد مذہب رانا ساٹھا کی لڑائی کے بعد سفیر ہو کر بنگالے بھیجا گیا تھا اور آج کل میں اس کے آنے کی خبر تھی اس لئے اس کا انتظار تھا۔

ملا مذہب بنگالے سے آیا :- جمعہ کے دن انیسویں تاریخ معجون کھائی۔ چند مصاحبوں کے ساتھ میں خلوت خانہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ملا مذہب شام کو جو ہفتہ کی شام تھی آیا اور اس نے ملازمت حاصل کی۔ میں نے اس سے ادھر کے ایک ایک شخص کی کیفیت دریافت کی۔ معلوم ہوا کہ اہل بنگالہ سب مطیع ہیں۔

کسی طرف یورش کی مشورت :- اتوار کے دن امراء ترک و ہند کو خلوت خانہ میں بلا کر میں نے مشورہ لیا۔ یہ گفتگو ہوئی کہ بنگالے کی طرف سفیر بھیجا گیا تھا۔ معلوم ہو گیا کہ وہ سب مطیع و منقاد ہیں۔ اب بنگالے چلنا بیکار ہے۔ وہاں کچھ خزانے نہیں ہیں جن سے فوج کو مدد دی جائے۔ البتہ مغربی سمت میں بعض مقامات ہیں جو قریب بھی ہیں اور مال دار بھی ہیں۔ لوگ غیر مذہب، مال الغاروں۔ راستہ قریب۔ آخر یہ بات قرار پائی کہ مغرب ہی کی جانب چلیں گے۔ چونکہ یہ طرف قریب ہے اس لئے چند روز ٹھہر کر اور مشرقی سمت سے اطمینان کر کے چلے چلیں گے۔

غیاث الدین کو دوبارہ پورب بھیجا :- غیاث الدین کو پھر بیس دن کی میعاد پر مدد فراہم امراء پورب کے پاس روانہ کیا۔ اس کو حکم دیا کہ سب امراء سردار اور سلاطین جو آئندہ دریائے گنگا میں عسکری پاس جمع ہوں۔ اور ان دشمنوں پر چڑھائی کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اس حکم کے پہنچنے ہی اسباب و سامان لے کر وقت مقررہ پہ حاضر ہو جائیں۔

بلوچستان کا فساد :- انہی ایام میں مہدی کو کلتاش کی عرضی آئی۔ لکھا تھا کہ پھر بلوچوں نے بعض مقامات میں لوٹ مار مچائی ہے۔ اس کے انتظام کے لئے چچین تیمور سلطان کو متعین کیا اور حکم دیا کہ ادھر کے سردار جیسے عادل سلطان۔ سلطان محمود دلدکی۔ خسرو کو کلتاش۔ محمد علی جنک۔ جنک۔ دلاور خاں۔ احمد یوسف۔ شاہ منصور برلاس۔ محمدی کو کلتاش۔ عبدالعزیز مرزا۔ خورشید علی۔ ولی فرملی۔ خواجہ ہلال۔ عاشق بکاول۔ شیخ علی کتبہ۔ کجور خاں اور حسن علی سودای۔ سرہند اور سانے سے سلطان کے پاس چھ مہینے کا سامان کر کے جمع ہوں اور بلوچوں پر چڑھائی کریں۔ سلطان کے چار باغ میں سب حاضر

ہوں اور ہر امر میں اس کے فرماں بردار رہیں۔ عبدالغفار قورچی یہ حکم پہچانے پر معین ہوا۔ اس سے کہہ دیا کہ پہلے چین تیمور سلطان کو حکم پہنچانا پھر امراء مذکور کو یہ حکم سنا دینا۔ جہاں چین تیمور سلطان لام ہاندھنے کا حکم دے وہاں سب مع اپنے اپنے لشکروں کے حاضر ہو جائیں۔ عبدالغفار کو حکم دیا کہ تجھے بھی وہیں رہنا چاہئے جس کو تو دیکھے کہ دل چاہتا ہے اس کا حل عرض کر دے۔ تاکہ ایسے تفسیر کرنے والے کو منصب اور مرتبہ سے علیحدہ کر کے اس کی جاگیر ضبط کر لی جائے۔ یہ فرامین دے کر اور بہت سی باتیں زبانی سمجھا کر عبدالغفار کو رخصت کیا۔

باغ نیلوفر کی سیر۔ انیسویں تاریخ اتوار کی رات کو تین پہر پر چھ گھنٹیاں گزرنے کے بعد جہان سے پار ہو کر باغ نیلوفر کی سیر کے لئے جو دھولپور میں بنایا ہے روانہ ہوا۔ اتوار کے دن تیسرے پہر باغ مذکور میں داخل ہوا باغ کے گرد امراء اور مصاحبن کے مکانات بنانے کے لئے مقلات تجویز کئے اور حکم دیا کہ اپنے اپنے مکان بنائو اور باغ لگاؤ۔ جمعرات کے دن تیسری جملوی الاولیٰ کو باغ کے جنوب و مشرق میں حمام بنانے کے لئے جگہ تجویز کی۔ مزدوروں نے فی الفور اس قطعہ کو صاف اور ہموار کر دیا۔ میں نے حکم دیا کہ پہلے اس جگہ کرسی دی جائے پھر حمام بنایا جائے۔ اس حمام کے ایک کمرہ میں وہ دروہ حوض تیار ہو۔

فوج کشی کا قصد۔ آج ہی قاضی جیا۔ ہر سنگھ اور خلیفہ کی عرضیاں آئیں۔ ان میں لکھا تھا کہ سکندر کے بیٹے محمود نے بلور کو پکڑ لیا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی میں نے فوج کشی کا عزم کر لیا۔ دوسرے دن جمعہ کو چھ گھنٹہ دن چڑھے باغ نیلوفر سے میں سوار ہوا اور مغرب کے وقت آگرہ میں آگیا۔ محمد زمان مرزا دھولپور جاتا تھا۔ راستہ میں ملا چین تیمور سلطان بھی آج ہی آگرہ میں آگیا تھا۔ دوسرے دن ہفتہ کو مدبران سلطنت سے صلاح کی۔ یہ بات قرار پائی کہ دسویں تاریخ جمعرات کے دن پورب کی طرف روانہ ہونا چاہئے۔

ہمایوں کا سمرقند پر یورش کرنا۔ آج ہی ہفتہ کے دن کلل سے خط آیا کہ ہمایوں نے صوبہ کاشغر فراہم کر کے اور سلطان اولیس کو اپنے ہمراہ لے کر چالیس پچاس ہزار آدمی سے سمرقند پر حملہ کرنے کا قصد کیا ہے۔ حصار میں سلطان اولیس کا چھوٹا بھائی شاہ

قہی چلا گیا ہے۔ ترسوں محمد سلطان نے برہ سے جا کر قہلیان کو چہین لیا ہے اور اب وہ ملک منگا رہا ہے۔ ہاہوں نے اس کی کمک کے لئے تو ملک کو کلتاش اور اس کے چھوٹے بیٹے کو بہت سے مظلوم اور بہت سی فوج سمیت روانہ کیا ہے۔ اور ہاہوں خود بھی اس کمک کے پیچھے چل کھڑا ہوا ہے۔

پورب کی طرف روانگی :- جمعرات کے دن جملوی الاول کی دسویں کو تین گھڑی کے بعد میں پورب کی جانب روانہ ہوا۔ تو کشتی میں بیٹھ کر جلیسر گاؤں کے اوپر کی طرف جتنا سے پار ہر بلوغ زر افشاں میں آگیا اور فوج کو حکم دیا کہ نشان اور نقارہ سمیت تمام لشکر بلوغ کے سامنے دریا کے اس طرف خیمہ زن ہو۔ جو بھڑکی بھرا کرنے حاضر ہوں وہ کشتی میں بیٹھ کر حاضر ہوں۔ ہفتہ کے دن اسلعل بیتا (بنگالے کا سفیر) نے ہندوستانی طریقہ سے یوں ملازمت حاصل کی اور تحائف پیش کئے کہ پہلے ایک گز کے فاصلہ سے آداب بجالا کر الٹا پھرا۔ پھر اس کو خلعت مقررہ جس کو سرمونیہ کہتے ہیں پہنا کر لائے۔ تین دفعہ بھرا کر کے نصرت شاہ کی عرضی اور پیش کش اس نے گزرائی اور واپس گیا۔ پھر کے دن خواجہ عبدالحق آئے۔ میں کشتی کے ذریعہ سے پار گیا۔ اور خواجہ کے خیمہ میں ان سے ملاقات کی۔ منگل کو حسن چلی آکر ملا۔ فراہمی لشکر کے لئے کئی دن تک چار بلوغ میں توقف رہا۔ جمعرات کے دن سترہویں تاریخ کو کوچ ہوا۔ میں کشتی میں آیا۔ موضع انوار میں جو آگرہ سے سات کوس ہے لشکر اترا۔ اتوار کے دن ازبک کے سفیروں کو رخصت کیا۔ کو جوم خل کے سفیر امین مرزا کو کمر بند۔ خنجر، زر، ہفت کا تھن اور ستر ہزار نگہ انعام دیئے۔ ابو سعید کے ملازم ملاطفا کی کو۔ مہربان خانم اور اس کے بیٹے پولاد سلطان کے ملازموں کو کتھ دار چمکینس دیں اور ان کے قاتل نقد بھی دیا۔ اس کے دوسرے دن خواجہ عبدالحق کو آگرہ میں ٹھہرنے کے لئے رخصت کیا۔ اور خواجہ بکئی کے پوتے خواجہ کلال کو جو سلاطین و خوانین ازبک کے پاس سے بطریق سفارت آیا تھا سرقہ جانے کی اجازت دی۔

ہاہوں کے ہاں بیٹا ہونے کی اور کامران کی شادی ہونے کی مبارکباد دینے کے لئے مرزا تھمرزی اور مرزا بیگ لطفا کی کو کتھ بھیجا۔ ان کے ہاتھ دس ہزار روپے رو نمائی کے بھیجے۔ جو لباس میں پہنچے اور کمر بند باندھے ہوئے تھا دونوں مرزاؤں کے لئے وہ بھی بھیجا۔ ملا بہشتی کے ہاتھ ہندال کے لئے خنجر مرصع۔ دوات مرصع۔ صف کاری۔ کرسی۔

نیچے۔ تک بند۔ مقررات خط بابری اور خط بابری کے کچھ قطعے بھیجے۔ جتنا ترجمہ اور جس قدر اشعار ہندوستان میں آنے کے بعد لکھے تھے ہمایوں کو بھیجے اور جو خطوط خط بابری میں لکھے تھے وہ بھی بھیجے۔ سہ شنبہ کو خطوط لکھ کر کابل جانے والوں کو دیئے۔ آگرہ اور دھولپور میں جن عمارتوں کا بنوانا منظور تھا ان کے نقشے ملا محمد قاسم۔ استاد شاہ محمد سنگ تراش اور شاہ بابا بیل دار کو سمجھا کر اور ان کو اس کام کا ذمہ دار کر کے رخصت کیا۔ پھر دن چڑھا ہو گا کہ میں انوار سے سوار ہوا۔ بعد نماز ظہر دریا پور گاؤں سے کوس بھر پر ڈیرے ہوئے۔ پنجشنبہ کی رات کو عبدالملک قوری حسن چلی کے ہمراہ اور شاہ جالوق ازبکوں کے سفیروں کے ساتھ سلاطین و خوانین کے پاس روانہ کیا گیا۔ چار گھڑی رات باقی تھی کہ دریا پور سے کوچ ہو گیا۔ میں صبح کو کشتی میں سوار ہوا اور عشاء کے وقت لشکر میں داخل ہو گیا۔ لشکر فتح پور میں اترا۔ ایک یہاں مقام کیا۔ ہفتہ کے دن صبح سویرے وضو کر کے ہم سوار ہوئے۔ اور راپری میں آکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ مولانا محمود قادری امام تھے۔ سورج نکلنے کے وقت راپری کی بڑی بلندی کے نیچے سے میں کشتی میں سوار ہو گیا۔ آج میں نے واقعت لکھنے کے لئے گیارہ سطر کا مسطر بنا دیا۔ آج میرے دل میں اہل اللہ کی باتوں سے ایسا اثر پیدا ہوا جس سے بہت تنبیہ ہوئی۔ راپری کے پرگنوں میں سے کین نام ایک پرگنہ ہے۔ وہاں کشتی کو کنارہ پر کھینچ لائے۔ رات وہیں گزاری۔ وہاں سے اندھیرے منہ کشتیاں چلتی کیں۔ صبح کی نماز کشتی میں پڑھی۔

ہم کشتی میں تھے کہ خواجہ کلاں کے نوکر شمس الدین محمد کو سلطان محمد بخشی لے کر آیا۔ وہاں والوں کے خطوط سے اور اس کے بیان سے کابل کا حال معلوم ہوا۔ یہیں مہدی خواجہ بھی آیا۔ ظہر کے وقت دریا سے اس طرف اٹاؤ کے سامنے جو بلغ ہے اس کی بلندی پر ہم ٹھہرے۔ جہاں میں غسل کر کے نماز پڑھی۔ پھر اٹاؤ کی طرف آکر اسی بلغ کے درختوں کے سایہ میں ایک بلند مقام پر جو دریا کے کنارے تھا میں بیٹھا۔ سپاہیوں کو دریا میں کدوایا اور تیروایا۔ مہدی خواجہ کھانا ساتھ لایا تھا۔ اس کو یہیں تناول کیا۔ مغرب کے وقت دریا سے اتر عشاء کے وقت تک لشکر میں ہم داخل ہو گئے فوج جمع ہونے کے لئے اور شمس الدین محمد کے ہاتھ کابل خط بھیجنے تھے ان کے لکھنے کے واسطے دو تین دن اس منزل میں ٹھہرنا پڑا۔ بدھ لے دن جمادی الاولیٰ کی صبح کو اٹاؤ سے

کوچ کیا۔ آٹھ کوس کی منزل کی۔ مقام موری داو سر میں ڈیرے ہوئے۔ کابل بھیجنے کے جو خطوط لکھتے رہ گئے تھے وہ اس منزل میں لکھے گئے۔ ہمایوں کے خط میں ایک مضمون تو یہ لکھا کہ اگر کام پورا نہ ہوا ہو تو فوج قزاق وغیرہ کو روکو اس لئے کہ صلح کی ٹھہر رہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس میں رخنہ پڑ جائے۔ دوسرا یہ لکھا کہ صوبہ کابل کو میں نے داخل خالصہ کر لیا ہے۔ لڑکوں میں سے جو کوئی اس کا لالچ نہ کرے۔ ہندال کو میں نے بلا لیا۔ کامران کی خاطر کرنی۔ شاہزادوں کا آپس میں ملنا جلنا۔ ملتان کا علاقہ اس کو عنایت کرنا۔ علاقہ کابل کو داخل خالصہ کر لینا اور اہل محل کا یہاں آنا لکھا۔ یہ بھی لکھا کہ بعض حالات خواجہ کلاں کے خط سے واضح ہوئے۔ معلوم ہوا کہ میری نصیحت نے اثر کیا۔ ان خطوں کو شمس الدین محمد کے سپرد کیا اور زبانی باتیں سمجھا کر جمعہ کی شب کو اسے رخصت کر دیا۔

جمعہ کو آٹھ کوس کی منزل کر کے جو منڈنا میں اترتا ہوا۔ کتب قرا سلطان نے اپنے ایک سردار کمال الدین قزاق کو رخصت دی۔ امرائے سرحد کو حکم دیا کہ قزاقوں اور لٹیروں کا بندوبست کرو اور اپنے برتنوے درست رکھو۔ یہ احکام لکھ کر کتب قرا سلطان کے آدمی کے سپرد کئے اور اسے اسی منزل سے جانے کی اجازت دی۔ شاہ قنبر پٹلی کے پاس سے آیا تھا۔ اس نے لڑائی کا حال بیان کیا تھا۔ اسی شاہ قلی کے ہاتھ دیر تک ٹھہرانے کا عذر لکھ کر جمعہ کے دن دوسری تاریخ اس کو رخصت دی۔ ہفتہ کے دن کوچ ہوا۔ آٹھ کوس چل کر کلور اور ممدالی میں جو کالپی کا علاقہ ہے ٹھہرنا ہوا۔ اتوار کے دن چوتھی تاریخ نو کوس چلے دیرہ پور میں قیام ہوا۔ یہ بھی کالپی کے علاقہ ہے۔ یہاں میں نے اصلاح بنوائی۔ دو مہینے سے اتنی فرصت نہ ملی تھی کہ اصلاح بنواتا۔ سکرنڈی میں میں نے غسل بھی کیا۔ بیر کے دن چوتھی تاریخ چودہ کوس کی منزل کر کے چیرہ گڑھ میں جہاں کالپی کا علاقہ ہے ڈیرے پڑے۔ دوسرے دن منگل کو کہ آٹھویں تاریخ تھی ماہم کا فرمان قراچہ کے نام جو اس کو لکھا تھا ہندوستانی ملازم لے کر آیا۔ جس طرح میں اپنے ہاتھ سے پروانہ لکھا کرتا ہوں اسی طرح بدرقہ طلب کرنے کے لئے ہم نے بیرا اور لاہور کے حکام کے نام لکھا تھا۔ یہ فرمان جمادی الاولیٰ کی ساتویں کو کابل سے لکھا تھا۔

بدھ کے دن سات کوس کا راستہ طے کرنے کے بعد آدم پور میں لشکر آیا۔ آج

میں صبح سے پہلے ہی سوار ہوا اور اکیلا دوپہر گزار کر دریا کے کنارے کنارے دریا کے آخر کی طرف جتنا کے کنارہ پہنچا۔ جب آدم پور کے قریب آگیا تو لشکر کے پاس ایک جگہ شامیانہ کھڑا کر اس کے نیچے بیٹھا اور معجون کا شغل کیا۔ آج ہی کلال اور صلوٰۃ پہلوانوں کی کشتی کرائی۔ کلال آگرہ میں آیا تھا اور صلوٰۃ سے اس نے لڑنا چاہا تھا۔ مگر سفر کی تھکن کا عذر بھی کر لیا تھا۔ اور بیس دن کی مہلت چاہی تھی۔ اب چالیس پچاس دن گذر گئے۔ آج اس کو لڑنا ہی پڑا۔ صلوٰۃ اچھا لڑا۔ چنگی مارتے کلال کو چت کر دیا۔ صلوٰۃ کو دس ہزار تنگہ۔ ایک گھوڑا معہ زین اور کتھہ دار چنگن سے سراپا انعام دیا گیا۔ کلال کو بچھڑ گیا تھا مگر اس خیال سے کہ اپنے دل میں کڑھے گلے اس کو بھی تین ہزار تنگہ اور سراپا عنایت کیا۔ اراہوں اور توپوں کو کشتیوں میں لائے تھے یہاں ان کو اتارا۔ راستہ درست کر کے اور زمین ہموار کر کے ان کو اتارنے میں چار دن تک یہیں رہنا پڑا۔ پھر کے دن بارہویں تاریخ یہاں سے کوچ کیا اور کورہ میں آئے۔ میں آج تخت پر سوار ہو گیا۔ کورہ سے چلے تو بارہ کوس پر کربہ میں جو کڑے کا علاقہ ہے آکر اترنا ہوا۔ کربہ سے آٹھ کوس چل کر فتح پور ہسودہ میں لشکر ٹھہرا۔ فتح پور سے آٹھ کوس کی منزل آگے کے میدا سرائے میں قیام ہوا۔ یہیں عشاء کے وقت سلطان جلال الدین نے ملازمت حاصل کی۔ اس کا چھوٹا بھائی بھی ساتھ تھا۔ دوسرے دن سترہویں تاریخ ہفتہ کے دن کوچ ہوا۔ آٹھ کوس چل کر دکن کی میں جو کڑے کا علاقہ ہے گنگا کے کنارے پر لشکر اترا۔ اتوار کو محمد سلطان مرزا۔ قاسم حسین سلطان۔ ولی خوب سلطان اور تردیکہ اسی منزل میں حاضر ہوئے۔ پھر کے دن عسکری بھی اسی منزل میں آیا۔ یہ سب ممالک مشرق سے کمک کے لئے آئے تھے۔ ان سب لشکروں کو حکم ہوا کہ عسکری کے ساتھ گنگا کے اسی طرف رہیں۔ جہاں ہمارا لشکر فردکش ہو یہ بھی ہمارے سامنے اس طرف

اتریں۔

سلطان محمود کی بغلوت شیر خاں سور کی شرکت :- ہم اسی نواح میں تھے کہ پورے خبریں آئیں کہ سلطان محمود کے پاس ایک لاکھ پھلن جمع ہو گئے ہیں۔ شیخ بایزید اور بین کو بہت سی فوج کے ساتھ سردار کی طرف بھیجا ہے۔ اس نے اور فتح خاں شروانی نے گنگا کا کنارہ لے لیا ہے۔ اس کا ارادہ چنار پر آنے کا ہے۔ شیر خاں سور جس کو اگلے سال جاگیر دے کر اس جانب بھیجا تھا ان پھانوں میں مل گیا ہے۔ شیر خاں

اور چند سردار دریا سے اتر آئے ہیں۔ سلطان جلال الدین کے لوگ ہتارس نہ بچا سکے۔ بھاگ کر آگئے۔ ان کا ارادہ تھا کہ کشتیوں کو ہتارس میں چھوڑ دیں۔ اور گنگا کے کنارے پر مقابلہ کریں ہم دکن کی سے کوچ کر کے چھ کوں آئے اور کڑے سے تین چار کوں کے فاصلہ سے کنارے پر اترے۔ میں کشتی میں آیا۔ سلطان جلال دین نے جو دعوت کی تو تین روز تک یہاں ٹھہرنا پڑا۔ جمعہ کے دن کڑے میں سلطان جلال الدین کے ہاں میں اترے۔ اس نے دعوت کی۔ آتش اور کھانا حاضر کیا۔ کھانا کھا کر اس کو اور اس کے بیٹے کو خلعت دیئے اور اس کی استدعا سے اس کے بیٹے کو سلطان محمود خطاب دیا۔

کڑے سے سوار ہو ایک کوں چل کر گنگا کے کنارے پر ہم اترے۔ جب گنگا پر ہم نے پہلی منزل کی تھی تو ماہم کا آدمی شرک وہاں آیا تھا۔ آج خط لکھا اور اسی منزل سے اسے رخصت کیا۔ خواجہ بکچی کے پوتے اور خواجہ کلاں نے میرا وقلج جو لکھا جاتا ہے منگایا تھا۔ میں نے اس کو صاف کرا لیا تھا۔ وہ بھی شرک کے ہاتھ بھیج دیا۔ دوسرے دن کوچ ہوا۔ چار کوں چل کر ہم اترے۔ میں کشتی ہی میں آیا۔ جہاں لشکر اترتا تھا وہ جگہ قریب تھی۔ رات کو میں کشتی میں آگیا تھوڑی دیر بعد کشتی میں معجون کھائی۔ خواجہ عبدالشہید نور بیگ کے مکان میں تھا اس کو بلایا ملا محمود کو ملا علی خاں کے ہاں سے بلایا۔ دیر تک جلسہ رہا۔ پھر کشتی سے اتر اس طرف گئے۔ پہلوانوں کی کشتیاں کروائیں۔ دوست دیں کو میں نے حکم دیا کہ پہلوان صلوک اوروں سے میان گیری کرے۔ یہ حکم خلاف قاعدہ تھا کہ زور سے اول میان گیری کی جائے۔ اس نے آٹھ آدمیوں سے زور کیا۔

سلطان سکندر کے بیٹے محمود وغیرہ کا فرار ہونا۔ عصر کے وقت ادھر سے کشتی میں بیٹھ کر سلطان بخشی آیا۔ اس نے سلطان سکندر کے بیٹے محمود خاں (جس کو باغیوں نے سلطان محمود بنا لیا ہے) کے برہو ہونے کی خبر بیان کی۔ ظہر کے وقت یہاں سے جاسوس گئے تھے وہی باغیوں کے پریشان ہونے کی خبر لائے۔ مغرب اور عصر کے مابین تاج خاں سارنگ خانی کی عرضی آئی۔ اس کا مضمون اور جاسوسوں کا بیان ایک تھا۔ سلطان محمد نے یہ کیفیت عرض کی کہ باغیوں نے چنار کو آگیرا تھا۔ یونہی سی لڑائی ہوئی تھی کہ ہمارے آنے کی خبر سن کر باغی متفرق ہو گئے۔ اور محاصرہ اٹھ گیا۔ جو پٹھان:

بنارس میں آگئے تھے وہ بھی گھبرا کر بھاگ گئے۔ دریا سے عبور کرتے وقت ان کی دو کشتیاں ڈوب گئیں۔ اور کچھ لوگ ضائع ہوئے میں دوسرے دن بھی کشتی میں آگیا۔

ہمار کی سمت جانا۔ چین تیمور اور توختہ بوغا سلطان راستہ میں کھانے پینے کا انتظام کرنے ٹھہر گئے تھے۔ میں نے سلطان کو بھی کشتی میں بلا لیا۔ توختہ بوغا سلطان دس کوس پر تھا۔ آندھی آئی اور مینہ برسا۔ بڑی آندھی چلی۔ ہوا کے سبب سے مجھون کھائی۔ گوگل مجھون کھائی تھی مگر آج بھی کھائی پڑی۔ آج کوچ کیا اور دوسرے دن یہیں توقف ہوا۔ منگل کو کوچ ہو گیا۔ پاس ہی ایک نیلے میں سبزہ زار تھا۔ کشتی میں سے گھوڑے پر سوار ہو اس کی سیر کی۔ پھر بھر میں سیر کر کے کشتی میں آگیا۔ جب سیر کو جانے کے لئے سوار ہوا تو ایک ترے ہوئے کراڑے پر چڑھ گیا۔ اس پر چڑھتے ہی میں اچھلا۔ اچھلتے ہی کود کر میں کنارے پر جا پڑا۔ گھوڑا بھی اچھلا۔ بے شک اگر میں سوار رہتا تو گھوڑے کے ساتھ ہی میں بھی اڑ جاتا۔ آج ہی یہ موقع ملا کہ گنگا میں ہاتھ مارنا۔ ہاتھ میں نے ایک ہاتھ گنا تو تینتیس ہاتھ لگا کر پار ہو گیا۔ کہیں دم نہ لیا اور ہاتھ لگتا ہی رہا۔ گنگا ہو چکی تھی۔ جہاں گنگا اور ہمناء دونوں دریا ملتے ہیں وہاں پہنچ کر پرگ کی طرف کشتی کو کھنچوایا۔ ایک پسر اور چار گھڑی میں داخل لشکر ہوا۔ بدھ کے دن دوپہر سے لشکر جہنم کے پار ہونے لگا۔ کشتیوں کی تعداد چار سو بیس تھی۔ جمعہ کے دن جب کی پہلی تاریخ میں نے دریا سے عبور کیا۔ پیر کے دن چوتھی تاریخ جہنم کے کنارے سے ملک ہمار کی طرف جانے کے لئے کوچ کیا۔ پانچ کوس چل کر لوہین میں ہم اترے۔ میں تو کشتی ہی میں بیٹھا ہوا آیا۔ آج تک اہل لشکر دریا سے اترتے رہے۔ تپن کے چھکڑوں کو آدم پور میں کشتیوں سے اتار لیا تھا۔ ان کے لئے حکم ہوا کہ آگ سے پھر کشتیوں میں لادلو۔ منزل پر لشکر اترا۔ یہاں پہلوانوں کی پکڑیں کروائیں۔ پہلوان لاہوری اور دوست دیس میں کشتی ہوئی بہت دیر تک دونوں پیترے بدلتے رہے۔ بڑی دیر بعد ایک نے دوسرے پر ہاتھ ڈالا۔ دونوں کو انعام دیا گیا۔

یہاں توں دریا تھا اس میں بجن اور کیچڑ بہت تھی۔ اس دریا سے اترنے کا لہٹ دیکھنے کے لئے اور راستہ درست کرنے کے واسطے دو دن تک اسی منزل میں نہرنا ہوا۔ گھاٹ جو دریافت ہوا وہ گھوڑے اور اونٹ سے اونچا تھا۔ بار برداری کے پھڑے اس گھاٹ کے پھریلے اور ارنچے نیچے ہونے سے نہ نکل سکتے تھے۔ چھکڑوں کو

وہیں سے لڑنے کا حکم دیا۔ سمعرات کو وہاں سے کوچ کر دیا۔ میں دریا کے سیدھے راستے تک تو کشتی میں آیا۔ جہاں راستہ ناہموار ہو جاتا ہے وہاں کشتی سے اتر گیا۔ اور دریائے کوس سے اوپر کی طرف ہوتا ہوا عصر کے وقت لشکر میں آیا۔ لشکر دریا سے اتر چکا تھا۔ آج چھ کوس کی منزل ہوئی۔ دوسرے دن یہیں مقام ہوا۔ ہفتہ کو کوچ کر دیا۔ بارہ کوس چل کر نیلامار میں گنگا کے کنارے پر لشکر کے خیمے ہوئے۔ یہاں سے سات کوس چل کر ناتور میں قیام ہوا۔ اسی منزل میں باقی خاں اپنے بیٹوں سمیت چنار سے آیا۔ اور شرف اندوز ملازمت ہوا۔ انہی دنوں میں مجھ بخشی کی عرضی آئی کہ محل کے لوگ اہل سے روانہ ہو گئے۔ چار شذہ کو اس مقام سے کوچ کیا۔ قلعہ چنار سے کوئی کوس بھر پر ڈیرے ہوئے۔ پیاک سے چلتے وقت میرے جسم پر آبلہ کا زخم پیدا ہوا تھا۔ اس منزل میں وہ علاج کیا جو روم میں ایجاد ہوا ہے۔ وہ علاج یہ ہے کہ مروجوں کو منی کے ہنڈے میں جوش دے کر اس کا بھوپارا لیا۔ اور سی کے گرم پانی سے زخم کو دھویا۔ دو ساعت نبوی تک یہی کیا۔ بارے ذرا آرام ہو گیا۔

اسی منزل میں ایک شخص نے خبر دی کہ لشکر کے اس جانب شیر اور بھیڑیے نظر آئے ہیں۔ دوسرے دن اس نیلے میں گھیرا ڈالا۔ ہاتھی بھی لائے گئے۔ نہ کوئی شیر نکلا نہ بھیڑیا۔ ہاں گھیرے کے کنارے سے ایک جنگلی بھیمنسا نکلا۔ آج تندھی بہت چلی۔ دو دو غبار نے بڑا ستایا۔ میں کشتی میں سوار ہو داخل لشکر ہوا۔ لشکر بنارس سے دو کوس اوپر کی طرف اتر ا ہوا تھا۔ چنار کی نواح کے بن میں ہاتھی بہت ہوتے ہیں۔ میرا ارادہ تھا۔ اسی منزل سے چل کر ہاتھی کا شکار نکھیلیں گے۔ باقی نے خبر دی کہ محمود خاں سونہر کے کنارے پر پڑا ہوا ہے۔ امراء سے اس پر یورش کرنے کی صلاح لی۔ یہ بات سونہر کے خیموں سے پہنچائی۔ ابھی ذرا توقف کرنا چاہئے۔ یہاں سے کوچ کیا اور نوکوس چل کر کدریلہ میں لشکر پہنچا۔ اس منزل سے پیر کی رات کو اٹھارویں تاریخ طاہر کو آگرہ بھیجا۔ کابل سے آنے والوں کے لئے جو روپیہ بطریق قوافلہ عطا ہوا تھا وہ اس کا مطلوبہ لے کر روانہ ہوا۔ آج میں صبح سے پہلے کشتی میں سوار اس مقام پر جہاں دریائے کوہی (کوبہ) (جونپور) ملا ہے پہنچا۔ تھوڑی دور کو دی پر جا کر واپس آیا۔ اگرچہ پانی اس وقت بہت کم تھا۔ مگر گھاٹ اچھا ہے۔ اہل لشکر کچھ کشتیوں میں بیٹھ کر اور کچھ کشتیوں میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ میں نے اس مقام کی سیر کی جہاں سے اگلے سال لشکر روانہ ہوا موافق ہے۔

گئی۔ سکاٹی کشتی کے پردے کھول دیئے۔ بڑی کشتی کو بھی لائے مگر بہت نہ چلی۔ لنگر بنارس سے اوپر کی جانب اترتا تھا۔ دو گھنٹی دن رہے منزل پر پہنچا۔ جو کشتیاں ہم سے پیچھے آتی تھیں بے توقف چلی آئیں اور عشاء کے وقت آن پہنچیں۔

چنار سے میں نے حکم دیا تھا کہ مغل بیگ ہر کوچ میں سیدھا راستہ جریب سے ناپتا آئے۔ اور جب میں کشتی میں چلوں تو لطفی بیگ دریا کا کنارہ ناپے۔ سیدھا راستہ گیارہ کوس کلنچا اور دریا کا کنارہ اٹھارہ کوس کا۔ دوسرے دن یہیں مقام ہوا۔ بدھ کے دن بھی کشتی میں آتا ہوا۔ اور غازی پور سے کوس بھر نیچے کی جانب اترتا ہوا۔ جہرات کو اسی مقام پر محمود خاں نوحانی نے حاضر ہو کر ملازمت حاصل کی۔ آج ہی جلال خاں اور بہار خاں ہماری حاضر ہوئے۔ فرید خاں۔ نصیر خاں۔ شیر خاں سور اور بلادل خاں وغیرہ امراء افغان کی عرضیاں آئیں۔ آج ہی عبدالعزیز میر آخور آب دار کی عرضی آئی جو اس نے جہولوی الاخریٰ کی آٹھویں کو لکھی تھی۔ جس دن اس نے عرضی لکھی تھی اسی دن ہندوستانی ہلکارا جس کو کالپی سے بھیجا تھا اس کے پاس پہنچا۔ عبدالعزیز کی عرضی میں لکھا تھا کہ عبدالعزیز اور وہ لوگ جو متعین ہوئے تھے جہولوی الاخریٰ کی نویں کو اہل محل کی پیشوائی کے لئے نیلاب میں گئے۔ عبدالعزیز چناب تک ان کے ہمراہ آیا۔ چناب سے علیحدہ ہو کر پہلے لاہور میں آگیا اور یہ عرضی اس نے بھیجی۔ جمعہ کو یہاں سے ہم نے کوچ کر دیا۔ میں اسی طرح کشتی میں بیٹھا رہا۔ آفتاب غروب نہ ہونے پایا تھا جو فروگاہ کو جالیا۔ آج میں روزہ سے تھا۔ چوسہ کے سامنے اتر کر میں نے سیر کی اور پھر میں کشتی میں چلا آیا۔ محمد زمان مرزا بھی پیچھے سے کشتی میں آگیا۔ مرزا کے کہنے سے معجون کا استعمال کیا۔ ہمارا لنگر کرمناس دریا کے کنارے پر اترتا تھا۔ ہندو اس دریا سے بہت بچتے ہیں۔ جو ہندو پرہیزگار تھے۔ وہ اس دریا سے نہ اترے۔ کشتی میں بیٹھ کر گنگا میں اس دریا کے سامنے سے نکل گئے۔ ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ جس کو اس دریا کا پانی لگ جائے اس کی عبلت ضائع ہو جاتی ہے۔ اسی سبب سے اس کا نام کرمناس رکھا گیا ہے۔ کشتی میں سوار ہو تھوڑی دور تک اس دریا سے اوپر کی جانب میں گیا۔ پھر الٹا پھرا۔ اور گنگا کے شمال کی طرف آگیا۔

کشتیوں کو کنارے پر ٹھہرا دیا۔ سپاہیوں نے کسی قدر اچھل کود کی۔ پھر کشتیاں لڑتے رہے۔ سلقی محسن نے دعویٰ کیا کہ چار پانچ آدمیوں سے میں میان گیری کر سکتا

ہے۔ ایک کے کمر پکڑتے ہی گر پڑا۔ شلوٹن نے بھی محسن کو گرا دیا۔ محسن بہت ہی شرمندہ ہوا۔ پہلوان آئے اور وہ بھی لڑنٹیں دکھاتے رہے۔ دوسرے دن ہفتہ کو کرمناں سے عبور کرنے کا مقام دیکھنے کے لئے پھر دن چڑھے کے قریب کوچ ہوا۔ میں گھٹ کی طرف دریا کے اوپر کی جانب کوس بھر تک گیا۔ گھٹ دور تھا اس لئے کشتی نی میں بیٹھا ہوا لشکر میں آیا۔ لشکر جو سہ سے کوس بھر آگے آن پڑا تھا۔ آج میں نے پھر مرجوں کا بیمار لیا۔ بھاپ ذرا زیادہ گرم تھی۔ تمام جسم سرخ ہو گیا۔ آج مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ چونکہ راستہ آگے خراب تھا اس لئے اس کے درست کرنے کے واسطے دوسرے دن یہیں مقام نہ دیا۔ دو شنبہ کی رات کو عبدالعزیز کی عرضی کا جواب لکھ کر ایسی ہندوستانی ہلکارت کے ہاتھ روانہ کیا جو عرضی لایا تھا۔ صبح کو دو شنبہ کے دن میں کشتی میں آیا۔ بوجھ کے سبب سے کشتیوں کو ٹھیکٹ کر لائے۔ کشتی سے اتر کر میں نے اس مقام کی سیر کی جو بکمر کے سامنے ہے۔ اور اگلے برس وہ غرق ہو گیا تھا۔ یہاں کنارے پر دریا میں اترنے کے لئے سیڑھیاں بنا دی گئی تھیں جو غالباً چالیس سے زیادہ اور پچاس سے کم ہوں گی۔ اب صرف اوپر کے دوزینے باقی رہ گئے ہیں۔ اوروں کو پانی نے توڑ ڈالا۔ یہاں کی سیر کے بعد میں کشتی میں آیا اور میں نے معجون کھائی فردوگہ لشکر سے اوپر کی جانب ایک ٹاپو کے پاس کشتی کو ٹھہرا دیا۔ اور پہلوانوں کی نونوں کا تماشا دیکھتا رہا۔ عشاء کے وقت لشکر میں آیا۔ اگلے سال اسی جگہ جہاں لشکر پڑا ہوا ہے لنگا کا چڑھاؤ بہت تھا۔ بعض نے گھوڑوں پر بعض نے اونٹوں پر سوار ہوئے سیر کی تھی۔ میں نے اس دن ایون کھائی تھی۔ دوسرے دن منگل کو کریم بروی اور بیبا شیخ کو دو سو سپاہیوں کے ساتھ خائفوں کی خبر لینے بھیجا۔ اسی منزل میں بنگالے کے اچلی کو حکم دیا کہ اپنے موکل کو تین باتیں لکھ کر بھیج۔ چار شنبہ کے دن یونس علی کو محمد زمان مرزا کے پاس بھیجا کہ ہمار جانے کی نسبت اس کی مرضی دریافت کرے۔ ایک شخص نے اگر بیان کیا کہ ہمار کے شیخ زادے بلوشاہ کے آنے کی سن کر ہمار سے باہر نکلے ہیں۔ اور عرض داشت لائے ہیں۔ ترکوں میں سے تردی محمد اور محمد جنک جنک کو اور امرائے ہند کو تقریباً ہزار ترکش بندوں کے ساتھ ہمار روانہ کیا اور اس کے ہاتھ ہمار والوں کو تشفی اور دلا سے کے فرامین لکھے۔ خواجہ مرشد عراض کی سرکار ہمار کا دیوان مقرر کیا۔ بروی محمد کو اس کے ساتھ بھیجا دوسرے دن محمد زمان مرزا نے ہمار جانا منظور

کیا۔ شیخ زین اور یونس علی کی وساطت سے بعض باتیں اس نے عرض کیں۔ ازا
بغملہ کچھ لوگ کمک کے لئے مانگے۔ محمد زمان مرزا نے کچھ فوج کمکی طلب کی اور کچھ
آدمی نوکر رکھے۔

ہفتہ کے دن شب برات کی پہلی تاریخ اس منزل سے ہم کوچ کر دیا۔ میں آج
بوج پور اور بیہ کی سیر کرتا ہوا لشکر میں آیا۔ محمد علی وغیرہ سرداروں کو سن مگن لینے
کے لئے جو بھیجا تھا تو یہ لوگ ہندوؤں کی ایک جمعیت کو زیر کر کے وہاں پہنچے جہاں
سلطان محمود تھا۔ سلطان کے پاس تخمیناً دو ہزار آدمی تھے۔ ہمارے اس لشکر کے آنے
کی سن کر سب متفرق ہو گئے۔ انہوں نے بھاگتے وقت اپنے دو ہاتھی بھی مار دیئے۔ ان
کا ایک سردار بطریق قراول رہ گیا تھا۔ ہمارے سپاہیوں میں سے کوئی بیس آدمی اس کے
مقابلہ میں گئے ہوں گے کہ یہ لوگ بھاگ نکلے۔ تھوڑے ہی آدمیوں نے ان کو مار
لیا۔ ایک کا سر کاٹ لیا۔ دو ایک کو زندہ گرفتار کر لیا۔ دوسرے دن یہاں سے لشکر کا
کوچ ہوا میں کشتی میں سوار ہوا۔ اسی منزل میں محمد زمان مرزا کو خاص سراپا۔ تلوار۔
گھوڑا اور چتر عنایت کر کے بہار کی حکومت عطا کی۔ اس نے اس سرفرازی کی نذر
گزارنی۔ سرکار بہار میں سے سوا کروڑ کا ملک شریک خالصہ کیا اور وہاں کی دیوانی مرشد
عراقی کے سپرد کی۔ جمعرات کے دن اس جگہ سے کوچ ہوا۔ میں کشتی میں بیٹھا۔ سب
کشتیاں کھڑی کر دی تھیں۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو میں نے حکم دیا کہ ان
کشتیوں کا بیڑا باندھ دو۔ بلوچ دیکھ ساری کشتیوں کا بیڑا نہ بندھا تھا۔ پھر بھی بیڑے کی
چوڑائی دریا کے پاٹ سے بڑھ گئی۔ چونکہ دریا کہیں کم تھا کہیں گہرا۔ کہیں سے بہتا
ہوا۔ اس لئے یہ بیڑا زیادہ نہ چل سکا۔ بیڑے میں ایک گھڑیاں بھی ران کے برابر نظر
آئی۔ ایک مچھلی اس کے خوف سے اونچی اچھلی کہ ایک کشتی میں آپڑی۔ اس کو پکڑ لیا۔

کشتیوں کے نام رکھے :- جب منزل پر پہنچے تو کشتیوں کے نام مقرر کئے۔ بڑی
قدیمی کشتی بابری جو رانا ساٹگا کی لڑائی سے پہلے تیار ہوئی تھی اس کا نام آرائش رکھا۔
اس سال روانگی سے پہلے آرائش خاں نے ایک کشتی نذر کی تھی۔ اس سفر میں میں نے
اس میں ایک درجہ اور بنوایا تھا۔ اس کا نام آرائش رکھا۔ سلطان جلال الدین نے جو
کشتی پیش کی تھی اس میں ایک بڑا دالان بنا ہوا تھا۔ اس دالان پر دو سرا دالان اور بتایا
یہ تھا۔ اس کا نام گنجائش رکھا۔ ایک ڈونگا جو کھنڈی دار تھا۔ یہ ڈونگا ہر کام کے لئے

بھیجا جاتا تھا۔ اس کا نام فرمائش رکھا۔ دوسرے دن جمعہ تھا مقام کر دیا۔ محمد زمان مرزا نے سب انتظام کر لیا تھا۔ بہار جانے کے لئے ہمارے لشکر سے دو ایک کوس وہ الگ اترے۔ آج اس نے مجھ سے رخصت حاصل کی۔

بنگالیوں سے مقابلہ :- بنگالے سے دو جاسوس آئے انہوں نے بیان کیا کہ بنگالیوں نے دریائے کنڈیک کے کنارے پر چوبیس حصے کر کے فصل اٹھالی ہے۔ اور ان کا سردار مخدوم عالم ہے۔ سلطان محمود افغانی جو اپنے گھریار کو لئے جاتا تھا اس کو اپنے ساتھ لے لیا۔ چونکہ اس خبر کے سننے سے مقابلہ کا احتمال ہوا اس لئے محمد زمان مرزا کو میں نے روک لیا۔ شاہ سکندر کو تین سے چار سے آدمیوں کے ساتھ بہار کی طرف بھیجا۔ ہفتہ کے دن داؤد اور اس کے بیٹے جلال خاں کا آدمی بہار سے آیا۔ بنگالیوں نے ان دونوں کو نظر انداز کر رکھا تھا۔ یہ بنگالیوں سے لڑ بھڑ کر الگ ہو گئے اور دریا سے پار ہو نواح بہار میں آ گئے۔ اب میرے پاس آنے پر تیار تھے۔ آج ہی بنگالے کے ایچی اسٹیل مینا کو حکم ہوا کہ تین باتیں پہلے لکھی گئی تھیں، جواب میں بہت دیر لگائی۔ اب تم خط لکھو۔ اگر دوستی اور ملت رکھنی ہے تو جلد جواب دینا چاہئے۔ ہفتہ کی رات کو یزدی محمد اور محمد علی جنک جنک کا آدمی آیا۔ اس نے بیان کیا کہ چار شنبہ پنجم شعبان کو ادھر سے ہمارا قراول پہنچا اور ادھر وہاں کے حکام بھاگ نکلے۔ ہفتہ کے دن اس منزل سے ہم نے کوچ کیا۔

اری کے علاقہ میں اترتا ہوا۔ اس منزل میں خبر آئی کہ فرید کی فوج سو ڈیڑھ سو کشتیاں لئے ہوئے دریا سرود کے اس طرف جہاں گنگا اور سرود کا الحاق ہوا ہے پڑی ہے۔ اگرچہ فرید نے بے ادبی کی کہ میرا راستہ گھیرا مگر چونکہ بنگالہ سے مجھے آشتی رکھنی منظور تھی اور میں نے ہمیشہ ایسے موقعوں پر مصالحت کو پسند کیا ہے اس لئے رعایت کو ملحوظ رکھا۔ فوراً بنگالے کے سفیر اسٹیل مینا کو بلا کر وہی تینوں باتیں اس سے کہیں اور ملانہد بہار کو اس کے ساتھ کر کے رخصت کیا۔ اتوار کو بنگالے کا ایچی ہوا تھا جو اس کو رخصت دی گئی۔ سفیر سے یہ بھی کہہ دیا گیا کہ دشمن کے دفع کرنے کے لئے میں ادھر ادھر سے فوجیں روانہ کروں گا۔ جو دریا اور زمینیں تمہارے علاقہ میں ہیں ان کو ذرا ضرر نہ پہنچے گا۔ ان تینوں باتوں میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ فرید کے لشکر کو کہہ دو کہ وہ راستہ چھوڑ دے۔ اس طرف چلا آئے۔ ہم بھی کچھ اپنے لوگ اس کے ہمراہ

کر دیں گے۔ غرض فرید کے لوگوں کا اطمینان کر دیا جائے۔ اگر وہیں تیرا جانا ممکن نہ ہو تو کھلا بھیجنا چاہئے۔ یہ حجت ہے اس کو ترک کرنا لازم نہیں ہے۔ اگر وہ اس کو نہ مانے تو خیر جو برائی اس کو پہنچے گی وہ معلوم ہو جائے گی۔ ہم بری الذمہ ہیں۔ وہی اپنے قول سے نکل بھاگ۔ بدھ کے دن اسماعیل جتنا سفیر بنگلہ کو خلعت و انعام دیا۔ جحرات کے دن شیخ جملی کو داؤد اور اس کے بیٹے جلال الدین خلے کے پاس مع فرہن استمات روانہ کیا۔ آج ہی ہمارا وہ آدمی آیا آج جو باغ صفا کے اس طرف کے راستہ سے الگ ہوا تھا۔ یہ آدمی بہت سے خط لایا۔

اتوار کے دن ملا مذہب کو بہت سی یادداشتیں دے کر رخصت دی۔ پیر کے دن خلیفہ وغیرہ امراء کو دریا سے عبور کرنے کا کوئی مقام دریافت کرنے کو بھیجا۔ بدھ کے دن پھر خلیفہ کو میان دو آب دیکھنے بھیجا۔ میں نیلوفر زار کی سیر کے لئے جنوب کی طرف اری کے قریب گیا۔ یہ نیلوفر زار شیخ گھورن کا تھا۔ نیلوفر کا ایسا پھول جس میں جگہ آگیا تھا لا کر دکھایا۔ کچھ پستہ سے ملتا جلتا ہے۔ اچھی چیز ہے۔ اس کا پھول نیلا ہوتا ہے۔ ہندوستانی اس کو کنول کلکڑی کہتے ہیں۔ اور اس کے جگہ کو ڈوڈا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ سوہن ندی یہاں سے قریب ہے۔ میں نے جا کر اس کی بھی سیر کی۔ ندی سے اوہر درختوں کا بڑا جھنڈ نظر آیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ منیر بہتی ہے۔ اور شیخ منیر کے باپ شیخ یحییٰ کا مزار یہیں ہے۔ چونکہ میں بہت قریب آگیا تھا۔ اس لئے سوہن سے اتر کر دو تین کوس سوہن سے آگے بڑھا۔ منیر کو دیکھا وہاں کے باغوں میں سے ہوتا ہوا مزار کی زیارت کی۔ پھر ندی کے کنارے پر آیا۔ غسل کر کے ظہر کی نماز پڑھی اور لشکر کی طرف روانہ ہوا۔ کچھ گھوڑے تھک گئے تھے ان کو ہاتھوں پر لے لیا تھا۔ کئی آدمیوں کو راستہ میں چھوڑ دیا اور حکم دیا کہ ان کو ذرا دم لوا کر اور ٹھنڈا کر کے آہستہ آہستہ لے آؤ۔ اگر یہ نہ کیا جاتا تو بہت گھوڑے بیکار ہو جاتے۔ منیر سے پلٹتے وقت میں نے کہہ دیا تھا کہ سوہن کے کنارے سے لشکر تک ایک آدمی ایک گھوڑے کا قدم گنتا آئے۔ تیس ہزار ایک سے قدم گئے گئے۔ جس کے دگنے چھالیس ہزار دو سو قدم ہوئے۔ یعنی ساڑھے گیارہ کوس۔ منیر سے سوہن ندی تک ساٹھے نو کوس کے قریب تھے۔ کشتی میں بارہ کوس چلے۔ اوہر اوہر پندرہ کوس پھرے۔ آج تیس کوس کے قریب چکر ہوا۔ رات کے پہلے پہر سے چھ گھنٹیاں گزری تھیں جو ہم لشکر میں داخل ہوئے۔

دوسرے دن سلطان جنید برلاس وغیرہ جون پور سے آئے۔ جلد نہ حاضر ہونے کے سبب سے میں ان پر خفا ہوا اور ان سے ملاقات بھی نہ کی۔ البتہ قاضی ضیا سے مل لیا۔

امراء سے مشورہ :- آج ہی امراء ترک و ہند کو مشورہ کے لئے بلایا۔ دریا سے اترنے کے باب میں صلاح لی۔ یہ بات قرار پائی کہ دریائے گنگا اور سرور کے درمیان میں کسی بلند جگہ پر استلو علی قلی انگریزی اور ہندوستانی توپیں کھڑی کرے۔ جس دونوں دریا ملتے ہیں اس سے نیچے کی جانب اس مقام کے سامنے جس مقام پر بہار کی طرف گنگا میں بہت سی کشتیاں کھڑی ہیں۔ مصطفیٰ اپنے توپ خانہ کو درست کر کے لڑائی میں مشغول ہو۔ اس کے ساتھ بھی بہت سے بندوگنی ہوں۔ محمد زلیں مرزا وغیرہ مصطفیٰ کے پیچھے کمک پر رہیں۔ استلو علی قلی اور مصطفیٰ کی توپوں کے لئے مورچے قائم کئے جائیں۔ جگہ درست کرنے کے لئے بیلداروں پر محصل مقرر ہوں۔ سب اسباب و سلاخ لانے میں مشغول ہوں۔ عسکری اور سارے سرواز جو معین ہوئے ہیں جلد جائیں اور ہلدی کے گھاٹ سے اتر مورچے درست ہوتے ہی درست اور مستعد ہو کر دشمن پر ٹوٹ پڑیں۔ اس میں قاضی ضیا اور سلطان جنید برلاس نے عرض کیا کہ یہاں سے آٹھ کوس اوپر کی جانب گھاٹ تھا۔ ردی زرد کو حکم ہوا کہ دو ایک جالہ ہانوں اور سلطان جنید وغیرہ کے آدمیوں کو لے کر گھاٹ کی تلاش کرو۔ جس اترنے کی جگہ ملے وہیں سے عبور کیا جائے۔

افواہ تھی کہ بنگالیوں نے بھی ہلدی کے گھاٹ پر فوج متعین کرنے کا خیال کیا ہے۔ اتنے میں سکندر پور کے شہدار محمود خاں کی عرضی آئی کہ ہلدی کے گھاٹ پر میں نے پچاس کشتیاں جمع کر لی ہیں اور ملاحوں کو اجرت بھی دے دی ہے۔ مگر بنگالیوں کی آمد آمد سننے سے ملاح گھبرا رہے ہیں۔ چونکہ سرور دریا کا گھاٹ دریافت ہونا دشوار تھا اس لئے جو لوگ گھاٹ دیکھنے گئے تھے ان کا انتظار نہ کیا۔ امراء کو ہفتہ کے دن مشورہ کے لئے فراہم کیا۔ میں نے اپنی رائے بیان کی کہ سکندر پور سے اور جرموک سے داود تک سرور دریا کے گھاٹ جا بجا ہیں۔ یہ جو دشمنوں کا گردہ پڑا ہوا ہے۔ اس کے لئے بہت سی فوج میں معین کرتا ہوں کہ ہلدی کے گھاٹ سے کشتیوں میں بیٹھ کر اترے اور ان پر جا پڑے۔ اس فوج کے پہنچنے تک استلو علی قلی اور مصطفیٰ انگریزی توپوں اور بندوگنوں سے لڑتے رہیں۔ میں بھی گنگا سے پار ہو استلو علی قلی کی کمک پر تیار کھڑا ہو

جانا۔ جب فوج گھاٹ سے اتر کے قریب پہنچے تو میں بھی ہلا کر کے جا پہنچوں۔ محمد زمان مرزا اور اور امرائے متعینہ بہار کی طرف دریائے گنگ سے مصطفیٰ کے ساتھ لڑائی میں مصروف ہوں۔ یہی رائے قرار پائی۔ جو لشکر گنگا کے شمال میں تھا اس کے چار حصے کر کے عسکری کو اس پر سردار مقرر کیا۔ اور اس کو ہلدی کے گھاٹ کی طرف روانہ کر دیا۔ یہ چار حصے یوں کئے۔ ایک حصہ میں عسکری اور اس کے ملازم۔ دوسرے حصہ میں سلطان جلال الدین کی فوج۔ تیسرے حصے میں سلطان ازبک یعنی قاسم حسین۔ پنجویں سلطان۔ نانک امش سلطان۔ محمد خان ماتو۔ غازی پوری کو کی بابا قشقہ۔ قرمیش ازبک۔ قربان جرجی۔ حسین خاں نادر وغیرہ۔ چوتھے میں موسیٰ سلطان۔ سلطان جنید برلاس اور تمام فوج جون پور۔ یہ سب تخمیناً بیس ہزار فوج تھی۔ محصل مقرر کر دیئے گئے کہ آج ہی ایک شنبہ کی رات کو اس لشکر کو چلتا کر دو۔ صبح اتوار کے دن لشکر گنگا سے اترنی لگا۔ میں پہر دن چڑھے کشتی میں سوار ہو کر روانہ ہوا۔ تیسرے پہر رومی زرد جو گھاٹ دیکھنے گئے تھے آئے۔ گھاٹ کا کہیں پتہ نہ ملا۔ کشتیوں کے راستے سے ملنے اور فوج متعین ہونے کی خبر لائے۔ منگل کے دن ہم دریا سے پار ہو گئے۔ چلتے چلتے دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ کے پاس کوس بھر پر جہاں جنگ کا میدان قرار دیا تھا۔ لشکر اتر۔ میں نے جا کر استاد علی قلی کی گولہ اندازی کا تماشا دیکھا۔ آج ہی استاد علی قلی نے انگریزی توپ کے گولے سے دو کشتیوں کو توڑ کے غرق کر دیا۔

لڑائی کے میدان میں بڑی توپ لے جانے کے لئے اور اس کے واسطے جگہ درست کرنے کے ملا غلام کو مقرر کیا۔ کچھ سیال اور سپاہی بھی اس کے سپرد کر دیئے۔ وہاں سے آکر لشکر کے قریب ایک نیلے میں میں نے معجون کھائی۔ آج معجون ہو چکی۔ کشتی کو خرگاہ کے پاس لے آئے رات کو میں وہیں رہا۔ آج رات کو عجیب واقعہ ہوا۔ ”بچیلی رات سواروں کی کشتی میں غل چلا۔ ہر شخص کشتی کی لکڑی کو پکڑ کر ”اور اور“ کہتا ہوا چچنا غل کا سبب یہ ہوا کہ کشتی فرمائش جن میں میں سوتا تھا کشتی آسائش کے پہلو میں تھی۔ اس میں ایک چوکیدار کی ہو سوتے سوتے آنکھ کھلی تو وہ کیا دیکھتا ہے کہ کوئی آدمی کشتی آسائش پر ہاتھ رکھتے ہوئے چڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اس نے اس کو پتھر مارا۔ وہ فوراً دریا میں کود پڑا۔ اور پھر دریا میں سے نکل کر چوکیدار کے سر پر تدار ماری۔ جس سے چوکیدار کچھ زخمی ہوا اور وہ بھاگ گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ

جس رات میں منیر سے آیا ہوں آدمی رات کو دو ایک چوکیداروں نے کئی ہندوستانوں کو نکل دیا تھا اور ان کی دو تلواریں ایک خنجر چھین لیا تھا۔ خدا نے خیر کر لی۔

اگر تیغ عالم بجنبد ز جلے
نبر در گے تاخواہد خدائے

صبح کو بدھ کے دن میں کشتی منجائش میں جمل پھر ڈالتے ہیں وہاں آیا۔ ہر شخص کو ہر کلام پر مقرر کیا۔

بنگالیوں سے ٹھہریٹھ اور ان کو شکست دے۔ ادغان تردی مغل کو ہزار آدمی پر سردار کر کے روانہ کیا تھا کہ جس طرح ہو سکے دو تین کوس اوپر کی جانب سے دریا کے پار ہو جا۔ یہ فوج اس موقع پر پہنچی کہ عسکری کے لشکر کے قریب ہیں تیس کشتیوں میں سے بنگال دریا کے پار ہو رہے ہیں اور لوٹ مار کرنے کی فکر میں ہیں۔ ادغان تردی کی فوج نے گھوڑے ڈٹا کر بنگالیوں کو بھاگ دیا۔ بہت سوں کو تیروں سے مارا۔ کچھ آدمیوں کے سر کاٹ لئے۔ اور سات آٹھ کشتیاں بھی گرفتار کر لیں۔ آج ہی محمد زمان مرزا کی طرف بھی بنگالیوں نے چند کشتیوں میں اتر مقابلہ کیا۔ محمد زمان مرزا کی فوج نے بھی حملہ کر کے بنگالیوں کو بھاگ دیا۔ تین کشتیاں دریا میں ڈبو دیں۔ ایک کشتی پکڑ کر میرے پاس لے آئے۔ اس موقع پر بابا چروہ نے اچھا حملہ کیا۔ میں نے حکم دیا کہ اس سات آٹھ کشتیوں میں جن کو ادغان تردی وغیرہ پکڑ لائے ہیں محمد سلطان مرزا آتکے خواجہ۔ یونس علی۔ ادغان تردی اور وہ فوج جو پہلے جانے کے لئے مقرر ہوئی تھی بیٹھ کر اندھیرے منہ پار ہو جائیں۔ آج ہی عسکری کے پاس سے آدمی آیا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ جہاں دریا پلایاب نہ تھا وہاں سے ہم پار اتر گئے۔ کل جمعرات کے دن باغیوں پر حملہ کریں گے میں نے حکم دیا کہ اور لوگ بھی جو پار اتر گئے ہیں عسکری کے ساتھ ہو جائیں۔ ظہر کے وقت استلا کے پاس سے آدمی آیا۔ اس نے کہا کہ گولا تیار ہو گیا ہے۔ کیا حکم ہے؟ میں نے حکم دیا کہ اس کو تو چھوڑو اور میرے آنے تک دو سرا تیار کر رکھو۔ عصر کے وقت میں ایک بنگالی ڈونگے میں سوار ہو مورچے پر پہنچا۔ استلا نے ایک بار تو بڑا گولا مارا۔ پھر کئی دفعہ انگریزی گولے مارے۔ بنگالی آگ برسانے میں مشغور تھے۔ اس دفعہ میں نے ان کو خوب دیکھا۔ ایک جگہ سے آتش باری نہیں کرتے جُذ جُذ سے کرتے ہیں۔

عرضیاں آئیں۔ لوگ تو اس کی نسبت بے پرکی اڑاتے تھے۔ مگر جوں ہی عسکری ہلدی کے گھاٹ سے اترا اسی وقت شاہ محمد بھی اپنی فوج کو لئے ہوئے چلا آیا۔ اور جس منزل میں عسکری نے بنگالیوں پر حملہ کیا تھا اسی منزل میں اس نے شرف ملازمت حاصل کیا۔ ان ہی دنوں میں متواتر خبریں آئیں کہ بین اور شیخ بابزید دریائے سردار سے عبور کرنے کے خیال میں ہیں آج کل ہی میں سنبھل سے ایک عجیب خبر آئی۔ علی یوسف سنبھل میں تھا اور اس نے سنبھل کا عمدہ انتظام کیا تھا۔ وہ اور اس کا ایک مصاحب جو اچھی طبیعت کا تھا ایک ہی دن میں دونوں فوت ہو گئے۔ سنبھل کے بندوبست کے لئے عبداللہ نامزد ہوا۔ جمعہ کے دن رمضان کی پانچویں تاریخ عبداللہ کو رخصت کر دیا۔ ان ہی دنوں میں چچن تیمور سلطان کی عرضی آئی۔ اس نے لکھا تھا کہ جن امراء کو کابل سے آنے والے محل والوں کی ہمرای کے لیے معین کیا تھا وہ تو امراء ہمراہ نہ ہو سکے مگر یہاں محمدی وغیرہ سلطان کے ساتھ کوئی سو کوس تک بطریق ایلغار گئے اور بلوچوں کو کابل شکست دی۔ عبداللہ کے ہاتھ چچن تیمور سلطان۔ سلطان دولدی۔ محمدی اور اور امراء کو حکم بھیجا کہ سب چچن تیمور سلطان کے ساتھ آگرہ جمع ہوں اور تیار رہیں۔ جس طرف مخالف رخ کریں اس طرف متوجہ ہو جائیں۔ پیر کے دن آٹھویں تاریخ دریا خاں کا پوتا جلال خاں جس کے لئے شیخ جملی گیا تھا آکر ملا بڑے بڑے امراء سمیت آکر ملا۔ آج ہی یحییٰ نوغلی جس نے اپنے بھائی کو بھیج کر اظہار اطاعت کیا تھا اور اس کو فرمان خوشنودی بھیجا تھا حاضر ہوا۔

ملک بہار کی تقسیم :- چونکہ آٹھ سات ہزار پٹنن امیدوار نہ آئے تھے اس لئے ان کو ناامید کیونکر کیا جاتا۔ ملک بہار میں سے ایک کروڑ کا ملک شامل خلاصہ کر کے پچاس لاکھ کا علاقہ محمود خاں نوغلی کو دینے کے لئے رکھا تھا۔ وہی اس جلال خاں کو دے دیا اور ایک کروڑ خدمت کے عوض میں دینا قبول کر لیا۔ اس روپیہ کی تحصیل کے لئے ملا غلام سیال کو بھیجا۔ محمد زمان مرزا کو جو پور کا علاقہ عطا کیا۔

بنگالیوں سے صلح :- جمعرات کی رات کو غلام علی (خلیفہ کانوکر) اور اسماعیل میتا کے پاس سے ابو الفتح (شاہزادہ میکر کانوکر) وہ تینوں باتیں لے کر گئے تھے۔ وہی ابو الفتح شاہزادہ میکر اور حسن خاں کے خطوط جو انہوں نے خلیفہ کو لکھے تھے لایا۔ تینوں باتیں قبول کر لیں اور نصرت شاہ کا خود ذمہ لیا۔ صلح کی گفتگو ہونے لگی۔ لیکن یہ یورش باقی

افغانوں کے لئے تھی۔ ان میں سے بعض نے خود سری کر کے مزہ چکھا۔ اور بعض نے اطاعت قبول کی۔ کچھ جو رہ گئے۔ بنگال کے دست مگر ہو گئے۔ ان کو بنگالی نے اپنی پناہ میں لے لیا۔ برسات بھی سر پر آگئی تھی۔ میں نے بھی اس کے جواب میں مذکورہ شرائط کے ساتھ صلح کا پیغام لکھ بھیجا۔ دعایہ تھا کہ یہاں سے چل کر اور باقی کے ساتھ ہو کر میرے پہنچنے تک جو کچھ بن پڑے وہ کریں۔ آج عصر کے وقت شاہ محمد کو خلعت خاص مع گھوڑا عنایت کر کے رخصت دی۔ اور اگلے سال کی طرح سارن کا علاقہ اس کی جاگیر میں اور کندہ ترکش بندوں کی تنخواہ میں عنایت کیا۔ آج ہی اسماعیل طلوانی کو سردار کے علاقہ میں سے بمتر لاکھ کی تنخواہ اور خلعت مع گھوڑا عطا کیا اور رخصت دے کر یہ حکم دیا کہ ہر ایک کا ایک بیٹا اور بھائی اگرہ میں حاضر رہے۔ کشتی آرائش و گنجائش ان دو کشتیوں سمیت جو بنگالے کی دستیاب شدہ کشتیوں میں سے منتخب تھیں بنگالیوں کے سپرد کر کے حکم دیا کہ مملتی کے راستہ سے غازی پور لے جاؤ۔ کشتی آرائش اور فرمائش کے لئے حکم دیا کہ ساز و سلان سمیت ہمارے ساتھ ساتھ لے چلو۔ جب ملک بہار اور سردار سے اطمینان ہو گیا تو پیر کے دن چترموک ندی کے راستہ سے اودھ اور کنار سرود کی طرف کوچ کر کے دس کوس کا راستہ طے کیا۔ پیر کے دن اسماعیل طلوانی۔ علاء الدین توخانی اور اولیا خاں سروانی نے مع پانچ چھ سرداروں کے ملازمت حاصل کی۔ آج ہی چین تیور سلطان کو نارونول کے پرگنہ سے تیس لاکھ اور توختہ بوغا سلطان کو پرگنہ شمس آباد سے تیس لاکھ عنایت کئے۔

بہار اور بنگال سے مراجعت کر کے بین وغیرہ کے استیصال کی طرف توجہ :- پیر کے دن پانچویں تاریخ بنگالہ اور بہار سے فارغ ہو دریائے سرود کے کنارے کی منزل سے موضع کوند کی نواح میں بین اور شیخ بایزید کے فساد فرد کرنے کا مصمم قصد کر کے کوچ کیا۔ دو منزل چل کے بدھ کے دن چترموک ندی کے گھاٹ پر جو سکندر پور کے پاس ہے لشکر فروکش ہوا۔ آج ہی اہل لشکر عبور کرنے لگے۔ ان حرام خوردوں کی متواتر خبریں آئیں کہ وہ سرود سے پار ہو لکھنؤ کی طرف گئے ہیں۔ ان کے راستے روکنے کے لئے ترک اور ہندوستانی سرداروں میں سے جلال الدین شرقی۔ علی خاں فرملی۔ نظام خاں سلی۔ قمر شمس ازبک۔ قربان چرچی اور حسین خاں دریا خانی مقرر ہوئے۔ ان سرداروں کو جمعرات کے دن رخصت کیا۔ آج ہی رات کو تراویح پڑھ چکے

سے کوس بھر پر اترنا۔ ظہر کے وقت معجون کھائی۔ ابن حسین بیک کو بھیج کر شیخ زین۔ ملا شہاب اور آخوند امیر کو بلایا۔ عصر کی نماز کے وقت پہلوانوں نے کشتیاں کیں۔ بدھ کے دن اس منزل میں مقام ہوا۔ چاشت کے وقت معجون کھائی۔ آج ملک شرق جو تاج خاں کو چنار سے نکلنے کے لئے گیا تھا آیا۔ آج پھر پہلوانوں کی کشتی ہوئی۔ پہلوان اودی جو اول آیا تھا ہندوستانی پہلوان سے جو آج کل میں آیا ہے لڑا۔ اور ہاتھ ملائے ہی اس نے اس کو دے مارا۔ بچی نوزخانی کو پندرہ لاکھ کا علاقہ سردار سے اس کی تنخواہ میں اور خلعت دے کر رخصت کیا۔ دوسرے دن گیارہ کوس کی منزل کر کے اور دریائے کوی سے اتر کے اسی دریا کے کنارے پر لشکر اترنا۔ جن امراء اور سلاطین کو بین اور شیخ بایزید کے استیصال کے لئے بھیجا تھا ان کی خبر آئی کہ وہ ملو پہنچے ہیں۔ مگر ابھی گنگا کے پار نہیں گئے۔ دل چڑا رہے ہیں۔ ان کے نام فرین بھیجا گیا کہ گنگا سے پار ہو کر غنیم کا پیچھا کرو۔ جتنا سے بھی پار ہو جاؤ۔ عالم خاں کو اپنے ساتھ لے لو اور غنیم کا اچھی طرح استیصال کرو۔ اس دریا سے پار ہو دو منزلیں چل کر ہم ولمو میں پہنچے۔

گنگا کے گھاٹ سے آج ہی اکثر لشکر پار ہوئے۔ لشکر کو تو چلتا کیا اور میں نے کھاٹ کے نیچے کی جانب نیلے میں ٹھہر کر معجون کھائی۔ بقیہ فوج کے اترنے کے لئے نہیں جہاں سے اترے تھے مقام کر دیا باقی تاکندی اپنے لشکر سمیت آج ہی آیا اور اس نے ملازمت حاصل کی۔ ہم گنگا سے ایک منزل کر کے کوارہ کے پاس آرنندی کے کنارے پر اترے۔ ولمو سے کوارہ اکیس کوس ہے۔ جمعرات کو اس مقام سے اندھیرے میں کوچ کر دیا۔ اور پرگنہ آدم میں ڈیرے ہوئے۔ دشمنوں کا تعاقب کرنے کے خیال سے دو ایک ملاحوں کو آگے سے روانہ کر دیا تھا کہ جتنی کشتیاں ہاتھ لگیں لے آؤ۔ ہم ہی منزل میں تھے کہ رات کو کچھ کشتیاں آگئیں۔ اور دریا کا گھاٹ بھی دریافت ہو گیا۔ رہ گزر درست کرنے کے واسطے چند روز اس جگہ ٹھہرنا پڑا۔ میں نیلے ہی میں رات دن رہا۔ مخالفوں کی خبر لانے کے لئے باقی شقاول کو کچھ فوج کے ساتھ دریا سے پار روانہ کیا۔ دوسرے دن جمعہ کو عصر کے وقت باقی آیا اور خبر لایا کہ مبارک خاں حلوانی نے شیخ بایزید اور بین کو شکست دے کر ان کے کئی عمدہ آدمی قتل کر ڈالے۔ کئی سر اور ایک زندہ آدمی گرفتار کر کے بھیجا ہے۔ اس کیفیت کو اس نے مشرح بیان کیا۔ اسی رات جو تیرہویں تاریخ اور ہفتہ کی رات ہے۔ جتنا چڑھی۔ صبح ہی ہم اس نیلے سے

جس کو درست کیا تھا دوسرے نیلے میں چلے گئے اور خیمے کھڑے کر دیئے۔

پھر کے دن حلال تائیکندی ان امراء اور سلاطین کے پاس سے آیا جو بطریق ایلغار مخالفوں پر گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی چڑھائی کی سن کر شیخ بلذیز اور بین پرگنہ جموہ سے بھاگ گئے۔ ادھر تو برسات سر پر آگئی اور ہر پانچ چھ مہینے سے جو فوج کشی ہو رہی ہے تو اہل لشکر کا ساز و سلان خراب ہو گیا تھا۔ اس واسطے ان امراء اور سلاطین کو کہلا بھیجا کہ تازہ فوج پہنچنے تک اسی نواح میں تم توقف کرو۔ بقی شقوول کو آج ہی عصر کے وقت مع لشکر رخصت کر کے روانہ کیا۔ موسیٰ معروف فری کو جو دریائے سرود کے چھوڑتے وقت حاضر ہوا تھا تیس لاکھ کی جاگیر امروہہ کے علاقہ کی اس کی تنخواہ میں دی اور خلعت خاص مع گھوڑا اس کو دے کر امروہہ جانے کی رخصت عطا کی۔ جب ادھر سے خاطر جمع کر لی تو منگل کی رات کو تین پہر پر ایک گھڑی گزرنے کے بعد ہم چل کھڑے ہوئے کاپلی کے پرگنہ نیلاور میں دوپہر کو ذرا دم لیا اور گھوڑوں کو دانہ گھاس کھلا مغرب کے وقت سوار ہو گئے۔ رات کو تیرہ کوس چل کر رات کا تیسرا پہر تھا جو کاپلی کے علاقہ کے شوکون پور میں پہنچے۔ بہادر خاں شروانی کے کور خانہ میں اتر کر سو رہے۔ صبح کی نماز کے وقت وہاں سے کوچ کر دیا۔ اور اٹھارہ کوس کا راستہ طے کر کے دوپہر کو اٹارے جا پہنچے۔ مدی خواجہ نے پیشوائی کی۔ پہر رات گئے وہاں سے سوار ہو گئے۔ راستہ میں میں نے ذرا استراحت کی۔ اٹھارہ کوس چل کر فتح پور راہری میں دوپہر کو ہم آن اترے۔

آگرہ میں داخل ہو گئے :- ظہر کے وقت فتح پور سے سوار ہو سترہ کوس کا راستہ طے کر کے آدھی رات گئے باغ ہشت بہشت میں ہم داخل ہو گئے دوسرے دن جمعہ کو محمد بخش اور امراء نے حاضر ہو کر ملازمت حاصل کی۔ ظہر کے قریب جننا سے پار ہو خواجہ عبدالحق سے میں ملا۔ قلعہ میں گیا اور سب میٹکوں سے ملا۔ تلخی پالیر کار کو خربوزے لانے کے لئے حکم دیا گیا تھا۔ اس نے کچھ خربوزے بچا رکھے تھے حاضر کئے۔ اچھے خربوزے تھے دو ایک پودے انگور کے باغ ہشت بہشت میں لگوائے تھے اس میں بھی اچھے انگور لگے۔ شیخ گھورن نے بھی انگوروں کا ایک ٹوکرا بھیجا۔ ملاحظہ سے گزرا۔ ہندوستان میں ایسے انگور اور خربوزے ہونے سے دل خوش ہوا۔

اہل محل کاٹل سے آئے :- ہفتہ کے دن دوپہر کو ماہم کاٹل سے آئی۔ عجیب بات

حوالہ جات

- ۱۔ ترجمہ از "انڈین اسلام" اس وصیت کی ایک نقل اسٹین لائبریری بھوپال میں ہے۔
- ۲۔ اکبر نامہ ج ۱ ص ۱۱۸۔ ۲۔ تاریخ ہند ہنری الیٹ ج ۲ ص ۳۲۰-۳۱۸
- ۱۔ بابر کی سوانح مولفہ ولیم ارکسن ص ۵۳۳۔ ۲۔ 'الفنشن' تاریخ ہندوستان ج ۲ ص ۱۱۹-۱۱۷
- ۶ جون ۱۱۹۳ء۔ ۱۔ اس سنہ میں انھوں نے چارلیس نے ہند پر حملہ کیا تھا ۱۲۔ ۳۔ المانیج یا المائیک ترکی میں سیب کے درختوں کے جھنڈ کو کہتے ہیں۔ یہ مقام کاشان کے شمال میں کوہ الاناغ کے دوسری جانب ہے ۱۲۔ ۵۔ الماتو ترکی میں اس زمین کو کہتے ہیں جس میں سیب کثرت سے پیدا ہوں ۱۲۔
- ۶۔ اطراف درمیان تاشقند اور ارال سمیل کے واقع ہے امیر تیمور صاحبقران کے زمانہ میں یہ مقام مشہور تھا۔ امیر محمود جب چین پر چڑھائی کرنے گئے ہیں تو ہمیں ان کا انتقال ہوا تھا ۱۲۔
- ۷۔ اس کو تباکت اور قبأت بھی کہتے ہیں۔ دریائے سیحوں یا سر کے کنارے پر تاشقند اور فجنہ کے مابین آباد ہے ۱۲۔
- ۸۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں لکھا ہے۔ شہر میں نوچکیوں سے یا نوچکیوں کے برابر نہر کا پانی آتا ہے ۱۲۔
- ۹۔ جان لیڈن نے یوں لکھا ہے۔ "یہاں کی آب و ہوا خراب ہے۔ آمد گرمی میں تپ و لرزہ کی کثرت ہوتی ہے" مگر الفنشن کے ترجمہ میں وہی فقرہ ہے جو ہمارے ہاں ہے ۱۲۔
- ۱۰۔ فرسنگ چار میل انگریزی یا تین میل شری کا ہوتا ہے۔ جان لیڈن لکھتا ہے کہ اگلے زمانہ میں فرسنگ نو پر اسکا کہتے تھے ۱۲۔
- ۱۱۔ یہ ندی دریائے سر کے معاونوں میں سے ہے جو مابین پہاڑ اور شہر کے بہتی ہے ۱۲۔
- ۱۲۔ جان لیڈن نے "سُلعن" لکھا ہے ۱۲۔
- ۱۳۔ خراسان اور عراق کے بیچ میں قریب و امغان ایک شہر ہے ۱۲۔
- ۱۴۔ خوبانی ۱۲
- ۱۵۔ ایک قسم کا بہن ہوتا ہے جو سفید ہوتا ہے ۱۲۔
- ۱۶۔ تاجیک اس ملک کے شہروں اور دیہاتوں کے رہنے والوں اور کسانوں کو کہتے ہیں۔ ان کی زبان فارسی ہے۔ جیسے ایک فرقہ ترک ہے۔ ویسا ہی ایک فرقہ تاجیک ہے۔ شاید یہ لوگ یہاں کے نہری

۴۰۔ غالباً اس زمانہ میں وہاں والے بھی اسی طرح مگھو نم مگھونا لڑتے ہوں اور اس کی مشق کرتے ہوں جس طرح آج کل پاکستان اور فری اسٹائل کشتیاں ہوتی ہیں۔

۴۱۔ شاید یہ وہی معجون ہو جس میں بھنگ ڈالتے ہیں اور وہ نشہ کرتی ہے۔ نشہ بازوں کی اصطلاح میں اس کو معجون کہتے ہیں ۴۲۔

۴۲۔ یہ فقرہ اس کتاب میں تو ہے جس سے میں نے ترجمہ کیا ہے مگر اور کسی نسخہ میں نہیں ہے چونکہ اس کا مطلب معلوم نہیں ہوا اس لئے اس کا لفظی ترجمہ کر دیا ۴۳۔

۴۳۔ پہاڑی بکری کی چھلانگ ۴۴۔

۴۴۔ یہ لڑائی اس ملک میں واقعہ عظیم خیال کی جاتی ہے ۴۵۔

۴۵۔ شاید یہ وہی دریا ہے جو دریائے سر میں گرتا ہے اور ترکستان کے عمدہ حصہ میں سے گزرتا ہے ۴۶۔

۴۶۔ خواص شلغ اور اسیبہ میں واقع ہے ۴۷۔

۴۷۔ حیرام دریائے سر کے کنارے پر تاشقند سے نیچے کی جانب واقع ہے ۴۸۔

۴۸۔ چیر جس کو سرو دریائے خند بھی کہتے ہیں زمانہ قدیم میں اس کو بیکرز کہتے تھے اس کو چای پاشاں کا دریا بھی کہتے ہیں ۴۹۔

۴۹۔ یہ لفظ جان لیڈن کے ترجمہ میں بھی ہے فارسی کے اور نسخوں میں اس مقام پر نہیں ہے ۵۰۔

۵۰۔ قراکوز۔ سیاہ چشم ۵۱۔

۵۱۔ ۱۲ ۵۵۰۳

۵۲۔ ۱۲ ۶۱۵۱۱

۵۳۔ نسخہ دودا خان بن جراتق خان بن ایس لونا خان بن موآو خان ۵۴۔

۵۴۔ نسخہ (راس) ۵۵۔

۵۵۔ آثار کے لوگ اپنی قوم کا شمار گھروں سے اور خیموں وغیرہ سے کیا کرتے ہیں ۵۶۔

۵۶۔ قزاقوں یا قزاقوں ترکمان یعنی کل بھینڑوں والے ترکمان۔ تاریخ فارس اور بغداد میں ان کے نام یہ ہی لکھے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان قوموں کے جھنڈوں پر یہی علامتیں بنی ہوئی تھیں ۵۷۔

۵۷۔ یاگی یا بنگی، شر جدید جس کو عربی میں الکیراء الجدید کہتے ہیں، یعنی اطوار دریائے سر کے کنارے پر ترکستان میں ایک شہر ہے ۵۸۔

۵۸۔ نسخہ (اشرو) اس کا ذکر تاریک تیمور یہ میں آیا ہے۔ یا نگلی سے شمال مشرق کی جانب ایک ندی کے کنارے پر دریائے میں ملتی ہے آباد ہے ۳۔

۵۹۔ مطابق ۱۵۰۵ء ۱۲

۶۰۔ یہ محمد حسین گورکان سلطان محمد خان کی طرف سے اور اتیبہ کا حاکم تھا۔ ۱۳۔

۶۱۔ یہ کاشغر کا ایک شہزادہ تھا۔ ۱۳۔

۶۲۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں اس کے آگے یہ فہرہ ہے۔ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام حیدر مرزا رکھا۔ ۱۳۔

۶۳۔ ۱۵۰۳ء ۱۲

۶۴۔ زکیر اکشتانہ جیسا ہوتا ہے۔ تیر اندازی کے وقت اس کو انگوٹھے میں پہن لیتے ہیں۔ یہ حیوان کے سینک اور ہڈی وغیرہ سے بنتا ہے ۱۳۔

۶۵۔ نسخہ (دو بیٹیاں) ۱۲

۶۶۔ جان لیڈن نے بیکہ خان لکھا ہے۔ ظاہر جان لیڈن نے غلط فہمی سے جانی بیکہ خان کو بیکہ خان لکھ دیا ہے ۱۳۔

۶۷۔ والی کاشغر ۱۲

۶۸۔ نسخہ (الوس آغالی) ۱۲

۶۹۔ نسخہ (ایک یا ڈیڑھ سال)

۷۰۔ نسخہ (فاطمہ سلطان آغا قوم غل میں سے ایک سردار کی بیٹی تھی۔ عمر شیخ مرزا نے سب سے پہلے اس سے شادی کی تھی) ۱۲

۷۱۔ نسخہ (یون سلطان) ۱۲

۷۲۔ خدا بیروی یعنی الہ داد، یا خدا داد، تیمور، فولاد، تاش، پتھر ۱۲

۷۳۔ نسخہ (ایک سو چھپیس فرسنگ) یعنی ۵۰۴ میل ۱۲

۷۴۔ جان لیڈن نے یہ فہرہ یہاں لکھا ہے۔ ”اور سلطان احمد مرزا کا ملازم ہو گیا۔“ ۱۲۔

۷۵۔ نسخہ (جب یہ خبر پہنچی کہ دریائے چہ کی لڑائی میں سلطان احمد مرزا کو شکست ہوئی تو حافظ محمد بیک دولہائی اور اتیبہ کا حاکم تھا ۱۲

۷۶۔ نسخہ (برزخ) ۱۲

۷۷۔ یہ بابر مرزا ابن باہر مرزا ابن شاہرخ مرزا ابن امیر تیمور تھا۔ نہایت ہوشیار شہزادہ تھا۔

کچھ دن تک خراسان کا حاکم بھی رہا تھا۔ ۱۳۵۷ء میں اس کا انتقال ہوا۔

۷۸۔ گھوڑے پر سوار ہو کر گیند بلا کھیلنے کو کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں اس کا نام پولو ہے جو انگریزی ہے۔

۷۹۔ مینڈک کی چھلانگ۔ یہ بھی ایک قسم کا کھیل ہے۔ غالباً ہمارے ہاں جو کوڑی ذقن کھیل ہے وہی یہ بھی ہو۔

۸۰۔ دریائے سر کے شل میں ہے۔

۸۱۔ یہ لڑائی ۹۰۳ ہجری میں ہوئی تھی۔

۸۲۔ نسخہ (سبکی) ۱۲

۸۳۔ مطابق ۱۵۰۴ء ۱۲

۸۴۔ قندھار سے نوے میل مغرب میں دریائے ہرمند کے سیدھے کنارے پر اوپر کی طرف واقع ہے۔

۸۵۔ جان لیڈن نے اس مقام پر ”میرے پاس“ بھی لکھا ہے۔

۸۶۔ سلطان محمود غزنوی نے جب کاشان پر قبضہ کر لیا ہے تو اس وقت سے محمود خان کے مرنے تک وہ خانہ کی خدمت میں رہا۔

۸۷۔ ترکی میں خواجہ سرائینی خوجہ کو کہتے ہیں۔

۸۸۔ مطابق ۱۰ جون ۹۱۳ء ۱۲

۸۹۔ اندجان کا چار باغ محل میں تھا۔

۹۰۔ نسخہ (قلعہ بچانے کے لئے میں روانہ ہوا)۔

۹۱۔ نسخہ (شیرم طفلی میرے گھوڑے کو پکڑ کر عید گاہ روانہ ہوا)۔

۹۲۔ نسخہ (اوزکند بڑے نقطہ وار) یہ مقام کوستان الاتاغ کی طرف اوش کے شمال میں آباد ہے۔

۹۳۔ نسخہ (محمد درزی)۔

۹۴۔ دفعہ فوج کا جانا دھاوا یا رش۔

۹۵۔ نسخہ (فرسنگ)۔

۹۶۔ قبا، فتح اول۔ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو شراندجان کے مغرب میں دریائے قبا کے کنارے پر

ہے۔

۹۷۔ نسخہ (درویش کا)۔

۹۸۔ دریائے ج ۱۲

۹۹۔ داروند دیوان خانہ ۱۲

۱۰۰۔ اور کندہ ۱۲

۱۰۱۔ شاہ سلطان بیگم عمر شیخ مرزا کی ماں تھیں ۱۲۔

۱۰۲۔ آتش۔ ایک جسم کا سامن ۱۲

۱۰۳۔ اور آئینہ ۱۲

۱۰۴۔ آسو۔ آسو ۱۲

۱۰۵۔ وسط جولائی ۱۳۹۳ء

۱۰۶۔ تاریخ حبیب السیر میں لکھا ہے کہ وہ مقام آریٹا میں جو دریا کے کنارے پر ہے مرا ہے۔ دریائے آسو یعنی دریائے سفید ایک بہت بڑا دریا ہے۔ یہ دریا کوستان سفرو سے نکل کر بغداد کے ذرا مغرب کی طرف دریائے سر میں جا گرتا ہے ۱۲۔

۱۰۷۔ ۱۳۵۹ء ۱۲

۱۰۸۔ قلمی نسخہ میں یہ الفاظ (قون۔ قار۔ سفلی لقی) بھی ہیں ۱۲۔

۱۰۹۔ کنارہ یا بندش ۱۲

۱۱۰۔ اس کی کسی وقت کی نماز ترک نہ ہوئی تھی ۱۲

۱۱۱۔ ترکوں میں دستور تھا کہ تیر اندازی کی مشق اس طرح کرتے تھے کہ ایک بانس وغیرہ پر ایک قتی (برنجی عرف) رکھ کر نشانہ لگھ اور حد بناتے تھے جس کو الیالون کہتے تھے۔ کبھی تو کسی خاص مقام پر کھڑے ہو کر قتی پر نشانہ لگاتے تھے اور بعض وقت گھوڑے پر سوار ہو کر گھوڑا دوڑاتے ہوتے اور تیر مارتے ہوئے اس حد پر سے گزرتے تھے ۱۲

۱۱۲۔ سلطان شاہرخ مرزا ابن صاحبقران امیر تیمور گورکان کا بڑا بیٹا اور سرقند کا بادشاہ تھا۔ یہ بادشاہ نہایت عالم۔ فاضل اور مندس تھا۔ اس کے وقت میں زچچ تیار ہوئی تھی۔ جس کو زرخ الغ بھی کہتے ہیں ۸۸۳ء میں باپ کی طرف سے ملوراء النیر کا حکم ہوا۔ ۸۸۵ء میں اپنے باپ شاہرخ مرزا کے انتقال کے بعد مستقل بادشاہ ہوا ۱۲

۱۱۳۔ وہ میدان جس میں دریا بہتا ہے ۱۲۔

۱۱۴۔ رامن یا زامن اور آئینہ کے ضلع میں واقع ہے ۱۲۔

۱۱۵۔ یہ مقام اور آئینہ اور تانگند کے مابین میں ہے ۱۲۔

۱۶۔ تاشقند شاہر فیہ اور یرام کے درمیان میں ہے ۱۲

۱۷۔ قن بیگم۔ تعلق بیگم ۱۲

۱۸۔ یعنی حسین بیگم ۱۲

۱۹۔ یعنی حسینی بیگم ۱۲

۲۰۔ پچھلے زمانہ میں مغلوں اور ترکوں کی سرکار میں ترخان ایک عمدہ تھا پھر حضرت بابا پادشاہ کے وقت میں وہ مخصوص خاندان ہو گیا تھا۔ قدیم ترخان سے کوئی خدمت نہ لی جاتی تھی۔ اس کو اتنی لوٹ - حاف تھی کہ شاہی حصہ بھی اس کی لوٹ میں سے نہ لیا جاتا تھا۔ وہ پادشاہ کے حضور میں بے اجازت چلا جاتا تھا اور حضور شاہی میں اس کو اجازت تھی کہ جو چاہے عرض کرے۔ کچھ ہی جرم کیوں نہ ہو نو دفعہ تک تو معاف ہو جاتے تھے ۱۲

۲۱۔ ترکوں میں گھونگھٹ کی قدیمی رسم ہے۔ یہ گھونگھٹ بہت دن تک ہر رشتہ دار کے سامنے پڑا رہتا ہے۔ بہت دن کے بعد رشتہ داروں میں سے کسی بچہ سے کہتے ہیں کہ اس کا گھونگھٹ اٹھا کر ہماک جا۔ وہ بچہ یہی کرتا ہے۔ گھونگھٹ اٹھانے والے بچہ کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی شاہی جلد ہو گی ۱۲۔

۲۲۔ احمد جان بیگ ۱۲

۲۳۔ ایک نسخہ میں حمزہ سلطان لکھا ہے۔ غالباً اس کی غلطی ہو ۱۲

۲۴۔ جان لیڈن اس فقرے کی جگہ یہ فقرہ (سلطان ابو سعید مرزا نے اس کو سرحد کی حکومت دی

جہاں وہ کئی برس تک حاکم رہا) لکھا ہے ۱۲

۲۵۔ یہ ایک قسم کا گھوڑا ہے جو بہت چالاک اور گول بدن کا ہوتا ہے۔ اس کو ایک خاص قدم

لکھایا جاتا ہے ۱۲

۲۶۔ شیلان ایک قسم کی دعوت ہے جو اپنے ماتحتوں کی کی جاتی ہے۔ اس میں اوسط درجہ کی قسم کا

لکھانا ہوتا ہے ۱۲۔

۲۷۔ یہ ایک بابا ہے۔ نسخہ مطبوعہ میں تنبور لکھا ہے ۱۲

۲۸۔ آٹھ سو ۱۲

۱۔ اغور۔ یوغور۔ ادغور تاتاریوں میں ایک مشہور فرقہ کا نام ہے۔ شاہزادگان تاتار کے ہاں انہی

میں سے کارندے ہوتے تھے۔ ان لوگوں کی تحریر کے حروف عجب طرح کے ہوتے تھے جن کو خط

ابخری کہتے تھے۔ سلطان اغور خاں نے اس خط کو ایجاد کیا تھا۔ اسی سبب سے اس خط کا نام

۱۔ اخروی تھا ۳

۳۰۔ قاعدہ۔ قانون ۳

۳۱۔ قاعدہ۔ قانون ۳

۳۲۔ لٹام یا معشوق ۳

۳۳۔ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۳۹۳ء ۱۲

۳۴۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں (دوسری بنی آق بیگم سے) لکھا ہے ۱۲

۳۵۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں یہ فقرہ یوں ہے قلعہ عکین میں تھے۔ مطبوعہ نسخہ میں بجائے چلتا

۱۲ ہے ۱۲

۱۳۶۔ سلطان محمد ۱۲

۱۳۷۔ سلطان محمود ۱۳

۱۳۸۔ اس کو عربی کے جغرافیہ خوکند لکھا ہے اور اب اس کو کوکن کہتے ہیں۔ یہ مقام نجد اور

آخشی کے راستہ میں ہے ۱۲

۱۳۹۔ قراول وہ دست فوج جو لشکر کے آگے ہو۔ دشمن کے نمودار ہونے کی خبر دے اور رزم گاہ

مقرر کرے۔ قراول بدوق سے شکار کھینے والے کو بھی کہتے ہیں جو اس زمانہ میں قراول کہلاتا ہے ۱۲

۱۴۰۔ ۱۲ ۱۳۹۵ء ۱۲

۱۴۱۔ ۱۲ ۱۳۵۳ء ۱۲

۱۴۲۔ یہ فقرہ مطبوعہ اور ایک قلمی نسخہ میں نہیں ہے ۱۲

۱۴۳۔ دو ایک نسخوں میں یہ فقرہ ایسا لکھا ہوا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا ۱۲۔

۱۴۴۔ جان لیڈن نے تسلیم لکھا ہے۔ اس کی تحقیقات نہ ہم کو ہوئی نہ جان لیڈن کو۔ اس کے

نزدیک نیل گاہ ہے جس کو گوزن کو ہی کہتے ہیں ۱۲

۱۴۵۔ استر آباد ظلیج کیسین کے جنوب و مشرق میں واقع ہے ۱۲

۱۴۶۔ جان لیڈن نے متن میں چکمان لکھا ہے اور نوٹ میں بیان کیا ہے کہ مسٹر منکاف نے نصبان

سرایے لکھا ہے ۱۲

۱۴۷۔ اندر خود پہاڑ بلخ کے مغرب میں پہاڑ کے نیچے ۸۸ میل صحرا کی طرف واقع ہے ۱۲

۱۴۸۔ سیاہ پوشوں کا ملک ۱۲

۱۴۹۔ خط پیچیدہ جو معروف و مشہور ہے۔ اگلے زمانہ میں بادشاہوں کے فرامین کے عنوان میں :- ان

کے نام لکھے جاتے تھے تو بطریق طغرائی لکھے جاتے تھے ۱۲

۱۵۱۔ یہ کو مستثنیٰ ملک ہے اور قرمگین کی سرحد پر ہے ۱۳

۱۵۲۔ قتلان ۱۴

۱۵۳۔ ۱۵۰۳ء ۱۴

۱۵۴۔ زعنب سلطان بیگم ۱۴

۱۵۵۔ سیاہ بھیروں والے۔ یہ ان کا نشان ہے ۱۴

۱۵۶۔ سفید بھیروں والے ۱۴

۱۵۷۔ اس وقت میں شمار کا طریقہ یہی تھا۔ ۱۴

۱۵۸۔ قاف کو زیر ہے۔ یہ ایک جنگل ہے ترکستان میں۔ اس میں اتراک بست رہتے ہیں جو بڑے

لیرے اور بے رحم ہوتے ہیں۔ اس قوم کو بھی متاخرین پہلحق کہتے ہیں ۱۴

۱۵۹۔ جان لیڈن نے یہ فقرہ (اور نیز خود سر ہو گیا تھا) اور لکھا ہے ۱۴

۱۶۰۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں یہ فقرہ اور بھی لکھا ہے (جب اس شہزادہ نے عراق کو فتح کیا کہان

محمود برلاس کو دے دیا تھا) ۱۴

۱۶۱۔ قلمی نسخہ میں کیسلی لکھا ہے۔ یہ مقام علاقہ سمرقند میں ہے ۱۴

۱۶۲۔ شیبہ ایک قسم کا پتھر ہوتا ہے ۱۴

۱۶۳۔ جان لیڈن نے اس فقرہ کو یوں لکھا ہے (قیدیوں میں سے ایک ایک قیدی شاہی خیمہ کے

سامنے لایا جاتا تھا اور قتل کر دیا جاتا تھا) ۱۴

۱۶۴۔ ۱۳۹۵ء ۱۴

۱۶۵۔ الش عربی لفظ ہے جس کے معنی اس کھانے کے ہیں جو کھانا جمونا پچ رہتا ہے مگر اکثر اس کا

استعمال امراء کے جمونے کھانے پر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہمارے ہاں مشہور ہے۔ جان لیڈن نے لکھا

ہے کہ یہ رسم یونانیوں کی رسم کے مطابق ہے ۱۴

۱۶۶۔ تفلکی کمان کا تیر ۱۴

۱۶۷۔ محصور قلعہ کی دیوار کے برابر یا اس سے بلند کھڑی کا یا مٹی کا ایک ٹیلہ سا بناتے ہیں۔ اس

کو سرکوب کہتے ہیں ۱۴

۱۶۸۔ جون ۱۳۹۵ء ۱۴

۱۶۹۔ ترکوں میں یہ جاں نثاری اور اطاعت کی علامت تھی ۱۴

۱۷۰۔ کندرلک ۱۲

۱۷۱۔ معلوم ہوتا ہے کہ کندرلک اور المانی کے راستہ سے آغشی۔ تا کنند اور شاہر فیہ میں اکثر آمد و رفت رہتی تھی ۱۲

۱۷۲۔ بکرگ ۱۲

۱۷۳۔ ہاضم اول و بقول جان لیڈن بکر اول پہاڑی گائے ۱۲

۱۷۴۔ جان لیڈن نے بجائے ”بلغار سیما“ کے صرف ”دیہات شیما“ لکھا ہے ۱۲

۱۷۵۔ گورگن کاف اول مہلی اور کاف دوم فارسی۔ وہ شخص جو نخیال سے بھی شاہزادہ ہو۔ ترکی میں دلدو کو بھی کہتے ہیں۔ چونکہ قراچار یونان ہذا امیر تیمور پختائی خاں بن چنگیز خاں کا دلدو تھا اس لئے قراچار کی اولاد کو کورگن یا کورگلی کہتے ہیں ۱۲۔

۱۷۶۔ ۱۱۳۹۵ء ۱۲

۱۷۷۔ ترند یامین بلخ اور حصار کی دریائے آمو پر ایک بڑا راستہ ہے ۱۲

۱۷۸۔ مسعود مرزا جو سلطان محمود مرزا کا بڑا بیٹا تھا اپنے باپ کے بعد برائے نام حصار وغیرہ کا بادشاہ ہوا تھا مگر زام سلطنت خسرو شاہ سلطنت کے ہاتھ میں تھی ۱۲۔

۱۷۹۔ جان لیڈن نے یہ فقرہ (تاکہ اس کو دریائے آمو سے عبور کرنے کو روکے) اور بھی لکھا ہے ۱۲۔

۱۸۰۔ کلف دریائے آمو پر ترند کے نیچے کی جانب ہے۔ جان لیڈن کا خیال ہی کہ اس حملہ کا مطلب یہ ہے کہ دریا یہاں سے پایاب ہو گا۔ لیکن دریا ایسا کم آب ہو گا کہ اس میں سے پایاب اتر سکیں ۱۲۔

۱۸۱۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں یہ نام نہیں ہے صرف محمد بنذق برلاس ہی ہے ۱۲۔

۱۸۲۔ قرغی ۱۲

۱۸۳۔ جان لیڈن نے اس فقرے کا ترجمہ یہ کیا ہے (اور اکثر امراء کو گھوڑوں پر سے اتار کر قید کیا مگر پھر ان کو چلے جانے کی اجازت دے دی) ۱۲

۱۸۴۔ مذاق سلطان ۱۲

۱۸۵۔ مئی یا جون ۱۳۹۶ء ۱۲

۱۸۶۔ غالباً اس زمانہ میں پتھر کے گولے ہوتے تھے اسی لئے ان موقعوں پر (سنگ زون) لکھا ہے ۱۲۔

۱۸۷۔ طبعان قدز سے تقریباً ساٹھ میل دریا سے اوپر کی طرف واقع ہے ۱۲۔

۱۸۸۔ الف باغ۔ معنی باغ کھاں ۱۲

۱۸۹۔ قدز دریائے اکیرا کے بائیں جانب ہے ۱۲

۱۹۰۔ انگش قدز سے اوپر کی طرف دریائے مذکور کی پہلی پر ہے ۱۲

۱۹۱۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں آگے یہ فقرہ ہے "دوسری بار اسی نے پھر دشمن کی فوج کے ایک حصہ پر حملہ کیا اور کچھ لوگوں کو گھوڑوں پر سے اتار کر ان کے سر کاٹ لئے" ۱۲

۱۹۲۔ مئی یا جون ۱۳۹۶ء ۱۲

۱۹۳۔ قرشی کیش کے جنوب میں ہے ۱۲

۱۹۴۔ اور نئے باغ واقع سرحد میں آیا ۱۲

۱۹۵۔ غدفر ۱۲

۱۹۶۔ فصیل دوحی وہ دوسری فصیل ہوتی ہے جو قلعہ سے باہر ہوتی ہے۔ ان دونوں دیواروں کے بیچ میں راستہ ہوتا ہے ۱۲

۱۹۷۔ ترکوں اور عربوں میں رسم تھی کہ ستون اور خیمہ کی چوب کو مقدس جانتے تھے۔ اسی لئے مجرم اس سے لپٹ کر پناہ لیتا تھا ۱۲

۱۹۸۔ گوک سرائے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس کتاب میں لکھا ہے کہ امیر تیمور نے جو محل سرحد میں بنوائے ہیں ان میں سے ایک گوک سرائے یعنی سبز محل بھی ہے اور پیش ڈی۔ لاکر ڈی نے تاریخ چنگیز خان کے صفحہ ۱۷۱ میں لکھا ہے کہ چنگیز خان نے غیر خان کو جس نے گوک سرائے میں اطرار کو بڑی بہادری سے بچایا تھا مروا ڈالا۔ اسی واقعہ کو صفحہ ۲۲۷ میں پھر بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ گوک سرائے میں ہوا۔ مگر سرحد کا کہیں نام نہیں بیان کیا۔ شاید امیر تیمور نے اس محل کو دوبارہ بنایا ہو گا۔ یا مورخ مذکور نے غلطی کی ہے ۱۲۔

۱۹۹۔ مطبوعہ نسخہ میں "عزیزوں" کا لفظ نہیں ہے ۱۲

۲۰۰۔ مطابق ۱۳ جون ۱۳۹۶ء ۱۲

۲۰۱۔ تین طرف ۱۲

۲۰۲۔ مطبوعہ نسخہ میں ہے (دریا سے اتر کر) جان لیڈن نے لکھا ہے (دریائے کوہک کے درمیان

میں) ۱۲

۲۰۳۔ ملاہائی کا حال سلطان حسین مرزا کے وقت کے شعراء میں لکھا جائے گا ۱۲

۲۰۴۔ ستمبر ۱۳۹۶ء ۱۳

۲۰۵۔ اشرب ۱۳

۲۰۶۔ قوفین اور اس کی فواح ۱۳

۲۰۷۔ جان لیڈن نے (خواجہ کارڈزن) لکھا ہے۔ مگر یہ نام غلط اور ہمارے متن کا صحیح معلوم ہوتا

ہے ۱۳

۲۰۸۔ شینی ۱۳

۲۰۹۔ مئی ۱۳۹۷ء ۱۳

۲۱۰۔ کہتے ہیں کہ شیراز شہر سمرقند سے پچیس میل شمال میں ہے ۱۳

۲۱۱۔ کچھ کھیت میدان میں محفوظ کئے جاتے ہیں اور ان پر سپاہی تعینات رہتے ہیں۔ جاڑ کے

موسم میں وہاں امراء خیمے ڈال کر رہتے ہیں اور لفاف موسمی اٹھاتے ہیں ۱۳

۲۱۲۔ قراویہ لاق ۱۳

۲۱۳۔ لغت میں کیلیان اس عام تفریح گاہ کو کہتے ہیں جس کے راستہ میں دورویہ درخت لگے ہوئے

ہوں اور جو بہت وسیع ہو ۱۳

۲۱۴۔ جس کو اس زمانہ میں چیف جنس کہتے ہیں ۱۳

۲۱۵۔ جان لیڈن نے میر شکار کا ترجمہ جادو اور نیز کجکات جاننے والا لکھا ہے ۱۳

۲۱۶۔ یورت خان یعنی خان کا کان یا چوکی ۱۳

۲۱۷۔ چاہتی یعنی چرا ہوا چہرہ ۱۳

۲۱۸۔ ایک گاؤں کا نام ہے جو دریائے مفاک پر واقع ہے۔ یہ دریائے سمرقند کے مائل بہ شرق بہتا

ہے ۱۳

۲۱۹۔ کوہ پر ۱۳

۲۲۰۔ یہ ایک مضبوط تلاری یا عصا ہوتا ہے جس کے ایک سرے پر فولاد کے گولے زنجیروں سے

جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ بہت بہت ناک ہتھیار ہے۔ ہمارے ملک کے میواتی اور دیہاتی ہانس

کے لٹھے رکھا کرتے ہیں جن میں لوہے کے کڑے چڑھے ہوتے ہیں یا گنڈا سے جڑے ہوئے ہوتے

ہیں غالباً "پیازی بھی اسی قسم کا حربہ ہو ۱۳

۲۲۱۔ ترناؤ ۱۳

۲۲۲۔ سردی گزارنے کی جگہ

- ۲۲۳۔ ایک نسخہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ (باپ نے بیٹے پر اور بیٹے نے باپ پر چڑھائی کر دی) ۱۲
- ۲۲۴۔ قوش خانہ یعنی باز دار خانہ ۱۲
- ۲۲۵۔ زمین و اور بلندہ کے مغرب میں پہاڑ کے نیچے دریائے سند کے دائیں کنارہ پر واقع ہے ۱۲
- ۲۲۶۔ ۱۲ ۱۳۵۷ء
- ۲۲۷۔ سکندر اعظم ۱۲
- ۲۲۸۔ جس کا تخمینہ ۵ میل کا احاطہ ہے ۱۲
- ۲۲۹۔ خواجہ صاحب کی زندگی کا آخری حصہ چونکہ خرسک میں جو مضافات سمرقند سے ہے گذرا ہے اس لئے ان کو خرسکی کہتے ہیں ۱۲
- ۲۳۰۔ باغ بے عیب یعنی عمدہ باغ ۱۲
- ۲۳۱۔ جس راستہ پر دو رویہ درخت لگے ہوئے ہوں اور وہ عام تفریح گاہ ہو ۱۲
- ۲۳۲۔ سیانی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ آب بڑے دریا سے مراد ہے ۱۲
- ۲۳۳۔ اس کا نام انگریزی میں پٹولی ہے۔ جو علم جغرافیہ کا عالم تھا ۱۲
- ۲۳۴۔ اس کی دو منزلوں کے ستون پتھر کے ہیں ۱۲
- ۲۳۵۔ کچھ مارچ۔ کچھ ہانس اور بعض دوسری خاص قطع کے ہیں ۱۲
- ۲۳۶۔ شمالی چین ۱۲
- ۲۳۷۔ انار کی قسم ہے جس کو گلزار کہتے ہیں اس کا پھول بڑا ہزارہ ہوتا ہے۔ گلاب کے پھول جیسے۔ ایک درخت کا بھی نام ہے جو نہایت خوبصورت اور گہن کا ہوتا ہے ۱۲
- ۲۳۸۔ آسیا چلی کو کہتے ہیں، ایک پن چلی کے لئے ایک نہر کی ضرورت ہوتی ہے، آٹھ آسیا آٹھ
- نہریں ۱۲
- ۲۳۹۔ وہ مقام جس میں جاڑے کا موسم گزارتے ہیں ۱۲
- ۲۴۰۔ خان کے اترنے کا مقام ۱۲
- ۲۴۱۔ جان لیڈن نے اولاً تک تو روغ لکھا ہے ۱۲
- ۲۴۲۔ کول کے معنی تالاب ۱۲
- ۲۴۳۔ تقریباً بیس میل ۱۲
- ۲۴۴۔ بخارا کے تحت میں سات ضلع ہیں اور ہر ضلع مثل ایک شہر کے ہے ۱۲
- ۲۴۵۔ تقریباً ۳۶ میل ۱۲

۲۳۷- طاق کسری شربعداد کے جنوب میں واقع ہے ۱۲

۲۳۷- ان کا نام غیاث الدین بھاکیر مرزا تھا۔ یہ امیر کے بڑے بیٹے تھے اور امیر کے سامنے ان کا انتقال ہوا تھا ۱۲

۲۳۸- جس زمانہ میں ایشیا میں مسلمان عی مسلمان حکومتیں نظر آتی تھیں اس زمانہ میں ایشیا کے یہ چار مقام مشہور تھے۔ شعب بوان، سفدرقہ، غوطہ دمشق، مصلائے شیراز ۱۲

۲۳۹- چنگ ۱۲

۲۵۰- اور چینی (بہ داؤ) یا اور چینی (بہ دال) یہ رہا ملک کالچ ہے جو اندجان کے شرق میں ہے ۱۲

۲۵۰- ؟؟ اپنی ماں اور سوتیلی ماں سے ہے یا اپنی والدہ اور ثانی سے ہے ۱۲-

۲۵۱- مارچ ۱۳۹۸ء

۲۵۲- سلطان ایلک یا سلطان الیک ۱۲

۲۵۳- جب کہ میں نجد میں تھا ۱۲

۲۵۴- خان بھی جو میرا ماموں ہے ۱۲

۲۵۵- مقام۔ مکان۔ مرغزار اور وادی ۱۲

۲۵۶- کہتے ہیں کہ کندزلیک اور ابانی۔ تائکنہ اور آخشی کے بیچ کی سڑک پر پہاڑوں کے درمیان واقع ہے ۱۲

۲۵۷- داروغہ دیوان خانہ پنیرلین۔ ناظر۔ خوجہ سے مراد نہیں ہے ۱۲-

۲۵۸- جان لیڈن کے ترجمہ میں نہیں ہے ۱۲

۲۵۹- اس زمانہ میں دستور تھا اور اب بھی ریاستوں میں دستور ہے کہ توپ خانہ میں رات کے بارہ بجے اور صبح کے وقت نغارہ بجا ہے جیسا کہ انگریزی فوج میں چھ گھڑی کی توپ چھٹی اور نماز کے وقت انگریزی بابا بجا ہے ۱۲-

۲۶۰- یواج۔ یہ مشہور راستہ دریائے آمو پر قبوین کے اوپر کی جانب ہے ۱۲

۲۶۱- شیرخان بلخ کا مغربی علاقہ ۱۲

۲۶۲- میدان ذراک چول۔ ریتلے میدان کو کہتے ہیں ۱۲

۲۶۳- فارسی سنوں میں توسان۔ جارج لکھا ہے جس سے دو مقام ثابت ہوتے ہیں اور جان لیڈن کے ترجمہ میں سان چارک بے عطف لکھا ہے جس سے ایک ہی مقام معلوم ہوتا ہے ۱۲

۲۶۴- قلعہ بست ہلمند کے بائیں کنارہ پر زمین داور سے نیچے کی جانب واقع ہے۔ زمین ۱۰ اور

پھاڑوں کے آگے دریائے سیند کے دائیں کنارہ پر پلائی ست میں ہے ۴

۲۶۵۔ الگ سبزہ زار پر یہ سبزہ زار ہرات کے قریب ہے ۴

۲۶۶۔ جان لیڈن نے لکھا ہے کہ ”اپنی بیٹی سے شادی کر دی مگر آئندہ کے واقعات سے معلوم ہوتا

ہے کہ اس وقت نہیں ہوئی بلکہ کچھک بیگم (جو سلطان حسین مرزا کی ایک بیٹی تھی) کی ماں نے

اپنی بیٹی دینی منظور نہ کی۔ اس کے بست دن بعد جب مسعود مرزا ٹاویٹ ہو چکا ہے تو بیگم سلطان

(سلطان حسین مرزا کی دوسری بیٹی) سے مرزا کی شادی ہوئی ۱۳

۲۶۷۔ یہ وہ الف بیگ نہیں ہے جو سمرقند کا مشہور بادشاہ تھا بلکہ یہ صرف کابل کا بادشاہ اور سلطان

عمر شیخ کے بھائیوں میں سے تھا ۱۳۔

۲۶۸۔ رائین۔ براہ صملہ ۴

۲۶۹۔ یہ مقام سمرقند کے مغرب میں ہے ۱۳۔

۲۷۰۔ جان لیڈن نے صرف ۱۳ فرسنگ لکھے ہیں یعنی ۵۶ میل ۱۳۔

۲۷۱۔ جب حضرت بابر نے اندجان جانے کے لئے سمرقند چھوڑا ہے تو علی مرزا نے بخارا سے آکر

سمرقند پر قبضہ کر لیا تھا ۱۳

۲۷۲۔ جان لیڈن نے یہ فقرہ یوں لکھا ہے۔ ”جب موسم بہار میں سلطان علی مرزا مع لشکر شیراز و

کابل کی نواح کی طرف روانہ ہوا تو خواجہ یحییٰ کو میرے پاس اس نے صلح کرنے کے لئے بھیجا“ ۱۳

۲۷۳۔ جان لیڈن نے نوٹ میں اس کو کیدو لکھا ہے اور ایک قلمی نسخہ میں کابل بھی لکھا ہے ۱۳

۲۷۴۔ جان لیڈن نے تخمیناً ”چوبیس“ فرسنگ لکھا ہے جس کے ۹۶ یا ۱۰۰ میل ہوتے ہیں ۱۳۔

۲۷۵۔ ننگ آب بہ کاف فارسی ۱۳

۲۷۶۔ میر دوست بیگ ۱۳

۲۷۷۔ جگر آگ ۱۳

۲۷۸۔ دو میل یا ڈیڑھ میل ۱۳

۲۷۹۔ دیکھ ۱۳

۲۸۰۔ منغت ۱۳

۲۸۱۔ بابرین ۱۳

۲۸۲۔ جب مخالف اندجان پہنچے اور ان کو معلوم ہوا کہ اہل قلعہ میرے ساتھ ہیں تو کوئی بات قرار

نہ پائی اور سب منتشر ہو گئے ۱۳

۲۸۳۔ جون ۱۳۹۹ء ۱۲

۲۸۴۔ اوزکند ۱۲

۲۸۵۔ جان لیڈن کے ہاں اس مقام پر یہ فقرہ بھی درج ہے۔ ”قاسم ایوب کے جو ادنیٰ طبقہ کے سرداروں میں تھا اور اعلیٰ درجہ پر پہنچ گیا تھا چند روز کے لئے اخشی کا حاکم مقرر کیا گیا۔“ ۱۲

۲۸۶۔ قیرگین یا قیراگین ۱۲

۲۸۷۔ یہ راستہ اسٹرا کے پہاڑوں کی گھاٹی میں ہے ۱۲

۲۸۸۔ چونکہ اس کے آدمی وہاں موجود تھے انہوں نے میرے قلعہ کو محفوظ کر لیا ۱۲

۲۸۹۔ جان لیڈن نے لفظ محصل کے ترجمہ میں کسٹرنٹ والے افسر لکھے ہیں ۱۲

۲۹۰۔ ۲۵ اگست ۱۳۹۹ء ۱۲

۲۹۱۔ ہاٹ سربنگ اور چینی ۱۲

۲۹۲۔ تقریباً ۱۰ بجے ۱۲

۲۹۳۔ پانی پر قبضہ کر لینے کے بعد وہ بہت دیر تک باہر نہ ٹھہر سکے ۱۲

۲۹۴۔ جان لیڈن نے متن میں اونچو اور نوٹ میں بحوالہ ترکی کے اونچو بھی لکھا ہے ۱۲

۲۹۵۔ یہ ایک مشہور راستہ ہے جو قبائین کے پاس ہے ۱۲

۲۹۶۔ عادی ۱۲

۲۹۷۔ یہ شعر اسی کی ایک مشہور غزل کا ہے ۱۲

۲۹۸۔ آقا کوئل یعنی سفید راستہ جو آق تاغ پہاڑوں میں ہے ۱۲

۲۹۹۔ ہمارے نسخے اور جان لیڈن کے ترجمہ میں تو قرا تیکین ہے اور قلمی نسخہ میں قیر تیکین ہے ۱۲

۳۰۰۔ یہ مقام حصار اور خٹکان کے شمالی اور فرمانہ کے جنوبی پہاڑوں میں ہے۔ جان لیڈن نے

نوٹ میں بحوالہ نسخہ ترکی جو مان بھی لکھا ہے ۱۲

۳۰۱۔ تورا کے معنی قاعدہ ہیں۔ یہاں مراد ان لوگوں سے معلوم ہوتی ہے جو ضابطہ اور قاعدہ لکھ

کے قائم رکھنے پر مقرر ہوں۔ اس موقع پر جان لیڈن نے بھی یوں ہی لفظ رہنی دیا ہے ۱۲

۳۰۲۔ کپکبک بیک یعنی (چھوٹا سردار) خواجہ کلاں کا بڑا بھائی ۱۲

۳۰۳۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں یہ فقرہ نہیں ہے ۱۲

۳۰۴۔ یہ میری لڑائی تھی ۱۲

۳۰۵۔ جاڑا مزار نے کا مقام ۱۲

۳۰۶۔ الالبیش ۱۲

۳۰۷۔ نشان بردار ۱۲

۳۰۸۔ جان لیڈن نے (رسد رسالوں) کا لفظ لکھا ہے ۱۲

۳۰۹۔ یہاں جان لیڈن نے (جوآنن توبق) کا ترجمہ (بیک مین) لکھا ہے ۱۲

۳۱۰۔ وہ شخص جو شہزادہ کی سرکار کا مختار کل ہو ۱۲

۳۱۱۔ داروغہ دیوان خانہ جس کو انگریزی میں جمیبر لین کہتے ہیں ۱۲

۳۱۲۔ بخراتا ۱۲

۳۱۳۔ اوزکند ۱۲

۳۱۴۔ ارچہ قد ۱۲

۳۱۵۔ نوکند۔ یہ مقام اوزکند اور کاشان کے درمیان میں مقام سر کے شہل میں ہے ۱۲

۳۱۶۔ نمسکان یا نمسکان ۱۲

۳۱۷۔ بچی ۱۲

۳۱۸۔ بچم ۱۲

۳۱۹۔ شیشاران ۱۲

۳۲۰۔ قلہ شیشاران میں اتر ۱۲

۳۲۱۔ آخر فروری ۱۵۵۰ء

۳۲۲۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ ترخانوں کا رسوخ اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ بہت مقتدر اور معتبر ہو گئے

تھے۔ بخارا کو دروست انہوں نے دیا لیا تھا۔ اس کی آمدنی میں سے کسی کو ایک جہ نہ دیتے تھے ۱۲

۳۲۳۔ محمد مزید ترخان اس منصوبہ کو نافذ کیا اور اپنے نوکروں چاکروں متعلقوں عزیزوں اور ان

سرداروں کو جو اس سے ملے ہوئے تھے جیسے سلطان حسین ارغون۔ ہر احمد۔ خواجہ حسین (اوزون)

حسن کا چھوٹا بھائی (قرا برلاس) صالح محمد اور بعض اور امراء اور سپاہیوں کو ساتھ لے کر شہر سے

باہر نکل آیا ۱۲

۳۲۴۔ خان مرزا جس کا نام ویس مرزا بھی تھا۔ سلطان محمود مرزا کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ اس کو

اس کے باپ کے مرنے کے بعد اس کی ماں اپنے بھائی کے پاس تاجکند لے گئی تھی ۱۲

۳۲۵۔ اوزکند ۱۲

۳۲۶۔ محن بابہ۔ مصلہ ۱۲

۳۲۷۔ جان لیڈن نے متن میں تو جس لکھا ہے اور حاشیہ میں (حسن) اور (حسین) لکھا ہے ۱۲

۳۲۸۔ جان لیڈن نے متن میں چٹان اور حاشیہ میں ظمین لکھا ہے۔ مسٹر مکلف نے خوبان ہی لکھا ہے۔ قلمی نسخے میں چوبان ہے ۱۲۔

۳۲۹۔ یار۔ ییلاق کا دارالملک یہی مقام ہے ۱۲

۳۳۰۔ جان لیڈن کے ہاں یہ فقرہ (اور مجھ سے اپنی خدمت گزاری کا اقرار کیا) بھی ہے ۱۳۔

۳۳۱۔ سرقہ کے شمل میں پہاڑوں کے اس طرف قلعہ ہے ۱۳۔

۳۳۲۔ لیکن شیبانی خاں اس کے باپ کا ملک لینے کے بعد سرقہ علی مرزا کو دے دے ۱۳

۳۳۳۔ مطابق ۲۸ جولائی ۱۵۰۰

۳۳۴۔ کاروزن ۱۲

۳۳۵۔ قبر ہے۔ جو خض بست مل دار اور مقدر ہوتا ہے وہ لفظ بے سے مخاطب کیا جاتا ہے اور سردار سمجھا جاتا ہے ۱۲

۳۳۶۔ قلمی نسخہ میں قبر لکین ہے۔ جان لیڈن کا خیال ہے کہ اس موقع پر باہر ملک کاشغر کے پہاڑوں میں سے گزرے ہوں گے پھر الاتاغ پہاڑوں کے مشرق میں گئے ہوں گے۔ یہ پہاڑ کاشغر اور قلعستان کو اوش اور کاشان وغیرہم سے جدا کرتے ہیں ۱۲

۳۳۷۔ جان لیڈن نے تین میں تو تالی کا نام نہیں لکھا مگر نوٹ میں فارسی نسخوں کے حوالہ سے لکھا ہے ۱۲۔

۳۳۸۔ جان لیڈن نے صرف سرہ تالی ہی لکھا ہے۔ ایابی نہیں لکھا ۱۲

۳۳۹۔ کھمرو کا پہاڑ ملک حصار کے نیچے کی جانب سے ترتق تک پہنچا ہے جہاں قزاق کے پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آتی ہیں۔ بابر بادشاہ ان پہاڑوں سے گزر کر اس ملک میں پہنچے جو چشمہ کوہک کے قریب اور یار۔ ییلاق کے کنارہ پر ہے ۱۲

۳۴۰۔ درہ کھمرو میں آکر ہم دریا کے اوپر چلے ۱۲

۳۴۱۔ جان لیڈن نے متن میں کستر لکھا ہے اور اپنے نوٹ میں بحوالہ مسٹر مکلف کسبد اور بحوالہ فارسی کسد اور کسد لکھا ہے۔ ایک اور قلمی نسخہ میں کسد ہے ۱۲

۳۴۲۔ بازدار خانہ ۱۲

۳۴۳۔ جان لیڈن نے متن میں نو سگراز لکھا ہے اور نوٹ میں لکھا ہے کہ یہ نام سگراز یا سگراز دونوں طرح کی بار لکھا جا چکا ہے۔ معلوم نہیں کہ دونوں میں سے کون سا صحیح ہے۔ جو نسخے فارسی

کے نام نے دیکھے ہیں ان میں ہر جگہ سغزار ہی لکھا دیکھا اور لفظ کی ترکیب سے بھی سغزار ہی صحیح معلوم ہوتا ہے یعنی وہ مقام جہاں کنکر پتھر بہت ہوں جیسے گزار وغیرہ ۱۲

۳۴۴۔ جان وفا مرزا ۱۲

۳۴۵۔ فارسی مہینوں میں سے ایک مہینے کا نام ۱۲

۳۴۶۔ تہارا شیخ تم کو صلاح دیتا ہے ۱۲

۳۴۷۔ جان لیڈن نے متن میں خیادان ہی لکھا ہے اور نوٹ میں خیابان بھی لکھا ہے۔ یہ نقل سفاک کے پاس ایک گاؤں ہے ۱۲

۳۴۸۔ جان لیڈن کے ہاں یہ عبارت ہے (اس وقت وہ بہت خوش ہوئے۔ ان میں اور میرے آدمیوں باہم بڑی گرم جوشی سے مبارک سلامت ہونے لگی) ۱۲

۳۴۹۔ طویلہ کا داروغہ ۱۲

۳۵۰۔ طویلہ کا داروغہ ۱۲

۳۵۱۔ کوؤں کا باغ ۱۲

۳۵۲۔ اس مادہ میں ۹۰۵ء نکلتے ہیں۔ حالانکہ ۹۰۶ء کے تحت میں یہ واقعہ لکھا ہے۔ غالباً اوپر کے کسی مصرعہ میں صحیحہ ہو گا ۱۲

۳۵۳۔ اسی زمانہ میں شیبانی خاں کے بال بچے معہ ایسے عمدہ اسباب و سامان کے جیسے کہ ازبکوں کے ہوتے ہیں ترکستان سے آئے ۱۲

۳۵۴۔ میاں کار یا میاں کال۔ یہ ملک دیوبند کے قریب کوہک کے دونوں جانب واقع ہے ۱۲

۳۵۵۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں خزار اور قرشی شہر سبز کے جنوب و مغرب میں ہے ۱۲

۳۵۶۔ قراکول بخارا کے جنوب مغرب میں ہے ۱۲

۳۵۷۔ یعنی سگی اور سوتیلی مائیں ۱۲

۳۵۸۔ یہ شخص سلطان حسین مرزا کے زمانہ سلطنت میں ایک نامور سردار تھا جو شعراء اور اہل ہنر کا ایسا بڑا قدردان تھا کہ ان کا سر پرست سمجھا جاتا ہے۔ خود بھی شاعر اور مست تھا۔ اس کا مفصل حال سلطان حسین مرزا کے حالات میں لکھا گیا ہے ۱۲

۳۵۹۔ نوا۔ یہاں کسی شر وغیرہ سے مراد نہیں ہے بلکہ اس علم موسیقی کے مقامات میں سے ایک

نغمہ ہے جو توران وغیرہ میں برتا جاتا ہے ۱۲

۳۶۰۔ فارسی میں بھی اور اردو میں بھی اکثر اصل لفظوں کے ساتھ ان کے مسملات لگا دیتے ہیں

جیسے فارسی میں غلہ ملے۔ اردو میں غلہ دلے۔ ملے جو غلہ کا اسم ہے وہ ایک قسم کا کپڑا بھی ہوتا ہے جس کا کاریزی رنگ ہوتا ہے۔ پس شاعر کہتا ہے کہ میرے پاس غلہ ملے کچھ بھی نہیں ہے۔ اس میں لطف یہ نکلا کہ اصل غلہ ہے نہ ممل غلہ یعنی بگڑا ہوا ۱۲

۳۶۷۔ مطابق ۲۰ اپریل ۱۵۰۱ء ۱۲

۳۶۸۔ قریب ۱۲

۳۶۹۔ جان لیڈن نے متن میں (سید محمد دغلت میر کا بیٹا) اور نوٹ میں (میرزا) لکھا ہے ۱۲

۳۷۰۔ دہلی ۱۲

۳۷۱۔ جان لیڈن فی ساہنہ لدوز لکھا ہے۔ یہ آٹھ ستاروں کا نام ہے ۱۲

۳۷۲۔ حیدر قاسم ۱۲

۳۷۳۔ اور بشکل ان میں سے کچھ میرے ساتھ رہ گئے ۱۲

۳۷۴۔ دوبارہ سب سانوں نے ہو گئے اور حملہ کیا۔ دشمن کی فوج کے اس حصہ نے جو اسی وقت

ہمارے عقب پر چڑھ آیا تھا ہماری فوجوں پر تیر برسے شروع کئے ۱۲

۳۷۵۔ تولد۔ دشمن کے ہازو کی طرف ۱۲

۳۷۶۔ قلمی نسخہ میں "ایک مگر بھر" لکھا ہے ۱۲

۳۷۷۔ محمد درویش خاں مطبوعہ نسخہ ۱۲

۳۷۸۔ خاکہ کوکلاش ۱۲

۳۷۹۔ بشاغری ۱۲

۳۸۰۔ سفید خیمہ ایک قسم کا پبلک خیمہ ہوتا تھا جو ہیڈ کوارٹر میں نصب کیا جاتا تھا ۱۲

۳۸۱۔ شتر گردن (اونٹ کی گردن) اس مقام کو کہتے ہیں جہاں نیچے سے اوپر کی طرف پانی چڑھے

اور چڑھ کر دوسری طرف جاری ہو جائے۔ جیسے دلی کے قلعہ میں ہے اور وہاں اس کو شتر گلو کہتے

ہیں ۱۲

۳۸۲۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں "میں" کا لفظ نہیں ہے ۱۲

۳۸۳۔ دھوبلی واڑہ دروازہ۔ سوئی والوں کا دروازہ ۱۲

۳۸۴۔ لوہاروں کا دروازہ ۱۲

۳۸۵۔ جان لیڈن نے یہ فقرہ اور لکھا ہے (حملہ بالکل بیکار ہو گیا) ۱۲

۳۸۶۔ سیاہ لکڑی ۱۲

۳۸۱۔ اطراف کے تمام شہزادوں اور سرداروں ۱۲

۳۸۲۔ ۱۷ جولائی ۱۵۰۱ء ۱۲

۳۸۳۔ غار عاشقان کے نواح ۱۲

۳۸۴۔ بچی گلی ۱۲

۳۸۵۔ اوزون حسن بن خواجہ حسین ۱۲

۳۸۶۔ یہ تو مجمل ہے اور جان لیڈن نے کھول کر لکھا ہے کہ شر خالی کر دینے پر صلح کر لی ۱۲

۳۸۷۔ چوگنا خلیفہ ۱۲

۳۸۸۔ مشکلیق ۱۲

۳۸۹۔ خردک ۱۲

۳۹۰۔ جان لیڈن کے متن میں ذرک اور نوٹ میں جریخ لکھا ہے ۱۲

۳۹۱۔ اس زمانہ میں حافظ محمد بیگ دولہائی کا بیٹا طاہر دولہائی وہاں کا حاکم تھا ۱۲

۳۹۲۔ پشاور ۱۲

۳۹۳۔ خوب نگار خانم سلطان محمد حسین کورگان دوعلت کی بیوی تھیں جس کے پاس اس وقت اور

۱۲

۳۹۴۔ خلق نگار خانم ۱۲

۳۹۵۔ یونس خان ۱۲

۳۹۶۔ یعنی سوتیلی مائیں ۱۲

۳۹۷۔ سلطان محمود مرزا کی بیوی اور شاہ بیگم کی بیٹی ۱۲

۳۹۸۔ شاہ بیگم کی سب میں چھوٹی بیٹی ۱۲

۳۹۹۔ سلطان احمد مرزا سابق بادشاہ سمرقند کی بیوی ۱۲

۴۰۰۔ خواجہ کا خواجہ ۱۲

۴۰۱۔ قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں اس جائے بکت اور د بکت لکھا ہے عمر انبی نسخوں میں اول

د بکت لکھا تھا اور جان لیڈن کے ترجمہ میں سب جگہ د بکت ہی لکھا ہے اس لئے میرے نزدیک

د بکت ہی صحیح ہے ۱۲

۴۰۲۔ یہاں کے تاجیک کسان یا گنوار ہیں۔ ان کی زبان فارسی ہے۔ یہ لوگ ان کی اولاد میں سے

ہیں جو اگلے ترکوں کے حملوں سے پیشتر یہاں رہتے تھے ۱۲

۳۰۳۔ نویان کو کلاش اس وقت حضرت کے ہمراہ تھا ۱۲

۳۰۴۔ پورویش وہ جنگل ہے جو کند بادام اور بجنہ کے بیچ میں مرغینان کے مغرب میں ہے اور جنوں کو ۱ کے بیٹے جھکڑ پٹے رہتے ہیں۔ اس کا منسل بیان قصبہ کند بادام کے ذکر میں لکھا گیا ہے ۱۲

۳۰۵۔ جان لیڈن نے شاہرخیہ لکھا ہے ۱۲

۳۰۶۔ اجری ۱۲

۳۰۷۔ راستہ سے ۱۲

۳۰۸۔ جان لیڈن میں یہاں یہ فقرہ ہے (گھوڑوں کی دموں کے نو نشان اس کے سامنے کھڑے کئے) یہ جھنڈے قطاس سے اس طرح بنائے جاتے ہیں کہ مثلث جھنڈے پر قطاس کو باندھتے ہیں۔ قطاس پہاڑی گائے بیل کی دم کا ہوتا ہے یہ دم بالکل گھوڑے کی دم کے مشابہ ہوتی ہے۔ جس گائے یا بیل کی یہ دم ہے اس کی پیٹھ اور پیٹ پر جھنڈوں اور لمبے بال ہوتے ہیں۔ اس دم کو کبھی گھوڑوں کی گردن میں آرائش یا رتبہ کے نشان کے لئے لٹکاتے ہیں۔ یہ پہاڑی گائے یا بیل ایسا طاقتور ہوتا ہے کہ اکثر پہاڑی لوگ ان پہاڑی ٹھوں سے جو زور سے گرتے ہیں اس کی دم پکڑ کر پار ہو جاتے ہیں۔ غالباً جس طرح ہندوستان میں بعض جھنڈوں پر مور کے پر باندھتے ہیں اسی طرح مغل ان جھنڈوں پر گائے کی دم باندھتے ہوں گے اور اس کو قطاس کہتے ہوں گے ۱۲

۳۰۹۔ سلطان محمود خاں کا بیٹا ۱۲

۳۱۰۔ یہ ایک طرح کا شکار ہے جو سردار اور بادشاہ بڑی شان و شوکت سے کھیلا کرتے تھے۔ اس میں کبھی کبھی میل کا حلقہ باندھا جاتا تھا اس شکار کا بیان چنگیز خاں اور امیر تیمور کی تاریخوں میں لکھا ہے ۱۲

۳۱۱۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں (جان قلی) بیان قلی اور سلطان محمود دیکھ لکھا ہے ۱۲

۳۱۲۔ شہل چین ۱۲

۳۱۳۔ ایک فارسی نسخہ میں یہ ہے (پھر میرا خیال پورا ہو جائے گا) ۱۲

۳۱۴۔ سونے کے تاروں کا کام شاید اس سے مراد کار چوبی یا زردوزی کام ہو ۱۲

۳۱۵۔ ہندوستان میں کبیری اور عطر دان دونوں چیزیں لٹکاتے ہیں۔ یہ اصل میں ہم مغلوں ہی کا رواج ہے۔ بنوا گئے میں لٹکانے کی رسم بھی وہیں کی ہے ۱۲

۳۱۶۔ یازانو کے بل بیٹھے ۱۲

۳۱۷۔ شش پر (ایک قسم کا عصا ہے جس کے پھ پھلو ہوتے ہیں) پیازی (یہ بھی عصا ہے جو

- نہایت سخت ہوتا ہے) کبسن (ایک قسم کی برہمچی ہے) تمرزن (وہ بولا جو لڑائی کا ہتھیار ہے)
- تہریشہ (کھاڑا) ۱۲
- ۳۱۸۔ نسخہ مطبوعہ میں تہریشہ ہے ۱۲
- ۳۱۹۔ بانی کے راستہ سے ۱۲
- ۳۲۰۔ روشہ الصفا میں لکھا ہے کہ دونوں خان نے ۱۵ محرم مطابق ۲۱ جولائی ۱۵۵۲ء میں تاشقند چھوڑا تھا۔ یہ روایتی باہر کی حمایت اور تہل کے دفعہ کرنے کے لئے تھی ۱۲
- ۳۲۱۔ ڈایاں ۱۲
- ۳۲۲۔ جان لیڈن نے (دزقان اور قرمان) لکھا ہے۔ قلمی نسخہ میں زیرمان اور گرمان لکھا ہے ۱۲
- ۳۲۳۔ قرمان ۱۲
- ۳۲۴۔ قریب ۱۲
- ۳۲۵۔ بارین
- ۳۲۶۔ جان لیڈن کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد حساری دغلت وغیرہ تینوں دغلت تو سارے ہوئے مگر ان کی قوم ہمراہ نہیں آئی ۱۲
- ۳۲۷۔ زرد سر ۱۲
- ۳۲۸۔ خان ماں وکارن ۱۲
- ۳۲۹۔ قرمان ۱۲
- ۳۳۰۔ شقان ۱۲
- ۳۳۱۔ رباط الابلوق ۱۲
- ۳۳۲۔ اوزکند
- ۳۳۳۔ قرمان
- ۳۳۴۔ جان لیڈن نے متن میں (جلد خزان) اور نوٹ میں بحوالہ ترجمہ فارسی چل دختران لکھا ہے ۱۲
- ۳۳۵۔ وہ قارہ جو فوج کے ساتھ گھوڑے پر ہوتا ہے ۱۲
- ۳۳۶۔ خراپوک۔ جان لیڈن نے دونوں نام یہ لکھے ہیں (خراپوک و شباسوم) ۱۲
- ۳۳۷۔ محمد علی مبشر ۱۲
- ۳۳۸۔ نیلیبہ (نسخہ مطبوعہ) ۱۲

- ۳۳۹۔ شتوت بن۔ توت معنی شتوت۔ لوق معنی بن ۴
- ۳۴۰۔ جان لیڈن نے یہ فقرہ یوں لکھا ہے۔ (اند جان کی طرف فوج کی ایک رسد رسوں
ککڑی روانہ کی) ۴
- ۳۴۱۔ خاکن، جاکن ۴
- ۳۴۲۔ نبلیہ ۴
- ۳۴۳۔ زورق ۴
- ۳۴۴۔ اگرچہ ہم سن چکے تھے کہ تنبل بریلو ہو گیا ہے اور اند جان کی طرف بھاگ گیا
ہے ۴
- ۳۴۵۔ زورق ۴
- ۳۴۶۔ اریغ جاکن شلہ ۴ الفغ خاکن شلہ ۴
- ۳۴۷۔ قرالوک ۴ خرالوق ۴
- ۳۴۸۔ گگیرمن یعنی پرندوں کی چکی ۴
- ۳۴۹۔ یعنی خانقہ پاپا توکل ۴
- ۳۵۰۔ جان لیڈن میں یہ فقرہ یوں ہے (خان نے اپنے خاص جراح کو میرے زخم کے
معائنہ کے لئے بھیجا ہو) ۴
- ۳۵۱۔ بخش ۴
- ۳۵۲۔ جیسے رگیں ہوتی ہیں ایسی دوا ایک مرتبہ کھائی ۴
- ۳۵۳۔ جان حسین مرزا ۴
- ۳۵۴۔ بازین ۴
- ۳۵۵۔ قاربوق ۴
- ۳۵۶۔ پاپ ۴
- ۳۵۷۔ شاید یہ دریا دریائے کاشان ہو گا ۴
- ۳۵۸۔ قاسم جانگہ ارغون ۴
- ۳۵۹۔ ابراہیم چاروق ۴
- ۳۶۰۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کھلا ہوا ہے چار دیواری قلعہ کے پہلو میں ہو گا ۴
- ۳۶۱۔ فارسی نسخوں کی عبارت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے جو ہم نے ترجمہ کیا ہے۔ مگر

جان لیڈن نے یوں ترجمہ کیا ہے (کلل نامی ایک خدمت گار جو مرل سے گھوڑے پر سوار تھا) ۳۶۲

۳۶۳۔ باقی خیز ۳

۳۶۴۔ شہدار حاکم ضلع ہوتا تھا۔ مگر وہ فوجی حاکم بھی ہوتا تھا ۳

۳۶۵۔ جان لیڈن نے لکھا ہے کہ دیوڑی کے مقام پر عمدہ کام کیا تھا ۳

۳۶۶۔ قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں خان قلی اور بیان قلی دو آدمی لکھے ہیں۔ اور جان

لیڈن نے ہمارے مطابق ایک کا نام لکھا ہے چنانچہ آگے بھی ایسا ہی ہے ۳

۳۶۷۔ جب ہم سنگ سے نکل گئے تو دشمنوں کے زیادہ آدمی پیچھا کرتے ہوئے نظر نہ

آئے ۳

۳۶۸۔ تنگ راستہ ۳

۳۶۹۔ خان قلی ۳

۳۷۰۔ معلوم نہیں کہ اس درہ کا نام کشلو ہے یا کشلو اس کی صفت کسی ہے۔ اوپر کے

بیان سے دونوں باتیں پائی جاتی ہیں ۳

۳۷۱۔ کرمان ۳

۳۷۲۔ توٹی۔ شکاری ۳

۳۷۳۔ چنیا ۳

۳۷۴۔ ضیاء الملک والدین امیر عبدالرحمن خان والی کلل کی سوانح عمری ہمارے زمانہ میں

لکھی گئی ہے۔ اس کے ضمیمہ سوم میں امیر محمود اور گورنمنٹ ہند کی خط کتابت جو

۱۸۹۷ء میں ہوئی ہے درج ہے ان پٹھیوں میں گلن۔ تنگہار لکھا ہے ۳

۳۷۵۔ سرقت اول ۹۰۳ھ میں فتح کیا ہے اور پھر دوسری بار ۹۰۶ھ میں فتح کیا ہے ۳

۳۷۶۔ یہ مشہور قصبہ دلی سے تقریباً چالیس کوس مغرب میں ہے اور تاریخی اعتبار سے

بدیں درجہ مشہور مقام ہے کہ اس میں کئی بڑی لڑائیاں ہوئی ہیں جن میں سے ایک

حضرت بابر کی بھی معرکہ آرائی ہے اور نیز ۱۸۵۷ء میں انگریزی فوج بھی دلی پر چڑھائی

کرنے کے لئے اسی طرف سے آئی تھی ۳

۳۷۷۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ ہیرا سلطان ابراہیم کی ضعیفہ ماں نے قلعہ دلی

میں شہزادہ ہمایوں کی نذر کیا۔ یہی ہیرا کوہ نور کے نام سے مشہور ہے۔ مغلیہ دربار سے

رنجیت سنگھ والی لاہور کے پاس پہنچا اور وہاں سے ملکہ معظمہ و سکوریا قیصر ہند کے ہاتھ
 لگا۔ اب تک یہ ہیرا ۱۱ لکھ مموء کے مشکوئے دولت میں ہے ۳
 ۷۷۷۔ ۱۔ معطوم ہوتا ہے یہ فقرہ مترجم فارسی کا ہے ۴

ہماری دیگر کتب

- تاریخ طبری (مع اشاریہ)
- علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری
- تاریخ ابن خلدون (مع اشاریہ)
- علامہ عبدالرحمن ابن خلدون
- مقدمہ ابن خلدون
- ترجمہ عبدالرحمن دہلوی
- تذکرہ بہادران اسلام
- فقیر کرم الہی صوفی
- پنجاب تمدنی و معاشرتی جائزہ
- ڈاکٹر انجم رحمانی
- کتاب الہند
- ابوریحان البیرونی
- جنگ آزادی 1857ء
- خورشید مصطفیٰ رضوی
- سید امیر علی
- تاریخ اسلام
- محمد اکبر شاہ نجیب آبادی
- تاریخ اسلام (مکمل)
- نور احمد چشتی
- تحقیقات چشتی
- ثقافت سرحد (تاریخ کے آئینے میں)
- قاری جاوید اقبال
- وادی سون سکسر (تاریخ، تہذیب و ثقافت)
- محمد سرور خان اعوان
- جغرافیہ عالم اسلام
- پروفیسر ماجد حسین
- پنجاب کی عورت
- ارشاد احمد پنجابی
- پنجاب کا مرد
- ارشاد احمد پنجابی
- ملتان اور سلسلہ سہروردیہ
- ڈاکٹر محمد نفیس ابٹسام

